يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ

ترجمہ: اللہ پلٹتا رہتا ہے رات اور دن، تحقیق اسمیں اہل بصیرت کے لئے غور کی جگہ ہے

صوبۂ مالوہ اور راجگان و سلاطین مالوہ کے تاریخی حالات کے ساتھ شہر سرونج
واقعہ مالوہ متعلقہ ریاست ٹونک کا جغرافیئی تاریخی مفصّل تذکرہ

موسوم بہ

آثارِ مالوہ

مادّہ تکمیل تاریخ	مادّہ آغازِ ترتیب
مجموعۃ النظر	سُراغِ مالوہ
۱۳۴۵ھ	۱۳۴۳ھ

از تالیفِ لطیف مورّخِ مالوہ جناب منشی سیّد احمد مرتضیٰ صاحب نظرؔ قطبی النصیر آبادی، معافیدار و وکیل عدالتہائے ریاست ٹونک مقیم ضلع سرونج (مالوہ) ریاست ٹونک

خواجہ بکڈپو برقی پریس دہلی

قیمت فی جلد تین روپے (سے)

انتساب

نازم بہ انتساب نمکخواری خلیل
شادم کہ ایں کتاب بعہدش تمام شد

(خلیل تخلص فرمانروائے ریاست ٹونک)

میں ناچیز اپنے ان اوراقِ پریشان کو حضور پر نور امین الدولہ وزیر الملک نواب حافظ **محمد ابراہیم علی خاں** بہادر صولت جنگ جی سی، آئی، ای، جی سی، ایس، آئی، فرمانروائے ٹونک دام ملکہ و اقبالہ کے نامِ نامی سے، (ان رشحاتِ کرم کی بہار آفریں یادگار میں جن کی طرب انگیز تاثیر سے چمنستانِ صحافت گلریز، اور اربابِ قلم کے نہالِ امید ثمر خیز ہیں) عمیق حسن عقیدت کے ساتھ معنون کرتا ہوں

گر جلوۂ نگاہِ قبولش دہد فروغ — باشد، بآفتاب رسد نورِ احترام

(از مؤلف)

احقر سید احمد مرتضےٰ نظر

آراء

تبصرہ و تعارف از منشی شیخ واحد علی صاحب انصاری ملکانوی متخلص بہ زار حال گرداور قانون گو پرگنہ سرونج ریاست ٹونک

بعنوان خیال خویش، با بد جادہ پیمودن ٭ تا ال تا کجا، پائے قلم رانیز جنبانی (زار)

فنِ تاریخ جسقدر مشکل ہے، اسیقدر کار آمد بھی ہے، مورخین کی مساعیِ جمیلہ شکریہ کی مستحق ہیں جنہوں نے عمیق تلاش سخت محنت، ممالک کی سیاحت، اور کثیر مصارف برداشت کرنیکے بعد تاریخی تحقیقات کا اسقدر کافی ذخیرہ بہم پہنچا دیا ہے، کہ قدیم زمانہ کے تمام تاریک مطالع منور ہو چکے ہیں، کرۂ ارضی کی مخلوق میں اگر اکتسابی قابلیت ہے تو گھر بیٹھے افصائے عالم کی سیر، اور اہل علم و کمالات کے خیالات سے فائدہ اٹھا سکتی ہے، تاریخی دشوار گذار میدان میں صاحب آثار مالوہ کا قلم بھی اولوالعزمانہ ارادوں کے ساتھ انگار آفریں رفتار دکھانے کو اترتا ہے اور صرف ۳۰ مہینہ میں ایک سرونج کی خاطر ہندوستان کے تمام صوبجات قدیم و جدید کو نگاہ تحقیق سے دیکھتا ہوا، مالوہ کی حدود میں پہنچکر دم لیتا ہے، مگر ابھی تسخیر مضامین سے پیاس نہیں بجھتی، اور آگے بڑھتا ہے اور بڑھکر مرکز مقصود سرونج پر قبضہ کرتا ہے، پھر بھی اپنی ہمت کے ولولہ انگیز ارادوں سے مشورہ کرتے ہوئے چاروں طرف معنی خیز نگاہیں ڈالتا ہے، کہ اب فتوحات کی تکمیل میں کیا کسر باقی ہے، تاریخی مضامین، صف بہ صف سامنے حاضر ہو کر مکمل کامیابی کا مژدہ سناتے ہیں، مؤلف کا قلم الحمدللہ کہکر سربسجود ہو جاتا ہے سجدہ سے سر اٹھاتا ہے تو فاتح کی زبان سے بار بار یہ مصرع سننے میں آتا ہے۔ ع

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

کہنے کو تو اس کتاب اور اسکی جامعیت پر چند سطریں اور چند منٹ میں مختصر سی تقریظ لکھدی گئی مگر ناقابل معافی جرم ہوگا، اگر مؤلف کی محنت، مؤلف کی کاوش دماغ، مؤلف کی تحقیقات، مؤلف کی انشاپردازی، مؤلف کی تاریخی معلومات، اور مؤلف کی مصروفیتوں کا تذکرہ نہ کیا جائے۔، اعتراض آسان ہے، لیکن کوئی صاحب تاریخ کے دل سے پوچھے کہ عرصۂ صحافت میں آپ پر کیا گذری، مؤلف اس کا جواب جب اپنی زبان میں داستان دردآگیں کیساتھ بیان کریگا تو وہ الفاظ سننے کے قابل ہونگے، ورنہ بقول مؤلف۔

وہ کیا جانیں کہ دل دیکر کسی پر کیا گذرتی ہے — دیا ہوتا کسی کو دل تو کرتے قدر بھی دل کی (مؤلف)

میں مؤلف کتاب کا ابتدائی زمانہ سے ہم جلیس رہا ہوں اور آج بھی وہی نسبت ہے اوائل عمر میں کم دماغ ایسے ہوتے ہیں، جنکو اسلاف کے کارناموں، اور گذشتہ تمدنی حالات معلوم کرنے کا شوق رہا ہو یا جنھیں مستقبل کی امتیازی روئداد پر توجہ رہی ہو، جہانتک مجھے یاد ہے، مؤلف کا ابتدا سے علمی، ادبی، تاریخی اور اخلاقی کتابوں کا عمیق مطالعہ مشغلہ رہا ہے شعر و سخن کا شوق فطرتی ہے۔ ذہانت، طباعی، اور جودت کے ساتھ مضامین نگاری اور برجستہ شعر گوئی میں اپنے تمام معاصرین سے ہمیشہ ممتاز رہے ہیں۔ سرکاری دفاتر اور قانون داں اصحاب کی جماعت میں بھی انکی قابلیت کا سکہ بیٹھا ہوا ہے، یہی قدرتی اوصاف تھے کہ جو آج آثار مالوہ میں گوہر بیدا بنکر درخشاں نظر آتے ہیں، مؤلف کے مضامین نظم و نثر سے غالباً اخباری دنیا بھی ناواقف نہ ہوگی، میں ڈیڑھ دو سال تک مؤلف کے تاریخ نگاری انہماک کو دیکھتا رہا ہوں، اور جن حالات و مشاغل میں کتاب مرتب ہوئی ہے، اسکی تکمیل حقیقتاً ایک معجزہ ہے، جسکا منظر قابل ملاحظہ ہے، مؤلف کی عمر ۵۲ سال سے اوپر گذر گئی ہے، عیالداری، فکر معاش، قلمی معاونین کا فقدان، اور وکالت کی اہم ذمہ داریوں کے باوجود، دماغ ماشاء اللہ اسوقت تک قوی اور صحیح ہے، جسکو میں تعجب آمیز مسرت کی نظر سے دیکھتا ہوں، تعطیلات کے ایام میں، مؤلف سوادِ شہر اور دیہات میں پھرتے ہوئے اور ذرہ ذرہ سے حقیقتِ شعاع آفتاب، تلاش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، غیر تعطیل کے دنوں میں مؤلف کا کمرہ ہے اور ہاتھ میں قلم ہے، سامنے بیسیوں کتابیں کھلی ہوئی ہیں، ایک سطر لکھی ہے کہ گھر کے اندر سے بچے دوڑتے ہوئے آتے ہیں۔ کوئی گود میں بیٹھتا ہے، اور کوئی ضروریات کا اظہار کرتا ہے مؤلف توجہ سے سنتے ہیں۔ اور خانگی انتظام کو مکمل کرکے پھر دو چار سطریں لکھتے ہیں۔ کہ محرر صاحب تشریف لاتے ہیں، اور کہنا شروع کرتے ہیں کہ فلاں فلاں مقدمات کی پیشی ہے، تاریخ نگاری کا قلم رکھدیا جاتا ہے، اور قانون کی کتابیں سامنے آتی ہیں، مباحث قانون کا دور شروع ہو جاتا ہے، مسودات لکھے جاتے ہیں، اتنے میں دفتر کا وقت آگیا اور عدالت چلے گئے، پچھلا دن ہوا، کمرہ میں بیٹھکر پھر تاریخ کی ترتیب میں مصروف ہیں، اتنے میں احباب کی اور موکلوں کی آمد شروع ہوگئی، خندہ پیشانی کے ساتھ سب سے گفتگو کی، اور اپنے مشاغل میں مصروف ہوگئے، مہینوں، روزانہ

یہ حالت ان آنکھوں سے دیکھی ہے، مورخین انصاف کریں کیا ان موانعات میں مورخ کا دماغ صحیح رہ سکتا ہرگز نہیں، تصنیف و تالیف کا کام، یکسوئی، فراغت، اور دلجمعی کا ہے، مجھکو اپنے مشاہدات کی رد سے تکمیل کتاب میں مایوسی تھی، لیکن حق یہ ہے کہ صاحب کتاب آثار مالوہ کا یہ کارنامہ اُنکی ذہانت اور طباعی کا قابل قدر کارنامہ ہے جس پر وہ مبارکباد کے مستحق ہیں، ع اللہ کرے حُسن رقم اور زیادہ

اور بقول مؤلف کے سچ یہ ہے،

اُسکو قسمت میں ملا سوز، ملا مجھکو گداز — تیرے دیوانے سے نسبت نہیں پروانے کو (مؤلف)

کتاب جس جامعیت اور مورخانہ تنقید کے ساتھ، برداشتہ قلم سلیس اردو، انشا پردازی میں مرتب ہوئی ہے، وہ کتاب کے عنوانات اور انکی تفاصیل سے ظاہر ہے، سرونج کے متعلق کوئی ایسا بیان نہیں جو مؤلف کے قلم سے رہ گیا ہو، کوئی ایسی روایت نہیں جس پر مورخانہ نقد و تبصرہ نہو، بہرحال مؤلف کا قلم شکریہ کا مستحق ہے، جسنے سرونج کو تاریخی و ادبی دنیا کے سامنے ایک تر و تازہ گلدستہ کی صورت میں پیش کیا، اور جو کام برسوں کا تھا وہ مہینوں میں انجام دیا ہے، میں، مؤلف کی غیر متوقع کامیابی پر دلی مسرت کا اظہار کرتا ہوا، کتاب کے حُسن قبول کیلئے دعا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ مؤلف اپنے دیگر مکمل اور غیر مکمل مسودات پر نظر ثانی کرکے اونکی طباعت کیطرف بھی توجہ کرینگے، جس سے اُنکے یادگاری نقش و نگار میں مزید اضافہ ہو جائیگا، فقط مرقوم یکم جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ مطابق ۷ دسمبر ۱۹۲۶ء

واحد علی انصاری، ملکانوی مقام سرونج ـ ٹونک ـ اسٹیٹ

از اجلاس نجم الامرا احتشام الملک جناب حافظ، حاجی، قاری، مولوی، صاحبزادہ محمد عبد الوہاب خانصاحب بہادر صفدر جنگ برادر حضور نواب صاحب بہادر والی ریاست ٹونک ممبر کونسل عالیہ صیغۂ فنانشل

کتاب (آثار مالوہ) مؤلفہ منشی سید احمد مرتضی المتخلص بہ نظر وکیل عدالتہائے ٹونک مقیم سرونج کو ہم نے ملاحظہ کیا، اسمیں شک نہیں کہ قابل مؤلف نے تاریخی واقعات و حالات کے بہم پہنچانے میں اور اُسکو باقاعدہ خاص

لیاقت کے ساتھ ترتیب دینے میں پوری محنت و دماغ خراشی جانکاہی و دقیق نظری سے کام لیا ہے، کتاب کو ابتدا سے انتہا تک بامحاورہ اردو زبان میں تاریخی معیار و درایت کے اصول پر مدوّن کیا ہے اور وہ فی الحقیقت حسنِ کلام اور پیرایہ ادا کے لحاظ سے زبان ادب کا ایک بہترین نمونہ ہے، اور واقعات تاریخی کے اعتبار سے معلومات کا ایک بے بہا گنجینہ ہے، فٹ نوٹ کے ذریعہ سے جو تشریحات و تفصیلات کی گئی ہیں اُس سے اور بھی حسن کتاب دوبالا ہوگیا ہے، مؤلف کی مورخانہ تحقیقات، اور قابلانہ محنت اسوجہ سے اور قابلِ تعریف اور لائق قدر ہے کہ باوجود دیگر ضروری مشاغل کے ایک معتدبہ ضخیم کتاب کو ڈھائی سال کی مدت میں تیار و مکمل کرکے سرکار عالی دام اقبالہ کی پیشگاہ میں پیش کردیا جسکو ملاحظہ فرماکر سرکار عالی دام اقبالہ نے بھی بنظر پسندیدگی و قبولیت مؤلف کی محنت اور جگر خراشی کی تعریف فرمائی، اور اس تاریخی خدمت کے صلہ میں اراضی معافی بھی عطا فرمائی، اور ہم بھی مؤلف کی اس علمی خدمت و قابلِ قدر محنت سے محظوظ ہوکر اُسکو اس کامیابی پر مبارکباد دیتے ہیں۔ ۲۰ مئی ۱۹۲۷ء
مقام ٹونک۔ دستخط صاحبزادہ صاحب بہادر صفدر جنگ ممبر کونسل صیغہ فنانشل۔

از اثرِ خامۂ سحر نگار، ادیبِ روزگار جناب مولوی سید علی اصغر صاحب ناظم و مورخ نیماہیڑہ ریاست ٹونک، المخاطب بمعتمد خاص اعتماد اختصاص امیر الانشا، دبیر الملک بہادر

منشی سید احمد مرتضٰے صاحب نظر مصنف "آثار مالوہ" کو میں نے ۱۹۰۶ء میں (جبکہ میں سرونج کی نائب نظامت کے عہدہ پر مامور ہوگیا ہوا تھا) ایک خوش فکر شاعر ہونے کی حیثیت سے دیکھا، ادبی مجالس میں موصوف کو ہمیشہ دوسروں کے مقابلہ میں ممتاز پایا، اُسوقت سے موصوف کی قابلیت کی قدر و عزت میرے دل میں ہے۔

۱۹۲۲ء میں، میرے ناچیز قلم سے پرگنہ نیماہیڑہ کی ایک مختصر تاریخ نکلی جس نے نشر و اشاعت بھی حاصل کیا اسکے کچھ دنوں کے بعد ادیب مؤلف موصوف نے ایک خط کے ذریعہ سے اپنا سرونج کی تاریخ لکھنے کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے مجھ سے دوستانہ مشورہ کیا، جواب میں تاریخ نگاری کے خیال کی میں نے تائید کی اور لکھا کہ سرونج میں کتب خانہ نہیں باشندگان سرونج میں ذوق تاریخی نہیں، تاریخی مواد بہم پہنچانے کیلئے سفر اور سفر کیلئے روپیہ درکار ہے، ان مشکلات پر آپ جیسے قلیل المعاش و کثیر الاشتغال کا غالب آنا احتمال سے خالی

نہیں، تاہم میں امکانی امداد کیلئے ہر وقت تیار ہوں، اس خط و کتابت کے تقریباً تین سال بعد مئی ۱۹۲۷ء میں اتفاقاً لائق مورخ سے میری ٹونک میں ملاقات ہوئی، مسودہ کتاب "آثار مالوہ" میرے حوالے کرتے ہوئے اصرار کیا کہ میں شروع سے اخیر تک اُسے دیکھوں، تقریباً ایک ہفتہ میں مسودہ کو میں نے غور سے دیکھا۔ میری مسرت آمیز حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی کہ میں نے جس ہستی کو ۱۹۰۶ء میں اور اسکے بعد تک میدان شاعری میں ممتاز ترین شہسوار دیکھا تھا آج وہی ہستی تاریخ و واقعہ نگاری کے منازل میں بھی کامیابی کیساتھ گامزن ہے، مؤلف کو تسلیم، اور مجھے بھی اسکا علم ہے کہ یہ تاریخی کتاب قابل مصنف نے پہلی مرتبہ لکھی ہے اور جس شہر کی تاریخ ہے، یہ اُسکی بھی ابتدائی تاریخ ہے، ان دونوں باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے تاریخی ترتیب و تکمیل، طرز بیان، طریق استدلال، درایت کا اُصول، روایت کی تنقید، مشکلات کی پروا نہ کرنا اور اس پر غالب آنا قابل مؤلف کا ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے، جس پر میں موصوف کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں سچ ہے۔ ع

ہر کسے را بہر کارے ساختند

تمام عنوانات تاریخ پر نظر ڈالنے سے یہ ظاہر کرنا میرا فرض ہے کہ ریاستی دفاتر کیلئے اسکا فراہم کیا ہوا مواد بہت زیادہ مفید ہے، اور جن اصحاب کو ذوق تاریخی ہے، اُنکے لئے معلومات کا ذخیرہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ ریاست نے جس طرح مؤلف کو انکی محنت کا صلہ عطائے اراضی معافی کی صورت میں بخشا ہے، اسیطرح کتاب کی طباعت کے مصارف کا بار بھی ریاست اپنے ذمہ لیلے گی میں اپنے تمام دوستوں سے کتاب کی خریداری کی پُرزور سفارش کرتا ہوں فقط ۲۵ رمئی ۱۹۲۷ء مقام ٹونک۔

تقریظ اثر خامۂ فہیم الملک رفیق الامرا[1] جناب صاحبزادہ محمد عبد الصبور خاں صاحب بہادر احتشام جنگ - چیف مجسٹریٹ ٹونک اسٹیٹ

مولوی منشی سید احمد مرتضیٰ صاحب وکیل مؤلف "آثار مالوہ" میرے قدیم دوست ہیں موصوف کی عام قانونی قابلیت، ذہانت، ادبیت، انشا پردازی، زور قلم، اور اخلاقی و تاریخی کتب بینی کے مشاغل

[1] یہ خطاب آپ کو ۵۰ سالگرہ نواب سعید الدولہ بہادر والی ٹونک کی تقریب پر ۱۰ رصفر ۱۳۵۴ھ ۲۲ رمئی ۱۹۳۵ء کو عطا ہو کر ۱۵ رجون ۱۹۳۵ء کے گزٹ میں شائع ہوا۔ ۱۲ مؤلف

کا احساس و مشاہدہ کرتے ہوئے میں نے سرونج کی تاریخ نگاری کی طرف موصوف کو ضرور توجہ دلائی تھی۔
میرے قیام سرونج کے زمانہ میں (جبکہ میں بحیثیت سکنڈ مجسٹریٹ، اینڈ منصف وہاں مامور تھا) عملاً موصوف
تاریخ نگاری میں مصروف رہے، ترتیب کتاب کے دوران میں موصوف کو جو کچھ مشکلات پیش آئیں وہ سب
میرے علم و مشاہدہ میں ہیں، تاہم موصوف مشکلات سے مغلوب نہیں ہوئے، بلکہ غالب آکر کامیابی کے درجہ
تک پہنچے، ابتداء ہر چیز کی دقت طلب ہوا کرتی ہے، سرونج کی تاریخ اس سے پہلے مدوّن نہیں ہوئی
تھی، نہ ایسا تاریخ کا مواد جمع تھا کہ ترتیب تاریخ آسان ہوتی، اسلئے مؤلف کو درحقیقت موادِ تاریخی فراہم
کرنے میں سخت دشواریاں پیش آئیں، لیکن موصوف کی علمی قابلیت اور ہمت نے ایک معدوم شے کو
عالم وجود میں لاکر ثابت کر دیا کہ

الوالعزمانِ دانشمند جب کرنے پہ آتے ہیں　　سمندر پاٹتے ہیں کوہ سے دریا بہاتے ہیں

مجھکو موصوف کی بحیثیت وکالت۔ عدالتی کاموں کی مصروفیت دیکھکر کتاب کی تکمیل میں شبہ بھی تھا،
لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جبکہ ڈھائی سال کے اندر مؤلف نے مسوّدہ کتاب کو مکمل کر کے مجھے دکھلایا
اور جسکے مضامین کو اسوقت میں نے جستہ جستہ پڑھا، اور موصوف کو انکی کامیابی پر مبارکباد دی۔
اب کہ موصوف نے کتاب پر نظر ثانی کر کے بہت کچھ اسمیں مضامین کا اضافہ بھی کر دیا، اور عنقریب
کتاب پریس میں طباعت کے لئے جانیوالی ہے اسلئے میں نے موصوف کے اصرار سے کتاب کو شروع سے
اخیر تک بالاستیعاب دیکھا، درحقیقت کتاب کا مورخانہ طرز لائق تعریف ہے، موصوف نے اپنے خاص
انداز میں ادب کے رنگ کو بھی نمایاں کیا ہے، لیکن نہ اسقدر کہ مضامین تاریخ پر تاریکی کا پردہ پڑجائے
بیان کی سادگی و روانی، اور تاریخی واقعات کی ترتیب و تہذیب نے کتاب کو دلچسپ بنا دیا ہے، میں بلا تصنع
کتاب کے تمام محاسن پر نظر کرتے ہوئے کہونگا کہ اردو ادب میں اس کتاب نے مفید اضافہ کیا ہے۔
سرونج کے تاریخی حالات مُردہ تھے، مؤلف نے اپنے سحر نگار قلم سے اسمیں ایسی روح پھونکدی ہے کہ ہمیشہ
کیلئے سرونج کے قدیم تمدن اور اسکی اولوالعزم بانیوں اور حکمرانوں کے نام زندہ رہیں گے ؎

رہتا سخن سے نام ہے اے ذوق حشر تک　　اولاد سے تو بس یہی دو تین چار پشت

مزید خوبی یہ ہے کہ تمام ضروری عنوانات لئے گئے ہیں، اور ہر ایک عنوان کو تفصیل سے لکھا ہے، اہل علم اور شائقین تاریخ کے علاوہ ریاست کے دفاتر کیلئے کتاب کے خاص خاص مضامین بیحد مفید ہیں، ایک نئی بات کتاب میں یہ بھی نظر سے گذری ہے کہ جہاں جہاں شعر درج ہیں، وہاں صاحبان اشعار کے نام بھی لکھدیئے ہیں۔ یہ بات مؤلف کے قوی الحافظہ ہونیکی دلیل ہے، بہرحال میں مؤلف کو مبارکباد دیتا ہوں کہ وہ عام مورخین سے پیچھے نہیں رہے، سرکار مرحوم نواب امین الدولہ بہادر جنت آرام گاہ نے کتاب کو دیکھکر اور پڑھکر جس شاہانہ قدردانی کا اظہار مؤلف کے ساتھ فرمایا تھا، وہ میرے علم میں ہے۔ اخیر میں دعا کرتا ہوں کہ میرے دوست مؤلف کتاب کی اس خدمت کو اللہ تعالےٰ قبول فرماکر اجر عظیم عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

خاکسار محمد عبدالصبور خاں مجسٹریٹ ٹونک۔ مورخہ ۴ جون ۱۹۳۶ء مطابق ۱۳ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ

ریویو

منجانب منتظم الریاست معتمد الملک جناب منشی شیخ **محمد یوسف** صاحب بہادر سعید جنگ بی اے
مہتمم خاص دربار عالی وقار ٹونک اسٹیٹ

کتاب "آثار مالوہ" کو میں نے شروع سے اخیر تک دیکھا جسکو مولوی سید احمد مرتضیٰ صاحب نظر وکیل سرونج کے سحر نگار قلم نے اسکو تاریخی نقش و نگار سے آراستہ کیا ہے، عموماً جابجا مفید مضامین خصوصاً انتظامی باب میں تفصیل نظام اور انقلاب حکومت کے عنوان میں معرکہ رزم کی تصویر کھینچکر تاریخ کو دلچسپ بنانے میں قابلیت سے کام لیا ہے، کتاب کا ہر باب مفید معلومات کا ایک بیبہا خزینہ ہے، اگرچہ کہنے کو سرونج کی تاریخ ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجملاً تمام ہندوستان اور مفصلاً صوبہ مالوہ اور بلدہ سرونج کی ایک جامع تاریخ ہے، تاریخ کی سبق آموزی مسلّم ہے کاش فاضل مؤلف کی مخلصانہ دردمندانہ کوششیں بارآور ثابت ہوں۔ اور یہ مرقع تاریخی ہم میں غیرت وحمیت کی حرکت پیدا کرے آمین، کتاب (صولت شیر شاہی) قابل مصنف کی مرتبہ تاریخ نے ادبی دنیا میں خاص امتیازی شہرت

حاصل کرلی ہے، لیکن آثار مالوہ میں بھی واقعات کے بیان میں جسطرح فاضل مؤلف نے ادبی لطافت کو برقرار و آشکار رکھا ہے، اُسیطرح ایک تجربہ کار مورخ کی مانند تاریخ کو ادبیت سے مغلوب بھی نہیں ہونے دیا، طرز بیان سادہ و دلنشین ہے، اور تاریخ کے لئے ایسی ہی زبان اور پیرایہ ادا کی ضرورت بھی ہے

اس موقع پر میں اس حقیقت کو چھپانا نہیں چاہتا کہ ~~قانون دان اور~~ میری لائق مصنف سے پہلے کی ایک سرسری سری ملاقات تھی اور میں موصوف کو صرف ایک شاعرانہ مذاق کی حیثیت سے جانتا تھا، لیکن جس روز سے کہ موصوف کی دونوں کتابیں میری نظر سے گذر کر میں نے ادب سے استفادہ کیا ہے موصوف کی عزت و قدر میرے دلمیں بہت زیادہ بڑھ گئی ہے، اور انہی اوصاف کی بنا پر آج میں مؤلف سلام کو ریاست ٹونک کا بہترین واقعہ نگار و ادیب سمجھکر ریاست کو مبارکباد دیتا ہوں جسکی سرزمین میں آج ایسے قابل فخر جواہر پارے موجود ہیں۔ شرمندہ ہوں کہ میں اپنی کم علمی کی بنا پر کتاب کی کماحقہ صفات بیان نہیں کرسکتا، لیکن وعدہ کرتا ہوں کہ کتاب کی فروخت و اشاعت میں امکانی کوشش کرونگا، فقط

مورخہ ۲ رجون ۱۹۳۵ء مقام ٹونک راجپوتانہ

شاہانہ قدردانی کا شکریہ

میں اس کتاب کی ترتیب و تکمیل سے اپریل ۱۹۲۷ء میں فارغ ہو چکا تھا۔ یکم مئی ۱۹۲۷ء کو سرونج سے ٹونک پہنچا، عالیجناب نجم الامرا احتشام الملک حافظ حاجی، قاری، مولوی صاحبزادہ عبدالوہاب خانصاحب بہادر صفدر جنگ ممبر کونسل صیغۂ فنانشل کے ذریعہ سے یہ کتاب جناب مستطاب معلی القاب امین الدولہ وزیر الملک نواب حافظ سر محمد ابراہیم علیخاں بہادر صولت جنگ جی، سی، ایس، آئی، جی سی، آئی، ای، فرمانروائے ٹونک کے ملاحظہ گرامی میں پیش ہوئی، مؤلف کا بھی سلام ہوا، چند ابواب میں سے بعض مضامین کو خود سرکار عالی نے ملاحظہ فرمایا، اور خاص خاص مواقع کی عبارت مؤلف سے پڑھوا کر سماعت فرمائی، مؤلف کی محنت و جانفشانی کی تعریف فرماتے ہوئے ریاست کی ایک تاریخی کتاب کی تدوین و تکمیل پر اپنی خوشنودی کا سر دربار اظہار فرمایا، اسکے جواب میں مؤلف نے استادہ ہوکر کمال ادب

شاہانہ قدر دانی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے دعائیں دیں، اور دربار سے واپس آیا۔ دوسرے روز تاریخ لگاری کے صلے میں نقد انعام کے علاوہ دو سو بیگہ اراضی معافی مؤلف کو نسلاً بعد نسل ایک تحریری حکم کے ذریعہ سے عطا فرما کر معافیدار ہونیکی عزت بخشی، زمین آباد ہونیکی صورت میں عـــــہ ۱۰ ماہانہ کا یہ ایک دائمی شاہی عطیہ ہے جسکو مؤلف اپنی امتیازانہ قدر و حیثیت پر محمول کرتا ہے ؎

نازم بہ انتسابِ نمک خواریِ خلیل　　　شادم کہ ایں کتاب بعہدش تمام شد

احقر سید احمد مرتضٰے ابنِ نظر ۵ رمئی ۱۹۲۷ء

معاونین کا شکریہ

یہ ایک صحیح حدیث شریف ہے، من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ (ترجمہ) جس نے انسان کا شکریہ ادا نہیں کیا، اُس نے گویا اللہ پاک کا شکریہ ادا نہیں کیا" اسلئے ناچیز مؤلف پر یہ ایک فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ کتاب کے مخلص معاونین کو اُنکی قلمی و مالی اعانت پر کشادہ دلی کے ساتھ سپاس ادا کرے سب سے پہلے مؤلف اپنے محترم دوست عالیجناب صاحبزادہ محمد عبد الصبور خانصاحب بہادر المخاطب رفیق الامرا فہیم الملک احتشام جنگ خاں چیف مجسٹریٹ ٹونک کا شکرگذار ہے جنکی دوستانہ تحریک و مشورہ سے کتاب آثار مالوہ لکھنے پر مؤلف مستعد ہوا، اگر موصوف کا اصرار ہمت افزائی نہ کرتا تو آج یہ مرقع تاریخی مؤلف کے نام و نمود کے بقا کا سبب نہ ہوتا جس پر مؤلف کو بجا طور پر فخر و ناز ہے۔ اور انہی مقدس و گرامی ہستی کا یہ دوسرا کارنامہ ہے کہ مؤلف اور اسکی تالیف کردہ کتاب کو عالیجناب نجم الامرا احتشام الملک صاحبزادہ محمد عبد الوہاب خانصاحب بہادر صفدر جنگ مرحوم ممبر کونسل کی خدمتمیں پیش کر کے ہز ہائنس فرمانروائے ریاست ٹونک کی بارگاہ میں پہنچانیکا سبب ہوئی، لہذا کمالِ حسنِ ارادت و جذبات ممنونیت کے ساتھ مؤلف اپنے محسنِ اعظم جناب صاحبزادہ صاحب بہادر صفدر جنگ مرحوم کے احسانات کے معاوضہ میں ارحم الراحمین سے ملتجی ہے کہ مرحوم کو تاج مغفرت سے سرفراز فرما کر فردوس بریں میں اعلےٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

اسکے بعد جس ہستی کا شکریہ مولف پر واجب ہے وہ مایۂ نازہستی مولف کے معزز و مقتدر دوست جناب مرزا محمد بیگ صاحب مہتمم توشہ خانہ سرکاری الخاطب بدۃ الریاست نظام الملک بہادر امین جنگ کی ہے جس نے اس کتاب کی نشرو اشاعت ضروری سمجھکر اور مولف کی معقول اعانت فرماکر دوسروں سے مستغنی کیا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ موصوف ہی کی اعانت کتاب کی طباعت کا باعث ہوئی۔ فقط ہم رجون ۱۹۳۶ء خاکسار احمد مرتضےٰ نظر

معذرت

اگرچہ یہ کتاب ۱۳۴۵ھ ۱۹۲۶ء میں مکمل ہو کر طباعت کے قابل ہو چکی تھی، اور عالیجناب نواب امین الدولہ بہادر فرمانروائے ٹونک کے ملاحظہ سے گذرنیکے بعد امید تھی کہ عنقریب کسی پریس کے حوالہ کر دیجائے لیکن بدقسمتی سے کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ میں تین سال تک سرونج سے ٹونک پہنچکر صرفۂ طباعت ملنے کی یاد دہانی نہ کر سکا۔

دسمبر ۱۹۲۹ء میں، میری یاد دہانی پر میرے محسن قدیم جمیل المناقب عمیم الاحسان عالیجناب نجم الامرا احتشام الملک مولوی، حافظ، قاری، حاجی، صاحبزادہ محمد عبدالوہاب خاں صاحب بہادر صفدر جنگ ممبر کونسل صیغہ فنانشل دربار ٹونک نے مجھے اس غرض سے ٹونک آنیکی تحریک فرمائی کہ صرفۂ طباعت کا انتظام ریاست سے کرا دیا جائے، میرے لئے اس سے بڑھکر کیا خوشی ہوسکتی تھی، اپنے تمام ضروری کاموں کو خیرباد کہتا ہوا سرونج سے روانہ ہو کر ۱۹ دسمبر ۱۹۲۹ء کو ٹونک پہنچا لیکن میرے رنج و ملال کی کوئی انتہا نہ رہی جبکہ میں نے ٹونک پہنچکر جناب صاحبزادہ صاحب بہادر جمیع الالقاب کو مرض الموت میں پایا۔ دوسرے روز ۱۹ دسمبر ۱۹۲۹ء مطابق ۱۷ رجب ۱۳۴۸ھ کو موصوف نے سفر آخرت اختیار فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون[2]،

چونکہ مرحوم کی دوامی مفارقت کا خود رئیس اعظم کی ذات معلّی، اور تمام دیگر خاندانی و غیر خاندانی افراد پر عمیق اثر تھا، اس لئے صرفۂ طباعت کی تحریک کو اُس وقت غیر مناسب خیال کرتے ہوئے ماتمی لباس میں سرونج واپس آگیا۔

اس حادثۂ جانکاہ کے چھ ماہ بعد کئی مہینے علیل رہ کر خود سرچشمۂ فیض و کرم حضور نواب امین الدولہ وزیر الملک نواب حافظ

---

[1] آپ، نواب امین الدولہ بہادر کے چھوٹے بھائی تھے۔ ۱۲ مولف

[2] مولف نے مرحوم کی وفات کی تاریخ جو موزوں کی ہے وہ یہ ہے

چوں صفدر جنگ عبدوہاب ؛ سرچشمۂ فیض و جود و احسان

مجموعۂ علم و فضل و برکات ؛ عالی ہمم و کریم و ذی شان ـ زیں باغ برفت سوئے فردوس ؛ دل شاد شدند حور و غلمان

لیکن ز فراق محسن خویشش ؛ عالم ہمہ گشت چاک داماں ـ گشتم چو نظر بفکر تاریخ ؛ شد خلد نشیں نا بگفت رضواں

۱۳۴۸ھ

محمد ابراہیم علیخانصاحب بہادر صولتجنگ فرمانروائے ٹونک نے ۸۰ سال ایکماہ ۴ یوم کی عمر میں، قمری مہینوں کے حساب سے ۸۴ سال ۵ ماہ سو یوم اور شمسی حساب سے ۶۲ سال ۶ ماہ ۷ یوم، با اقبال حکومت کرنیکے بعد ۲۳ جون ۱۹۲۹ء مطابق ۲۵ محرم الحرام ۱۳۴۹ھ دوشنبہ کے روز انتقال فرمایا، اللہم اغفرہ، [۱]

نواب سعید الدولہ بہادر کی قدردانی اگرچہ میں اپنے دونوں قدردانوں کے اُٹھ جانے سے شکستہ دل ہوکر کتاب کی طباعت سے مایوس ہوچکا تھا، لیکن نواب اعظم امین الدولہ بہادر کے جانشین حضور نواب سعید الدولہ وزیرالملک مولوی حافظ محمد سعادت علی خانصاحب بہادر صولتجنگ کی علمی و تاریخی قدردانی آفتاب بنکر عالم یاس میں چمکی،

میں اپنے معزز اور محترم دوست افتخار الانشا مشیر الملک منشی حاجی سید محمد اسمٰعیل صاحب سابق میرمنشی دربار حال ناظم (کلکٹر) سرونج کا بیحد ممنون و مشکور ہوں جنھوں نے اس کتاب، اور کتاب کے مؤلف کا تذکرہ حضور ممدوح سے فرماکر مجھے اور کتاب دونوں کو سرکار عالی میں پیش کیا۔ تاریخ کے جستہ جستہ مضامین کو خود مطالعہ فرماکر مؤلف کی محنت و تلاش، اور کتاب کے مضامین کی ترتیب و تہذیب کی تعریف فرماتے ہوئے طباعت کی ضرورت پر اظہار خیال فرمایا، اور جو دوسو بیگہ اراضی معافی عطیہ نواب والاجاہ امین الدولہ بہادر مرحوم و مغفور کسی غلط فہمی سے معرض ضبطی میں آگئی تھی، اُسکو فی الوقت بازبحال فرماکر مؤلف کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

اس طرح یہ تاریخی کتاب تقریبًا ۹ سال کے بعد اب ۱۳۵۵ھ ۱۹۳۶ء میں مطبوع ہوکر شائع کیجارہی ہے، میں اپنے اُن احباب سے بیحد نادم ہوں جنھوں نے اس مدت میں کتاب کی طباعت کیلئے، اپنے شوق مطالعہ کے اظہار کے ساتھ بار بار مجھکو یاددہانی فرمائی ہے، امید ہے کہ ایسے تمام احباب میری مجبوریوں اور معذوریوں پر نظر فرماکر معاف فرمائیں گے ۔

خاکسار

سید احمد مرتضےٰ نظر (مؤلف آثار مالوہ)

مورخہ ۱۶ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ مقام سرونج، ۷ جون ۱۹۳۶ء

[۱] آپ کے وصال کی تاریخ یہ ہے۔

چو شد نواب ابراہیم علی خاں ، زخاکِ ٹونک سوئے بزمِ جنت
زنقلِ خویش دنیا را سیہ کرد ، بہشتِ پاک را افزود زینت
ہمہ سامانِ ریاست ماند برجائے ، چہ اقلیم و چہ اکلیل و چہ دولت
بہ تنہا آمد و ہم رفت تنہا ، نشد چیزے مددگار اقامت
نہ اقبالِ وزیری یاوری کرد ، نہ بازوئے امیری داد نصرت
دریں منزل بجز اعمالِ ذاتی ، نہ ورزیدہ کسے رسمِ رفاقت
خنک آنکس کہ خود بگذشت و بگذاشت ، بدنیا نام خود با خیر و برکت
بظاہر گو رئیسے بود لیکن ، فقیرے بود در شانِ ریاست
چناں در عہدِ خود گنج درم ریخت ، کہ بارو ابر باراں آب رحمت
برائے اہلِ حاجت وقف میداشت ، خلیل آسا ہمیشہ خوانِ نعمت
ندیدہ مثل او چشمِ زمانہ ، محب و عاشقِ سردار امت
الٰہی مدفنِ پاکش بیادا ، ہمیشہ مصدرِ انوارِ رحمت
نظر گفتا بتاریخ وفاتش ، نہاں شد آفتابِ جاہ و سطوت
۱۳۴۹ھ

فہرست مضامین آثار مالوہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

دیباچہ

اے آنکہ بتوحید تو شاہد قلم است (از مؤلف) حمد تو ازاں نیز لکا غذ رقم است

بزبان نطق و بدل جوہر ایماں دادی گر شکر و سپاس تو نخوانم ستم است

سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ ؕ

تاریخ کے فوائد اشیاء کی حقیقتوں اور سانحات و واقعات عالم کا جاننا انسان کے لئے ضروری ہے، جس کا انحصار عقول و ہیئاتِ انسانی پر ہے، چونکہ ہر جگہ عقل کی دسترس نہیں اس لئے بیشتر مواقع پر محسوسات سے کام لیا جاتا ہے، محسوسات کی بھی دو قسمیں ہیں، مشاہدات، اور مسموعات، مشاہدات کے ذرائع بھی محدود ہیں، ایک شخص تمام عالم کی اشیاء اور عالم کے تمام واقعات اور دیگر حالات کا مشاہدہ نہیں کرسکتا۔ اس لئے زیادہ تر استدراک کا انحصار مسموعات پر ہے، جن میں تاریخی تالیفات و تصنیفات شامل ہیں۔

محسوسات ذہنی کی ترقیاں بہت زیادہ علم تاریخ پر مبنی ہیں، عقل کو روشنی، تجربہ کو وسعت، خیالات میں بلندی پیدا ہو کر انسان صائب الرائے ہونے کا درجہ حاصل کرسکتا ہے، اس لئے کہ جب اس کی نگاہوں سے ہر قسم کی تاریخی کتابیں گذر جائینگی تو ماننا پڑیگا کہ وہ عقلائے عالم کے مشوروں سے مستفید ہو چکا ہے، جس کا مشورہ نہایت قیمتی ثابت

ہوگا، اور اگر کسی اہل نظر نے کسی تاریخ کو دیکھکر حقائق اشیاء، اور مادیات کے انکشافات کی طرف توجہ کی تو، ایسا شخص میدان اختراعات میں سرگرم رفتار نظر آکر کسی دن ماہر علم طبعیات کی شان میں جلوہ گر ہوسکتا ہے، بہرحال تاریخ کا مطالعہ فوائد سے خالی نہیں ہے اگر اس کو استفادہ کی نظر سے دیکھا جائے،

دیدہ را فائدہ آنست کہ دلبر بیند
ورنہ بیند چہ بود فائدہ بینائی را (سعدیؒ)

آبادی کی تاریخ اور اسکے اثرات

کسی شہر کی تاریخ لکھنے اور اس کے شائع کرنے سے اس کے گذشتہ تمدن کا اظہار مقصود ہوا کرتا ہے، جس کو اس تفصیل سے لکھنا چاہیئے کہ شہر کا جغرافیہ طبعی و تمدنی۔ آبادی کی ابتداء، بانی کا نام، عہد بہ عہد کی بیداریوں کے اسباب، حکومتوں کا انقلاب، انقلاب کے اثرات، طرز تعمیرات، اقسام تعمیرات، اقوام کی آبادی کی تفصیل، ان کا طرز معاشرت، صنعت وحرفت، اقتصادیات، ترقی کے بعد تنزل کے اسباب، اور موجودہ آثار قدیمہ کے تمام نقش ونگار آنکھوں کے سامنے آجائیں، جب اس جامعیت کے ساتھ کسی شہر کا تاریخی نقشہ کتابی صورت میں مرتب ہوکر پیش ہوگا تو بلحاظ اختلاف طبائع لوگوں پر اثرات بھی مختلف پیدا ہوں گے،

کچھ لوگ کھنڈرات کے عبرتناک مناظر کو دیکھکر اور ان کا حال پڑھکر افسردہ دلی کیساتھ یہ اثر لینگے کہ جب دنیا اور اسباب دنیا عارضات وحادثات سے ہیں، تو علوم وفنون میں ترقی کرنا تعمیرات پر پانی کی طرح روپیہ بہانا، آثار قدیمہ کو محفوظ رکھکر ان سے درس تمدن حاصل کرنا، اس قسم کی تمام باتیں فضول اور بے کار ہیں اس لئے قناعت کے دائرہ میں رہ کر مستعار زندگی کا زمانہ گذار دینا چاہیئے، مذہبی نقطۂ خیال سے قطع نظر، اس تخیل کا نام پست ہمتی ہے، ایسے لوگوں کی مثال مولانا حالی کے اس شعر کی مصداق ہے ؎

ہیں تالاب میں مچھلیاں کچھ فراہم
وہی ان کی دنیا وہی ان کا عالم

دنیا میں کچھ لوگ ایسے قوی الحس اور صحیح الدماغ بھی ہیں، کہ وہ کتاب کو پڑھکر شہر کی گذشتہ تمدنی عظمت، اقتصادی شان و شوکت، اور اس کے مادی آثار کو دیکھکر انہی حسرتکدوں سے ذوی علم، و اولوالعزم بانیان عمارات و منازل کے اجزائے پریشان کے پتہ لگانے میں یہ کہتے ہوئے نظر آئینگے ؎

کہ ہشیار اگر مردی آہستہ تر
کہ چشم و بناگوش، ورویست و سر (سعدیؒ)

ایسے اصحاب کی اکتسابی نگاہ میں، اینٹ، پتھر، مٹی و چونے کے ذرّہ ذرّہ سے اسلاف کا پیکر تمدن متشکل ہوکر سامنے دکھائی دیگا، جس سے درس حکمت و صنعت کا استفادہ کرتے ہوئے موجودہ نقش و نگار سے بڑھکر عملی نمونہ قائم کرنے کی جدّ و جہد میں مصروف نظر آئینگے، اس سے بہتر آثار و علوم پرستی کی مثال دوسری نہیں ہوسکتی۔ اس تجسس و تلاش۔ اور ان عمیق تخیلات کا نام بلند ہمتی ہے ؎

ناز پروردہ تنعّم نہ برد راہ بہ دوست
عاشقی شیوۂ رندانِ بلاکش باشد

غور کرو آج موجودہ دور میں موٹر کار، لاسلکی۔ ہوائی جہاز۔ ٹرمیوے، گراموفون، برقی روشنی، تار پیڈو، گیس، تحت البحر کشتیاں، پچاس پچاس منازل کی بلند چوبی سنگی، اور آہنی عمارات کا وجود، طرز معاشرت حسن معاشرت، وغیرہ وغیرہ ایجادات و حیرت انگیز اختراعات جو ہم دیکھتے ہیں۔ یہ سب ان اولوالعزم، بلند خیال۔ باریک بیں، اور علوم پرست انسانوں کے دل و دماغ کے نتائج ہیں، جنہوں نے علوم کی طاقت، تجربات کی وسعت، اور اسلاف کے عملی نمونوں سے استفادہ کرتے ہوئے، سائنس کی

جدت کا فخر حاصل کیا ہے،

اسلاف کے گذشتہ حالات اور دور ماضی کے یادگاری نقش و نگار کو محض افسانہ اور گنج ویرانہ سمجھنا سخت غلطی ہے، اہل بصیرت کے نزدیک گنج ویرانے کی ایک ایک اینٹ افلاطون حکمت، اور ان کے علمی کارنامے بہترین مشیر ہیں،

میں نے اس کتاب کی ترتیب کے وقت حالات و آثار بہم پہنچانے اور ان کو مدون کرنے میں ان تمام مراتب کو پیش نظر رکھا ہے، جس کی تصدیق مطالعہ کتاب سے ہو سکتی ہے

اگر یہ تاریخی کتاب اہل بصیرت کو فائدہ پہنچا سکے، یا خود ذی علم اصحاب استفادہ کی غرض سے اس کے مطالعہ کی طرف مائل ہوں، تو یہ میری، اور کتاب، دونوں کی خوش قسمتی ہے،

بغیر دل ہمہ نقش و نگار بے معنی است
ہمیں ورق کہ سیہ گشتہ مدعا اینجاست (نظیریؒ)

بار غم عشق تو بہ ہر کس کہ نمودم
عاجز شد و ایں قرعہ بنام زسر افتاد (حافظؒ)

سبب تالیف

میرے بعض مقامی احباب تعجب کرتے ہیں، کہ میں نے قوائے جسمانی کے انحطاط، اور پیشہ وکالت کی ذمہ وارانہ مصروفیتوں کے زمانہ میں سرونج کی تاریخ لکھنے کا ارادہ کیسے کیا، یہ استعجاب دوستوں کا بے جا نہیں ہے، اس لئے کہ جس شخص کے اعضائے رئیسہ کمزور ہو چکے ہوں شام جوانی صبح پیری سے تبدیل ہونے لگی ہو، قانونی مشاغل سے عدیم الفرصت ہو، خانگی فکروں کے جال میں پھنسا ہوا ہو، اس کی ذات تاریخ نگاری کے بار کی بظاہر متحمل نہیں ہو سکتی تھی اور جب میں خود بھی یہ دیکھ چکا تھا کہ ۱۸۹۶ء میں بخشی کپتان حافظ سید محمد خاں بہادر[1]

[1] ابن بخشی الملک سید نورالہدیٰ مرحوم ہیبت جنگ سادات قطبیہ بریلی سے تخمیناً ۱۸۹۵ء میں سرونج کی نظامت پر مامور ہو کر غالباً ۱۸۹۸ء میں بڑادہ وہاں سے ٹونک۔ ٹونک سے نیماہیڑہ کی نظامت پر تبدیل ہو کر ۱۳۲۵ھ میں بمقام نیماہیڑہ انتقال کیا ۱۲ مؤلف

ظفر جنگ معتمد الملک معتمد خاص۔ اور ۱۹۰۵ء میں بدر الامراء ضیاء الملک صاحبزادہ محمد[1] شبیر علی خاں بہادر سرور جنگ ناظمان سرونج اقتدار حکومت کے باوجود تاریخ نگاری کا قلم ہاتھ میں لے کر مشکلات کی بنا پر چھوڑ چکے تھے، تو پھر تنہا میری ہستی کس شمار میں ہے

لیکن واقعہ یہ ہے کہ عالیجناب معلی القاب گیہان خدیو کیواں بارگاہ امین الدولہ، وزیر الملک نواب حافظ محمد ابراہیم علی خاں بہادر صولت جنگ جی۔ سی۔ ایس۔ آئی جی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ فرمانروائے ریاست ٹونک دام اقبالہ کی ہنر پروری و علوم پرستی نے، اہل قلم کے دلوں اور دماغوں کو جن حوصلہ افزا شعاعوں کی تنویر سے منور کر رکھا ہے، ان کے اثرات سے بار بار میرے دل میں بھی ولولہ پیدا ہوتا تھا کہ سرونج کی تاریخ مرتب کر کے حضور ممدوح کے ملاحظۂ عالی میں بطور ہدیۂ محقر پیش کروں۔ لیکن کسی قلمی معاون کے نہ ہونے سے میری تنہا طاقت جواب دے دیتی تھی۔

اس پس و پیش کی حالت میں اتفاقاً ایک ایسے شخص کی ترغیب و تحریک راہبر ہوئی جس کے مخلصانہ مشوروں اور دوستانہ اصراروں کے آگے مجھے تاریخ نگاری کے اقرار کے سوا چارہ نہ رہا۔

وہ موقر ہستی معزز ترین دوست صاحبزادہ محمد عبد الصبور[2] خاں صاحب (نبیرۂ نواب امیر الدولہ بہادر) کی ہے، جو موجودہ زمانہ میں سرونج ضلع کے سکینڈ مجسٹریٹ اور منصف بھی ہیں، جو خود بھی قابل انشا پرداز، اردو علم ادب کے آشنا، اور تاریخ کے عاشق ہونے کے ساتھ اپنے معاصرین میں بہ لحاظ قانون دانی و نکات فہمی، ممتاز حیثیت رکھتے ہیں، گو میں نے

---

[1] بن صاحبزادہ عبد الرحیم خان بن صاحبزادہ محمد جلال خاں بن نواب امیر الدولہ بہادر ۱۲ مؤلف

[2] ابن صاحبزادہ عبد الغفور خاں بن صاحبزادہ محمد اکرم خاں بن نواب امیر الدولہ بہادر۔ آپ کو اکتساب نکات قانونی کا ابتدائے عمر سے شوق رہا۔ مولوی نذیر احمد صاحب بجنوری سے دہلی میں قانون شہادت ہند کو غور سے پڑھا، پنجاب میں بھی قانونی تعلیم حاصل کی اس کے بعد گوالیار، جاورہ کی قانونی عدالتوں میں وکالت کرتے رہے۔ پھر عرصہ تک ٹونک میں بھی وکیل درجۂ اول رہے۔ اب چار سال سے مجسٹریٹ ہیں ۱۲

مجبوریوں و معذوریوں کے دلائل بہت کچھ پیش کئے۔ مگر ایک قانون داں اور خوش تقریر کے براہین قاطع سے خاموش ہوکر نیک مشوروں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ترتیب کتاب میں مستعد و آمادہ ہوگیا، سرکار عالی دام اقبالہ نے بھی میری درخواست پر فراخ دلی کے ساتھ سرونج کی تاریخ نگاری کی اجازت مرحمت فرماکر کمزور قویٰ میں برقی طاقت بخشی، جس کے سہارے پر عملی طور پر میں ترتیب میں ہمہ تن مصروف ہوگیا، جس دن میں نے ترتیب کا قلم ہاتھ میں لیکر بسم اللہ کی ہے۔ اُس دن محرم الحرام ۱۳۴۳ھ کی ۲۵ تاریخ اور اگست ۱۹۲۴ئہ کی ۲۷ تاریخ تھی۔

کتاب کی ترتیب کے دوران میں معلوم ہوا کہ صاحبزادہ محمد عبد القدوس خاں صاحب[1] نائب ناظم سرونج ابن اعتبار الامراء، مدبر الملک صاحبزادہ ہدایت اللہ خاں بہادر افسر جنگ اے۔ ڈی سی حضور امین الدولہ بہادر فرمانروائے ٹونک، خلف الرشید صاحبزادہ اسفند یار خاں بہادر (سابق جنرل افواج ریاست) بھی سرونج کی تاریخ لکھ رہے ہیں، یہ سوچ کر کہ ایک وقت میں ایک موضوع پر دو ہم مضمون تاریخوں کا مرتب ہونا غیر مناسب ہے، اس لئے کہ ع

کم دہر رنگ ارکسے بند وحنائے لبتر را

صاحبزادہ صاحب موصوف کی خدمت میں پہنچ کر مشافہتاً گفتگو کی، اور نہایت خوشی کے ساتھ میں نے چاہا کہ صاحبزادہ صاحب کا سحر نگار قلم سرونج کی تاریخ اپنے ذمہ لے جواب سے معلوم ہوا کہ تاریخ کی ترتیب کی خبر صحیح نہ تھی، البتہ یہ صحیح بات تھی کہ صاحب موصوف کا خیال تاریخ لکھنے کا تھا، مگر مشکلات سامنے تھیں، اس کام پر مجھے مستعد دیکھ کر مسرت آمیز لب و لہجہ کے ساتھ مرحبا کہتے ہوئے، میرے ارادہ کو اور مستحکم کر دیا، جس کا شکر گزار ہوں،

مشکلات

بس آساں می‌نمود اول غم دریا بہ بوئے دُر
غلط کردم کہ یک موجش بصد من زر نمی ارزد
(خواجہ حافظ)

---

[1] میو کالج اجمیر کے انگریزی تعلیم یافتہ اور نہایت ذہین نوجوان ہیں ۱۹۱۵ئہ میں ابتداءً مجسٹریٹ دوم و منصف پرگنہ چھبڑہ مامور ہوئے۔ ازاں بعد ٹونک کی نائب نظامت پر تبدیل ہوکر ۱۹۲۵ئہ میں سرونج مقرر ہوئے اسوقت پرگنہ سرونج ہی میں کام کر رہے ہیں۔ ۱۲ مؤلف

اس عظیم الشان کام کے لئے مستعد و آمادہ ہو کر گو بیں عرصہ تک تاریخ نگاری کے بحرِ عمیق میں غوّاصی کرتا رہا، لیکن گوہرِ مقصود کا ہاتھ آنا پھر بھی مشتبہ تھا، خدا خدا کر کے (۴۳) مہینے کی شبانہ روز محنت شاقّہ اٹھانے کے بعد، گوہرِ مقصود تک رسائی ہوئی، تاہم یہ سودا مجھے بہت گراں ہاتھ آیا، جس نے میری بصارت اور دماغی طاقت پر گہرا اثر کیا، ترتیب کے دوران میں خواجہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مصرعہ بار بار زبان پر تھا ع

غلط کردم کہ یک موجش بصد من زر نمی ارزد

فارسی اور اردو تاریخوں سے سرونج کے متعلقہ حالات کا اقتباس کرنا، شہر اور سوادِ شہر میں پھر کر کتبات قدیم کو دیکھنا، اور ان کی نقلیں کرنا کچھ زیادہ دشوار کام نہ تھا، اس لئے کہ ع چوں مضامین جمع گردد شاعری دشوار نیست

تاریخی کتابوں کا ذخیرہ پہلے سے میرے پاس موجود تھا، چند ضروری کتابیں مطابع سے منگالی گئی تھیں، بعض نایاب کتابوں سے امداد حاصل کرنے کیلئے مجھے کتب خانہ بھوپال، و ٹونک[1] کی بھی سیر کرنی پڑی، لیکن سخت ترین مشکلات کا سامنا اس وقت ہوا جب کہ سرونج کی آبادی اور قدیم خاندانوں کے حالات تحقیق کرنے کی غرض سے، قدیم اسناد اور کاغذات دیکھنے کی ضرورت ہوئی۔ اس کے لئے دردر گیا، بہ بدیہہ پھرا، موجودہ خاندانی ممبروں کی خوشامدیں کیں، تاریخی فوائد بتائے، رطب و یابس، فراز و نشیب سمجھائے، پھر بھی بہ استثنائے چند روشن خیال اصحاب کے، پرانی وضع کے لوگ متاثر نہ ہوئے ؎

خاطرِ نقاش با تصویرِ حسنش جمع بود
چون بہ زلف او رسید آخر پریشانی کشید (دارا شکوہ ؒ)

ایسے لوگوں کے دلوں میں دو طرح کے وسواس تھے، ایک یہ کہ کہیں میں اسناد پر بالجبر قبضہ نہ کر لوں، دوسرے یہ کہ تاریخ میں خاندانی حالات درج ہونے سے نسلوں کی تشہیر کا

[1] ٹونک کے کتب خانہ سے مراد صاحبزادہ عبد الرحیم خاں بہادر مظفر جنگ مرحوم کا کتب خانہ ہے ۱۲ مؤلف

امکان ہے، ان موانع کے علاوہ ایک طرف خانگی اور وکالت کے اشغال بڑھتے جا رہے تھے، دوسری طرف قلمی معاونین کا قحط الرجال تھا۔ بعض اوقات گھبرا کر قلم ہاتھ سے رکھ دیتا تھا تاہم تاریخی صحافت کے دشوار گزار میدان میں جن احباب کی فرمائش کی تعمیل مدنظر رکھتے ہوئے، جو قدم آگے بڑھ گیا تھا، اس کو پیچھے سرکانا ہمت کے خلاف سمجھ کر اور یہ سوچکر، کہ

به هر کارے که همت بسته گردد

اگر خارے بود گلدسته گردد

برابر کام میں مشغول رہا جس کا نتیجہ خداوند عالم کی اعانت آمیز مہربانیوں سے یہ خوشگوار نکلا کہ مخلص احباب بھی موافق ہو کر حالات و اسناد بیان کرنے اور دکھانے میں معین و مددگار ہو گئے اس طرح

زورقِ اندیشہ بہ ساحل رسید

شکر کہ جمازہ بہ منزل رسید (علامہ فیضی)

ترتیب و تکمیل کتاب کے دو حصے کئے گئے ہیں۔ پہلا حصہ صوبۂ مالوہ کے جغرافیائی و تاریخی حالات کے لئے مخصوص ہے، بادی النظر میں اس حصہ کا تعلق سرونج کی تاریخ سے نہیں پایا جاتا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ تعلقات ارضی اور حکومت کے لحاظ سے سرونج کو مالوہ کی تاریخ سے معنوی نسبت ہے، اس لئے اس حصہ کا شامل کیا جانا واقفیت اور دلچسپی کی غرض سے ضروری سمجھا گیا، دوسرا حصہ سرونج کی مفصل تاریخ ہے، جس میں ذیل کے عنوانات ہیں (۱) سرونج کا جغرافیہ (۲) سرونج کی وجہ تسمیہ اور آبادی کی تحقیقات (۳) سرونج کی قدیم اور جدید آبادی اور اس کا عروج وانحطاط (۴) حکومتوں کا انقلاب سرونج پر (۵) انتظامی حالات (۶) آثار قدیمہ (۷) علاقہ سرونج کے بعض قدیم تاریخی مقامات (۸) سرونج کے قدیم و جدید خاندانوں کے تاریخی حالات

درایت کا اصول، واقعات کی تنقید، حالات کی تفتیش، مورخانہ تحقیقات کا التزام، کتاب کی ترتیب کے وقت جس قدر ملحوظ رکھا گیا ہے، اس کی شہادت خود اس کتاب کے اوراق ہیں کوئی تاریخی واقعہ ایسا نہیں ہے جس کے ماخذ کا حوالہ نہ دیا گیا ہو، زبانی روایتوں سے شاذ و نادر کام لیا

گیا ہے، اور جہاں ایسی روایتیں مجبوراً درج کی گئی ہیں وہاں ان لوگوں کے نام فٹ نوٹ میں درج کر دیئے ہیں، جن سے خود میں نے تصدیق کی ہے اس عام شکایت کی صداقت میں شبہ نہیں کہ تاریخی مضامین خشک ہوا کرتے ہیں، لیکن قارئین کرام ملاحظہ کریں گے، کہ میں نے جا بجا جنگی نقشوں کو پیش کرنے، اور فٹ نوٹ میں جگہ جگہ مفید مضامین کے اضافہ کرنے سے حتی الامکان کتاب کو دلچسپ بنانے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا اور بہت کچھ اس شکایت کی تلافی کر دیگئی ہے۔ تاہم نفس مضمون کی تبدیلی میرے امکان سے باہر تھی۔ اس کے لئے ہر مورخ مجبور ہے۔ اخیر میں مؤلف نے اپنے ذاتی حالات کا ضمیمہ شامل کر دیا ہے، تاکہ قارئین کو مؤلف کے تعارف میں آسانی ہو، مالوہ کی مناسبت کے لحاظ سے اس کتاب کا نام **آثار مالوہ** رکھا گیا ہے،

ماخذ

آثار مالوہ کی ترتیب میں جن کتابوں سے امداد لیگئی ہے ان کا نقشہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	سال اشاعت و نام مطبع	کیفیت
۱	تاریخ فرشتہ فارسی	محمد قاسم استرآبادی مشہور فرشتہ	نول کشور پریس ۱۲۸۱ھ	ابو المظفر ناصر الدین ابراہیم عادل شاہ سلطان بیجاپور کے عہد میں ۱۰۱۵ھ میں تالیف ہوئی ہے، مستند تاریخ ہے،
۲	مفتاح التواریخ فارسی	مسٹر ٹامس ولیم بیل صاحب	اسعد الاخبار آگرہ ۱۸۴۹ء	۱۸۴۷ء کی تالیف ہے مؤلف صدر بورڈ آگرہ تھے،
۳	تزک جہانگیری فارسی	شہنشاہ نور الدین جہانگیر	نول کشور پریس	مشہور کتاب ہے،
۴	سیر المتاخرین فارسی	منشی سید غلام حسین خاں طباطبائی	″ ۱۸۹۷ء	بعہد امیر الملک عماد الدولہ گورنر جنرل ہند ہشٹنگس صاحب بہادر ۱۸۱۵ء میں تالیف ہوئی ہے مستند تاریخ ہے

نمبر	نام کتاب	مصنف	مطبع	کیفیت
۵	مآثر الامرا فارسی	نواب صمصام الدولہ شاہ نواز خاں	کلکتہ ۱۸۸۸ء	مولوی عبدالرحیم صاحب مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ نے تصحیح کر کے ۱۸۸۸ء میں طبع کرایا ہے، امرائے تیموریہ کے حالات میں معتبر کتاب ہے،
۶	تاج الاقبال تاریخ بھوپال فارسی	نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ	مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۰ء	امیر دوست محمد خاں بہادر کے زمانہ سے مصنفہ کتاب کے عہد تک کے حالات اس میں نہایت تفصیل کے ساتھ درج ہیں،
۷	تقویم البلدان فارسی	قلمی		موجودہ کتب خانہ صاحبزادہ عبدالرحیم خاں بہادر مظفر جنگ مرحوم برادر رئیس ٹونک،
۸	آئینہ حقیقت نما اردو	مولوی اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی	مدینہ پریس	
۹	آئین اکبری فارسی	علامہ ابو الفضل	نولکشور پریس	اکبری عہد کے انتظامات میں بسیط اور مستند تاریخ ہے
۱۰	دربار اکبری اردو	شمس العلما مولوی محمد حسین مرحوم آزاد	کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور ۱۹۲۱ء	مؤلف مشہور ادیب مورخ گذرے ہیں عمائدین اکبری کے مفصل حالات اس میں درج ہیں،
۱۱	آئینہ اودھ اردو	مولوی شاہ ابو الحسن مانک پوری	نظامی کانپور ۱۳۰۳ھ	ابتدائے عالم سے اس میں تاریخی حالات درج ہیں مصنف نہایت ثقہ بزرگ گذرے ہیں،
۱۲	تاریخ مالوہ اردو	منشی کریم علی میر منشی رزیڈنسی گوالیار		دو جلدوں کی ضخیم کتاب ہے، ایچ۔ ڈی۔ ڈیلی صاحب بہادر ایجنٹ گورنر جنرل سنٹرل انڈیا کے عہد میں ان کے حکم سے مرتب ہوئی،
۱۳	تاریخ ہندوستان اردو	شمس العلما مولوی ذکاء اللہ مرحوم دہلوی	انسٹیٹیوٹ علیگڈھ ۱۹۱۶ء	دس جلدوں میں ہندوستان کی مفصل تاریخ ہے،
۱۴	سرأت العالم عرف	مولوی موج حسین	قومی پریس	نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ والیہ بھوپال کے

نمبر	نام کتاب	مصنف	مطبع و سنہ	کیفیت
	جامع التواریخ اردو	خاں سندیلوی	لکھنؤ ۱۳۱۷ھ ۱۸۹۹ء	عہد میں تالیف ہوکر انہیں کے نام سے معنون ہوئی ہے کل بر اعظم اور اقوام کے حالات اس میں درج ہیں،
۱۵	امیر نامہ اردو	مترجمہ حکیم سید سعید احمد اسعد ٹونکی	مطبع محمدی ٹونک ۱۲۹۲ھ	فارسی امیر نامہ نوشتہ منشی بساون لال کا اردو میں ترجمہ ہے اس میں نواب امیر الدولہ بہادر کے مفصل کارنامے درج ہیں،
۱۶	امیر نامہ فارسی قلمی	منشی بساون لال شاداں نائب میر منشی ٹونک	محررہ چہارم شوال ۱۲۴۴ھ	موجودہ کتب خانہ صاحبزادہ عبدالرحیم خاں بہادر مظفر جنگ مرحوم برادر رئیس ٹونک ۱۲
۱۷	افتخار التواریخ اردو ترجمہ امیر نامہ فارسی	مترجمہ منشی دیبی پرشاد جودھپوری	رضوی دہلی ۱۹۰۹ء	فارسی امیر نامہ کا ترجمہ ہے جو افتخار الامراء فخر الملک صاحبزادہ محمد عبید اللہ خاں بہادر فیروز جنگ نائب ریاست ٹونک کے ایما سے کیا گیا تھا، ترجمہ کے علاوہ کثرت سے تشریحات مفید درج ہیں،
۱۸	تاریخ اندور اردو	.	الناظر پریس لکھنؤ ۱۹۲۵ء	ریاست اندور کی مفصل تاریخ ہے،
۱۹	حدیقہ راجستان عرف تاریخ ٹونک	مؤلفہ مولوی سید اصغر علی آبرو ٹونکی	ستارہ ہند آگرہ ۱۳۱۷ھ	ٹونک اور پرگنات ٹونک کی ضخیم تاریخی کتاب ہے۔
۲۰	تاریخ دکن عرف تاریخ امجدی فارسی	سید امجد حسین خطیب جامع مسجد ایلچپور	مطبع خورشیدیہ ۱۲۹۳ھ ۱۸۷۶ء	نواب افضل الدولہ بہادر کے عہد کی تالیف اور دکن کی مفصل تاریخ ہے،
۲۱	عہد نامجات اردو جلد چہارم	. .	نولکشور پریس	اس میں راجپوتانہ کی ریاستوں کے عہد نامجات درج ہیں،
۲۲	وقائع دلیری	.	نصرت المطابع دہلی ۱۸۸۳ء	نواب دلیر محمد خاں بہادر بانی ریاست کوروائی کے حالات میں ہے۔

۲۳	گزیٹیر سرونج	مرتبہ کرنیل میور صاحب بہادر پولٹیکل ایجنٹ شبہ ٹونک	غیر مطبوعہ مرتبہ سنہ ۱۸۸۶ء	اس مسودہ سے مؤلف کو جغرافیہ اور انتظامی حالات کی ترتیب میں کسی قدر امداد ملی ہے،
۲۴	کتاب عملہ پولیس ریاست ٹونک	مرتبہ مسٹر اسی ڈی ہینس صاحب بہادر سابق انسپکٹر جنرل پولیس ٹونک	مطبع محمدی ٹونک	
۲۵	تاریخ مہرجان مالکم صاحب بہادر	مترجمہ حکیم سید مولابخش صاحب	ہاشمی پریس جاورہ سنہ ۱۲۷۱ھ	سرجان مالکم صاحب بہادر مشہور مورخ مالوہ اور رزیڈنٹ صوبہ مالوہ گذرے ہیں،
۲۶	آئینہ جہاں نما	محمد وحید اللہ بدایونی	مطبع احمدی	
۲۷	خیابان خیال منظوم اردو	مصنفہ میاں نجی فیض محمد مرحوم سرونجی	قلمی	عاشقانہ مثنوی ہے۔ اس میں مؤلف نے اپنے خاندان کا نسب نامہ بھی درج کیا ہے،
۲۸	تذکرۂ آل غازی خاں عربی	سید محمد حبیب شاہ نبیرہ سید غازی خاں	قلمی	فرقۂ اسمٰعیلیہ مستعلیہ کے ایک بڑے رکن کی تصنیف ہے،
۲۹	پدم پران ہندی	.	مطبوعہ	.
۳۰	بھاگوت پران ہندی	.	وینکٹیشور پریس	.
۳۱	نام مالا ہندی	تاراترن سوامی المتوفی سمت ۱۵۷۲ بکرمی	قلمی	مذہبی کتاب جین مت کی ہے۔ سوامی جی نے ۱۴ جلدوں میں اپنے مذہبی تعلیم و اشاعت کے لئے کتاب تصنیف کی ہے جس کا مفصل تذکرہ باب ہفتم میں درج ہے،
۳۲	لوکیندر آگھیان ہندی	مؤلفہ پنڈت شیوناتھ سنگھ ساکن اوجین سکرٹری دربار بیکانیر	مطبوعہ بہ خط ہندی	

ان کتابوں کے علاوہ، وقائع ڈاکٹر برنیر، آثار الصنادید، کتاب قلمی واقعات بست سالہ عبدالزبیری، الطاموں، الہارون، فاطمی دعوت، رسالہ نسیم سحر، غیاث اللغات، قاموس، ناوراجستان، تاریخ سندھ، تذکرہ افغانی، امرکوس ہندی، آئینہ حقیقت نما، اور پچاسوں فرامین شاہی، کاغذات قدیم، اور کتبات سے فٹ نوٹ میں امداد لی گئی ہے،

ضروری گذارش

منظور ہے گذارش احوال واقعی
اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے (غالبؔ)

میں زبان اردو کا نہ ادیب ہوں، نہ فصیح اللسان ناثر۔ ہاں صدیوں سے ہندوستان میں توطن اختیار کرنے سے اس کا ضرور اعتراف ہے، کہ فارسی کے بعد اب اردو اپنی مادری زبان ہے اور اس زبان میں اپنے مطالب ادا کرنے پر قادر ہوں، میں نے جملوں کی ترتیب میں کسی جگہ آورد کی کوشش نہیں کی حتی الامکان نامانوس اور ثقیل الفاظ داخل کرنے سے احتراز کیا ہے، شروع سے اخیر تک پیرایۂ ادا سادا اور سلیس ہے، اور یہی سادگی تاریخ کے لئے موزوں بھی ہے، عبارت آرائی اور رنگین بیانی سے قصداً کام نہیں لیا کہ یہ طرز عاشقانہ تذکروں کے لئے مخصوص ہے،

یہ تنہا میرا ہی خیال نہیں ہے، ۱۸۸۹ء میں ڈاکٹر سر سید احمد خاں مرحوم بانئے مدرسۃ العلوم علیگڈھ نے، کتاب المامون کی تقریظ کے وقت ذیل کے خیالات ظاہر کئے ہیں،

> اردو زبان نے بہت کچھ ترقی کی ہے، لیکن اسبات کا بہت کم لحاظ رکھا گیا ہے کہ ہر فن کے لئے زبان اور طرز بیان جدا ہے، تاریخی کتابوں میں ناول (قصے) اور ناولوں میں تاریخانہ طرز گو کیسے ہی فصاحت و بلاغت سے برتا گیا ہو دونوں کو برباد کر دیتا ہے،

ان جملوں کی اصلیت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے، تمام مشہور مصنفین و مؤلفین اردو، مولانا نذیر احمد صاحب۔ مولانا محمد حسین صاحب آزاد، علامہ شبلی نعمانی، مولانا حالی وغیرہ نے تاریخ نگاری میں متانت کے ساتھ وہی سادہ طریقہ اختیار کیا ہے، اس کتاب میں اگر عبارت آرائی نہیں ہے تو اس کیلئے میں ناظرین

سے معافی کا خواستگار ہوں ؎

ہر کس کہ شناسندۂ راز است ہمانا
برلب سخن از سبحہ و زنار ندارد،

اس کلیہ میں ایک استثنا بھی ہے، قارئین کرام ملاحظہ کرینگے کہ حصۂ اول میں جہاں باز بہادر شاہ اور اس کی معشوقہ روپ متی کا تذکرہ آگیا ہے، یا حصۂ دوم کے انتظامی عنوان میں، جہاں محفل میلاد شریف کا منظر پیش کیا گیا ہے، وہاں بعض احباب کی فرمائش کو زیر نظر رکھتے ہوئے، ہلکا سا ناولانہ رنگ ضرور دکھایا گیا ہے، اور ان بیانات کو نفس تاریخ سے کوئی تعلق بھی نہیں ہے،

میرا دماغ فرسودہ اور قلم جواب دے چکا ہے، تاہم اس حالت میں محنت و تلاش کے ساتھ دوسروں کے چمنستان صحافت سے مضامین و مطالب کی تر و تازہ کلیاں چن چن کر ایک گلدستہ کی صورت میں قارئین قدرداں کے سامنے پیش کرنے کی عزت حاصل کر رہا ہوں، گلدستہ کی بندش میں بہت سی خامیاں ہیں، جس کا خود بھی مجھے اعتراف ہے، اس لئے سعدی علیہ الرحمۃ کی زبان میں یہ عرض ہے،

نہ نازم بسرمایۂ فضل خویش — بدریوزہ آوردہ ام دست پیش
شنیدم کہ در روز امید و بیم — بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم
تو نیز ار بدی بینی اندر سخن — بہ خلق جہاں آفریں کار کن

گو کتاب آثار مالوہ کے صفحات مشہور اہل قلم کی بہار آفرینیوں کے سامنے ماند و بے رونق ہیں، تاہم اگر قدر دانوں نے کتاب کی سادگی کو نگاہِ قبولیت سے دیکھا تو مؤلف کی محنت کا وہ اصلی صلہ ہوگا، جس کے لئے پژمردہ دل ابھی سے باغ باغ ہے، بقول مؤلف۔ رباعی

ہے گرچہ خزاں رسیدہ گلشن میرا — نذرانۂ برق غم ہے خرمن میرا
محنت کے پھلوں کے آسرے پر لیکن — پھولوں سے بھرا ہوا ہے دامن میرا

فقط تحریر تاریخ ۲۲ ر شوال المکرم ۱۳۴۵ھ مطابق ۲۵ ر اپریل ۱۹۲۷ء۔

خاکسار

شور یدٔ سر سید احمد مرتضیٰ نظر، نصیر آبادی، وکیل عدالت ہائے ٹونک اسٹیٹ (راجپوتانہ) مقام سرونج مالوہ

ضلع ریاست ٹونک

شکریۂ قدردانی

میں اس کتاب کی ترتیب و تکمیل سے اپریل میں فارغ ہو چکا تھا یکم مئی ۱۹۲۷ء کو سرونج سے ٹونک پہنچا، عالی جناب نجم الامراء احتشام الملک صاحبزادہ حافظ قاری مولوی عبدالوہاب خاں صاحب بہادر صفدر جنگ ممبر کونسل صیغہ فنانشل کے ذریعہ سے یہ کتاب جناب مستطاب معلیٰ القاب امین الدولہ وزیر الملک نواب حافظ سر محمد ابراہیم علی خاں صاحب بہادر صولت جنگ جی، سی، آئی، ای۔ جی، سی، ایس، آئی متخلص بہ خلیل فرمانروائے ریاست ٹونک کے ملاحظہ میں پیش ہوئی، مؤلف کا بھی سلام ہوا، چند ابواب میں سے بعض بعض مضامین کو مؤلف سے پڑھوا کر سنا اور خود بھی حضور ممدوح نے جستہ جستہ مضامین کو پڑھا کتاب کی ترتیب، مضامین کی تہذیب، اور زبان کی سادگی، اور پیرایہ بیان کو پسند فرماتے ہوئے مؤلف کی محنت و جانکاہی کی اپنی زبان مبارک سے بہت کچھ تعریف فرمائی، جس کے جواب میں مؤلف نے کھڑے ہو کر شاہانہ عزت افزائی اور قدردانی کا شکریہ ادا کیا،

مؤلف کی ۳ سالہ محنت کے صلہ میں حضور ممدوح نے نقد انعام کے علاوہ دوسو بیگہ اراضی نسلاً بعد نسلاً مرحمت فرما کر احکام جاری فرمائے، جس کی آمدنی آباد ہونے کی صورت میں صعہ ماہوار سے کم نہیں ہے،

نازم بہ انتساب نمک خواری خلیل
شادم کہ این کتاب بعہدش تمام شد

سید احمد مرتضیٰ عفی عنہ
۵ مئی ۱۹۲۷ء

حصۂ اوّل

صوبۂ مالوہ کے تاریخی و جغرافی مختصر حالات

این کہنہ رباط را کہ عالم نام است — آرامگہ ابلق صبح و شام است
بزمیست کہ واماندۂ صد جمشید است — قصریست کہ تکیہ گاہِ صد بہرام است

تمہید سرونج (جس کی یہ تاریخی مفصل کتاب ہے) صوبۂ مالوہ میں واقع ہے اسلئے ضرورتاً اس بات کی ہے کہ پہلے صوبۂ مالوہ کا جغرافیہ، مالوہ کی وجہ تسمیہ بیان ہوکر، سلاطین مالوہ کی بساط سیاست ایوان حکومت، گلستانِ عشرت، اور آسمان رفعت کی سیر کرائی جائے، اس کے بعد سرونج کے تاریخی مناظر ناظرینِ کتاب کے لئے زیادہ دلچسپی کا سبب ہو سکیں گے۔

پہلا باب

جغرافیہ اور وجہ تسمیہ

جغرافیہ بندیل کھنڈ کے مغرب میں مالوہ ایک وسیع ملک ہے، جس کے مشرق میں علاقہ صوبۂ بنگال مغرب میں علاقہ گجرات اور بمبئی، شمال میں راجپوتانہ اور صوبۂ متحدہ، جنوب میں علاقہ ملک متوسط واقع ہیں،

صاحب آئین اکبری کی تصریح کے مطابق مالوہ کی وسعت طولاً گڑھ سے بانسواڑہ تک ۲۴۵ اور عرضاً چندیری سے دریائے نربدا تک ۲۳۰ کوس ہے،

عہد اکبری میں صوبۂ مالوہ ۱۲ سرکار[1] (ضلع) اور ۳۰۱ پرگنات (تحصیلات) پر منقسم تھا، اور اُس وقت اس کا رقبہ ۲۴ کروڑ ۸ لاکھ ۶۶ ہزار ۲۲۱ بیگہ ۶ بسوہ تھا،

موجودہ ملکی انتظام کی رو سے صوبۂ مالوہ میں ۱۴۳ ریاستیں[2] ہیں، جن میں مشہور اور بڑی ریاستیں بھوپال، گوالیار، اندور، دیواس اور دھار ہیں۔ ان ریاستوں کے شمال میں دریائے چمبل، بیتوا، سون اور جنوب مغرب میں دریائے نربدا، کوہ بندیاچل، کوہ ست پڑا، واقع ہیں۔

ملک مالوہ کا سطح بلند، ہوا مرطوب، زمین سیر حاصل ہے، جنگل، پہاڑ، سرسبز و شاداب ہیں بارش زیادہ سردی و گرمی کا موسم معتدل، پچھلی رات کو خصوصاً، اور درمیانی شب میں عموماً خنکی رہتی ہے یہی وہ وصف ہے جس کی بنا پر مالوہ کی شب، شبِ مالوہ کے توصیفی امتیازی نام سے اقطاع ہند میں مشہور ہے۔

خودرو میووں کے اور پھولوں کے درخت جنگل میں کثرت سے ہوتے ہیں۔ فصلیں کی پیداوار کا نشو و نما بھی اعلیٰ پیمانہ پر ہوتا ہے۔

مالوہ کی وجہ تسمیہ | پورب بن ہند[3] بن حام بن حضرت نوح علیہ السلام کی نسل سے اقلیم دوم ملک ہند کا دوسرا تاجدار

---

[1] مالوہ کے اضلاع کے نام یہ ہیں، اوجین، ہنڈیا، دھار، سارنگ پور، رائسین، کوٹری، بیجا گڈھ، گاگروں، مانڈو چندیری، مندسور، شاہ آباد۔ (از سیر المتاخرین و آئین اکبری)

[2] جغرافیہ ہند مطبوعہ علی گڈھ ۱۲

[3] ہند کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حسب روایت عبرانی ہبوط آدم علیہ السلام سے ۱۶۵۶ سال بعد طوفان نوح آیا، اور بقول یہودی ۱۰۵۰ توریت سامری کی رو سے ۱۳۰۷، بقول ابوالحسن بن مسعود ۲۲۵۶۔ بقول حسین خارزمی ۱۰۵۷، حمزہ اصفہانی کے قول کے مطابق ۱۰۵۶، ڈاکٹر سر سید احمد کی تحقیق کے مطابق ۲۲۴۲۔ ہبوط آدم علیہ السلام سے طوفان نوح علیہ السلام تک ہوتے ہیں، بہرحال تعین مدت میں اختلاف ہے طوفان نے حضرت نوحؑ کی تمام نافرمان امت کو غرق آب کیا۔ خود حضرت نوح علیہ السلام اپنے اہل کے ساتھ بحکم خداوندی کشتی میں سوار ہو کر جودی (شام میں ایک پہاڑی ہے) پر صحیح و سالم پہنچے، اس کے بعد از سر نو ملک کی آبادی کا خیال ہوا، سام اور یافث (پسران نوح) دیگر اطراف عالم میں پہنچ گئے، اور حام ارض جنوب کی طرف متوجہ ہوئے، حام کے ۶ بیٹے ہوئے، ہند، سندھ، حبش، افرنج، ہرمز، بویہ، ہند بڑے بیٹے نے ارض جنوب کی اس سرزمین کا انتخاب کیا جو اسی کے نام سے ہند مشہور ہے ۱۲ فرشتہ

مہاراج بن کشن گذرا ہے، جس کا سپاہ سالار مال چند تھا، جو اپنی بہادری، اور وفاداری کی بناپر مہاراج کا عزیز اور قابل ترین افسر تھا،

فریدوں دارائے ایران نے جس زمانہ میں سام و نریمان مشہور پہلوانوں کو کثیر فوج کے ساتھ ملک ہند کی تسخیر کے لئے پنجاب کی طرف روانہ کیا ہے، اس وقت ان کے مقابلے کے لئے حکومت ہند کی طرف سے مال چند ہی کا انتخاب عمل میں آیا تھا، اس نے پنجاب پہنچکر ایرانیوں سے بہادرانہ جنگ کی، ابھی میدان جنگ میں فریقین مصروف پیکار تھے کہ مال چند کو زمینداران و رایان دکن، کرناٹک، اور سنگلدیپ کی بغاوت، اور ان کے ہاتھوں سے شیورائے حاکم دکن بن مہاراج کے مقتول ہونے کی اطلاع پہنچی، مال چند نے حکمت عملی کے ساتھ سام و نریمان کو ملک پنجاب دیکر اور مصالحت کر کے عاجلانہ طور پر پایۂ تخت اودھ (فیض آباد) واپس آگیا، مہاراج سے مشورہ کرنے کے بعد دکن کی طرف نہضت کی، جب اودھ[2] اور دکن کے مابین اس سرزمین پر پہنچا ہے (جو آج کل سنٹرل انڈیا یا ملک متوسط کے نام سے معروف ہے) تو اس نے وہاں کے طرب انگیز قطعات ارضی کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھ کر آبادی کا حکم دیا، اور خود سیدھا دکن چلا گیا، دکن پہنچکر اور باغیوں کو شکست دے کر لوٹا، اور عرصہ تک جدید آبادی میں مقیم رہ کر قلعہ گوالیار، بیانہ کی تعمیر کا سلسلہ جاری کیا، موسیقی کا بھی اس کو شوق تھا، اس سلسلہ سے ماہرین علم موسیقی کو اطراف ملک سے بلوا کر وہاں آباد کیا، غالباً یہی سبب ہے کہ گوالیار آجتک علم موسیقی کا مرکز بنا ہوا ہے، اسی

---

[1] اس نے سات سو سال حکومت کی، فریدوں شاہ ایران کا معاصر تھا، تعلیم کو اس نے زیادہ رواج دیا، بہار کو آباد کر کے وہاں مدرسہ قایم کیا جس میں اطراف ملک سے اہل علم کو جمع کر کے تعلیم جاری کی، سنسکرت میں بہار مدرسہ کو کہتے ہیں، اسی مناسبت سے بہار نام رکھا جو اب موجودہ زمانہ میں صوبۂ بہار مشہور ہے ۱۲۔ (از فرشتہ و آئینۂ اودھ)

[2] صاحب آئینۂ اودھ نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں سب سے پہلی آبادی اودھ کی ہے، اور چونکہ یہ شہر ممالک ہند کے اَدھ بیچ آدھ یعنی بیچ میں واقع ہے۔ اس لئے آدھ یوں آدھ مشہور ہو کر کثرت استعمال سے اودھ رہ گیا، مؤلف کا ضمیر اس توجیہ کو قبول نہیں کرتا، رامائن جو ہندوؤں کی مشہور کتاب ہے، اس میں آدھ، اور ایودھیا دونوں طرح سے نام لکھا ہے، ددھ کے معنی مرنے کے ہیں، سنسکرت میں شروع لفظ پر الف لگا دیا جائے تو نفی کے معنی دیتا ہے۔ جیسے، مرت سے امرت اسی طرح ددھ پر الف لگا دینے سے اودھ ہو گیا، جس کے معنے ہوئے نہ مرنے والا، یعنے بہادر، غالب وغیرہ اور یہ صفت مہاراجہ رام چندر جی اور ان کے خاندان سے متعلق ہے، جنہوں نے اودھ میں حکومت کی، یہی توجیہ قرین قیاس ہے ۱۲

مالؔ چند کی اسی مناسبت سے اس قطعہ ارضی کا نام مالوہ مشہور ہے،
یہ بیان مورخ فرشتہ کا ہے، لیکن سنسکرت کی کتابوں میں "مالیوان[1]" ایک پہاڑ کا نام بھی درج ہے، جس کا کوئی پتہ نہیں لکھا کہ وہ کہاں پر ہے، بہت ممکن ہے کہ وہ پہاڑ مالوہ میں ہو اور مالیوان سے مالوہ ہو جانا، مالؔ چند کے مقابلہ میں زیادہ قرین قیاس ہے، واللہ اعلم،

دوسرا باب

ہندوستان اور مالوہ کی قدیم ہندی اور اسلامی حکومتیں

ہندی حکومتیں

راجہ فور[2] اس کے بعد راجہ جونہ تک ہندوستان کے اکثر رایان و راجگان ایک حکومت کے ماتحت رہے، جن کا دار الحکومت پہلے اودھ اور بعد میں قنوج رہا، جب راجہ کلیان چند کا زمانہ آیا تو اس کی بے رحمی، سفاکی، سخت گیری اور محاصل وغیرہ ابواب کی زیادتیوں سے رعایا نے تنگ آکر ہر طرف باغیانہ شورش کا آغاز کیا، اور رعایہ کی کثیر جماعت ہندوستان سے نقل سکونت کر کے غیر ملکوں کی طرف چلی گئی آباد ملک نے ویرانی اختیار کی، ہندوستان کے با اثر اور فوجی طاقت کے ماتحت راجاؤں اور زمینداروں نے آزادی کا پرچم اڑایا، یہ وہ مظالم اور طوائف الملوکی کا زمانہ تھا کہ جو نقش عبرت ہو کر صفحات تاریخ میں آج تک درج ہے، سفاکی اور بیدادگری کی جب انتہا ہو چکی تو

---

[1] دیکھو کتاب امرکوش دوسرا کانڈ (حصہ) تیسرا ورگ (باب) اس میں پہاڑوں کا ذکر ہے - ۱۲

[2] فور ہندی نام معلوم نہیں ہوتا. اس لئے کہ ہندی میں حرف (ف) نہیں ہے، معلوم ہوتا ہے فارسی مورخوں نے اسے مفرس کیا ہے. نام کچھ اور ہوگا. فرشتہ نے بھی فور ہی لکھا ہے، دارا شاہ ایران، اور سکندر رومی کا معاصر تھا، اسی کے عہد میں سکندر اعظم نے دریائے ستلج سے گذر کر قنوج پر فوج کشی کی تھی

غیرتِ الٰہی جوش میں آئی، کلیاں چند کا نعم البدل راجہ بکرماجیت[۱] عدل و داد کی میزان ہاتھ میں لئے ہوئے پنوار قوم سے نکل کر اوجین کی گدی پر نمودار ہوا، نہروالہ، اور مالوہ کے تمام راجاؤں نے اس کی اطاعت قبول کی، بخت و اقبال کی یاوری سے قنوج[۲] اور اودھ، قدیم پایۂ تخت کو بھی اپنے محکومانہ رقبہ میں شامل کیا،

راجہ بکرماجیت، ہندو راجاؤں میں پہلا راجہ ہے، جس نے حضرت مسیح علیہ السلام سے ۵۷ سال قبل پیدا ہوکر، رعایا نوازی، معدلت گستری، فقیرانہ طرز زندگی، اور ہر دلعزیزی میں بڑا نام پایا، سمت بکرمی اسی کے عہد کا سن ہے جو آج تک ہندی حساب و کتاب میں یادگار ہے، اس راجہ کے حسن انتظام نے تھوڑی مدت کے اندر ملک کو از سر نو معمور

---

[۱] اس کا دوسرا اور صحیح نام ہندی تاریخوں میں بکرماوت درج ہے، جس کے معنی آفتاب حکومت کے ہیں، حال کے محققین کی رائے ہے کہ بکرماجیت کے بعد جو راجہ ہوئے انہوں نے بھی یہی لقب اختیار کیا اس لئے بعض تاریخی واقعات کا امتیاز مشکل ہوگیا ہے،

اہل ہنود کے اعتقاد و افسانہ کے مطابق ۲ ہزار ۳ سو ۵۵ سال قبل مہابا نامی ایک ریاضت کیش نے ایک آتش کدہ بناکر پرستش شروع کی، ہزاروں آدمی گرد جمع ہوگئے، بدھ مذہب بھی ہندوستان میں اس وقت ترقی پذیر تھا، اس کو ناگوار ہوا، اور حکومت پر زور ڈال کر آتشکدہ کی پرستش کو روک دیا، اس کے بعد مہابا کی جماعت نے ایک تیسرے طاقتور گروہ کی جستجو کی جس کے ذریعہ سے بدھ مذہب کو مغلوب کرکے برہمنی مذہب کو رواج دے، خدا نے سن لیا اور اس آتشکدہ سے ایک پیکر نمودار ہوا جس کا نام دھن جی تھا، یہ شخص برہمنی مذہب کا سرپرست ہوکر دکن سے نکلا، مالوہ پہنچکر اوجین کو اس نے تخت گاہ بنایا، عرصہ تک زندہ رہا، اس کی پانچویں نسل میں چتر آج کی کوئی اولاد نہ تھی، اس لئے ادت پنوار کو اوس نے گود لے کر پنوار قوم کی حکومت کا سلسلہ قایم کیا، اس کے بعد بھرتہ راجہ ہوا وہ لڑائی میں مارا گیا، پھر گندہرپ تخت نشین ہوا، یہ وہی بھرتہ ہے جس کو پیکر گندہرپ میں خدا نے دیوتا کا اوتار بنایا اور پھر انسانی قالب میں اسے ڈھالا، گندہرپ اپنی فیاضی و قابلیت سے مشہور راجہ ہوا، اسی کا بیٹا بکرماجیت ہے جس نے اپنے اسلاف کا نام روشن کیا، اس راجہ کے متعلق طرح طرح کے افسانے بیان کئے جاتے ہیں، لیکن مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ راجہ رعایہ پرور، رحم دل، منصف مزاج اور فقیرانہ طرز زندگی کا دلدادہ تھا، سادہ دلوں کے قلوب کو مسخر کرنے میں کامل تھا (فرشتہ و سیر المتاخرین)

[۲] فرشتہ کا بیان ہے کہ قنوج کا بانی راجہ سورج ہے، اوس وقت اس کی آبادی ۲۵ کوس کے گرد میں تھی راجہ سورج کیقباد شاہ ایران کا معاصر تھا، ۲۵۰ سال حکومت کی،

صاحب قاموس کا قول ہے، قنوج، کسنور بلدة فی الھند بنی قابیل بن آدم علیہ السلام یعنی قنوج سنور کے وزن پر قابیل کا بنایا ہوا شہر ہے، واللہ اعلم ۱۲۔

کردیا، اس نے جس قدر تاریخ ہند میں اعزازی شہرت حاصل کی ہے، کسی ماسبق یا ما بعد راجہ کو نصیب نہیں ہوئی۔

تقدیر کا انقلاب دیکھو کہ ایک طرف راجہ بکرماجیت رعایا کے فلاح و بہبود کے انتظامات میں ہمہ تن مصروف عمل تھا، اور دوسری طرف اس کا آفتاب اقبال زوال پذیر ہو رہا تھا، جس کی اجمالی کیفیت یہ ہے، کہ جب راجہ مذکور کی حکومت کو سو سال پورے ہو چکے، دوسری صدی کا دوسرا سال شروع تھا کہ دکن سے سالیاہن نامی ایک زمیندار نے خروج کیا، رفتہ رفتہ اس نے اسقدر طاقت بہم پہنچائی کہ بکرماجیت جیسے زبردست راجہ کے مقابلہ کے لئے دریائے نربدا کے کنارے پہنچکر صف آرا ہوا، فریقین میں جنگ عظیم ہوئی آخر کار راجہ بکرماجیت کے قتل پر جنگ کا خاتمہ ہو کر عدل و داد کی جگہ ظلم و ستم کا قبضہ ہوا۔

چو دور خزانی در افتد بہ باغ
زمانہ دہد جائے بلبل بہ زاغ (نظامی)

اس کے بعد سینکڑوں سال تک نہ صرف ملک مالوہ، بلکہ ہندوستان کو بکرماجیت جیسا راجہ نصیب نہیں ہوا۔ ۵۴۰ سال بعد سمت ۵۴۱ اور بقول بعض سمت ۵۱۶ میں راجہ بھوج ؎ نے تخت

؎ راجہ بھوج بکرماجیت کے بعد قوم پنوار سے دسواں راجہ گذرا ہے، بھوج پال آگیر اسی نے بنوایا جو حرف ج کی تخفیف سے بھوپال مشہور ہے، سو سال حکومت کر کے سمت ۶۴۱ میں فوت ہوا،

مشہور ہے کہ راجہ بھوج معجزہ شق القمر دیکھکر ایمان لے آیا تھا، صاحب آئینہ اودھ نے اس کے متعلق سنی ہوئی روایت درج کی ہے، لیکن کسی تاریخ یا حدیث و سیر میں اس واقعہ کا تذکرہ درج نہیں ہے، شاہ رفیع الدین مرحوم نے بھی رسالہ شق القمر میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، لیکن ان کے نزدیک بھی محقق نہیں۔ سنوات کی مطابقت کرنے سے البتہ راجہ بھوج کے عہد میں آنحضرت صلعم کا مبعوث ہونا پایا جاتا ہے، اس لئے کہ راجہ بھوج سمت ۵۴۱ میں تخت نشین ہو کر سمت ۶۴۱ میں فوت ہوا ہے، حساب سے سمت ۶۴۱ کے مطابق ہجری کا تیسرا سال آتا ہے، کرنل ٹاڈ صاحب مورخ راجپوتانہ کا قول ہے کہ ۵۶۷ء میں راجہ بھوج اوجین کی گدی پر موجود تھا، ۵۷ سال بکرمی سن کے بعد سن عیسوی کا آغاز ہوا ۵۶۷ میں ۵۷ عدد کو اور شامل کر دیا جائے تو سمت ۶۲۴ بکرمی ہوتا ہے، اس وقت بیشک راجہ بھوج زندہ تھا، لیکن سن ہجری کا رواج نہیں ہوا تھا،

ہسٹری آف انڈیا کے مؤلف سر جان مارشمین کا قول یہ ہے کہ شہاب الدین غوری کے حملہ کے وقت سنہ ۵۹۰ھ میں راجہ بھوج اوجین کے تخت پر موجود تھا، یہ بالکل غلط ہے، سلطان مذکور کے حملہ کے وقت مالوہ میں سمت ۱۲۹۳ میں گنگا کا راج تھا جس کے آخری زمانہ میں بہادر شاہ دکنی نے مالوہ پر قبضہ کیا، اور بہادر شاہ سلطان

(باقی صفحہ ۳۲)

نشین ہو کر بڑا نام پایا، ذاتی اوصاف اور ملکی انتظامی قابلیت میں دوسرا بکرما جیت تھا، تمام مالوہ اور نہروالہ (گجرات) اس کے زیر اثر رہا، اور حتی الامکان راجہ بکرما جیت کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی یہی وجہ ہے کہ نیک نہاد راجاؤں کی فہرست میں اس کا نام بھی درج ہو کر آج تک محفوظ ہے، لیکن ہر کمال کی انتہا زوال ہے، جب سو سال کی حکومت کے بعد راجہ بھوج کا جام حیات لبریز ہوا تو اُس کے بعد اس کے جانشینوں میں پھر اس قوت و قابلیت کا راجہ نہیں ہوا، جو متفرق اجزائے حکومت کو ایک شیرازہ میں مسلسل کر سکتا، ضعف حکومت سے فائدہ اٹھا کر چھتریوں نے ذیل کی ۶ حکومتیں جداگانہ قائم کر لیں، پنجاب، دہلی، قنوج میواڑ، پٹن، بنگال، ان حکومتوں کے استقلال کے بعد باسدیو[۱] راجہ فاتحانہ جوش و خروش کے ساتھ قنوج سے نمودار ہوا، لیکن موت نے عجلت کی، اور فتوحات کا کام ناتمام رہا، اس کے بعد اسی کا سپہ سالار رام دیو راٹھور نے تخت قنوج پر بیٹھا، بہت بڑا فاتح، اولوالعزم، شجاع، اور فرزانہ راجہ گذرا ہے، فتوحات کا عَلَم جب ہاتھ میں لے کر نکلا ہے تو اس وقت تمام

(بقایہ صفحہ ۴۲) غوری سے لڑا اور مارا گیا۔

نواب شاہجہاں بیگم رئیسہ بھوپال اپنی تاریخ تاج الاقبال میں لکھتی ہیں کہ دھار میں عام طور سے مشہور ہے کہ حضرت عبداللہ چنگال مع مکہ معظمہ سے مالوہ آئے جن کے ہاتھ پر راجہ بھوج نے اسلامی کلمہ پڑھا اور اسلام لایا، اور اس سے قبل معجزۂ شق القمر دیکھ کر در پردہ حضور صلعم پر ایمان لا چکا تھا معلوم ہوتا ہے کہ رئیسہ بھوپال کو اس قصیدہ کے اشعار سے دہوکا ہوا ہے جو حضرت عبداللہ چنگال کے مزار پر کندہ ہے، جس کے بعض شعر یہ ہیں۔ چو وقت آمد کہ خورشید حقیقت ؛ شود طالع درین بلد لے دیجور رسید این شیر مرد از مرکز دیں ؛ درین دیر کہن با جمع جمہور ؛ بزد برہم تماثیل وثناں را ؛ معمل ساختہ آں معبد زور ؛ چو راے بھوج دیدش از فراست ؛ مسلماں گشتہ با اہل ہمہ سور ؛ بنور شرع روشن گشت ایں قصر ؛ رسوم شرک شد معدوم و مدحور ؛ لیکن تاریخ وصال درج نہیں ہے، قصیدہ کے ایک اس شعر سے زہجرت ہفصد و پنجاہ و نہ بود ؛ کہ تاریخش مجدد گشت مسطور ؛ واضح ہوتا ہے کہ ۷۵۹ھ ہجری میں آپ کا دوبارہ مزار تعمیر ہوا ہے۔ بہر حال جس راجہ بھوج نے حضرت موصوف سے کلمہ توحید پڑھا ہے وہ اس وقت کوئی اور مقامی راجہ ہوگا، راجہ بھوج المتوفی سمت ۱۱۲۲ کے عہد میں مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد شروع نہیں ہوئی، ۱۲ مؤلف۔

[۱] اس کا نام ہندی تاریخوں میں راجہ بلوم لکھا ہے، اور یہ بھی درج ہے کہ گنگا میں ڈوب کر مرا ۱۲

راجگان ہند نے اس کے سایہ میں پناہ لی، مالوہ بھی فتح کیا، قلعہ نرور[5] کی از سر نو تعمیر کرائی،
نوشیروان عادل کا ہم عصر تھا، اس کے بعد اس شان و شوکت کا دوسرا راجہ ہندوستان کو
نصیب نہیں ہوا، رام دیو کے بعد پرتاب چند[6] سپاہ سالار نے حکومت کا تاج اپنے سر پر رکھا
۱۰ سال حکومت کی، لیکن اپنی کمزوریوں کی وجہ سے سلطنت کے اُن حدود کو جسے راجہ رام دیو نے
بزور بازو قنوج کے دار الحکومت میں شامل کیا تھا، سنبھال نہ سکا، نتیجہ یہ ہوا کہ باج گذار راجاؤں
نے خود سری اختیار کر کے پایۂ تخت قنوج سے علیحدگی اختیار کر لی، اور بجائے خود مستقل راجگی
کے پیکر میں نظر آنے لگے، ؎

برمرد ہشیار دنیا خس است
که هر مدتے جائے دیگر کس است (سعدی)

یہ وہ زمانہ ہے کہ جزیرہ نمائے ہند مختلف حکومتوں کے زیر اثر نظر آ رہا ہے، گو حکومتیں قومی
وملکی ہیں، لیکن حکمرانی کے غرور و نخوت نے دلوں میں رقیبانہ جذبات کا جوش پیدا کر رکھا ہے
بالآخر دورِ فلک نے چند صدی میں یہ زمانہ بھی گذار دیا،

محمود غزنوی چوتھی صدی ہجری کے اخیر میں جب سلطان محمود[7] غزنوی نے مجاہدانہ حیثیت
سے ہندوستان کی طرف رخ کیا ہے، اُس وقت قنوج میں راجہ کور، میرٹھ
میں دہرم دت، مہابن میں گل چند، لاہور میں جیپال، کالنجر میں بھیرا، اسی طرح مالوہ، گجرات، اجمیر
اور گوالیار وغیرہ میں جدا جدا راجے تھے، جو تقریباً سب کے سب مغلوب رہے، ہندوستان
پر مجاہد اعظم سلطان محمود غزنوی کے، ۱۷ حملے ہوئے ہیں جن میں ۱۲ حملے زیادہ مشہور ہیں جو ۳۹۱ھ ۱۰۰۱ء

[5] موجودہ زمانہ میں ریاست گوالیار کا مشہور ضلع ہے، ۱۲
[6] اسی کے عہد میں نوشیروان عادل کی فوج ہندوستان آئی اور اپنا چڑھا ہوا خراج وصول کیا ۱۲
[7] سلطان محمود شب عاشورہ ۳۵۷ھ ۹۶۷ء میں پیدا ہوا، تخت نشین ہونے کے بعد خلافت بغداد سے
اس کو امین الملت یمین الدولہ کا خطاب ملا ۳۴ سال حکومت کی جمعرات کے روز ۲۳ ربیع الثانی ۴۲۱ھ ۱۰۳۰ء میں ۶۳
سال کی عمر پا کر دنیا سے رحلت کی شاہ باز جہاں، مادہ سالِ وفات ہے، ۱۲

سے شروع ہو کر ۴۱۹ھ ۱۰۲۸ء میں ختم ہوئے ہیں، ان میں سے ابتدائی ایک دو حملہ کے سوا باقی تمام مجاہدانہ نوعیت رکھتے ہیں، جن کی غایت محض اشاعت اسلام و تبلیغ وحدانیت تھی، توسیع ملک سے اگر ان حملوں کا تعلق ہوتا تو ملوکانہ حیثیت سے اُس وقت ہندوستان میں سلطان محمود ہی کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا،

اسلامی حکومتیں

رائے پتھورا سے پہلی جنگ

اس کے بعد غوریوں کا ستارۂ اقبال افق غور سے طلوع ہو کر رفتہ رفتہ اس قدر بلند ہوا، کہ تھوڑی مدت میں خاک ہند بھی اس کی تنویر سے منور ہو گئی،

معز الدین محمد سام، المخاطب سلطان شہاب الدین غوری[1] سلاطین اسلام میں پہلا شخص ہے جس نے فتوحات ملکی کے ارادہ اور نیت سے ۵۸۲ھ ۱۱۸۶ء میں ہندوستان پر پہلا حملہ کیا، اس حملہ کا رخ ملتان کی طرف تھا، دوسرا حملہ گجرات پر ہوا، تیسری مرتبہ ۵۸۷ھ ۱۱۹۱ء میں سلطان موصوف دہلی کی طرف متوجہ ہوا، اُس وقت رائے پتھورا (جسے پرتھی راج بھی کہتے ہیں) دہلی کے راج کا مالک تھا، اس نے غوری و قندھاری افواج کی آمد کی خبر سنکر اپنے ہم ملک اور ہم قوم ہندی راجاؤں، مہاراجاؤں کے آگے استعانت کا ہاتھ بڑھایا، غرض دو لاکھ سوار، اور ۳ ہزار ہاتھیوں کی مجموعی طاقت حاصل کر کے تھانیسر اور

[1] غور، شہر قندہار ملک افغانستان سے سات آٹھ منزل کے فاصلہ سے ہے وہاں کے حکام ہمیشہ خود سر رہے محمود غزنوی نے ان کو مطیع کر کے اتحاد پیدا کیا بعد میں بہرام شاہ، شاہ غزنی نے اپنی دختر کی شادی قطب الدین حاکم غور سے کر دی، چند روز کے بعد خسر و داماد میں نا اتفاقی کی آگ مشتعل ہوئی، بہرام شاہ نے قطب الدین کو قتل کرا دیا اور دوسرے بھائی سیف الدین کا کالا منہ کر کے شاہ ایران کے پاس بھیجدیا، تیسرے بھائی علاء الدین غوری نے انتقام کی تلوار ہاتھ میں لی اور نہایت جوش کے ساتھ غزنی کو روانہ ہوا، اور بالآخر غزنی کو فتح کر کے سات روز سپاہ سے شہر کو غارت کرایا۔ آگ لگا دی، لوگوں کو گرفتار کر کے ذبح کیا، مقتولین کے خون سے عمارت کے لئے گارا تیار کرایا، خسرو ملک آخری تاجدار غزنی کو شہاب الدین غوری نے گرفتار کر کے قید کر لیا، اسی قید میں وہ مر بھی گیا، غزنی کو غور میں شامل کیا، علاء الدین نے اپنے اعمال نامہ کے صلہ میں مخلوق خدا کی زبان سے جہاں سوز کا خطاب حاصل کیا، شہاب الدین غوری اسی علاء الدین کا فرمان بردار بھتیجا تھا، جس نے ہندوستان میں غوری سلطنت کی بنیاد ڈالی ۱۲ (فرشتہ)

کرنال کے درمیان تراوری کے میدان میں پہنچکر صف آرا ہوا، ایک طرف افغان، دوسری طرف راجپوت، برابر کی چوٹ تھی، سخت اور خونریز محاربہ ہوا کسی فریق نے جوہر مردانگی اور جنگی قابلیت دکھانے میں کمی نہیں کی، لیکن فتح اور شکست ایک ایسی زبردست طاقت کے قبضۂ اقتدار میں ہے جو کائنات کا حقیقی شہنشاہ تسلیم کیا جاتا ہے، عین معرکۂ کارزار میں کھانڈے راؤ حاکم دہلی کے ہاتھ سے سلطان شہاب الدین غوری مجروح ہوا قریب تھا کہ دشمنوں کے پنجہ میں اسیر ہو، لیکن سلطانی اقبال نے وقت پر اس طرح یاوری کی کہ خلجی بچہ غلام سلطان کا ہم ردیف ہوکر اور اپنے گھوڑے پر سلطان کو سوار کراکے میدانِ جنگ سے صاف نکال لے گیا، اور سلطانی فوج منتشر ہوکر اپنے مرکز پر چلی گئی،

رائے پتھورا سے دوسری جنگ

سلطان کو اپنی ہزیمت سے سخت افسوس و ملال ہوا، تیرہ مہینے تک انتقامانہ طیاری میں مصروف رہ کر ۵۸۹ھ ۱۱۹۳ء میں غزنی، کابل، قندہار اور غور کے منتخب اور کارآزمودہ جانبازوں کی معیت میں رائے پتھورا کے مقابلہ کے لئے دوبارہ حدودِ ہند میں داخل ہوکر اجمیر کی طرف پیش قدمی کی، رائے پتھورا پہلے ہی سے ہوشیار تھا، سابقہ فتح نے بہادرانِ ہند کے حوصلوں میں جنگجویانہ جوش و خروش کو اور زیادہ ترقی دیدی تھی، اس لئے اس مرتبہ رائے پتھورا کو راجگانِ ہند کی طرف سے کافی امداد ملی، ۳ لاکھ سواروں، ۳ ہزار ہاتھیوں، بے شمار پیادوں اور ۱۵۰ رایاں و راجگانِ ہند کے جلو میں رائے پتھورا سلطان کے استقبال کے لئے دہلی سے نکلا، سواروں اور پیادوں کی صفیں بالمقابل آراستہ ہوئیں، اور آراستہ ہوکر ایک دوسرے کی طرف اس طرح بڑھیں کہ گویا سہ

دو کوہ آہنی از جائے جنبید
زمین گویا زسر تا پائے جنبید

نہایت زور و شور کا رن پڑا، نامی اور چیدہ بہادرانِ ہند کام آئے رانا سرسی، والئی چتوڑ بھی مقتول ہوا، افغانانِ غور و قندہار کی تلواریں اُس وقت نیام میں داخل ہوئیں جبکہ سامنے سے باقی ماندہ

افواج پتھورا فرار ہو چکی تھیں، سرِ عسکر رائے پتھورا بھی میدانِ جنگ سے بھاگا، لیکن بہت جلد سلطانی قید میں آکر قتل کر دیا گیا، اس وقت نہ راجپوتوں کی دلیری کام آئی، نہ افواج کی کثرت، نہ اقبال نے یاوری کی نہ زمانہ نے معاونت مقدر کا سربستہ راز کھلنا تھا وہ کھلکر رہا، ؎

رکھتا ہے اوج چرخ کسی کا کب ایک دن
ہوتا ہے دوپہر میں زوال آفتاب کا

منصور و مظفر ہو کر سلطان اجمیر میں داخل ہوا، کولا رائے ابن رائے پتھورا کو کسی ملکی مصلحت سے ادائے خراج کے معاہدہ پر اجمیر کا حاکم مقرر کیا، اس کے چند روز بعد، قطب الدین ایبک (جو بعد میں سلطان قطب الدین لکھہ بخش کے القاب سے مشہور ہوا) کو ہندوستان میں اپنا نائب مقرر کر کے خود سلطان غزنی واپس چلا گیا،

مشہور روایت ہے کہ رائے پتھورا کی مفروری اور اس کے تعاقب کی حالت میں ایک سبز پوش سوار نمودار ہوا، جس نے رائے پتھورا کو گرفتار کر کے متعاقب سپاہ کے حوالہ کیا اور خود غائب ہو گیا،

سلطان شہاب الدین جس وقت نصرت و فتحمندی کا ٹپکا باندھے ہوئے حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری رحمۃ اللہ علیہ کے سلام کو حاضر ہوا، اجمیر[۲] کی آبادی نعرہ توحید سے گونج اٹھی، گفتگو کے سلسلہ میں خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان سے ارشاد فرمایا کہ وہ سبز پوش سوار میں تھا جس نے رائے پتھورا کو گرفتار کر کے شاہی فوج کے حوالہ کیا، خواجہ صاحب[۳] کی یہ ادنی کرامت ہے،

---

[۱] آئینہ اودھ مطبوعہ نول کشور پریس ۱۹۰۱ء ذکر سلطان شہاب الدین غوری ۱۲

[۲] اجمیر راجپوتانہ میں واقع ہے، صاحب آئینہ اودھ نے بحوالہ اخبار الاخیار اجمیر کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ آجا ایک راجہ کا نام تھا، اور میر ہندی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں، چونکہ ابتدائً فصیل شہر پہاڑ پر تعمیر ہوئی تھی اس لئے راجہ نے اپنے اور پہاڑ کی مناسبت سے اس فصیل کا نام آجامیر رکھا، جو لفظ کی تخفیف سے اجمیر مشہور ہو گیا،

[۳] حضرت خواجہ صاحب نے ۶ رجب المرجب ۶۳۳ھ میں وصال فرمایا، انتقال کے وقت ذیل کی عبارت آپ کی پیشانی پر لکھی ہوئی دیکھی گئی حَبِیْبُ اللّٰہِ مَاتَ فِیْ حُبِّ اللّٰہِ (آئینہ اودھ) ۱۲

دوسال بعد ۵۹۰ھ ۱۱۹۴ء میں سلطان موصوف راجہ جے چند[1] راٹھور والی قنوج کے مقابلہ کے لئے پھر عازم ہندوستان ہوا، راجہ مذکور نے بھی فوجی جمعیت کے ساتھ پیشوائی کی، حریفوں کا اجتماع اٹاوہ کے شمال میں دریائے جمنا کے کنارے چندواڑ کے میدان میں ہوا، عین معرکہ کارزار میں جب کہ راجہ جے چند ہاتھی پر سوار ہوکر راجپوتوں کے حوصلے بڑھا رہا تھا، اُس وقت قطب الدین ایبک نے اپنی قدر اندازی کا کمال دکھا کر ایک تیر اُس کی آنکھ میں پیوست کیا، درد کے صدمہ سے راجہ مذکور ہاتھی سے نیچے اترا، راجہ کا سواری سے نیچے آنا تھا کہ فوج کے پاؤں اکھڑ گئے، سلطانی سپاہ نے تلواریں سوت لیں، ہزاروں آدمی تلوار کے گھاٹ اتر گئے، سلطان ظفر مندانہ کروفر سے قنوج میں داخل ہوا فتوحات سلطانی میں یہ فتح عظیم ترین کامیابی تھی جس نے غوریوں کے لئے ہندوستان کا راستہ صاف کردیا، اور بیشمار خزانہ ہاتھ آیا،

قطب الدین ایبک کی تخت نشینی

۵۹۹ھ ۱۲۰۲ء میں سلطان، اپنے بھائی سلطان غیاث الدین کی وفات پر غزنی اور غور کے شاہی تخت کا مالک ہوا چند سال کے بعد غرۂ شعبان سنہ ۶۰۲ھ مطابق ۱۳ رمارچ سنہ ۱۲۰۵ء میں (جب کہ سلطان شہاب الدین خوارزم کی جنگی تیاریوں میں مصروف تھا) دریائے اٹک کے کنارے بدمعاشوں کے ہاتھ سے شہید ہوگیا، وفات سلطانی کی خبر سنکر قطب الدین[2] ایبک نے سنہ ۶۰۲ھ ۱۲۰۶ء میں دہلی[3] کے تخت شاہی پر جلوس کیا، سلاطین اسلام میں یہ پہلا خوش اقبال سلطان ہے جس نے دہلی کو تخت گاہِ اسلام بنایا،

[1] راجگان مارواڑ، اور بیکانیر اسی راجہ کے خاندان سے ہیں

[2] قطب الدین ایبک، سلطان شہاب الدین غوری کا زرخرید غلام تھا، شجاعت و دانائی میں عدیم المثال رحم وکرم میں بےنظیر سلطان تھا، فیاضی کی بنا پر مخلوق خدا کی زبان سے لکھہ بخش کا لقب حاصل کیا، ایبک ترکی لفظ ہے، جو شل کا مرادف ہے، چوں کہ سلطان کی بعض انگلیاں کج اور شکستہ تھیں، اس لئے ایبک مشہور ہوا، چوگان بازی کے مشغلہ میں گھوڑے سے گر کر سنہ ۶۰۷ھ میں وفات کی، مدت امارت ۱۶ سال، مدت سلطنت ۴ سال، ۱۲ فرشتہ و سیر المتاخرین،

[3] اکثر مورخین کا اتفاق ہے کہ دہلی کا قدیم نام اندرپت ہے، فرشتہ کا بھی یہی قول ہے، وجہ تسمیہ دہلی کی فرشتہ نے یہ لکھی ہے، اندرپت کے قریب راجہ دہلو نے ایک نئی آبادی کی بنیاد قایم کی اور اپنے نام سے اسے منسوب کیا، صاحب مرآت آفتاب نما کا بھی یہی خیال ہے، مگر دوسری جگہ مورخ مرآت آفتاب نمانے دہلی کو راجہ دلیپ سے منسوب کیا ہے، اور فرشتہ نے ایک جگہ دہلی کے معنی نرم زمین کے لکھہ کر یہ تصریح کی، کہ دہلی کی زمین اس قدر نرم تھی کہ اس میں میخ قائم نہیں رہتی تھی۔ اس

لیکن موت نے عجلت کی ؁ ۴ سال کے بعد ؁۶۰۷ھ ؁۱۲۱۰ء میں اس نے وفات پائی، اسی سال اس کا بیٹا آرام شاہ کے لقب سے سریر شاہی پر جلوہ گر ہوا، چونکہ مہمات سلطنت سے نا آشنا تھا، اس لئے ایک سال کے اندر ہی اسے تخت سے دست بردار ہونا پڑا، عمائدین سلطنت کے مشورہ سے اسی سال ؁۶۰۷ھ ؁۱۲۱۰ء میں سلطان شمس الدین التمش[1] کو تخت شاہی پیش کیا گیا، جس نے شاہانہ جلوس کے بعد سکہ و خطبہ اپنے نام سے جاری کیا، فتوحات کے سلسلہ میں سندھ، بنگال، اور ؁۶۳۱ھ ؁۱۲۳۴ء میں مانڈو (دار الحکومت مالوہ) اجین، گوالیار کو فتح کر کے وہ شہرت حاصل کی کہ خلیفہ بغداد عباسی نے خطاب کے ساتھ سند شاہی بھی عطا کی، ۲۶ سال عدل و داد کے ساتھ سلطنت کر کے ؁۶۳۳ھ ؁۱۲۳۶ء میں رحلت کی[2]،
اس کے بعد رکن الدین، رضیہ بیگم، بہرام شاہ، علاء الدین مسعود،

(بقیہ صفحہ ۲۷) سے دہلی نام ہوا، لیکن مرجح قول وہی ہے کہ راجہ دہلو نے جدید آبادی کو اپنے نام سے منسوب کیا ہے جیسا کہ حضرت امیر خسرو کے اس شعر سے ثابت ہے جس کا مخاطب جلال الدین فیروز شاہ خلجی ہے شعر: یا یک اسپ بخشش یا زا خود بفرما بارگی، یا بفرماں دہ کہ گردوں شینم و دہلو دوم، راجہ دہلو نے قنوج کے تخت پر ۴ سال حکومت کی ہے، بہمن و دارا شاہان ایران کا معاصر تھا، اس کے بعد راجہ فور ہوا ہے، جس کے عہد میں اسکندر اعظم نے دریائے ستلج سے گذر کر قنوج پر فوج کشی کی تھی (فرشتہ سفرنامہ ڈاکٹر برنیر مترجمہ خلیفہ محمد حسین، آثار الصنادید) عہد حکومت انگریزی میں دہلی کو ؁۱۹۱۲ء میں دار السلطنت ہونے کی عزت ملی، جس کا افتتاح قیصر ہند جارج پنجم نے خود ہندوستان آ کر کیا تھا، دہلی کا رقبہ ۵۵۷ میل مربع اور مردم شماری بروئے شمار ؁۱۹۲۱ء ۳ لاکھ ۹۲ ہزار نفوس کی ہے، ۱۲ مؤلف

[1] التمش ترکی زبان میں ہراول فوج کے سردار کو کہتے ہیں، فرشتہ نے لکھا ہے کہ شب خسوف میں پیدا ہوا، اس لئے التمش مشہور ہوا، نسابان ہند نے اس کو زمرہ سادات سے بتایا ہے، بہرحال ترکی نژاد، اور سلطان قطب الدین ایبک کا زر خرید غلام اور داماد بھی تھا، اس کا باپ یلم خاں اپنی قوم کا سرخیل تھا، جس کے کئی بیٹے تھے، حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی طرح اس کے بھائیوں کو بھی اس کے حسن اور قابلیت پر بڑا رشک ہوا، اور باہر لیجا کر فروخت کر دیا، خریدار نے اس کو بخارا لیجا کر اچھی قیمت میں فروخت کیا، جہاں اس کی تربیت و تعلیم اعلیٰ پیمانہ پر ہوئی اس کے بعد منتقل ہوتا ہوا جمال الدین چست قبا کے ہاتھ آیا، اس نے غزنی پہنچکر شہاب الدین غوری کے نذر کیا، لیکن بھاری قیمت کی بنا پر سلطان غوری نے انکار کیا اور حکم دیا کہ اس کو کوئی خرید نہ کرے، جب قطب الدین ایبک نہروالہ فتح کر کے غزنی پہنچا تو اس نے التمش کی تعریف سنی اور سلطانی اجازت سے خرید کر کے اپنے ساتھ دہلی لے آیا، مختلف عہدوں پر ممتاز رہا اس کی ذہانت اور قابلیت نے اس کو قطب الدین ایبک کا داماد بنا دیا اور آگے چل کر سلطان شمس الدین التمش کے لقب سے بڑی شان و شوکت کا بادشاہ ہوا فرشتہ، تاریخ ہندوستان

[2] قطعہ تاریخ وفات یہ ہے۔ چو شش صد سی و سہ از سال ہجری، گذشتہ بست روز از ماہ شعبان، بشد سلطان شمس الدین التمش، بسوئے جنت المادیٰ خراماں، فرشتہ، آئینہ اودھ،

ناصرالدین محمود[۱]، یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے، ان میں ناصرالدین محمود نہایت درجہ نیک خصلت اور متبع شریعت گذرا ہے، نرور اور چندیری اضلاع کو اس نے فتح کیا، لیکن پھر آزاد ہو گئے،

اس کے بعد غیاث الدین بلبن[۲] (ناصرالدین محمود کا بہنوئی اور اس کا وزیر) نے سریر سلطنت کو زینت دی، عدل و انصاف، سیاست و قابلیت میں ممتاز تھا، ۲۲ سال حکومت کرنے کے بعد ۶۸۵ھ / ۱۲۸۶ء میں فوت ہوا، بلبن کے بعد اسی کا پوتا معزالدین کیقباد[۳] تخت نشین ہوا، عیاش اور امور جہانداری سے بے بہرہ تھا، تین سال کے اندر اپنے نوکروں کے ہاتھ سے مارا گیا، ۶۸۷ھ / ۱۲۸۸ء میں اراکین سلطنت کے مشورہ سے سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی، تخت نشین ہوا، پاک باطن اور نیک خصلت پادشاہ تھا، سات سال کے بعد اسی سلطان کے بھتیجے علاء الدین خلجی نے (جو داماد بھی تھا) ۶۹۵ھ / ۱۲۹۵ء میں اسے قتل کر دیا، اور خود علاء الدنیا والدین سکندر ثانی کے القاب سے سریر آرائے سلطنت ہوا، ۲۰ سال سلطنت کرنے کے ۷۱۶ھ / ۱۳۱۶ء میں راہی ملک عدم ہوا، جابر، سخت گیر، لیکن بہادر، منتظم، اور فاتح سلطان تھا، ملک مالوہ اسی کے

---

[۱] ناصرالدین محمود، سلطان شمس الدین التمش کا تیسرا بیٹا تھا، اس نے صرف ایک بیوی کے ساتھ زندگی گذاری، قرآن شریف لکھتا اور اس کے ہدیہ سے اپنی اور بیوی کی گذر کرتا، شاہی خزانہ سے کبھی ایک حبہ اپنے ذاتی مصارف کے لئے اس نے نہیں لیا، متقی عابد و زاہد اور پاکیزہ خصلت پادشاہ تھا، ایک دفعہ اس کی بیگم نے امور خانہ داری کے انصرام کے لئے، ایک کنیز کی استدعا کی، بادشاہ نے جواب دیا کہ سلطنت کا خزانہ رعایہ کا مال ہے اور اپنی ذاتی آمدنی میں کنیز کی گنجائش نہیں، بیوی بھی نیک نفس و فرماں بردار تھی، گھر کا کل کام خود انجام دیتی، خدائے پاک دونوں پر رحمت نازل فرماتا رہے، ۱۲ (فرشتہ)

[۲] بلبن، ترکوں کے ایک قبیلہ کا نام ہے، بعض کہتے ہیں کہ بلبن ترکانِ قراخطائی سے تھا جو مغلوں کے ہاتھ قید ہو کر بغداد لایا گیا، جہاں خواجہ جمال الدین بصری نے ۶۳۳ھ میں اسے خرید کیا، اور ہندوستان آکر سلطان شمس الدین التمش کے غلاموں میں داخل ہوا، اپنی ذہانت اور قابلیت سے ترقی کرتے ہوئے ہندوستان کا بادشاہ ہوا، سلطان شمس الدین التمش نے اپنی بیٹی بھی اس سے منسوب کر دی تھی ناصرالدین محمود کے عہد میں وزیر اعظم بھی تھا، اس کے سکے کی عبارت ایک طرف یہ تھی، السلطان الاعظم غیاث الدنیا والدین ابو المظفر بلبن السلطان دوسری طرف، امام المستعصم امیر المومنین، ضرب ہذا الفضہ دہلی،

[۳] یہ وہی کیقباد ہے جس کے اور جس کے باپ بغرا خاں کی ملاقات کے حالات حضرت امیر خسروؒ (باقی بر صفحہ ۳۰)

عہد میں فتح ہوکر دہلی سے ملحق ہوا، اور سلطان محمد شاہ تغلق کے اخیر عہد سلطنت ۷۹۹ھ ۱۳۹۷ء تک برابر دہلی کے ماتحت رہا، اس کے بعد دلاور خاں غوری نے تخت دہلی سے جدا ہوکر مالوہ کی سلطنت کی علٰحدہ بنیاد ڈالی، جس کی تفصیل تیسرے باب میں آگے آتی ہے، یہاں یہ امر قابل اظہار ہے کہ عام مورخین نے تصریح کی ہے، کہ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد سے، سلطان محمد شاہ تغلق کے زمانہ تک مالوہ دہلی کا ضمیمہ رہا، لیکن مؤلف کی تحقیقات کی رو سے مالوہ کا فاتح سلطان علاء الدین خلجی[1] ہے، مورخ فرشتہ کا بیان ۶۶۴ھ کے واقعات کے تحت میں یہ ہے جس سے ثابت ہے کہ سلطان بلبن نے اپنا عہد شاہی مقبوضہ ملک کے مزید استحکام میں صرف کیا، اور دوسرے حصۂ ملک کی طرف توجہ نہیں کی،

چوں در سلطنت سلطان بلبن استقلال و بکمال رسید، چندے از اُمرا معروض داشتند کہ قوت و قدرت بادشاہ زماں بدرجہ کمال است، ممالک گجرات و مالوہ و دیگر بلاد ہند را کہ در زمان پادشاہ قطب الدین ایبک و سلطان شمس الدین التمش بہ تصرف درآمدہ بود گذاشتن نہ لائق بود، بادشاہ جواب داد کہ دریں وقت مغلان بر بلاد اسلام متصرف شدہ اند و اکثر بر ممالک ہندوستان تاخت می آورند، از دہلی حرکت نمودن و ولایت دور دست رفتن شرطِ حزم و دور اندیشی نیست، بلکہ ملک خود را مضبوط و امین داشتن بہتر کہ بملک دیگراں پرداختن و ولایت قدیم را ناقص داشتن۔

مورخ فرشتہ نے بھی دوسرے مورخین کی طرح یہی لکھا ہے کہ سلطان بلبن کے عہد سے مالوہ دہلی کے زیر اثر رہا، لیکن سلطان موصوف کے کارنامہ میں مورخ مذکور نے کسی جگہ سلطان بلبن کا

(بقیہ صفحہ ۲۹) رحمۃ اللہ علیہ نے قران السعدین میں لکھے ہیں۔

[1] خلجی کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے، کہ قلیج خاں نامی چنگیز خاں کا داماد تھا، اپنی بیگم سے خوف زدہ ہوکر اپنے قبیلہ کے ۳۰ ہزار اشخاص کے ساتھ کوہستان غور کی طرف چلا آیا، شاہ غور کے یہاں ملازمت اختیار کی، جلال الدین غوری کا دادا شہاب الدین غوری کے عہد میں ہندوستان آیا، قلیج خاں مورث کے نام کے انتساب سے اسکی اولاد قلیجی، مشہور ہوئی، بعد میں حرف قاف خ سے بدل کر خلجی معروف ہوا۔ ۱۲

مالوہ فتح کرنا درج نہیں کیا، حالانکہ اسی کی مندرجہ صدر عبارت سے اس کی نفی ہوتی ہے،

مولوی ذکاء اللہ صاحب مرحوم نے تاریخ ہندوستان میں صاف طور سے لکھا ہے کہ ملک مالوہ ۶۷۰ھ ۱۲۷۱ء میں بہ عہد سلطان بلبن مفتوح ہوا، کس قدر تاریخی غلطی ہے، سلطان بلبن موصوف ۶۶۴ھ ۱۲۶۶ء میں تخت نشین ہو کر ۲۱ سال ۹ مہینے سلطنت کرنے کے بعد ۶۸۶ھ ۱۲۸۷ء میں فوت ہوا، ۶۷۰ھ اس کو نصیب نہیں ہوا، یہ سن سلطان علاء الدین خلجی کا پندرہواں سال جلوس ہے اس لئے کہ سلطان مذکور ۶۹۵ھ میں تخت نشین ہوا، اور ۷۰۴ھ میں سلطان کے ایما سے عین الملک ملتانی نے مالوہ، اوجین، چندیری کو فتح کیا، اور اس خوشی میں سات شبانہ روز دہلی میں جشن رہا، سلطان علاء الدین خلجی کے تذکرہ میں فرشتہ کی عبارت یہ ہے،

عین الملک ملتانی را کہ از امرائے کبار بود با لشکر بسیار بہ تسخیر مملکت مالوہ و اوجین و چندیری، و جالور تعین فرمود و عین الملک بمالوہ در آمدہ، کوکا راجہ آں جا با چہل ہزار سوار راجپوت و یک لک پیادہ استقبال نمودہ حرب صعب درمیان ہر دو سپاہ اتفاق افتاد، و عین الملک را ظفر اختصاص یافت و بلدہ اوجین و مندو، و دہار انگری را بتاریخ دہم جمادی الاول مفتوح ساختہ فتح نامہ بخدمت بادشاہ فرستاد، چنانچہ ہفت شبانہ روز در دہلی نقارہ شادی زدند، و لشکر برگرد و نہا بار کردہ بمردم شہر قسمت نمودند،

قارئین کرام انصاف کریں کہ مالوہ کا فاتح علاء الدین خلجی ہے، یا اس کا پیشرو سلطان غیاث الدین بلبن المتوفی ۶۸۵ھ ہے، یہ ایک تاریخی حسابی غلطی تھی اس لئے صراحت کے ساتھ اس موقع پر اظہار اس کا ضروری سمجھا گیا،

بہرحال ملک مالوہ مستقل طور سے سلطان علاء الدین[1] خلجی کے عہد سے ۶۹۹ھ

[1] یہ وہی سلطان ہے جس کی ہوس پرستی اور رانی پدماوت پر نادیدہ عاشق ہونے کی داستان نہایت آب و تاب سے بیان کی جاتی ہے، مثنوی پدماوت نے اور بھی عاشقانہ رنگ چڑھا دیا ہے، عام مورخین بھی اس افسانہ کو درایت کی کسوٹی پر جانچ کئے ہوئے بغیر تاریخوں میں درج کرتے رہے ہیں، فرشتہ نے بھی اس افسانہ

عہد محمد شاہ ابن سلطان فیروز شاہ تغلق تک دہلی کا مفتوحہ و مقبوضہ صوبہ رہا۔

تیسرا باب

سلاطین مالوہ

درین حدیقہ بہار و خزاں ہم آغوش است
زمانہ جام بدست و جنازہ بر دوش است

(بقیہ صفحہ ۳۱) کو درج کر دیا ہے، لیکن منصف مزاج اور محقق مورخین نے لکھا ہے کہ اصل واقعہ کی صورت کو مسخ کر کے ... ... تفریح طبع کے لئے داستان گھڑ لی گئی ہے، مولوی اکبر شاہ خاں نجیب آبادی مشہور مورخ اسلام اپنی کتاب آئینہ حقیقت نما میں علامہ ضیا برنی کی تاریخ فیروز شاہی کے حوالہ سے (جو ۷۵۸ھ کی تصنیف ہے اور جس نے خلجیوں کے ۳۳ سالہ واقعات کو اپنی آنکھوں سے بھی دیکھا ہے) واقعہ کی صورت اس طرح بیان کرتے ہیں ۷۰۳ھ میں علاء الدین خلجی نے چتوڑ کے قلعہ کا محاصرہ کیا ۶ ماہ کے طویل محاصرہ کے بعد قلعہ فتح ہوا، راجہ رتن سین قید سلطانی میں آکر عرصہ تک نظر بند رہا۔ اور سلطان اپنے ولی عہد خضر خاں کو چتوڑ کا حاکم مقرر کر کے خود دہلی چلا آیا، محاصرہ کے سختی کے دوران میں کچھ راجپوت اور راجہ کی رانی پدماوت قلعہ سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو چکے تھے، خضر خاں نے چتوڑ کا نام خضر آباد رکھا، اور پھر مفرورین راجپوتوں نے رانی پدماوت کو اپنا سردار بنا کر جنگلی جھاڑی کو مستقر بنایا، خضر خاں سے مفرورین کا استیصال نہ ہو سکا رتن سین کا بھانجہ رائے گر بر پائے (جو سلطان کا مطیع ہو کر حاضری میں تھا) کو سلطان نے حاکم چتوڑ مقرر کر کے خضر خاں کو معزول کیا، لیکن اس عزل و نصب سے قبل سلطان نے مفرورین کی تاخت و تاراج کی خبر سن کر رتن سین کے بھانجہ سے شکایت کی، اس نے کہا کہ راجہ رتن سین آپ کی قید میں ہے، اس کے ذریعہ سے رانی پدماوت کو ہدایت کی جائے تو اثر خیز ہوگی، سلطان نے قید خانہ میں راجہ رتن سین کو پیغام دیا کہ تم اپنی رانی کو اپنے پاس بلا لو تا کہ غم غلط ہوتا رہے۔ راجہ نے سنکر اور خوش ہو کر رانی کو اپنے پاس آنے کی اطلاع دی، لیکن اس فرزانہ عورت نے ڈولیوں میں مسلح راجپوتوں کو بٹھلا کر اپنے آنے کی شہرت دی، سلطان نے خبر پا کر راجہ کو بحفاظت رانی کی پیشوائی کے لئے بھیجا، پردہ نشین راجپوتوں نے رانی کی ہدایت کے موافق ڈولیوں سے نکل کر محافظ سپاہ سلطانی کو قتل کیا اور راجہ رتن سین کو ہمراہ لے کر فرار ہو گئے۔ اس کے بعد راجہ اور رانی دونوں گمنامی کی حالت میں رہے، سلطان کو اس واقعہ سے حیرت ہوئی۔ اور غصہ کو پی گیا۔ خضر خاں کو معزول کیا، اور راجہ کے بھانجے کو چتوڑ گڈھ کی حکومت حوالہ کی، جس نے اچھا انتظام کیا، دوبارہ سلطان کا چتوڑ جانا، آئینہ میں رانی کا منہ دیکھنا، رانی کا ستی ہونا، اور رتن سین کا قتل ہونا، قطعی افسانہ ہے۔ ۱۲

دلاور خان غوری، جس کا نام اصلی حسین ہے، سلطان شہاب الدین غوری کے خاندان سے تھا، وہ سلطان فیروز شاہ تغلق اور اس کے بیٹے سلطان محمد[1] شاہ کے زمانہ میں صوبۂ مالوہ کا ناظم رہ چکا تھا،

سلطان محمد شاہ کی حکومت خانہ جنگیوں سے جب معرضِ زوال میں آئی، تو اپنی جان سلامت لیکر دہلی سے کوہ سرمور، وہاں سے نگرکوٹ کی طرف چلا گیا، جب ۷۹۵ھ ۱۳۹۲ء میں دوبارہ اسے تخت شاہی حاصل ہوا، اُس وقت اِس نے اپنے ان معاونین و جاں نثاروں کے ساتھ (جنہوں نے حصولِ سریر سلطنت میں اسے امداد دی تھی) منت پذیری کے صلہ میں اعلیٰ اعلیٰ ملکی عہدے مرحمت کرکے شاہانہ فیاضی کا سلوک کیا،

رفیقانِ صادق میں سے، خواجہ سرور کو خواجۂ جہاں[2] کا خطاب دیکر دستور المعظم،

---

[1] ۷۸۹ھ میں سلطان فیروز شاہ نے اپنی پیرانہ سالی کی بنا پر اپنے بیٹے شاہزادہ محمد خاں کو سلطان ناصر الدین محمد شاہ کا خطاب دے کر وکیل السلطنت بنایا، اور خود گوشہ نشینی اختیار کی، باپ بیٹے کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا، چند روز بعد سکندر خاں حاکم گجرات کو جو ملک مفرح المخاطب بہ راستی خاں کی جگہ صوبہ دار مامور ہوکر گجرات گیا تھا عملہ اور فوج کے اتفاق سے راستی خاں نے قتل کردیا اور آپ بدستور حاکم گجرات رہا، سلطان محمد شاہ نے اس واقعہ سے خبردار ہونے کے باوجود بھی کوئی انتقامانہ کارروائی نہیں کی اس لئے شاہی افواج میں بغاوت کی تحریک شروع ہوگئی فوج کے ساتھ بوڑھا سلطان بھی شریک کیا گیا۔ تاکہ فوج میں مردانہ جوش بڑھتا رہے، محمد شاہ میں مقابلہ کی قوت نہ تھی، اس لئے کوہ سرمور کی طرف بھاگ گیا، شعر: دو جان ہرگز بہ یک پیکر نہ گنجد، دو فرمانده بیک کشور نگنجد۔ اس کے بعد فیروز شاہ نے اپنے پوتے تعلق شاہ بن فتح خاں کو وکیل السلطنت کیا اور خود ۷۹۳ھ میں ۳۸ سال نیک نامی کے ساتھ حکومت کرکے راہیِ ملک عدم ہوا امیر تیمور کا ہمعصر تھا، تعلق شاہ اپنے دادا کی وفات پر سلطان غیاث الدین تغلق کے لقب سے تخت نشین ہوا، پھر عرصہ تک چچا بھتیجے وغیرہ دعویداران سلطنت میں خانہ جنگیاں ہوتی رہیں، بالآخر غلامانِ فیروز شاہی کی امداد سے محمد شاہ ۷۹۵ھ میں دوبارہ تختِ دہلی حاصل کرنے میں کامیاب ہوا، (فرشتہ)

[2] خواجہ جہاں نے ۷۹۶ھ میں سکہ و خطبہ اپنے نام کا جاری کرکے جونپور کو دار السلطنت بنایا، جس کی اولاد سلاطین شرقیہ کے لقب سے مشہور ہوئی، اس خاندان میں یکے بعد دیگرے ۶ سلاطین گذرے ہیں جنہوں نے ۱۰۲ سال تک شاہی پرچم اڑایا، ۱۲

مقرر کیا، ظفر خاں[1] بن وجیہ الملک کو حاکم گجرات، خضر خاں[2] کو ناظم ملتان اور دلاور خاں کو صوبہ دار مالوہ کیا، سلطان محمد کی حیات تک یہ چاروں سردار محکومانہ طریقہ کے ساتھ رہے، سنہ ۷۹۶ھ ۱۳۹۴ء میں جب سلطان محمد شاہ نے وفات پائی اُس وقت مرکزی حکومت کے ضعف کی وجہ سے چاروں صوبہ داروں نے خودسری کا لباس پہنا، جن کی اولاد مدتوں، جونپور، گجرات، مالوہ وغیرہ میں خودمختارانہ شاہی پیکر میں جلوہ گر رہی، دلاور خاں غوری، گو سلطان محمد شاہ کے ارتحال کے بعد خودمختارانہ حیثیت سے صوبہ مالوہ پر حکومت کرتا رہا، لیکن صحیح طور پر وہ سنہ ۸۰۵ھ ۱۴۰۱ء میں اُس وقت مالوہ کا بادشاہ ہوا جبکہ سکّہ و خطبہ اُس نے اپنے نام کا جاری کیا،

اس صوبہ میں سنہ ۸۰۵ھ ۱۴۰۱ء سے سنہ ۹۶۷ھ ۱۵۶۳ء تقریباً ۱۶۳ سال تک (۱۰) بادشاہ گذرے ہیں، جن میں سے، ہوشنگ شاہ اور سلطان محمود خلجی کے کارنامے قابل ذکر ہیں، انہوں نے صوبۂ مالوہ کو بلحاظ وسعت حکومت، بلحاظ قوت و سطوت، اور بلحاظ شان و شوکت اس درجہ پر پہنچا دیا تھا کہ جزیرہ نمائے ہندوستان میں سوائے سلطانت گجرات کے کوئی دوسری حکومت اُس وقت اس کا حریف نہ تھی،

صوبۂ مالوہ کے نام سے لوگ ضرور واقف ہونگے، لیکن سلاطین مالوہ کے کارنامے اور ان کی علمی اور تاریخی یادگاریں، آج اس قدر غبار آلود ہیں کہ ان پر عام لوگوں کی نگاہیں نہیں پڑتیں ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں عام اوصاف کے لحاظ سے اگر کسی شہر

---

[1] ظفر خاں اوّل، یہی شخص بانیٔ سلطنت گجرات ہے، جو دلاور خاں غوری کا دوست صادق تھا، مظفر شاہ کے لقب سے گجرات کا مطلق العنان بادشاہ ہوا، سنہ ۸۱۴ھ ۱۴۱۱ء میں وفات پائی، اس کے بعد احمد شاہ بانیٔ احمد آباد، محمد شاہ، قطب الدین شاہ، داؤد شاہ، محمود شاہ، مظفر شاہ ثانی، سکندر شاہ، محمد شاہ، بہادر شاہ، میران محمد شاہ فاروقی، محمود شاہ ثانی، احمد شاہ ثانی، مظفر شاہ ثالث یکے بعد دیگرے ۱۴ بادشاہ ہوئے سنہ ۷۹۹ھ سے سنہ ۹۹۲ھ خانخاناں عبدالرحیم خاں کی فتح تک، ۱۹۷ سال اس خاندان میں شاہی رہی، (تاریخ ہندوستان) ۱۲

[2] امیر تیمور کی مدد سے اس کو دہلی کا تخت حاصل ہوا، ۴ بادشاہ ۴۰ سال کے اندر ہوئے اس کے بعد، سلطان بہلول لودہی نے تخت حاصل کیا، ۱۲- فرشتہ

یا حکومت کا نام روشن ہے تو وہ صرف دارالخلافہ شاہجہاں آباد دہلی، اور سلطنت تیموریہ ہے، جہاں اکبری اقبال کی اور بہت سی اعجاز نمائیاں ہیں وہاں اس جہاں گیری کا اور اضافہ سمجھنا چاہیئے کہ جس نے نقش اول کو نقش ثانی بن کر صفحۂ شہرت سے محو کر دیا، تاہم آج بھی حسرت کدۂ مانڈو (دارالسلطنت مالوہ) کے ذرہ ذرہ سے تاجداران مالوہ کی عظمت کی جھلک علم و فضل کی شعاع، اور فیاضی کی تنویر اس قدر نظر آتی ہے کہ مبصرین نقش تصویر رہ جاتے ہیں لیکن تقریباً آج تمام آثار مٹ چکے ہیں، جہانگیر نے اپنے عہد میں ایک مرتبہ ۳ لاکھ روپیہ کے صرف سے بعض آثار کی مرمت کرادی تھی، اس طرح اگر مابعد کے سلاطین و حکام اعتنا کرتے تو وہاں کی یادگاروں سے سلاطین مالوہ کا پھر بھی نام زندہ رہتا، مانڈو گو حوادث زمانہ سے آج خاک کا ڈھیر ہے، اور اس کے اولوالعزم سلاطین اسی عبرت ناک مناظر کے نیچے شب مالوہ کی خنکی کے اثرات سے میٹھی نیند سو رہے ہیں، لیکن ان کے مٹے ہوئے نقش و نگار فخریہ لہجہ میں یہی کہتے ہیں کہ؎

طمع فاتحہ از خلق نداریم نیاز
عشق اندر پس من فاتحہ خوانم باقی است

یہ دہلی کی خوش قسمتی ہے، ورنہ، بہار، بنگال، گجرات، دکن، اور مالوہ اپنے عروج کے زمانہ میں دہلی سے کچھ کم نہ تھے، اور یہ انہی کی بہاریں تھیں جو دہلی میں نظر آنے لگیں، مؤلف کا مطمح نظر چونکہ مالوہ کا اجمالی تذکرہ ہے، اس لئے بحث و تفصیل کو نظر انداز کر کے سلاطین مالوہ کا مختصر حال ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

نمبر۱ سلطان دلاور خاں غوری

۷۹۵ھ ۱۳۹۳ء میں دوسری مرتبہ ناظم صوبۂ مالوہ ہوا، اپنے ہمعصروں کی طرح اس نے بھی ۸۰۵ھ ۱۴۰۲ء میں آزادی کا علم ہاتھ میں لے کر سکہ و خطبہ اپنے نام کا جاری کر کے دھار[1] کو پایۂ

[1] قدیم نام دھارانگری ہے، جس کو راجہ دھار سنگھ پنوار نے آباد کیا تھا، آثار قدیمہ اس شہر (باقی بر صفحہ ۳۶)

تخت قرار دیا، اپنی سیاسی چالوں سے اُس وقت قریب قریب اکثر اضلاع مالوہ کو مطیع کر چکا تھا، تاہم فیاضی کے ساتھ تخت دہلی کا شکر گذار اس قدر تھا کہ جب سنہ ۸۰۱ھ میں امیر تیمور گورگان کے حملوں سے خائف ہو کر سلطان محمود[۵۱] شاہ دہلی سے مالوہ کی طرف آیا تو اس نے آب و نمک کے پاس و لحاظ سے اس کی بڑی خاطر و مدارات کی، اور تمام نقد و جواہر سامنے رکھکر خدمت گذاری کے لئے حاضر رہا، ۳ سال کے بعد سنہ ۸۰۴ھ میں جب محمود تغلق دہلی کی طرف روانہ ہوا اُس وقت تمام لوازمات شاہی اس کے لئے مہیا کر دیئے، احسان شناسی و ممنونیت کے یہ وہ مراتب تھے، جن کو دلاور خاں غوری کے بیٹے الف خاں (ہوشنگ شاہ) نے توہین سمجھا اور باپ سے خفا ہو کر مانڈو چلا گیا، دلاور خاں بڑا پولٹیکل اور مدبر تھا، اس کے کارنامے سلطان محمد شاہ فیروز کے مہمات سلطنت میں دیکھنے کے قابل ہیں، ۱۶ سال امارت، اور ۴ سال کچھ ماہ شاہانہ حکومت کر کے سنہ ۸۰۹ھ ۱۴۰۹ء میں اس نے دنیا کو خیر باد کہا،

نمبر ۲ سلطان ہوشنگ شاہ بن دلاور خاں

الپ خاں نام تھا، باپ کی وفات پر سنہ ۸۰۹ھ ۱۴۰۹ء میں مالوہ کے شاہی تخت پر جلوہ آرا ہو کر، ہوشنگ شاہ لقب اختیار کیا، اور اپنے چچا زاد بھائی ملک مغیث الدین کو وزیر اعظم کا عہدہ عنایت کیا، یہ وہی ملک مغیث ہے، جس کو اس کے اقبال مند بیٹے سلطان محمود خلجی نے، امیر الامراء، زبدۃ الملک، ملک الشرق اور اعظم ہمایوں کے معزز خطابات دیئے تھے،

ہوشنگ شاہ نے دھار کی جگہ مانڈو[۵۲] گڈھ کو دار السلطنت قرار دے کر شاہی محلات[۴۴]

(بقیہ صفحہ ۳۵) میں بکثرت ہیں، موجودہ زمانہ میں ریاست دھار کا دار الحکومت ہے ۱۲ (تاریخ مرآت العالم)

[۵۱] سلطان محمد شاہ بن فیروز شاہ کا دوسرا بیٹا تھا سنہ ۸۰۱ھ میں تیموری حملہ کے وقت دہلی سے نکلنے پر مجبور ہوا، اور پھر چند سال کے بعد دوبارہ تاج شاہی حاصل کیا، اس نے خواجہ سرور کو سلطان الشرق خطاب دے کر جونپور کا علاقہ اس کی جاگیر میں دیا تھا۔ ۱۲ سیرۃ المتاخرین

[۵۲] موجودہ زمانہ میں مانڈو ریاست دھار کا مقبوضہ علاقہ ہے، جس کے قلعہ کے دامن (باقی بر صفحہ ۳۷)

۴۴ کی تعمیر کا سلسلہ شروع کیا اور اولو العزمانہ ارادوں کے ساتھ فتوحات ملکی میں مصروف ہو گیا۔

(بقیہ صفحہ ۳۶) میں کچھ لوگ کاشتکاری پیشہ کی حیثیت سے آباد ہیں، دارالریاست دھار سے جانب مغرب، جھاؤنی مؤ سے تقریباً ۳۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے بالائے کوہ عالیشان شکستہ قلعہ اپنے بانی کا یادگار باقی ہے، جس کی سنگینیت اور وسعت سیاحوں کو آج تک حیرت میں ڈالتی ہے، حصار قلعہ بقول محمد قاسم فرشتہ ۱۹ کوس اور حسب بیان نورالدین جہاں گیر ۱۰ کوس کے گرد میں ہے، جہاں شاہی نقارے بجتے تھے، اب وہاں شیروں کے گونجنے کی آوازیں آتی ہیں، آثار قدیمہ قلعہ کے اندر اور باہر بکثرت ہیں بعض عمارات مثل ہفت منظر منار، ہنڈولا محل، جامع مسجد شاہی، جہاز محل، اشرفی محل، وغیرہ اس اعلیٰ صنعت کے تعمیر ہوئے تھے، کہ آج ہندوستان میں ان کا جواب نہیں ہے، علماء، فقراء، اور دیگر اہل کمال کے مزارات بکثرت ہیں، جن میں مشہور بزرگان دین مثل، غوث الدہر سید نجم الدین قادری مخدوم قاضی برہان الدین (پیر ہوشنگ شاہ)، شیخ الاسلام خلیفہ شاہ، راجو قتال، مخدوم قاضی اسحٰق چشتی، شاہ عبداللہ شطاری خراسانی، غلبی شاہ وغیرہ کے مزارات قابل الذکر ہیں، جو آج شکستہ حالت میں ہیں،

شہنشاہ نورالدین جہاں گیر نے اپنے جلوس کے گیارہویں سال ۱۰۲۴ھ میں قلعہ مانڈو کی سیر کی ہے، عبدالکریم میر عمارت کے ذریعہ سے بصرف ۳ لاکھ روپیہ بعض آثار قدیمہ کی مرمت بھی کرائی تھی، جہانگیر اپنی زبان میں لکھتا ہے، (قلعہ بر بالائے کوہے واقع است، و در آن دہ کروہ بہ مساحت آمدہ، در ایام برسات جائے بہ خوش ہوائے و لطافت این قلعہ نمی باشد، شبہا در قلب الاسد بمرتبہ سردی شود کہ بے لحاف نمیتوان گذرانید و روزہا احتیاج بہ بادبیزن نمی شود) آگے چل کر لکھتا ہے (مانڈو سرکار بیست از سرکارہائے مقرر صوبۂ مالوہ یک کرور و سی و نہ لک دام جمع اوست، مدتہا تختگاہ سلاطین این دیار بود، عمارات و اثرہائے سلاطین قدیم بسیار درا و برپا و بر جاست، و تا حال نقصانے بر آن جا راہ نیافتہ در بست چہارم بہ قصد سیر عمارات سلاطین سابق سوار شدم اول بہ مسجد جامع کہ از بناہائے سلطان ہوشنگ غور بست در آمدم بغایت عمارت عالی بہ نظر در آمد تمام از سنگ تراشیدہ ساختہ اند با آنکہ یک صد و ہشتاد سال از زمان ساختن آن گذشتہ، چناں مشاہدہ میشود کہ گویا امروز تیار اوست)

بارہویں جلوس کے حالات میں جب کہ جہانگیر نے مانڈو کی سیر کی ہے لکھتا ہے (دو آخرہائے روز یام دیم محل بہ سیر عمارت ہفت منظر متوجہ شدم، و ابتدائے شام بدولت خانہ بازگشتم این عمارت از احداثات یا فتہائے حکام سابق مالوہ است کہ سلطان محمود خلجی باشد، ہفت طبقہ قرار دادہ و در ہر طبقہ چہار صفہ ساختہ مشتمل بر چہار دریچہ بلندی این منار، پنجاہ و چہار درع و نیم است و دور پنجاہ درع زینہ از سطح زمین تا طبقہ ہفتم یک صد و ہفتاد و یک، در رفتن و آمدن یک ہزار و چہار صد روپیہ نثار شدہ) آگے چل کر تزک جہانگیری کی یہ عبارت ہے (و از کثرت سبزہ و ریاحین خودرو چہ نویسد و تہ و دشت و کوہ و صحرا فرو گرفتہ است، در معمورۂ عالم معلوم نیست کہ مثل مانڈو جائے از حیثیت خوبی ہوا د (باقی بر صفحہ ۳۸)

(بقیہ صفحہ ۳۷) لطافتے جاوصحرا بودہ باشد بہ تحقیق درفصل برسات دریں فصل کہ ماہ ہائے مقرر تابستان است شبہا دردرون خانہ ہائے بے لحاف نمی تواں خوابید و روزہا بنوعے کہ مطلق بباد بیزن و تعیر جا احتیاج نمی افتد آنچہ ازیں عالم نوشتہ شود ہنوز اندکے از بسیار خوبی ہائے آں جاست، دو چیز مشاہدہ افتاد در ہیچ جا در ہندوستان نہ دیدہ بودیم یکے درخت کیلۂ جنگلی کہ اکثر صحرائے ایں قلعہ رستہ است، دیگر آشیانہ ممولاکہ در زبان فارسی سرچہ میگویند، تاحال ہیچ یک از صیادان خبر از آشیان او نہ دادہ بودند، حسب اتفاق در عمارتیکہ بسر می بردیم آشیانہ او ظاہر شد و بچہ آوردہ بود) محمد قاسم فرشتہ نے قلعہ مانڈو کی تصویر ذیل کی عبارت میں کھینچی ہے،

قلعہ، شادی آباد مانڈو معظم قلعۂ عالم است، دریں وقت مجملے احوال آن جا کہ بنظر کاتب الحروف درآمدہ نوشتہ مے شود وآں این است کوہے مرتفع است و دور آں نوزدہ کردہ باشد، بلکہ زیادہ درمغاکے عمیق واقع شدہ چنانچہ جنگ انداختن بر قلعہ ممکن نیست و در اندرون قلعہ آب و علف بسیار است و چنداں زمین کہ گنجایش زراعت زمین داشتہ باشد ہست، و لشکرے کہ آنرا محاصرہ نماید بوجہ بعد مسافت ممکن نیست چہ کہ تمام آنرا درمیاں گرفتن ممکن نیست کہ اکثر مواقع آں نواحی لائق فرود آمدن نیست، و راہ دروازہ یکہ طرف دکن میباشد بہ تاراپور مشہور است بغایت صعب است چنانچہ سوارہ بمشکل بری تواند آمد۔)

مانڈو کی وجہ تسمیہ فرشتہ کتاب سیر المتاخرین تزک جہانگیری وغیرہ میں اس طرح درج ہے کہ مانڈو (یا منڈو) ایک آہن گر کا نام تھا، قدیم زمانہ میں ایک بھیل اس کے پاس ایک ہنسیا لیکر آیا اور کہا کہ پتھر پر گھسنے سے پیتل کا ہوگیا ہے۔ اس کو بدل دو، مانڈو سمجھ گیا، ہنسیا اس سے لے لیا اور دوسرا دیدیا بھیل سے پتھر کا نشان پوچھا اور اس کی نشان وہی سے اٹھالایا، جے سنگھ پسر بیوار سنگھ اوس وقت بھیلوں کے علاقہ پر قابض تھا جس کا دار الحکومت دھار تھا، ایک روز مانڈو آہن گر راجہ مذکور کے پاس گیا، اور تنہائی میں کہا کہ میرا ارادہ ایک شہر اور قلعہ آباد کرنے کا ہے بشرطیکہ نام میرا ہو، اور ملکیت تمہاری۔ راجہ نے منظور کر لیا، مانڈو نے سمت ۳۰۷ بکرمی میں بالائے کوہ بنیاد قائم کر کے ایک حصار کے اندر شہر بسایا جس میں ایک لاکھ مکان تھے، اوسی آہن گر کے نام سے قلعہ مانڈو آج تک مشہور ہے، لیکن یہ ایک افسانہ ہے تاریخی لحاظ سے اس کی کوئی وقعت نہیں ہے

صاحب جامع التواریخ عرف مرات العالم مولوی موج حسین صاحب رئیس قصبۂ سندیلہ نے سنہ ۱۳۱۷ھ میں قلعہ مانڈو کو مبصرانہ نگاہ سے دیکھا ہے ان کی عبارت یہ ہے، (قلعہ مانڈو کے ۱۲ دروازے ہیں ایک کا نام گاؤڑی دروازہ ہے، اس کے پاس ایک مسجد ہے اس پر یہ عبارت کندہ ہے شرق خطاہ (این مسجد مرزا علی خاں) آگے پتھر ٹوٹ گیا ہے۔ ایک سطر نابود ہوگئی ہے، لبعدہ یہ عبارت ہے (در عہد عالی حسام الدنیا والدین اعظم ہمایوں المخاطب شاہ عالم خاں) پھر لوح سنگ کا کتبہ (باقی بقیہ برصفحہ ۳۹)

(بقیہ صفحہ ۳۸) شکستہ ہے، اور ایک سطر عبارت ندارد ہے، بعدہ یہ لکھا ہے، بتاریخ ثامن والعشرین من ربیع الآخر سنہ عشرین وثمانیۃ مائۃ ۸۲۰ بنا یافت) قلعہ کے دوسرے دروازہ کا نام دہلی دروازہ ہے، اس کے سامنے شاہان غوری اور خلجی کے محلات ایک میل تک چلے گئے ہیں۔ اکثر گر کر پتھر اور چونہ کا ڈھیر ہو گئے ہیں۔ ان پہ ہزاروں خودرو درخت اُگے ہوئے ہیں، اور جو باقی ہیں ان کی کیفیت یہ ہے، کہ ایک جہاز محل ہے، اس کی ہیئت یہ ہے کہ ایک تالاب پختہ ہے، اس کے بیچ میں ایک محل عالیشان بشکل جہاز بنا ہوا ہے۔ اس مکان پر جانے کے واسطے ایک پل تھا جو ٹوٹ گیا ہے، اور اسی کے قریب ایک محل ہفت منزل ہے، اس سے متصل ہنڈولا محل ہے، یہ عجیب طرح کا مکان ہے، کسی بڑے ریاضی داں نے بنایا ہے، جس طرف دیکھو ایسا ترچھا اور جھکا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ گویا گرا پڑتا ہے، اس کے قریب اصطبل کا مکان پختہ بہت وسیع ہے جس میں ہزاروں گھوڑوں کے تھان ہیں، اس کے بعد ایک باغ اور جھروکہ محل تھا جو اب منہدم ہے آگے اس کے چینی مسجد تھی، جس میں چینی کا روغن کیا ہوا تھا، وہ بھی منہدم پڑی ہے کچھ دیواروں کے آثار باقی ہیں اوس کے آگے بادل محل اور نقار خانہ تھا، اور سینکڑوں مکانات کارخانہ شاہی کے تھے، کہ وہ اب خاویہ علی عروشہا پڑے ہیں، اس کے آگے دو بڑی باولیاں، اور حوالی مکانات منہدم پڑے ہیں، صرف ایک بنگلہ باقی ہے، آگے اس کے تالاب ہے اور چار محل کی عمارت تھی۔ اور مکی محل بنا ہوا تھا جس میں مکہ معظمہ کے مسافر اترتے تھے، اس کا صرف ایک دالان باقی ہے، اس کے آگے چمپا باؤلی ہے جس کے چاروں طرف زمین میں سہ منزلہ اور چار منزلہ اتنی بڑی وسیع عمارت ہے کہ جس میں تین چار ہزار آدمی بیٹھ سکتے ہیں، باولی کی عمارت نہایت خوبصورت ہے، شاید دوسری جگہ ایسی باولی نہ ہوگی، اس کے آگے کوکا بقال کے بہت سے مکانات ٹوٹے پڑے ہیں، (غالباً یہ وہی راجہ کا کوکا ہے جس نے علاء الدین خلجی سلطان دہلی کے سپہ سالار عین الملک ملتانی سے مقابلہ کیا تھا، اور آخر ہزیمت یاب ہوا) مؤلف

اور ایک مقبرہ عالیشان کسی امیر کا بنا ہوا ہے پھر جامع مسجد ہے، جس میں سنگ سرخ اور کہیں کہیں سنگ مرمر لگا ہوا ہے، دروازہ مسجد پر گنبد ہے، باہر سے مربع اندر سے ہشت پہل، مسجد کے شمال و جنوب میں دالان در دالان، مشرق کی طرف مدرسہ عالیشان جانب مغرب مسجد، صحن سنگین وسط میں حوض آب شیریں، دروازہ مسجد پر حسب ذیل اشعار کندہ ہیں۔ اشعار

مسجد عالی بنا معبد گردوں مقام — ہست ہر رکن حطیمش ہمسر بیت الحرام
از در تعظیم قدرش چوں کبوتر در حرم — قدسیاں اندر طواف او بعز و احترام
بانی این بیت اقدس خسرو غوری ہوشنگ — ثانی محمود و مسعود و شہاب الدین وسام
زاقتضائے حادثات وہم زاوضاع فلک — چوں برآمد آفتاب عمر او بالائے بام
گفت با محمود خلجی نور عینین مغیث — از رہ روشن دلی آن شاہ دارا احتشام

ورترقی ہائے عمرانات ودفعِ دشمنان — می کنم برتو وصیت من بجہد واہتمام

ہم برائے اہتمامِ مسجدِ جامع کہ من — طرح آں افگندہ ام چوں مسجدِ والائے شام

صورتِ الطافِ حق سلطاں علاء الدین کہ ہست — مظہرِ انوارِ دیں مرآتِ حاجاتِ انام

کرد در تاریخ سال ہشت صد و پنجاہ و ہشت ۸۵۸ — ہم بحکم ایں وصیت ایں عمارت را تمام

واضح رہے کہ محمود خلجی کا لقب علاء الدین تھا، اور وہ ملک مغیث الدین المخاطب بمسند عالی اعظم ہمایوں، شاہ عالم خاں کا بیٹا تھا اور ہوشنگ شاہ کا برادر خالہ زاد اس مسجد کے متصل شاہ عبد اللہ شطار کا مزار ہے، اور بہت سی پختہ قبریں اس کے گرد احاطہ میں واقع ہیں۔ قبرستان کے قریب ایک بڑا محل بنا ہوا ہے، مکان کے روبرو خانہ باغ تھا جو اب سراسر راغ ہو گیا ہے، اس کے آگے اشرفی محل تھا، جس میں لاکھوں طلائی اشرفیاں جڑی ہوئی تھیں، تھوڑا عرصہ ہوا کہ ایک اشرفی ایک شخص کو ملی تھی اس نے اندر اگور راجۂ دھار کے نذر کی ۳۰ ماشہ وزن تھا، کلمہ طیبہ اس پر نقش تھا، اب اس مکان کا نہ در ہے نہ دیوار پتھر چونہ کا بڑا انبار ہے، حضرت عبد اللہ شطار کا مقبرہ سنگ مرمر کا بنا ہوا تھا، وہ گر گیا ہے لوگ پتھر اٹھا لے گئے، کلس کا سینچہ بازار قریہ مانڈو میں گڑا ہوا ہے، اس پر پارچہ کی جھنڈی لگی ہوئی ہے لوگ آلا اودل کی سانگ یعنی برچھی کہتے ہیں حضرت عبد اللہ شطار غیاث الدین شاہ مانڈو کے عہد میں خراساں سے آئے تھے، درویش صاحبِ حال تھے، جامع مسجد کے پیچھے شاہ ہوشنگ کا مقبرہ ہے، جس کو محمود خلجی نے ۸۴۳ھ میں بصرف زر کثیر تعمیر کرایا، اور اب تک قائم ہے، اس مقبرہ عالی کی کرسی بلند، ہشت پہل سنگ مرمر کی ہے، اور دروازہ کا احاطہ سنگِ سرخ کا ہے، مقبرہ کے احاطہ میں سینکڑوں قبریں سنگیں سنگ ہاشمی کی بنی ہوئی ہیں اور متعدد حجرے ہیں اور گنبد کے لداؤ اور دیواروں میں بحساب ہندسہ اور قواعد علم ریاضی باریک سوراخ ہیں ان میں ہوا نفوذ کرتی ہے اور منجمد ہو کر ہمیشہ قطرات آب گنبد سے ٹپکتے ہیں، عوام اس کو شاہ ہوشنگ کی کرامت تصور کرتے ہیں، اس گنبد میں جب کوئی بات کرتا ہے تو ہوا اس قدر گونجتی ہے کہ کسی اور گنبد میں نہیں سنی گئی۔ اس مقبرہ کے مغرب میں ایک بڑا لنگر خانہ بنا ہوا ہے، جس میں ہزاروں فقرا، اور محتاجوں کو کھانا ملا کرتا تھا، مسجد جامع اور احاطہ مقبرہ سے ملحق تر پولیا تھا، وہ گر گیا ہے، مگر دروازوں کے نشانات باقی ہیں، آگے اس کے ساغر تالاب ہے، جس کو اب ساگر تال کہتے ہیں اس کے آگے بازار، اور شہر کوسوں تک آباد تھا، جامع مسجد سے جنوب کی طرف جو شہر تھا، وہ بالکل ویران ہے، صرف دریا خاں کا مقبرہ اور چند تالاب باقی ہیں۔ بھیلوں کی زبانی معلوم ہوا کہ تالاب کا نام موتی چور ہے، اور ایک کا نام رنگ راکا تالاب تھا، اس تالاب پر اکبر خاں کا مقبرہ ہے اس کے ستون بشکل پائے فیل ہیں، اور آگے اس سے دریا خاں کی بی بی کا مقبرہ ہے، پھر معافی خاں کا مقبرہ پھر مسجد دبادنی پھر خلجی خاں کا مقبرہ اور اعظم ہمایوں کا مقبرہ ہے، اس کے بعد لالہ باغ تھا جس کی روشوں کا کہیں کہیں پختہ نشان باقی ہے۔ بعدہ دور تک عمارت کے نشانات پائے جاتے ہیں اور

پھر ایک مسجد عالیشان ہے۔ جس پر یہ نظم کندہ ہے ؎

بفالِ خوب و وقتِ سعد و فرخ سال و مہ انور — چہارم ماہ شہر اللہ روز جمعہ سعد اکبر

سنینِ سی و پنج و ہشت صد سال از ہمیں ہجرت — شمردہ بود روز و ماہ در حکم عرب یکسر

کہ شد ایں مسجدِ اسلام را بنیاد در عالم — کہ سقف و گنبدِ او سود سر پا گنبدِ اخضر

بنائے خسروِ عالی مغیث الدین والدنیا — الغ اعظم ہمایوں خاں ہفت اقلیم و نہ کشور

ز دستِ ہمتِ او شد مرتب ایں چنیں مسجد — کہ کس دار الاماں خواند کسے کعبہ کند باور

مرتب شد بہ سلخِ ماہ شوال ایں بنائے خیر و بابرکت — کہ یاد ایں خیر اندر نامۂ اعمال خاں مضمر

مزین کرد شانِ خطبۂ محمود شہ والا — بود ایں بر زمین کوہ تا ماند بہ چرخ اختر

اس مسجد کے برابر ایک سرائے پختہ وسیع بنی ہوئی ہے، اور بجانب مغرب ساگر تال اور دو مقبرے فیل پاتوں کے ہیں اور بجانب راست ایک وسیع امام باڑہ تھا جو اب منہدم ہوگیا ہے، صرف ایک دالان سبیل خانہ کا باقی ہے، اس پر کندہ ہے (دم آب بخور بیاد حسین) یہاں سے تھوڑی دور پر پہاڑ کے نشیب میں ایک مکان سنگین ہے کہ جابجا اس میں سے پانی جھرتا ہے، اور حوضوں میں فراہم ہوتا ہے یہ مکان نہایت دلچسپ اور پر فضا ہے، اس پر یہ بیت کندہ ہے ؎

توان کردن تمامی عمر را مصروف آب و گل
کہ شاید یک دمے صاحبدلے ایں جا کند منزل

اور نیچے اس بیت کے (مظفر خاں ۹۸۲ھ) کندہ ہے، اور ایک پتھر پر یہ عبارت کندہ ہے (جلوس ۴۴ھ موافق ۱۰۰۸ھ ہجری اعلیٰ حضرت جہاں پناہ فلک بارگاہ ظل اللہ اکبر شاہ متوجہ فتح دکن بود ند باینجا عبور افتاد) اور ایک جانب یہ اشعار کندہ ہیں ؎

تا کے گوئی بچرخ شد خانۂ ما — خندند بجا و بر دلِ دیوانۂ ما

ز افسانۂ دیگراں بیا عبرت گیر — زاں پیش کہ بشنوند افسانۂ ما

دیگر

دیدم چغدے نشستہ در وقت پگاہ — بر کنگرۂ مقبرۂ نوشیرواں شاہ

فریاد کناں زروئے عبرت مے گفت — کو آں حشمت و منال و آں جاہ

اس کے نیچے پہاڑ کے غار میں بیرم دیو کی سرائے اور شیریں بیگم دختر سلطان محمود خلجی ثانی کا سنگ مرمر کا جالی دار مقبرہ نہایت عمدہ بنا ہوا ہے، اس کے پاس دو مقبرے اور ایک مسجد اور ہیں اس کے آگے ایک چھوٹا قلعہ بنا ہوا ہے، اس کے اندر دو حوض ایک تالاب سنگین دو حمام کلاں باقی، اور بقیہ عمارت منہدم ہے اور ۳۴ ضرب توپیں پڑی ہیں اور پھر ایک بلند ٹیکری پر ایک مسجد اور غیبی شاہ کی قبر ہے، اور ساگر تال محل۔

(نیل کنڈ محل ہفت منزلہ (جس کی تعریف جہانگیر شاہ نے "تزک" میں لکھی ہے)) (باقی بر صفحہ ۴۲)

اشتہار مشہور ہوا کہ ہوشنگ شاہ نے اپنے باپ کو زہر دے کر شہید کر دیا، یہ خبر سنتے ہی مظفر شاہ[۱] گجراتی، سلطانِ گجرات، اپنے رفیق دلاور خاں غوری کے انتقامِ خون کے حیلہ سے، فوجی سپاہ لئے ہوئے مالوہ کی طرف متوجہ ہوا،

ہوشنگ شاہ اس وقت تک قلعہ دھار میں شاہی حیثیت سے مقیم تھا، گجراتی لشکر کی آمد کی خبر سنکر قلعہ سے باہر نکلا، دو برابر کے حریفوں میں مقابلہ شروع ہو گیا، فریقین نے مردانگی اور فنونِ حرب کے اعلیٰ اعلیٰ جوہر دکھائے، مظفر شاہ پہلے زخمی ہوا، اس کے بعد میدانِ جنگ میں ہوشنگ شاہ زخم کھا کر گھوڑے سے نیچے گرا، دونوں شیر زخمی ہو کر اور زیادہ پُرجوش نظر آنے لگے، عرصہ تک موت کی گرم بازاری رہی، ہزاروں دم میں کھیت رہے، چونکہ مظفر شاہ کا اسم ذاتی مظفر تھا، اس لئے صفاتی جنگی کارناموں کی بدولت

(بقیہ صفحہ ۴۱) اب مٹی کا ڈھیر ہے، اس کے قریب دار الشفا سلطان محمود خلجی کا ہے جس کو سلطان موصوف نے ۸۴۹ھ ہجری میں تعمیر کرایا تھا، اور جس میں ہزاروں مریض زیرِ علاج رہتے تھے، حکیم فضل اللہ المخاطب حکیم الحکماء ان کا مہتمم تھا، انتہائی قلعہ پر ناصر الدین مانڈوی بانیٔ عمارت کا لیہ دیہہ اجین کا محل ہے، یہ مکان بالکل منہدم ہے، پانچ بڑے دروازے باقی ہیں، اور ایک حوض جس کو ریوا کھنڈ کہتے ہیں، اس محل کے بابِ کبیر پر ایک کتبہ تھا، اس کا پتھر ٹوٹ گیا ہے، سطر آخر جو باقی ہے وہ یہ ہے، (السلطان العادل الاعظم الخاقان العالم ناصر الدین شاہ ۹۱۴ھ) اور بہت سے محلات کھنڈر پڑے ہیں، ایک طرف پہاڑ کی ترائی میں اترنے کے لئے سات سو سنگین زینے بنے ہوئے ہیں، سو تالاب سے زائد ہیں، اگر فی تالاب پچاس ہزار کی لاگت سمجھی جائے تو صرف تالابوں کی لاگت پچاس لاکھ کی ہوتی ہے، دیگر شاہی عمارات کروڑہا روپیہ کی ہوں گی جن کا نشان باقی رکھا ہے ۱۲ مؤلف

سر جان مالکم صاحب ریزیڈنٹ و مورخ مالوہ کی یادداشت مطبوعہ ۱۸۲۳ء کے مطابق مانڈو گڈھ کے رقبہ کی تقسیم حسب ذیل ہے،

غیر مزروعہ ۲۵۵۵ بیگہ - مزروعہ ۸۴۵ بیگہ - معافیات ۱۲۵ بیگہ - آبادی ۲۲۵۸ بیگہ - چھوٹے تالاب ۲۶۳ - بڑے تال ۹۱۰ - لال باغ شاہی ۲۰۰ - سرائیں ۳۰۵ - محلات شاہی ۵۰۰ - چاہات ۳۱۰ - مساجد ۷۰۵ - باغات ۳۶۳ - پہاڑیاں ۲۳۵۰ - حمام ۴۰ - بازاریں ۱۴۷ - کل رقبہ ۱۱۸۷۶ بیگہ

[۱] یہ وہی مظفر شاہ بن وجیہہ الملک ہے، جسے سلطان محمد شاہ نے ناظم گجرات مقرر کیا تھا، ۷۹۹ھ میں اس نے خود مختاری کا اعلان کیا، اس کے خاندان میں ۱۹۷ سال تک بادشاہی رہی ۱۲ مؤلف

بھی، معرکۂ جنگ میں مظفر ہوا، نصرت نے ہاتھ چومے، اقبال تسلیم کو جھکا اور ہوشنگ شاہ برابر کا حریف قید میں آیا،

سلطان گجراتی، اس فتح کے بعد اپنے بھائی خان اعظم نصرت خاں کو حاکم دھار مقرر کرکے اور ہوشنگ شاہ کو ہمراہ لئے ہوئے، گجرات واپس آگیا، یہاں مالوہ میں رعایہ اور امرا نے ہوشنگ شاہ کے برادر عم زاد موسیٰ خاں کو حکومت کے لئے منتخب کرلیا، خان اعظم عضو معطل رہ گیا، ہوشنگ شاہ، چچازاد بھائی کی امارت کی خبر سنکر قید خانہ میں زنجیریں تڑانے لگا، شاہ گجرات سے معافی کی درخواست کی، اور آئندہ کے لئے دوستی کا عہد وپیمان کرکے باعانت احمد شاہ سردار گجراتی سید ھا دھار کو روانہ ہوا، فوجی قوت اور اس کے دباؤ سے آخر کار اپنا آبائی تخت موسیٰ خاں سے واپس لینے میں کامیاب ہو کر فیروز مندانہ دوبارہ سریر مالوہ پر جلوہ افروز ہوا،

مگر ہوشنگ شاہ بہت جلد احسان فراموش ثابت ہوا، ادھر مظفر شاہ گجراتی کا انتقال ہوا، اور ادھر اس نے ۸۱۳ھ میں احمد شاہ[1] ابن مظفر شاہ پر فوج کشی کردی اور یہ نہ سمجھا کہ ؎

نہال دوستی بنشاں کہ کام دل ببار آرد
درخت دشمنی برکن کہ رنج بے شمار آرد

گو نتیجہ جوش وخروش کے ساتھ پیش قدمی کا کچھ نہ نکلا، خود زحمت اٹھائی افواج نے تکلیف برداشت کی، فوجی نقصانات علیحدہ ہوئے تاہم تاریخ عالم کے صفحات میں احسان کشی کا یہ واقعہ یادگار باقی رہ گیا، اس کے بعد بھی چند بار ایک نے دوسرے پر حملے کئے مگر فیصلہ کن نتیجہ کچھ نہ نکلا، سلطان ابراہیم شرقی والئے جونپور سے بھی نوک جھونک رہی

[1] احمد شاہ بڑا صاحب حوصلہ بادشاہ گذرا ہے، گجرات میں اس نے دریائے سابرمتی کے کنارے احمد آباد شہر آباد کیا، جس کا اُس زمانہ میں جواب نہ تھا، محمد قاسم فرشتہ کا قول ہے، (اگر گفتہ شود کہ در تمامی ہندوستان بلکہ در کل جہان بآں عظمت وآراستگی شہرے موجود نہ شدہ مبالغہ نبودہ باشد ۱۲

اس میں شک نہیں کہ ہوشنگ شاہ باحوصلہ، جواں مرد، اولوالعزم، ہوشمند، اور فاتح، سلطان گذرا ہے، اس نے فتوحات پر کمر باندھی تو پہلے حملے میں قلعہ کہیرلہ، سارنگ گڑھ فتح کیا پھر کالپسی پر حملہ کیا اور وہاں اپنا نائب مقرر کرکے واپس آگیا تمام اضلاع مالوہ کو اس نے زیر نگیں کیا، ملک مغیث الدین کو ملک الشرق کا خطاب دے کر اپنا دستور اعظم بنایا، مہمات ملکی کی طرف بھی خاص توجہ رہی، تعمیرات کا بھی شوق رہا، ۳۰ سال سلطنت کرکے ۸۳۸ھ ۱۴۳۴ء میں دنیا سے رخصت ہوگیا، آہ ہوشنگ شاہ نماند، مادۂ تاریخ وفات ہے، ساحل نربدا پر ہوشنگ آباد، جو ایک ضلع ہے، اسی سلطان کا آباد کیا ہوا ہے، ہوشنگ شاہ میں گو بہت سے اوصاف تھے مگر زندگی کا اخیر نتیجہ فنا ہے، نظم

کجا بند شاہان جم اقتدار ۔۔۔ زہوشنگ وجم تا باسفندیار
فریدوں وکیخسرو و جام کو ۔۔۔ کجا رفت شاپور وبہرام کو
ہمہ خاک وارند بالین وخشت ۔۔۔ خنک آنکہ جز نام نیکی نہ کشت
(فردوسی)

(۳) محمد شاہ ابن ہوشنگ شاہ

غزنی خاں نام تھا، باپ کے ارتحال پر سلطان محمد شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا جو کام اس نے سب سے پہلے انجام دیا، وہ ایک حقیقی بھائی کا خون اور دو بھتیجوں کی آنکھوں کی بصارت کا معدوم کرنا تھا، تاج وتخت کی ہوس نے ایسے سینکڑوں واقعات تاریخ عالم کے صفحات پر نقش کئے ہیں، افسوس ؎

شربت سلطنت وجاہ چناں شیریں است، ۔۔۔ کہ شہاں از پئے او خون برادر ریزند

اس قابل نفرت کام کے بعد اس نے بزم عیش وعشرت کو رونق دی، کام اچھا نہ تھا، رعایا اور امرا متنفر ہوئے کشیدگی بڑھتی گئی،

بالآخر محمود خاں ابن ملک الشرق وزیر نے زہر دے کر ظالم کے وجود سے ملک

کو پاک کیا، اسی لئے، حکماء نے کہا ہے،

خونِ آزردہ دلاں را از پئے ملک مریز

کہ ترا نیز ہماں جرعہ بساغر ریزند

مدت حکومت ایک سال ۲ ماہ،

(۴) سلطان محمود[1] خلجی ابن ملک الشرق اعظم ہمایوں

۸۳۹ھ/۱۴۳۵ء میں محمود نے غوری سلطنت کا خاتمہ کرکے خلجی سلطنت کی بنیاد ڈالی، فرزانگی تدبر، شجاعت، سیاست، فتوحات، شان و شوکت، شکوہ عظمت، عدل و سخاوت، میں اس کو نہ صرف تمام سلاطینِ مالوہ بلکہ ہندوستان کے دیگر شاہانِ معاصرین پر بھی شرف امتیاز و تفوق حاصل تھا، اس کی حکومت کامیاب حکومت تھی تخت شاہی حاصل کرنے کے بعد تالیف قلوب کے سلسلہ میں سب سے پہلے امرائے دربار، اور خاندانی اراکین کو کثرت سے جاگیریں دیکر اپنا رفیق بنایا، پھر بھی خانہ جنگیوں کے کانٹوں میں سال بھر تک الجھا رہا، آخر کار اقبال کی یاوری سے بساطِ حکومت صاف کرنے میں کامیاب ہوا،

جب اقصائے مالوہ پر اس کا کامل تسلط ہوگیا تو اس نے فتوحات کا عَلَم ہاتھ میں لے کر ملحق الحدود علاقوں پر تاخت شروع کردی، رفتہ رفتہ شہرت اور مقبولیت یہاں تک پہنچی کہ ۸۴۴ھ/۱۴۴۰ء میں امرائے دہلی نے اس کے ہاتھ پر بیعت خلافت کا اظہار کیا، یہ سنتے ہی سلطان فوج لے کر فوراً دہلی روانہ ہوگیا محمد شاہ[2]، شاہ دہلی نے مقابلہ کیا، باہم جنگ ہوئی آخر کار شاہ دہلی نے علما کو درمیان میں ڈال کر مصالحت کرلی،

---

[1] سلطان ہوشنگ شاہ کا خالہ زاد بھائی تھا، اس کی ایک بہن سلطان محمد شاہ ابن ہوشنگ شاہ کو بھی منسوب تھی، ۱۲

[2] محمد شاہ بن فرید خاں، بن خضر خاں وہ شخص ہے جسے سلطان محمد شاہ تغلق نے حاکم ملتان کیا تھا، امیر تیمور کی امداد و مہربانی سے دہلی کا تخت اسے نصیب ہوا، محمد شاہ نے ۸۳۷ھ میں تخت نشین ہوکر ۸۴۹ھ میں وفات پائی ۱۲

۸۴۶ھ ۱۴۴۲ء کے آغاز میں سلطان محمود چتوڑ پر حملہ کرنے کے قصد سے نکلا، اور اس جوش و خروش کے ساتھ نکلا کہ ولایت چتوڑ کا جس قدر علاقہ سامنے آیا وہ فوجی سیلاب کے آگے پامال تھا، چتوڑ کے قلعوں میں سے "کومبل میر" قلعہ نہایت سنگین قلعہ تھا، پہلا حملہ اس پر ہوا، ایک ہفتہ کی متواتر یورش کے بعد اسے خالی کرالیا، رائے کنبھا شکست کھا کر چتوڑ کے قلعہ میں متحصن ہوا، اعظم ہمایوں ملک الشرق (سلطان کے باپ) نے اسی زمانہ میں مندسور میں انتقال کیا، سلطان پر فراق پدری کا گہرا اثر ہوا، فوج کو اپنی جگہ چھوڑ کر مندسور آیا اور باپ کی نعش کو بحفاظت مانڈو روانہ کرکے آپ خود چتوڑ واپس آگیا بارش کا آغاز تھا، مشکلات سامنے تھیں اس لئے خود بھی مانڈو چلا آیا،

۸۴۹ھ ۱۴۴۵ء میں کالپی کا رخ کیا، والیٔ جونپور[1] سے مقابلہ ہوا اور پھر مصالحت کرکے لوٹ آیا،

۸۵۰ھ ۱۴۴۶ء میں قلعہ منڈل گڈھ پر دھاوا کیا، راجپوتوں سے خونریز جنگ ہوئی، آخرکار سالانہ خراج پر قلعہ سے دست بردار ہوا، اور پھر وہاں سے یلغار کرتا ہوا مشہور قلعہ بیانہ[2] پر پہنچا، محمد خاں قلعہ دار نے نذرانہ دے کر صلح کرلی، اور بجائے شاہ دہلی کے سلطان محمود کے نام کا خطبہ بیانہ میں پڑھا جانے لگا، مراجعت کے وقت "قلعہ انندپور" متصل قلعہ رنتھنبور کو مفتوح کیا، وہاں سے چلا تو راجگان کوٹہ اور بوندی سے ایک لاکھ ۵۰ ہزار ٹنکہ[3] (سکہ مروجہ) نذرانہ میں وصول کرتا ہوا، دارالسلطنت کو واپس آگیا،

۸۵۵ھ ۱۴۵۱ء میں ایک لاکھ سواروں کی جمعیت کے ساتھ گجرات پر حملہ آور ہوا، فتح کے بعد بعض افسروں کی نادانی و غفلت سے ہزیمت نصیب ہوئی، تمام لڑائیوں میں یہ پہلی شکست ہے، جو سلطان کو ہوئی، لیکن،

---

[1] محمود شاہ نام تھا ۸۶۲ھ میں فوت ہوا، ۱۲

[2] بیانہ موجودہ زمانہ میں ریاست بھرت پور کے علاقہ میں، بی، بی، سی، آئی ریلوے جنکشن آگرہ کی شاخ پر واقعہ ہے اپنی ہستی کے زمانہ میں مشہور قلعہ اور رانا ساگا کا فوجی مرکز تھا، ۱۲

[3] ٹنکہ اس زمانہ کا سکہ ہے، جو موجودہ سکہ کلدار کے ۱۰ ار کے برابر تھا، ۱۲

عیبے نہ بود شکست مردان ہنر است ،،

۸۵۸ھ / ۱۴۵۴ء میں مانڈو کی چار دیواری سے پھر نکلا، نواح ہاڑوتی کے راجپوتوں کو زیر کرتا ہوا واپس آگیا، اور اسی سال قلعہ ماہور ملک برار پر فوج کشی کی، وہاں سے کامیاب ہو کر چیتوڑ کی طرف دوبارہ آیا، رانا کنبھا پہلے ہی حملہ میں مرعوب ہو چکا تھا، اس لئے کثیر رقم نذرانہ میں دے کر اپنا ملک اس نے بچا لیا،

۸۵۹ھ / ۱۴۵۴ء میں سلطان دوبارہ مندسور[1] کی طرف متوجہ ہوا، وہاں پہنچکر، قلعہ کا محاصرہ کر لیا، ابھی مصروف محاصرہ تھا کہ اکابرین اجمیر کا خط ہنود کی شکایت میں سلطان کے پاس پہنچا، فوراً محاصرہ چھوڑ کر بعزم جہاد، اجمیر کو روانہ ہو گیا، راجپوتوں سے چار روز تک خونریز جنگ رہی، پانچویں روز اور بھی سخت رن پڑا، گجادھر کی سپہ سالاری میں راجپوتوں کی تمام فوج شہر اور قلعہ سے نکل کر میدان میں صف آرا ہوئی، مخالف کی کثرت سے سلطان کی جبین استقلال پر نا امیدی کی شکن تک نہ پڑی، اسلامی سپاہ کو لڑاتا اور آگے بڑھاتا ہوا خود دفعتاً قلب دشمن میں پہنچکر توحید کے زلزلہ افگن نعروں کے ساتھ کچھ ایسے جنگی کرتب دکھائے کہ دلاور راجپوتوں کو مغلوب ہونا پڑا، اور سلطان کو غالب، سچ ہے،

ہر سرے را کہ خود برافرازی
ناتوانی ز پا نیندازی ،،

سلطان فاتحانہ اجمیر میں داخل ہو کر حضرت خواجہ صاحبؒ کے مزار اقدس پر فاتحہ خوانی کو گیا، اور فتح اسلام کی مسرت میں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی، اس کے بعد خواجہ نعمت اللہ کو اجمیر کی حکومت سپرد کر کے خود قلعہ منڈل گڈھ کی طرف روانہ ہو گیا۔

رانا کنبھا سے جنگ ہوئی، کشت و خون کے سوا نتیجہ کچھ نہ نکلا، بارش کا زمانہ آچکا تھا اس لئے سلطان لوٹ آیا[2]

---

[1] مندسور شاہی زمانہ میں مالوہ کا ایک ضلع تھا، اب ریاست گوالیار کے محکومانہ رقبہ میں جاورہ کے قریب ہے،

[2] کرنل ٹاڈ صاحب کتاب راجستان میں لکھتے ہیں، کہ رانا نے سلطان محمود پر فتحیابی کی (باقی بر صفحہ ۴۸)

اولوالعزمی اور فتوحات کا جوش دیکھو کہ تیسری مرتبہ پھر ۸۶۲ھ ۱۴۵۷ء میں منڈل گڈھ پہنچا نہایت سخت معرکہ کے بعد قلعہ فتح کیا، مگر ہمت و فیاضی دیکھو کہ مفتوح قلعہ رانا کو، واپس دے کر مانڈو چلا آیا،

۸۶۳ھ ۱۴۵۸ء میں ڈونگر پور پر دھاوا کیا، اور نذرانہ لے کر واپس آگیا، اس کے بعد دو سال تک برابر ملک دکن پر حملہ کرتا رہا، نظام شاہ بہمنی نابالغ اس وقت دکن کا فرماں روا تھا، اس نے قلعہ کہیرلہ، ایلچپور، اور علاقہ گونڈوانہ سلطان کو دے کر صلح کر لی،

ان حملوں کے علاوہ اور بھی متفرق حملے غیر علاقوں پر سلطان نے کئے ۱۲ اور ہمیشہ کامیاب رہا،

انجام سلطان محمود اول ہر آئینہ محمود اعظم کے خطاب کا مستحق ہے، اس کے کارناموں پر نظر کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ قدرت نے اس کو خاص جنگی قالب میں ڈھالا تھا، عیش و آرام فرحت و انبساط کی تصاویر سے اس کا محل سرا، خالی تھا، ایک سال بھی اس نے آرام سے بسر نہیں کی، اس کی زندگی جنگی زندگی تھی اور مشغلہ فتوحات، تمام ملحق الحدود علاقے اس کی بازیگاہ تھے، اس کا محل سرا جنگی خیمہ تھا، اور بزم عیش میدان جنگ، چنگ و رُباب کی جگہ جنگی نقارے تھے، اور حسینوں کے بجائے عروس تیغ رفیق و ہمدم تھی،

باوجود ان تمام مشاغل کے نظام سلطنت پر قادر تھا، اور سلطنت کو اس عروج پر، پہنچایا، کہ اس کے معاصرین حیرت زدہ تھے، رعایہ سلطان سے مانوس، اور سلطان رعایہ کا دلدادہ تھا،

(بقیہ صفحہ ۴۷) یادگار میں ۹ لاکھ اشرفی صرف کر کے ایک منار بنوایا تھا، جو چتوڑ میں آج بھی قایم ہے تعجب ہے کہ والیٔ چتوڑ کی فتحیابی کی شہادت تاریخی اوراق میں درج نہیں ہے، کیا عجب ہے کہ سلطان محمود کی مراجعت کو اس نے اپنی کامیابی سمجھ کر، لوگوں کو خوش کرنے کے لئے منار بنا دیا ہو، ورنہ باعتبار تاریخی شہادت، رانا ہر دفع مغلوب ہوا ہے، ۱۲ مؤلف

انسدادی و انتظامی تدابیر میں کامل، پولیٹیکل اور سیاسی مصالح میں ماہر، علوم و فنون کا عاشق، بزم عدالت کا نوشیروان عادل، اور فیاضی میں ابر گوہر بار تھا، سینہ میں اسلامی درد، دل میں مظلوم و کمزوروں کی محبت، اور محبت میں جذبۂ اخلاص رکھتا تھا،

تعمیرات سے بھی خاص دلچسپی تھی، ۸۴۳ھ میں روضۂ ہوشنگ شاہ کی بنیاد قائم کر کے اُسے ایسا لاجواب و بے نظیر بنوایا کہ شاہانِ تیموریہ بھی اپنے کمال عروج و تمدن کے زمانہ میں ویسا نمونہ قایم نہ کرسکے، کسی ریاضی داں میر عمارت نے روضہ کے گنبد کو کچھ ایسے قاعدے سے مشتبک کیا ہے کہ ہوا سوراخوں میں نفوذ ہوکر منجمد ہوتی ہے اور اس سے قطرات آب بشکل آج تک تعویذ قبر پر تقاطر ہو رہا ہے، جس کو اب تک ۵۰۱ سال کا زمانہ گذرچکا ہے، عوام اس کو ہوشنگ شاہ کی کرامت سمجھتے ہیں،

جامع مسجد جس کی بنیاد ہوشنگ شاہ نے قایم کی تھی، اس کو اعلیٰ صنعت و وسعت کے ساتھ مکمل کیا، جس میں ۳۳۰ منار، ۳۷۰ محرابیں، اور ۳۰ گنبد تھے، مدارس، دار الشفا، مہمان سرائیں، شاہی ایوانات، وغیرہ، مختلف عمارات علاوہ ہیں، ہفت منزل مینار رہا ۴۵ گز بلند ایک ایسی بے مثل عمارت تھی کہ جس کو دیکھکر شہنشاہ نور الدین جہانگیر جیسا نقاد حیرت زدہ رہا[1]،

بہترین مدبر اور ناظم حکومت ہونے کے ساتھ علماء و فضلاء کا پرستار اور طلبہ علوم کا ملجا و ماویٰ تھا، اپنے حدودِ سلطنت میں بکثرت مکاتب و مدارس قائم کئے، علماء و فضلاء اور دیگر کاملین فنون، سلطانی قدر دانی کی کشش سے دار السلطنت مانڈو میں اس کثرت سے جمع تھے کہ اُس وقت مانڈو شیراز ثانی تھا، فرشتہ لکھتا ہے،

(چوں سلطنت باو قرار گرفت در تربیتِ علماء و فضلاء کوشید و مدارس ساختہ از ہر اطراف عالم فرستادہ و مستعدان را طلب داشت و بالجملہ بلادِ مالوہ یونان ثانی گشت)

ہندوستان سے باہر بھی سلطان کے کارناموں کی جھلک پہنچی، شاہ بخارا نے سفیر بھیجکر

[1] تزک جہانگیری جلوس دوازدہم ۱۲-

فتوحات وکامیابیوں پر، مبارک باد پیش کی،
خلیفہ المستنجد باللہ، عباسی نے مصر سے خلعت و منشورِ خلافت بھیجکر خطاب محافظ المسلمین سے سلطان کو مفتخر کیا،

انقلاب زمانہ کی تصویر کا یہ دوسرا رخ بھی دیکھنے کے قابل ہے، کہ دار السلطنت مانڈو جہاں لاکھوں نفوس کی آبادی تھی، جہاں بے مثل و سر بفلک شاہی ایوانات تھے جس کا آستانہ آستانۂ کرم، جس کا باب، بابِ رحمت تھا، جس کا گوشہ گوشہ فوارۂ فیض، اور جس کا سطحۂ خاک چمنستانِ ارم کا جواب تھا، جس کا چشمہ چشمۂ آفتاب اور جس کا کاخ عدل ثانئ بغداد تھا، جس کے در و دیوار پر نور سایہ فگن، اور جس کے برجِ مثمن پر نشانِ محمودی زر افشاں تھا، آج اس کی ویرانی و بربادی کا یہ عالم ہے، کہ بجائے نفوس انسانی کے شیر اور چیتوں کا مسکن، اور عنادل کی جگہ زاغ و زغن کے نشیمن ہیں، نہ قصورِ شاہی کا پتہ ہے، نہ اُن کے باہمت بانیوں کا، نہ باغات ہیں، نہ باغباں، نہ مجالسِ عشرت ہیں، نہ سلاطینِ عشرت کیش، کچھ شکستہ دیواریں ہیں جو دنیا کے حدود کا عبرتناک منظر ہیں،

بسا کاخے کہ محمود ش بنا کرد	کہ از رفعت تفاخر بر سما کرد
نہ بینی زاں ہمہ یک خشت بر پائے	ثنائے عنصری ماند است بر جائے (ہیبت عنصری)

اس مشہور و مدبر سلطان نے ۳۴ سال کامیاب سلطنت کر کے ۸۷۳ھ مطابق ۱۴۶۹ء میں ودیعتِ حیات خالق کائنات کے سپرد کی، لیکن ؎

لہ ابو المحاسن یوسف المستنجد باللہ خلفائے عباسیہ مصر کے سلسلہ سے، بارہواں اور خلفائے عباسیہ بغداد کے سلسلہ سے انچاسواں خلیفہ گذرا ہے، ۸۵۹ھ میں تخت نشیں ہو کر ۸۸۴ھ میں وفات پائی، ۱۲ (الہارون)

لہ قطعہ تاریخ وفات یہ ہے، شہِ والا قدر سلطان محمود، چو شد از امر حق راحت گزینے، بہ پرسیدم ز ہاتف سال تاریخ، ندا آمد کہ شد جنت نشینے، (مفتاح التواریخ) ۸۷۳

زندہ است نام فرخ نوشیرواں بعدل
گرچہ بسے گذشت کہ نوشیرواں نماند (سعدیؒ)

(۵) سلطان غیاث الدین خلجی

سلطان محمود خلجی کا بڑا بیٹا تھا، باپ کی وصیت کے مطابق ۸۷۳ھ / ۱۴۶۹ء میں سریر آرائے مالوہ ہوا، باپ نے جس جفاکشی کیساتھ حدود سلطنت کو وسعت دی تھی، اس کی فتوحات کا پھل بیٹے کے حصہ میں آیا، زندگی بھر عیش و عشرت سے گذری کہ نہ خود کبھی غیروں کے ملکوں پر حملہ آور ہوا، نہ دوسرا اس کی بزم ناز میں خلل انداز ہوا، باپ عمر بھر علامۂ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے، اس ناصحانہ و حکیمانہ گفتار پر کاربند رہا تھا ؎

نہ از بہر آن می ستانم خراج
کہ زیور کنم بر خود و تخت و تاج
چو ہمچوں زناں حلّہ بر تن کنم
بمردی کجا دفع دشمن کنم

اس کے برعکس یہاں جب مشیران سلطنت ملکی کاروبار کی طرف توجہ دلاتے، تو اُن کو یہ جواب ملتا،

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم
از ما بجز حکایت اہل وفا مپرس

دہلی کے محمد شاہ رنگیلے کا حسن کدہ اس سلطان کے یوسف کدہ کے سامنے ماندو بے رونق تھا، مانڈو دارالسلطنت کا نام، اس کی نفاست و لطافت آگین طبع نے شادی آباد سے تبدیل کیا، اس میں ذرا بھی شک نہیں، کہ اُس وقت مانڈو، شادی آباد ہی تھا، جہاں پری پیکروں کا نقشہ یہ تھا، ؎

ہمہ دختِ ترکان پوشیدہ روئے
ہمہ سرو قد و ہمہ مشک بوئے
ہمہ رخ پر از گل، ہمہ چشم خواب
ہمہ لب پُر از می بوئے گلاب (فردوسی)

اس سلطان کے باپ سلطان محمود خلجی کے کارنامۂ رزم کے ساتھ اس کی داستان

بزم بھی سننے کے قابل ہے،

تخت نشینی کے بعد ایک خاص جشن ترتیب دے کر اس نے تمام اراکین سلطنت کو مخاطب کرکے کہا کہ باپ کے ساتھ ۴۴ سال تک فتوحات میں، میں نے بھی بہت زحمت اٹھائی ہے، اب وقت آگیا ہے کہ آسایش دامن کے ساتھ میں اپنی بقیہ زندگی گذاروں یہ واعظ کہہ کر اس نے اپنے بڑے بیٹے عبدالقادر کو ناصرالدین کا خطاب دے کر ولیعہد سلطنت بنایا، اور خود محل سرائے شاہی میں مصروف عیش و عشرت ہوگیا،

مورخین نے لکھا ہے کہ سلطان کے حرم شاہی میں آزاد، کنیز، اور راجاؤں کی لڑکیوں کی تعداد دس ہزار سے کم نہ تھی، عورتوں کو اس نے اسی طریقہ کے ساتھ مناصب وعہدے دیئے جس طرح مردوں کو دیئے جاتے ہیں، شاہی محل کی چار دیواری میں ایوان حکومت قائم تھا جس کی منتظمین بھی وہی نازنینان حرم تھیں، اس نے عورتوں کی محل کے اندر ایک فوج بھی مرتب کی تھی، جس کی شان یہ تھی کہ (۵۰۰) ترکی عورتوں کو مردانہ لباس پہنا کر اور ان کو تیراندازی کی تعلیم دے کر اپنے میمنہ میں جگہ دی، اور ان کا نام سپاہ ترک رکھا، میسرہ کے لئے (۵۰۰) عورتیں حبشی منتخب ہوئیں، جن کو تفنگ بازی، اور شمشیر بازی سکھلائی گئی،

باقی دیگر حسینان عالم کو دیگر علوم فنون مثل حکمت، نجوم، فقہ، حدیث، زرگری، آہن گری، زردوزی، محمل سازی، نجاری، کشتی گیری، تیرگری، کمان گری، کوزہ گری، جامہ بافی، خیاطی، کفش دوزی، ترکش دوزی، شعبدہ بازی، وغیرہ وغیرہ کی تعلیم دیگئی، جس میں انہوں نے کمال پیدا کیا،

خاص محل سرائے میں ایک بازار بھی قائم کیا تھا، شہر کے اندر جو چیزیں فروخت ہوتیں وہ سب اور اس سے بہتر نمونوں کے سامان، اس مینا بازار میں بھی موجود ہوتے اور خود مالوہ کا راجہ اندر نہ اُس حسن زار کے بازار میں گلگشت کرتا نظر آتا،

یہ عجیب بات ہے کہ سلطانی محل سرائے میں عہدے اور مناصب کے اقتدار کے لحاظ سے تنخواہ اور وظیفوں میں کوئی فرق نہ تھا، یومیہ ہر ایک کو نقد دو ٹنکہ[1] اور دو سیر غلہ دیا جاتا، یہی وظیفہ محل کے اندرونی جانوروں کا بھی معین تھا، ایک مرتبہ محل میں ایک چوہا[2] نکل آیا، اس کے لئے بھی اسی قدر وظیفہ مقرر ہوگیا، جو اُس کے بل پر ڈال دیا جایا کرتا،

تفریح وانبساط کے وقت ممانعت تھی کہ کوئی رنج دہ اور وحشت خیز منہ سے بات نہ نکالی جائے، جس اعلیٰ عیش ونشاط کے ساتھ اس نے اپنا ۳۳ سالہ عہد حکومت بسر کیا ہے۔ اس کی نظیر نہیں ملتی،

یہ سب کچھ لہو ولعب گو زندگی کے روزانہ مشاغل تھے، لیکن نہایت پابند صوم وصلوٰۃ، بیحد کریم النفس، اور انتہا درجہ کا حلیم اور رقیق القلب تھا، پچھلی رات کو روزانہ خضوع وخشوع کے ساتھ نماز تہجد پڑھ کر سپاس کریم ادا کرتا، اور استغفار کرتا ہوا زار وقطار روتا، بلا عذر شرعی کبھی نماز کو قضا نہیں کیا،

معمول تھا کہ ہر شب ایک سو مہر طلائی اس کے سرہانے رکھی جاتیں، اور صبح وہی مہریں مستحقین کو خیرات کر دیجاتیں، یہ بھی اس سلطان کے نیک اعمال نے قرار دے دیا تھا کہ جس روز اسباب سلطنت دیکھ کر شکر ادا نہ کرے اُس روز (۵۰) ٹنکہ محتاجوں کو خیرات کرے، دستور تھا کہ سواری کے وقت جس کسی سے بھی اول بات چیت کرتا اُس کو ایک ہزار ٹنکہ دیتا، مقربان شاہی کو حکم تھا کہ جب وہ کبھی عشرت میں بے حد منہمک ہو، اُس وقت وہ پارچہ سامنے لایا جائے (جس کا نام اس نے کفن رکھا تھا) جب سلطان کو وہ کپڑا دکھایا جاتا، استغفار پڑھتا ہوا فوراً وہاں سے اٹھتا، وضو کرتا، سر

---

[1] چاندی کا سکہ تھا، جو موجودہ مروجہ سکہ کے ۸۱ ریال ۱۰ ر کے برابر تھا،

[2] چوہے کی داستان کسی ظریف مورخ کی طبع زاد معلوم ہوتی ہے ۱۲۰ مؤلفہ

بسجدہ ہو کر خدا سے معافی چاہتا، اور اس طرح عبرت حاصل کرتا،

ایک مرتبہ کسی امیر نے معشوقانہ طرز و ادا کا ذکر کر کے سلطان سے اجازت لی کہ وہ جامع صفات حسینہ تلاش کر کے پیش کرے۔ امیر تلاش میں کامیاب ہوا، اور کسی گاؤں سے ایک لڑکی لا کر سلطان کی خدمت میں پیش کی، جو منظور نظر بھی ہوئی، چند روز کے بعد اس لڑکی کے اولیا سلطان کی خدمت میں فریادی پہنچے، سلطان کو سر راہ روک کر اپنی لڑکی کے بہکا لیجانے کا قصہ سنایا، سلطان سمجھ گیا کہ وہی لڑکی ہے، سواری کو وہیں ٹھہرا کر قاضی صاحب کو بلایا، اور قصہ سنا کر کہا کہ اسی وقت، فریادیوں کے سامنے میرے خلاف حکم شرعی جاری کیا جاوے، فریادی نے اصلی واقعہ سے آگاہ ہو کر راضی نامہ داخل کر دیا، اس کے بعد سلطان اس قدر نادم ہوا کہ پھر کبھی اس نے کسی عورت کو محل میں داخل نہیں کیا، ان تمام مشاغل کے باوجود اس نے مسکرات کو کبھی منہ نہیں لگایا نامشروع اور رنج افزا گفتگو کی ممانعت تھی، ایک ہزار حفاظ کنیزیں صرف اس کام کے لئے مامور تھیں کہ روزانہ صبح کو آیات کلام الہی پڑھ کر اس پر دم کیا کریں، اسلام اور مسلمانوں کا عاشق، مظلوم و بے کسوں کا ہمدرد، غربا کا سرپرست، یتیموں کا مربی، اور بے حد فیاض تھا اس کا عہد امن و امان کا عہد تھا، ۳۲ سال حکمرانی کی، اور سچ یہ ہے کہ جو کچھ حکومت تھی وہ حرم سلطانی کی حکومت تھی، جو سلطان کے دل اور اس کے آبائی ملک پر جاری رہی، نیک نامی کے ساتھ ~~۹۰۶~~ ۹۰۶ھ میں ۸۰ سال عمر کے منازل طے کرنے کے بعد دنیا سے رخصت ہوا[1]

بیان کیا جاتا ہے کہ ناصر الدین سلطان کے بیٹے نے حصول سلطنت کی آرزو میں باپ کو زہر دے کر شہید کیا،

(۶) سلطان ناصر الدین بن سلطان غیاث الدین

ظالم، سخت گیر، اور شراب کا متوالا تھا، ماں سے اس نے گستاخیاں کیں، بھائی

[1] شہنشاہ نور الدین جہانگیر نے اپنے گیارہویں سن جلوس کے حالات میں مانڈو کی سیر کا (باقی بر صفحہ ۵۵)

بھتیجوں کو اس نے ذبح کیا، ضعیف باپ کو زہر دیا، شیر خاں حاکم چندیری نے اگو علانیہ بغاوت کی، اور مقابلہ میں مارا گیا، پھر بھی اس کی نعش کو قبر سے نکلوا کر چندیری کے میدان میں اس نے دار پر چڑھایا، یہ تمام افعال، رعایا اور ارکین سلطنت کے متنفر کا باعث ہوئے، سنہ ۹۰۸ھ ۱۵۰۲ء میں ولایت کھیچواڑہ، اور چتوڑ پر اس نے تاخت کی، رانا رنمل سے نذرانہ لے کر واپسی کے وقت مقام آگر[1] میں خیمہ زن ہوا، یہاں کی آب و ہوا سلطان کو مرغوب ہوئی

(بقیہ صفحہ ۳۸) بھی حال قلم بند کیا ہے، ناصر الدین کے مزار پر جس وقت پہنچا ہے، تو محض باپ کو زہر دینے کی کیفیت تاریخوں میں دیکھ کر اور لوگوں سے سنکر اس کی قبر کو لکد کوب کرایا، جب اس سے تسکین نہیں ہوئی تو قبر سے اس کی ہڈیاں نکلوا کر دریائے نربدا میں ڈلوا دیں، جہاں گیر کی زبان میں یہ واقعہ سننے کے قابل ہے، بعد ازاں بہ عمارات مقبرہ حکام خلجیہ در آمدم کہ قبر روسیاہ ازل و ابد، نصیر الدین ابن سلطان غیاث الدین نیز در آنجا بود چوں مشہور است کہ آن بے سعادت بقتل پدر خود سلطان غیاث الدین کہ در سن ہشتاد سالگی بودہ اقدام نمودہ اوّل مرتبہ زہر داد، دو مرتبہ زہر مہرہ کہ در بازو داشت دفع آں نمود، در مرتبہ سوم کاسۂ شربتے بہ زہر آمیختہ بدست خود بہ پدر داد کہ ایں را می باید نوشید، پدر چوں اہتمام او دریں کار فہمید اول زہر مہرہ از بازوئے خود بدر کردہ پیش او انداخت و روئے عجز و نیاز مندی بہ درگاہ خالق بے نیاز آوردہ بزبان راند، کہ خداوندا عمر من بہشتاد سالگی رسید دریں مدت رہ بدولت و عشرت و کامرانی گزرانیدم چناں ہیچ بادشاہے را میسر نگردیدہ، واکنوں کہ زمان باز پسیں مراست امید وارم کہ نصیر را بخون من نگیری، و موت مرا باجل مقدر حساب نمودہ باز خواست آن نہ نمائی، بعد ادائے ایں کلمات کاسۂ شربت زہر آمیختہ درد و جرعہ کشید و جاں بجان آفریں سپرد، پھر اپنا حال کسی قدر بیان کر کے لکھا ہے (ہر زبانہا ست کہ چوں شیر خاں افغان (مراد شیر شاہ سوری مؤلف) در ایام حکومت و سلطنت خود باوجود حیوان طبیعی بر سر قبر نصیر الدین رسید، بجہت ہمیں عمل شنیع بجیعے کہ ہمراہ او بودند، فرمود کہ چوبہا بر سر قبر او زدند، من نیز چوں بہ قبر او رسیدم لکدے چند بر گور او زدہ بہ بندہا کہ در ملازمت بودند، فرمودم تا قبر او را لکدے کارے نمودند، چوں خاطر را بایں تسلی نہ شد گفتم کہ گور او را شگافتہ اجزائے ناپاک او را بآتش اندازند، باز خاطر رسید کہ آتش چوں نوریست از نور الٰہی حیف است کہ سوختن جسد کثیف او آں جوہر لطیف آلودہ گردد و نیز مبادا کہ ازیں سوختنے شاید تخفیفے در عذاب رود، فرمودم کہ استخوانہائے فرسودۂ او را با اجزائے خاک شدہ در دریائے نربدا، انداختند، ۱۲ (تزک جہاں گیری)

قول مؤلف، جہاں گیر کو اپنی اس کارروائی پر فخر ہے تو ہو، لیکن شرعاً و تہذیباً اس کا یہ فعل قابل نفرت ہے، اگر جہاں گیر کو اس وقت اپنے اعمال نامے بھی یاد آجاتے تو غالباً اس پر فخر نہ کرتا ۱۲

[1] موجودہ زمانہ میں ریاست گوالیار کے علاقہ میں اجین کے قریب واقع ہے، پہلے یہاں چھاؤنی بھی تھی ۱۲ مؤلف

ایک عالی شان اور دل کش عمارت اس نے آگرہ میں تعمیر کرائی جو نادرات زمانہ سے تھی، اب اس کا وجود تک نہیں ہے، ایک دن بدمستی کی حالت میں لب حوض مصروف خواب تھا کروٹ لی اور حوض کے اندر گر کر غوطے کھانے لگا، موجودہ چار کنیزوں نے ہاتھ، پانوں، اور سر کے بال پکڑ کر باہر نکالا، ہوشیار ہونے پر درد سر کی شکایت کی، کنیزوں نے انعام کی امید میں سارا قصہ سلطان کے گوش گذار کیا، ہمدردی وجاں نثاری کا اُن کو یہ صلہ ملا کہ خود ا تلوار کے گھاٹ اُتر گئیں، ایسے ہی لوگوں کے حق میں علامۂ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:-

نکوئی با بداں کردن چناں است ۔۔۔ کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

۱۱ سال ۴ ماہ ظالمانہ سلطنت کرنے کے بعد ۹۱۶ھ/۱۵۱۲ء میں داعی اجل کو لبیک کہا، ع

نکو شد کہ خس کم جہاں پاک شد

(۷) سلطان محمود ثانی بن ناصر الدین خلجی

۹۱۷ھ/۱۵۱۲ء میں کمال تزک واحتشام کے ساتھ آبائی تخت پر جلوہ افروز ہوا، چند ماہ بعد بعض امرائے دولت کے اتفاق ومشورے سے صاحب خاں (سلطان ناصر الدین کے دوسرے بیٹے نے) اورنگ شاہی حاصل کیا، اور محمود ثانی دار وگیر سے صاف نکل گیا، کچھ روز کے بعد حاکم چندیری وغیرہ کے اتفاق سے کثیر لشکر لے کر شادی آباد عرف مانڈو روانہ ہوا، دونوں بھائیوں میں جنگ ہوئی، اور ایک نے دوسرے پر یہ کہہ کر جارحانہ حملہ کیا کہ:-

جہاں بانی و پائے گاہ قوی ۔۔۔ کلاہ کیانی و کیخسروی (سیہ)

کسے را سزد کو بہنگام جنگ ۔۔۔ شتابد بشتاب وندارد درنگ (وتعمد)

محمود ثانی فتحیاب ہوا، اور صاحب خاں مفرور ہو کر گجرات چلا گیا، اسی زمانہ میں سکندر

خاں حاکم بھیلسہ[۵۱] نے بغاوت کی، سلطان محمود نے بزورِ تیغ اس کو مطیع کیا،

سلطان نے یہ ایک بڑی غلطی کی کہ امرائے سلطنت کے مشورہ کے خلاف میدنی رائے ایک ہندو راجپوت کو اپنا مختار الملک مقرر کیا، رفتہ رفتہ وہ تمام عمائدین، اور معززین دولت پر غالب آگیا، میدنی رائے سخت متعصب ثابت ہوا، مسلمانوں سے اس نے علانیہ دشمنی کا اظہار کیا، طرح طرح کے مظالم کئے، سلطان سے جب اس کا علاج نہو سکا تو حکام اضلاع نے مخالفت کا اظہار کیا، بہجت خاں حاکم چندیری کے ایما سے سکندر شاہ لودی بادشاہ دہلی نے کچھ فوج روانہ کی جس کا مقصد یہ تھا کہ صاحب خاں دوسرے بھائی کو تخت نشین کیا جائے، بھیلسہ کے حاکم سکندر خاں نے علیحدہ علمِ بغاوت بلند کیا، تیسری طرف سے شاہ گجرات فوج لیکر دھار میں داخل ہوگیا،

سلطان محمود کے لئے یہ وقت نازک ترین وقت تھا، مگر چونکہ شجاع اور فنون جنگ سے واقف تھا، نیز نصرتِ الٰہی ہم رکاب تھی، اس لئے تمام معرکوں میں غالب رہا، مخالفین کی جماعت ناکامی کا داغ لئے ہوئے اپنے اپنے ملکوں کو واپس گئی، یہ سب کچھ ہوا، لیکن میدنی رائے کے وجود سے اندر ہی اندر جو آگ مخالفت کی سلگ رہی تھی، وہ تدریجاً اور تیز ہوتی گئی، یہ اشتعال دیکھ کر سلطان بھی مسلمانوں سے بدظن ہوگیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام مہماتِ ملکی راجپوتوں کے ہاتھوں میں تھے، صرف دو سو سوار مسلمان نام کو سلطان کے اردلی میں رہ گئے، جب نوبت یہاں تک پہنچی تو سلطان کی بھی آنکھیں کھلیں، لیکن علاج کا وقت نکل چکا تھا، سلطان کے تیور بدلے ہوئے دیکھے تو میدنی رائے سلطانی حلقۂ اقتدار سے صاف نکل گیا، اور اس نے بڑھ کر چندیری[۵۲] اور گاگرون[۵۳] کے قلعوں پر اپنا قبضہ جمالیا، سچ ہے،

---

[۵۱] بھیلسہ شاہی زمانہ میں مثل سرونج کے ایک پرگنہ تھا، اب گوالیار اسٹیٹ کا ایک ضلع ہے اور جی آئی، پی ریلوے کا اسٹیشن ہے، سرونج سے تقریباً ۳۰ کوس جنوب میں ہے۔ ۱۲ مؤلف

[۵۲] چندیری، موجودہ زمانہ میں گوالیار کی ریاست میں شامل ہے، ۱۲ مؤلف

[۵۳] گاگرون ریاست کوٹہ کے محکومانہ علاقہ میں مشہور قلعہ ہے، ۱۲ مؤلف

سرِ چشمہ شاید گرفتن بہ بیل ۔۔۔ چو پر شد نشاید گرفتن بہ پیل (سعدیؒ)

سلطان نے مجبور ہو کر گجرات کا رخ کیا، اور وہاں سے امدادی فوج حاصل کر کے قلعہ کاگرون پر حملہ آور ہوا، اس وقت رائسین، بھیلسہ، سارنگ پور اضلاعِ مالوہ سلہدی راجپوتوں کے قبضہ میں جا چکے تھے، میدنی رائے، سلطان کی آمد کی خبر سن کر پہلے سے، رانا سانگا کو مع فوج اپنی امداد پر لے آیا تھا، زمانہ کی نیرنگیاں دیکھو کل تک جو شخص اپنے آقا کا غلام تھا، آج وہ برابر کا حریف نظر آرہا ہے،

کس نیاموخت علمِ تیر از من ۔۔۔ کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد (سعدیؒ)

آخر کار آقا اور چاکر میں چوٹیں چلیں، خونریز معرکہ ہوا، آصف خاں (جو پانسو سواروں کے ساتھ گجرات سے آیا تھا) لڑائی میں کام آیا اور اس کے ساتھی جملہ سوار وہیں کٹ کر سیلِ فنا میں ڈوب گئے، سلطان محمود کی فوج کا بھی اکثر حصہ وہیں کھیت رہا، لیکن میدانِ رزم سے پیٹھ نہیں پھیری، درحقیقت شجاعت و بسالت میں محمود ثانی تھا، دادا سے وراثت میں مردانگی و بے جگری کے جو جواہر اس کو ملے تھے، ان کو نہایت فیاضی کے ساتھ، کام میں لایا، گو عرصۂ کارزار اس پر اتنا تنگ ہوا کہ صرف ۱۰ سوار اس کے ہمراہ باقی رہ گئے تھے، پھر بھی ہمت نہیں ہارا، اور یہ کہہ کر کہ

ببینم کہ تا گردشِ کارِ جہاں ۔۔۔ دریں آشکارا چہ دارد نہاں
کرا افسردہ از خاک بر در نہد ۔۔۔ کرا تاجِ اقبال بر سر نہد (نظامیؒ)

مع اپنے باقی ماندہ دس سواروں کے رانا سانگا[1] کی فوج میں داخل ہوگیا، تیغِ محمودی نے اُس روز بہت کچھ ساتھ دیا، سینکڑوں راجپوت سورماؤں کا اُس نے خون

[1] رانا سانگا، اس زمانہ میں سارے راجپوتوں کی ناک تھا، بیانہ قلعہ جو بھرت پور کے علاقہ میں واقع ہے، اسکا فوجی مرکز تھا، چتوڑ سے آگرہ تک اس نے بہت بڑی فوج جمع کی تھی، جس کی کثرت دیکھکر ظہیر الدین بابر جیسا دلیر اور زبردست بادشاہ مع اپنی فوج کے سہمگیں تھا، ۱۵۲۶ء میں سیکری کے مقام پر بابری افواج سے رانا کی فوج کا مقابلہ ہوا، گو رانا ہزیمت یاب ہوا، تاہم اس کی عدد اس کی افواج کی بہادری میں کسی کو کلام نہیں ہے ۱۲ (تاریخ راجستان)

چوسا لیکن پھرتی اور روانی میں ذرا بھی فرق نہ آیا، راجپوتوں نے ان دس سواروں کو بھی ایک ایک کر کے کاٹ ڈالا، اب سلطان تنہا تھا اور راجپوتوں کے ہزاروں جانباز گرداگرد تھے، ایک، اور ہزاروں کا مقابلہ تھا تاہم پائے استقلال کو جنبش نہ ہوئی، بہادر سلطان تنہا بھی لڑا، اور خوب لڑا، بالآخر زخموں سے چور چور ہو کر گھوڑے سے نیچے گرا اور اسیر ہوا،

والیٔ چتوڑ رانا سانگا، حقیقت میں شریف اور بہادر راجپوت تھا، اس نے سلطان کی لاثانی جرأت اور شجاعت کی سچے دل سے داد دی، اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ سلطان کے زخموں کا علاج کرایا اور اپنا مہمان رکھا، اس سے بڑھ کر قابل تعریف یہ سلوک کیا کہ ایک ہزار سواروں کے ساتھ، سلطان کو مانڈو روانہ کر کے قلعہ پر اس کا قبضہ کرا دیا،

سلطان چند روز کے بعد اپنے ملک کو دشمنوں سے صاف کرانے کی فکر میں ہوا، سنہ ۹۲۶ھ میں ایک سخت معرکہ کے بعد سارنگ پور کو سلہدی راجپوتوں سے خالی کرایا، سلطان تھک گیا تھا، اس لئے اب اس نے آرام طلبی اختیار کی،

یہی زمانہ ہے کہ سلطان ظہیر الدین بابر[۱] نے ہندوستان کا رخ کیا رفتہ رفتہ آگے بڑھتے ہوئے سنہ ۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء میں سلطان ابراہیم لودی شاہِ دہلی کو پانی پت کے مقام پر شکست دے کر دہلی کے تخت کا مالک ہوا، چونکہ میدنی رائے نمک حرام کی وجہ سے حکومت مالوہ میں ضعف آچکا تھا، اور راجپوت مختلف اضلاع مالوہ پر متصرف ہو کر مظالم کے مجسم پیکر نظر آرہے تھے، اس لئے بابر کی غیرت نے گوارا نہ کیا، کہ مسلمانوں پر اس کے عہد میں مظالم ہوں، رگِ حمیت اسلامی متحرک ہوئی،

سنہ ۹۳۴ھ میں یلغار کرتا ہوا چندیری پہنچا، میدنی رائے خوف زدہ ہو کر قلعہ

---

[۱] بابر ترکی زبان میں شیر کو کہتے ہیں اس نے چند ہزار فوج سے ابراہیم لودی کی ایک لاکھ فوج کو تہ و بالا کیا، رانا سانگا کو بھی سیکری کے مقام پر شکست دی، سنہ ۹۳۷ھ / ۱۵۳۰ء میں رحلت کی، "بہشت روزی باد" تاریخ وفات ہے، ۹۳۷ھ

چندیری میں متحصن ہوا، اور دوسرے روز قلعہ کھول دیا گیا، چھ ہزار راجپوت مع میدنی رائے کے قتل ہوئے، قلعہ پاک ہوا، قلعہ رائسین اور سارنگ پور کو بھی اسی طرح راجپوتوں سے واپس لیا، مساجد اور خانقاہوں کو نجاست سے پاک کر کے اُن میں مؤذن، جاروب کش، اور امام مقرر کئے،

زین الدین صدر الصدور ہمراہ تھے، جنہوں نے، "فتح دار الحرب" ۹۳۴ھ سے مادۂ تاریخی استخراج کیا،

۹۴۱ھ کا سال تھا کہ بہادر شاہ گجراتی نے مانڈو پر حملہ کر کے اُسے فتح کیا، اور سلطان محمود کو مع اُس کے اہل و عیال کے نظر بند کر کے گجرات کی طرف روانہ کیا، راستہ میں سلطان مالوہ، محافظ سپاہ کے ہاتھوں سے کسی بات پر قتل ہوا، اس کے قتل پر مالوہ کی خلجیہ سلطنت کا خاتمہ ہو کر کچھ مدت کیلئے گجرات کی طرف منتقل ہو گئی،

ز رنج و راحتِ گیتی مشو غمگیں مرنجاں دل
کہ آئینِ جہاں گاہے چنیں گاہے چناں باشد

میخانۂ عالم کا دَور بھی ایک عجیب دَور ہے، کہ جس کے نہ ساغر و مینا کا اعتبار ہے، نہ بادۂ احمر کا، کبھی اس کا جام میکشوں کو اعتدال پر رکھتا ہے، اور کبھی بدمست، کسی نے تلچھٹ پائی، اور کسی نے مئے خالص، بہت ایسے بھی ہیں جو جام آرزو لئے ہوئے آتے ہیں مگر محروم پھر جاتے ہیں، ایسے لوگ بھی آتے ہیں کہ دوسروں کے ہاتھ سے جام لیا، اور چلتے ہوئے، حق یہ ہے کہ کبھی انسان کو خمخانۂ دنیا کا اعتبار نہ کرنا چاہئے، اس لئے کہ، ؎

دریں شیشہ ہم زہر و ہم شکر است ... گہے جاں گزا گاہ جاں پرور است

---

۵ سلطان بابر نے مادۂ تاریخ پر ذیل کے مصرعے لگا کر فی الوقت موزوں کیا تھا،

بعد چندے مقام چندیری ... پُر ز کفار و دار حرب حرب
فتح کردم بحرب قلعہ، آں ... گشت تاریخ "فتح دار الحرب" ۹۳۴ھ (فرشتہ)

یکے را لب افسر زر نہد   یکے را زکیں تیغ بر سر نہد

(۸) سلطان قادر شاہ

سلطان بہادر شاہ گجراتی، اضلاع مالوہ کی حکومتیں مستحقین کو دے کر گجرات واپس گیا، نصیر الدین ہمایوں شاہ اُس وقت فتوحات میں مصروف تھا، مالوہ کی طرف بھی آیا، اور بلا مشقت و خونریزی مانڈو پر قبضہ کرکے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا، اور پھر اپنے ایک سردار کو مانڈو کی حکومت سپرد کرکے آگرہ چلا گیا، ہمایوں شاہ کی مراجعت کے بعد ۹۴۳ھ میں ملو خاں (خلجیوں کے غلاموں اور امرا میں سے تھا) نے افقِ مالوہ سے سر نکالا، اور اکثر اضلاع پر قابض ہوکر اپنا لقب سلطان قادر شاہ قرار دیا، سرحدی حاکموں نے بھی، اس کی اطاعت قبول کی،

سلطان شیر شاہ سوری کے عروج و فتوحاتِ ملکی کا بھی یہی زمانہ ہے، قادر شاہ نے ابھی صرف ۶ سال ہی کا زمانہ حکومت پایا تھا کہ سلطان شیر شاہ سوری، نصیر الدین ہمایوں شاہ کو شکست دے کر مالوہ کی طرف متوجہ ہوا، شیر شاہی رعب و جلال کے آگے ایک صوبہ کے حاکم کو جنگ و جدال کی تاب کہاں تھی، قادر شاہ گرفتار ہوکر اسیرِ سلطانی ہوا، اور پھر کسی حکمت سے نکل گیا،

۹۴۹ھ میں شیر شاہ نے اپنے ماتحت سردار شجاعت خاں کو مالوہ کی امارت سپرد کی، اور خود چندیری اور رائسین کو سلہدی راجپوتوں سے پاک کرتا ہوا آگرہ ہوکر فتوحات کے سلسلہ میں دوسری طرف چلا گیا، ۹۵۲ھ میں جب کہ قلعۂ کالنجر کو محصور کئے ہوئے تھا، میگزین میں آگ لگجانے سے دوسروں کے ساتھ خود بھی جلا، اور اسی صدمہ سے فوت ہوگیا،

تاریخ وفات یہ ہے،

زآتش مُرد
۹۵۲

(۹) شجاعت خاں المخاطب بہ شجاع دل خاں

اس کی حکومت مستقل حکومت تھی، اس لئے مورخین نے اس کا نام سلاطین مالوہ کے سلسلہ میں درج کیا ہے، قادر شاہ میں ابھی ہوس ملک گیری باقی تھی شاہ گجرات سے امداد لے کر مانڈو پر تاخت کی، شجاعت خاں نے بہادری سے مقابلہ کیا، اور اسے شکست دی، شیر شاہ نے خوش ہو کر ۱۲ ہزار کا منصب، اور شجاع دل خاں[۵۱] کا خطاب اس کو عنایت کیا، اس پر مراحم خسروانہ کا یہ اور اضافہ کیا کہ اجین۔ سارنگ پور، مندسور شجاعت خاں کی جاگیر میں دیئے باقی دیگر اضلاع، تالیف قلوب کے سلسلہ میں شجاعت خاں کے دوسرے عزیزوں کو دیئے گئے، اس طرح بیشتر حصہ مالوہ کا شجاعت خاں کے حصہ میں آگیا، اس نے ۱۲ سال کامیاب حکومت کرکے ۹۶۲ھ ۱۵۵۴ء میں انتقال کیا لیکن اپنے نام کا سکہ و خطبہ جاری نہیں کیا، سارنگ پور[۵۲] اس کا دار الحکومت تھا،

(۱۰) باز بہادر شاہ، بن شجاعت خاں

بایزید خاں نام تھا، باپ کی وفات پر ۹۶۳ھ ۱۵۵۵ء میں باز بہادر شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا، رسم تاجپوشی بڑی دھوم دھام سے ادا ہوئی دو سال اور دو ماہ کے ایام حکومت میں صرف ایک مرتبہ راجہ کرشن والئی گونڈوانہ کے علاقہ پر پیش قدمی کی، اس وقت بیوہ[۵۳] راجہ کرشن، گونڈوانہ علاقہ کی سرپرست تھی، اس کی غیرت نے باز بہادر کی،

۵۱؎ فرشتہ کا بیان ہے کہ شجاعل پور (واقع مالوہ) اسی کا آباد کیا ہوا قصبہ ہے، لیکن فرشتہ نے بجائے عین کے حرف واؤ سے شجادل پور لکھا ہے، مؤلف کا قیاس ہے کہ صحیح نام خطاب کی مناسبت سے شجاع دلپور تھا، حرف و کی تخفیف سے شجاعل پور رہ گیا، لیکن فرشتہ کے بیان کے خلاف صاحب اختیار التواریخ بحوالہ تاریخ کھیچی لکھتے ہیں قصبہ کا نام سجالپور ہے جسے سوجا جی ولد راؤ گوگا جی کھیچی والئی آملا وده نے آباد کیا تھا، واللہ اعلم[۱۳] مؤلف

۵۲؎ سارنگپور، راجہ سارنگدیو کا آباد کیا ہوا شہر ہے، سادات سارنگپور فن شہسواری میں مشہور تھے، شہراب ویران ہے، جامع التواریخ

۵۳؎ رانی درگاوتی اس کا نام تھا، فرشتہ

مداخلت کو گوارا نہ کیا سپاہ فراہم کر کے نکلی اور یہ کہکر ؎

منم شیر زن گر توئی شیر مرد (نظامی) چہ مادہ چہ نر شیر وقت نبرد

اس سختی اور جوش و خروش کے ساتھ حملہ کیا کہ باز بہادر کو سوائے بازگشت کے اور کوئی چارہ نہ رہا، بازکبطرح اڑکر بمشکل سارنگپور پہنچا، چونکہ اس نے ایک عورت سے شکست کھائی تھی اس لئے جنگی مشاغل کو چھوڑ کر مہ جبینوں کے عشق و محبت میں یہ کہتا ہوا گرفتار ہو گیا ؎

گرچہ بدنامیست نزدِ عاقلاں ما نمی خواہیم ننگ و نام را

باز بہادر اقلیم عشق کا مشہور تاجدار گذرا ہے، مالوہ میں اُسوقت فن موسیقی ترقی پذیر تھا، اس نے بھی شوق کیا، اور اسقدر ترقی کی کہ اسوقت کے فن موسیقی کے استادوں سے بازی لے گیا، اس مشغلہ کی بدولت حسینان عالم کو اپنے عشرت کدہ میں جمع کر کے دوسرا راجہ اندر بن گیا تھا اسینکڑوں حسینان عالم عشرت خانہ کی زیب و زینت رہیں حسن پرست سلطان کے صنم خانہ میں، روپمتی[۱] کی تصویر سب سے زیادہ نمایاں ہے، جس نے اپنے ملائک فریب حسن، دلربا ناز و اداؤں، اور وجد آفریں ترنم ریزیوں سے باز بہادر کے دل اور اسکے ملک و دولت پر پورا تسلط جما لیا تھا، یہانتک کہ باز بہادر کو ممالک محروسہ کی مطلق خبر نہ رہی، اور اسمیں شک و شبہ بھی نہیں کہ روپمتی حسن کی دیوی، ظاہری حسن و جمال کے زیور سے جسقدر آراستہ تھی، اُسی قدر بلکہ اس سے زیادہ حسن سیرت اور خصائل میں بھی لاثانی تھی، علم موسیقی میں کامل، خوش آوازی میں بےنظیر، معشوقانہ طرز و ادا میں لاجواب تھی، شباب کی سرمستیاں، حیا کی شوخیاں لبوں کی تبسم ریزیاں، جبین انور کی ضیا پاشیاں، سرگیں آنکھوں کی فتنہ زائیاں، اور بھی قیامت تھیں،

(از جامی علیہ الرحمۃ)

بخندہ از ثریا نور سے ریخت نمک از خندۂ پر شور میریخت

نگلزار رخش از مشک داغے گرفتہ آشیاں زاغے بباغے

بکحل نرگسش از سرمۂ ناز زمژگاں بر جگرہا ناوک انداز

[۱] فرشتہ کا بیان ہے کہ روپمتی مغنیہ یعنی گانے اور ناچنے والی قوم سے تھی جسے ہندی میں کنچنی یا پاتر کہتے ہیں۔ سرجان مالکم صاحب مورخ مالوہ لکھتے ہیں کہ سہارنپور کی رنڈی تھی، ان دونوں بیانوں کے خلاف اہل مالوہ کا زبانی یہ بیان ہے کہ روپمتی کسی راجہ کی بیٹی تھی، جس کا راج مالوہ کے قریب تھا۔ واللہ اعلم ۱۲ مؤلف۔

دو لعلش از تبسم در شکر ریز — دہانش در تکلم شکر آمیز
بزیر چرخ کس پیدا نہ گردد — کہ رویش بیند و شیدا نہ گردد

۹۶۸ھ / ۱۵۵۹ء کا سال باز بہادر کے امتحانِ محبت کا سخت ترین سال تھا، اس وقت اکبر آباد اور دہلی کا اورنگ شاہی، سلطان جلال الدین اکبر کے قدم سے مزین، اور اکبری فتوحات و اقبال کا علَم اطراف ہند میں پرتو فگن تھا، اکبر کی غیرتِ شجاعت نے گوارا نہ کیا کہ شجاع دل خاں کا بہادر فرزند ملک گیری اور فرماں روائی چھوڑ کر اسطرح مصروفِ خوابِ ناز رہے، یہ سوچکر شہنشاہ اکبر نے ادہم خاں[۱] نوجوان سپاہ سالار کے ذریعہ سے باز بہادر کو بیداری کا پیغام بھیجا، ادہم خاں یلغار کرتا ہوا اور افواج کا دل بڑھاتا ہوا، حصارِ سارنگپور کے نیچے اطمینان کے ساتھ پہنچ گیا، روپ متی کا ہمنشین باز بہادر اس وقت جاگا جبکہ فوج کا کچھ حصہ قلعہ کے اندر داخل ہو چکا تھا،

ادہم سپاہ سالار بھی، روپ متی کا شہرہ جمال سنکر غائبانہ دل باختہ ہوا، باز بہادر عاشقِ صادق تھا، ادہم کی رقیبانہ روشِ جنگ کو سمجھ گیا، اور فوراً قلعہ[۲] سے باہر نکل آیا، مقابلہ کی طاقت نہ تھی تاہم غیور طبع تھا، اس کے رشک آفریں تخیل نے گوارا نہ کیا کہ خامۂ قدرت کی خاص کھنچی ہوئی جس بے مثل تصویر کا اس نے اپنے لئے انتخاب کیا ہے وہ اسی کی حیات میں کسی رقیب کی ہم آغوش ہو،

اس لئے تدبیر یہ کی کہ چند ہمراز مقربوں کو مامور کیا کہ نازنینانِ حرم کو ان کی گرفتاری سے پہلے فنا کر دیں، اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی، بہت کم عورتیں زندہ بچیں،

روپ متی پر بھی شمشیرِ ستم کا وار ہوا، لیکن دنیا کو ایک اور شعبدہ دکھانے کے لئے زندہ، بچکر ادہم کے سامنے لائی گئی، جس نے افسوس اور ہمدردی کے پیرایہ میں اپنے جذبات کا بھی اظہار

---

[۱] ادہم، ماہم بیگم کا بیٹا، جس کا دودھ اکبر نے پیا تھا، اور بچپن سے اسے پالا تھا، ۱۲ دربار اکبری،

[۲] ادہم خاں کی واپسی کے بعد دوبارہ باز بہادر نے سارنگپور پر قبضہ جمالیا، ۹۷۰ھ میں اکبری دریا سے پھر مفرور ہوگیا، اور عرصہ تک خاندیس و دکن کے اطراف میں سرگرداں رہ کر بالآخر اکبری امراء میں داخل ہو کر اس نے دو ہزاری منصب حاصل کیا، ۱۲ فرشتہ۔

کردیا، گو روپ متی کے دل میں باز بہادر کے سوا غیر کی چاہ کی گنجائش نہ تھی، مگر موقع نازک تھا، پختہ کار تھی، صاف انکار مناسب نہ سمجھ کر پہلے اپنے علاج کی طرف آدہم کو متوجہ کیا، اس نے شیخ عمر درویش[۱] کا مکان روپ متی کے آرام کے لئے تجویز کر کے معالجہ کی طرف خاص توجہ کی، کبھی کبھی مزاج پرسی کو خود بھی جاتا،

جذبات عشق کا انضباط مشکل ہے، اور اگر اندرونی کامیابی حاصل بھی ہو جائے تو ظاہری علامات کی مخبری کا کوئی علاج نہیں ہے،

می تواں داشت نہاں درد بہ ہر دم لیکن
زردی رنگ رخ و خشکی لب را چہ علاج

افسرانِ ماتحت سمجھ گئے کہ ان کا سپہ سالار روپ متی کے زلف گرہ گیر میں گرفتار ہو چکا ہے گو مؤدبانہ اور مخلصانہ طریقِ کلام کے ساتھ آدہم کو سمجھایا، لیکن اثر پذیر نہ ہوا، باز بہادر پر گو غالب آیا، مگر خود ایک پری پیکر کے تیرِ نگاہ سے مجروح ہو کر مغلوب ہو گیا،

وامیکہ زلف انداختہ در گردن سیمینش بیں
خونے کہ مژگاں ریختہ بر دامنِ پاکش نگر (نظیری)

روپ متی کو کامل صحت ہو گئی سادہ لوح آدہم نے پیغام وصال بھیجا، جواب میں کافور، مشک، عنبر، وغیرہ خوشبودار چیزوں کی فرمایش ہوئی، تاکہ وہ معطر ہو کر بزم آدہمی کے قابل ہو سکے،

فرمایش کی تعمیل فوراً ہوئی، روپ متی کے ظاہری زخموں کا گو بخوبی اندمال ہو چکا تھا لیکن باز بہادر کے نشترِ فراق کا زخم جو قلبِ نازک میں گھر کر چکا تھا وہ اندر ہی اندر تازہ ہوتا رہا،

معطر سامان پا کر اس نے اپنے عاشقِ صادق کا حقِ محبت اس طرح ادا کیا، کہ کافور کھا کر اور چادر اوڑھ کر باز بہادر کی خیالی تصویر کو اس طرح مخاطب کرتے ہوئے عمر بھر کے لئے میٹھی نیند

[۱] تاریخ ہندوستان و سیر المتاخرین، ۱۲

سوگئی

کشتۂ کہ عشق دارد نہ گذاردت بدین سال
بہ جنازہ گرنیائی بہ مزار خواہی آمد (امیر خسرو)

روپ[1] متی نے جس جذبۂ صادقہ اور مخلصانہ جانبازی کی مثال چھوڑی ہے، اُس کا نقش صفحاتِ تاریخ میں آج تک باقی ہے۔

ہرگز نہ میرد آن کہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما (خواجہ حافظ)

آدہم کشتۂ یاس وحسرت کا انجام بھی سننے کے قابل ہے،

آدہم گو دولتِ حسن سے محروم رہا، تاہم سارنگ پور کا خزانہ بہت کچھ اُس کے ہاتھ آیا، طمع دامن گیر ہوئی، دربارِ خلافت میں مالِ غنیمت اُس نے نہ بھیجا، کافی انتظار کے بعد جلالِ اکبری ظاہر ہوا، معمولی سپاہ ساتھ لے کر خود مالوہ کی طرف نہضت کی، راستہ میں قلعہ گاگرون[2] نظر آیا، اُسے مفتوح کیا، اور وہاں سے سیدھا سارنگ پور پہنچا، آدہم کو اُس وقت خبر ہوئی جب کہ اکبری سپاہ حدودِ سارنگ پور میں داخل ہو چکی تھی، آدہم دست بستہ دربار میں حاضر ہوا، تعویق وسستی کی معافی چاہی، اس مطیعانہ اور عاجزانہ اظہار سے جلالِ اکبری کم ہوا، معاف کیا، اور قدامت کے لحاظ سے اُسی کو سارنگ پور کا حاکم مقرر کر کے، دارالخلافہ کو واپس آگیا،

چند روز کے بعد کسی ملکی مصلحت سے عبداللہ خاں کو حاکم مالوہ مامور کر کے اکبر نے روانہ کیا، اور آدہم خاں کو واپس بلا لیا،

ایک روز دربارِ عام میں شمس الدین محمد خاں اور آدہم خاں میں تلخ گفتگو ہوئی، آدہم خاں نے

[1] مآثر الامرا کی روایت ہے کہ روپ متی اور باز بہادر کی قبریں اوجین میں ہیں، بعض کہتے ہیں کہ سارنگ پور میں، تالاب کے کنارے روپ متی کی چھتری ہے، اور اسی کے پاس باز بہادر کی قبر ہے، واصد عالم ۱۲

[2] موجودہ زمانہ میں گاگرون ریاست کوٹہ میں شامل ہے، جہاں زبردست قلعہ ہے، اسی قلعہ کے گاگرونی طوطے مشہور ہیں، ۱۲ مؤلف

اپنے مخاطب شمس الدین خاں کو ناکردہ قصور قتل کر دیا، دربار میں اس واقعہ سے سنسنی پھیل گئی لیکن ؏ صید راچوں اجل آید سوئے صیاد رود، ادہم کے سر میں جنون کچھ ایسا سمایا کہ شمشیر برہنہ محل سرائے شاہی کو چلا کنیزوں نے شور وغل مچایا، شہنشاہ اکبر خواب استراحت میں تھا، شور سے آنکھ کھلی اور اٹھ کر سیدھا دیوانِ عام کا راستہ اختیار کیا، ادہم کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر اُس کے فاسدانہ ارادے سے مطلع ہوا،

اللہ رے اقبال مندی، اکبر تنہا خالی ہاتھ ہے، اور دشمن تیغ برہنہ سامنے چلا آرہا ہے قریب پہنچکر، اکبر نے جلالی لہجہ میں ادہم کو للکارا، اُس آواز نے یہ اثر کیا کہ ادہم بیہوش ہوکر زمین پر گر پڑا، خیر خواہانِ دولت بھی سمٹ کر آگئے، حسب ایمائے شاہی ادہم کو اٹھا کر کنگرۂ قلعہ سے باہر پھینک دیا، زمین پر گرنے سے پہلے ہی نمک حرام کی روح پرواز کر گئی،

با ولی نعمت از بروں آئی
گر سپہری کہ سرنگوں آئی

مالوہ کا انتقال دہلی سے

الغرض صوبۂ مالوہ تقریباً ۱۶۳ سال تخت دہلی سے جدا رہنے کے بعد ۹۶۸ھ/۱۵۵۵ء میں بعہد جلال الدین اکبر شاہ دوبارہ سلطنت دہلی میں شامل ہوا، جس کا سلسلہ برابر محمد شاہ کے اخیر عہد ۱۱۵۶ھ/۱۷۴۳ء تک (۱۸۸) سال قائم رہا،

چوں کہ مرہٹوں کا اثر صوبۂ مالوہ میں قائم ہو چکا تھا، (جس کی تفصیل کتاب کے حصہ دوم انقلاب حکومت کے عنوان میں آگے آتی ہے) اس لئے ناصر الدین محمد شاہ کو ۱۱۵۶ھ/۱۷۴۳ء بالاجی راؤ دوم پیشوا کو مالوہ کی سندِ حکومت دینی پڑی، جس نے اضلاعِ مالوہ اپنے ماتحت سرداروں ہلکر، سیندھیا، بھونسلا وغیرہ کو تقسیم کر دیا، آج وہی صوبۂ مالوہ مختلف ریاستوں میں منقسم نظر آتا ہے، یہ جو کچھ تم پچھلے صفحات میں پڑھ چکے ہو گذشتہ انقلابات کی تصویر ہے، دَورِ ایام آیندہ دیکھئے کیا کیا نقوش پیش کرتا ہے،

سبق آموز ہے آب وہوائے گلشن عالم

عداوت آتش گل کو ہے بلبل کے نشیمن سے

جن راجاؤں اور بادشاہوں نے ملک مالوہ پر ابتدا سے خاندان مغلیہ کے آخری دور محمد شاہ تک حکومت کی ہے، ان کی قوم وار اور سلسلہ وار جدول ذیل میں درج کی جاتی ہے، جو غالباً بہت کچھ ناظرین کی دلچسپی کا سبب ہوگی،

قدیم رایان مالوہ کی جدول جنہوں نے مستقل حکومت کی

نمبر شمار	نام راجہ	مدت حکومت	کیفیت
۱	دھن جی	۱۰۰ سال	
۲	چندر جیت	۸۶ سال ۷ ماہ ۳ روز	
۳	سالباہن	یک سال	
۴	نرباہن	۱۰۰ سال	
۵	ست راج	۱۰۰ سال	

(نوٹ) یہ پانچ راجے اس طرح پر تخت نشین ہوئے کہ باپ کی وفات پر بیٹا راجہ ہوا،

جدول راجگان قوم پنوار، راجپوت

نمبر شمار	نام راجہ	مدت حکومت	کیفیت
۱	اودت	۸۶ سال ۷ ماہ ۳ روز	
۲	برمھراج	۳۰ سال ۵ ماہ ۲ روز	
۳	آوت برمھہ	۹۰ سال	
۴	سدبروشنگھ	۸۰ سال ۱۰ ماہ	
۵	ہمرتہہ	۱۰۰ سال	
۶	گندہربا	۳۵ سال	
۷	بکرماجیت	۱۰۲ سال	سمت بکرمی اسی کا یادگار ہے،
۸	چندرسین	۸۶ سال ۳ ماہ ۲۰ روز	

۹	کھرگ سین	۸۵ سال	
۱۰	چترکوٹ	یک سال	
۱۱	کنگ سین	۸۶ سال	
۱۲	چندرپال	۱۰۰ سال	
۱۳	جہندرپال	۷ سال	
۱۴	کرم چند	یک سال و یک روز	
۱۵	بجے نند	۱۰ سال	
۱۶	منج	۰	
۱۷	بھوج	۱۰۰ سال	مشہور راجہ گزرا ہے، آبگیر بھوپال اسکے نام سے منسوب ہے جو حرف ج کی تخفیف سے بھوپال مشہور ہوا ورنہ اصل میں بھوج پال تھا
۱۸	بجے چند	۱۰ سال ۲ روز	

پنوار قوم سے ۱۸ راجاؤں نے ۱۰۶۲ سال ۱۱ ماہ ۷ روز راج کیا،

جدول راجگان قوم تونور

۱	جیت پال	۵ سال	
۲	رانا راجو	۵ سال	
۳	رانا باجو	یک سال ۳ روز	
۴	رانا جاجو	۳۰ سال	
۵	رانا جیندھر	۳۰ سال	
۶	رانا بہادر	۵ سال	
۷	رائے بکمل	۵ سال	
۸	رائے سکن پال	۵ سال	
۹	رائے کرت پال	۵ سال	

۱۰	رائے نیک پال	۶۰ سال	
۱۱	کنور پال	یک سال	
نوٹ، قوم تونور میں سے گیارہ راجاؤں نے ۱۴۲ سال ۲ روز حکومت کی،			
جدول راجگان چوہان			
۱	راجہ جگدیو	۱۰ سال	
۲	جگناتھ	۱۰ سال	
۳	ہردیو	۱۵ سال	
۴	باسدیو	۱۶ سال	
۵	سربدیو	۱۵ سال	
۶	دھرم دیو	۱۴ سال	
۷	پہلدیو	۱۰ سال	
۸	مانک دیو	۹ سال	
۹	کیرت دیو	۱۱ سال	
۱۰	پتھورا	۲۱ سال	
۱۱	مالدیو	۹ سال	
نوٹ، چوہان کی قوم میں سے گیارہ راجاؤں نے ۱۴۰ سال حکومت کی،			
جدول مختلف الاقوام راجگان و شاہان مالوہ			
۱	شیخ شاہ	۷۰ سال	غزنی سے آکر مالوہ پر متصرف ہوا،
۲	دہرم راج	۲۰ سال	شیخ شاہ کی وفات پر اس کا نابالغ بیٹا علاء الدین تخت نشین ہوا دہرم راج اس کا وزیر تھا موقع پا کر خود راج کا مالک بنا
۳	علاء الدین ابن شیخ شاہ	۲۰ سال	علاء الدین نے جوان ہو کر اپنا ملک اس سے واپس لیا،
۴	کمال الدین	۱۲ سال	

۵	جیت پال چوہان	۲۰ سال	
۶	ہرچند	۲۰ سال	
۷	کیرت چند	۲ سال	
۸	اگرسین	۱۳ سال	
۹	سورج نند	۱۳ سال	
۱۰	پترسین	۱۰ سال	
۱۱	جلال الدین	۲۲ سال	
۱۲	عالم شاہ	۲۴ سال	
۱۳	کھرک سین	۸ سال	
۱۴	نربا ہن	۲۰ سال	
۱۵	بیرسال	۱۶ سال	
۱۶	پورن مل	۲۹ سال	
۱۷	ہرنند	۶۲ سال	
۱۸	سکت سنگھ	۶۰ سال	

نوٹ:- ان ۱۸ حکمرانوں نے ۴۴۰ سال حکومت کی،

جدول سلاطین غوری و خلجی، شاہان مالوہ

۱	بہادر شاہ دکنی	چند ماہ	سکت سنگھ کے آخری زمانہ میں دکن سے آکر قابض ہوا بھی سلطان شہاب الدین غوری سے لڑا اور مارا گیا چند ماہ حکومت کی
۲	دلاور خاں غوری	۱۶ سال امارت ۴ سال سلطنت	
۳	ہوشنگ شاہ	۳۰ سال	
۴	محمد شاہ غوری	یک سال ۶ ماہ	
۵	سلطان محمود خلجی	۳۴ سال	

۶	سلطان غیاث الدین	۳۳ سال	
۷	سلطان ناصر الدین	۱۱ سال ۴ ماہ	
۸	سلطان محمود ثانی	۲۶ سال ۶ ماہ	
۹	قادر شاہ	۶ سال	
۱۰	شجاعت خاں	۱۲ سال	سلطان شیر شاہ سوری نے ۹۴۹ھ میں مالوہ کی حکومت اس کے سپرد کی اس کی وفات پر خود مختار ہوا ،
۱۱	باز بہادر	۲ سال ۲ ماہ ۷۶ سال ۶ ماہ	

امارت ۱۶ سال مدت سلطنت ۱۶۰ سال ۶ ماہ نوٹ یہاں تک مؤلف نے سیر المتاخرین اور تاریخ ہندوستان سے نقل کی ہے ،

جدول شاہان مغلیہ دہلی متعلق صوبہ مالوہ

۱	جلال الدین اکبر شاہ	۴۸ سال	اکبر نے ۹۶۷ھ میں مالوہ فتح کیا اور ۱۰۱۴ھ میں وفات پائی
۲	نور الدین جہاں گیر	۲۴ سال	
۳	شہاب الدین شاہجہاں	۳۱ سال ۲ ماہ	
۴	محی الدین اورنگ زیب عالمگیر	۵۰ سال	
۵	محمد معظم شاہ عالم بہادر شاہ	۵ سال یک ماہ	
۶	معز الدین جہاندار شاہ	۱۰ ماہ	
۷	فرخ سیر بن عظیم الشان	۶ سال ۴ ماہ	
۸	رفیع الدرجات بن رفیع الشان	۳ ماہ	
۹	رفیع الدولہ شاہجہان ثانی	۳ ماہ	
۱۰	ناصر الدین محمد شاہ	۲۶ سال	۱۱۳۱ھ میں تخت نشین ہوا ۱۱۵۶ھ میں باجی راؤ پیشوا کو مالوہ کی سند حکومت حوالہ کی جب سے مالوہ تخت دہلی سے جدا ہوا
		۱۹۱ سال ۱۱ ماہ	

نوٹ ، یہ جدول مؤلف کی ترتیب دی ہوئی ہے ،

حصّہ دوم

سرونج کے جغرافیئی، تاریخی، انتظامی، تمدنی اور معاشرتی حالات کا مفصل تذکرہ

داستان عہدِ گل را از نظیری بشنوید
بلبلان آشفتہ تر گفتند ایں افسانہ را

پہلا باب

جغرافیہ

طول البلد و عرض البلد

سرونج، صوبۂ مالوہ کی مشرقی سرحد پر دار الریاست ٹونک کے گوشۂ مشرق وجنوب میں (۲۵۰) میل کے فاصلہ پر واقع ہے" جسکا طول البلد[۱] ۷۷ درجہ ۴۳ دقیقہ، اور عرض البلد ۲۴ درجہ ۸ دقیقہ ہے۔ تقویم البلدان اور غیاث وغیرہ

[۱] زمین کو حکما نے مستدیر لکھا ہے حکیم بطلیموس کے نزدیک زمین کا قطر (۷۱۶۰) میل اور اوسکا محیط (۲۲۵۰۰) اور سطح ۱۷ کروڑ ۱۱ لاکھ میل ہے، مگر اسمیں حکمائے فرانس وغیرہ کا اختلاف ہے۔ جمہور کا اتفاق اس پر ہے کہ دائرہ کا محیط زمین (۲۵۰۲۶) اور قطر استوائی (۷۹۶۴) اور سطح اوسکا ۲۹ کروڑ ۳۸ لاکھ ۱۷ ہزار ۶۴ میل انگریزی ہے، باتفاق متاخرین یکدرجہ عرض زمین مساوی ۶۰ میل بحساب جغرافیہ اور درجہ طول خط استوا کے مواضع میں درجۂ عرض کے مساوی ہے اسلئے کہ دونوں دوائر عظام سے ہیں جس موضع میں جسقدر عرض زیادہ ہوتا ہے۔ درجہ طول کم ہوتا ہے یہانتک کہ اقطاب کے نیچے طول باقی نہیں رہتا ۱۲ از غیاث اللغات

میں سرونج کے طول البلد کے اندراج سے ثابت ہے کہ سرونج بھی مثل دیگر قدیم بلاد کے پرانا شہر ہے مگر آج اسکی قدیم تاریخ معدوم ہے،

رقبہ

پرگنہ سرونج کا کل رقبہ طولاً مغرب و مشرق میں ۴۰ میل اور عرضاً شمال و جنوب میں ۲۰ میل، جملہ ۹۰۲.۶ مربع میل، اور بحساب پیمائش سروے، ۸ لاکھ ۹۳ ہزار ۷ ۶ ۳ بیگہ ۱۳ بسوہ ہے، اور بروئے پیمائش عہد عالمگیری، بحساب جریب شاہجہانی (۸۰ ۱۹) انچہ انگریزی، ۹ لاکھ ۲۴ ہزار ۵ سو ۲ ۵ بیگہ، اور خالص سرونج کی آبادی کا رقبہ ۵۹۹ بیگہ ۹ بسوہ اور تشکل کثیر الاضلاع ہے،،

علاقجات ملحق الحدود

گوشہ شمال و مغرب میں ریاست ہائے کھیچیواڑہ، گوشہ جنوب مشرق میں علاقہ ریاست بھوپال، مشرق میں علاقجات ریاست ہائے کوروائی، گوالیار جنوب میں علاقہ گوالیار واقع ہیں،

ریلوے اسٹیشن

علاقہ سرونج میں اس وقت تک ایک بھی نہیں ہے، البتہ، شرقی و جنوبی گوشہ میں گریٹ انڈین پنینشولا ریلوے کے دو اسٹیشن، ایک باسودہ (متعلقہ علاقہ گوالیار) سرونج سے ۲۶ میل، اور دوسرا بامورہ، (متعلقہ ساگر ملک متوسط) ۳۴ میل کے فاصلہ پر ہیں، جہاں سے تانگہ، موٹر، اور گاڑیوں کے ذریعہ سے مال و مسافروں کی آمد و رفت ہے، اور دونوں طرف پختہ سڑکیں ہیں،،

آب و ہوا

یہاں کی آب و ہوا، مرطوب، سردی و گرمی کا موسم معتدل، آندھی کا جوش و خروش بہت کم ہے، البتہ کسی سال تند اور تیز ہوا چلکر باد گرد کا نمونہ بنجاتی ہے، موسم گرما کی راتیں لطافت خیز و طرب انگیز ہیں، جنکو باد نسیم کے خرام نازنے مرطوب تر بنا کر شب مالوہ کے امتیازی نام سے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں مشہور کر دیا ہے،،

بارش اور زراعت کا نشو و نما

بارش عموماً زیادہ ہوتی ہے، پیداوار کے لئے اسکا اوسط (۳۵) انچہ ہے، زمین کی سیرابی کی وجہ سے فصلیں کی نشو و نمائی طاقت اعلیٰ درجہ پر رہتی ہے،،

ربیع کی پیداوار، گندم، نخود، السی، قابل ذکر ہے۔ گندم فی بیگہ کمین پختہ[1] اور نخود فی بیگہ ۳۰ مار کاشت ہوتا ہے، جنکی پیداوار کا اوسط موجودہ زمانہ میں چار اور پانچ گنا، اور مخصوص دیہات میں دس گنا تک ہے، گذشتہ زمانہ میں، یہاں کی سیاہ زمین اپنی انتہائی طاقت کی بنا پر بالعموم دس پندرہ، گنا غلہ پیدا کرتی رہی ہے،

خریف کی پیداوار میں، جوار، کپاس، تلی، رمیلی، سرسوں، مکا، مشہور اجناس ہیں جنکی پیداوار معمولی بارش کے ساتھ اچھی ہوتی ہے، اگر بارش غیر معمولی اور مسلسل طور پر ہوئی تو نشوونمائی قوت عموماً دب جاتی ہے، ترکاریوں میں، پالک، تھیجی، شلجم، مولی، خرفہ، آلو، اروی، ترئی، بھنڈی، آل، کدو، پرمل، وغیرہ زیادہ اور گوبھی، گانٹھ گوبھی، چقندر کی پیداوار کم ہے،،

متفرق اشیاء میں شکر قند، زمین قند، مونگ پھلی، گاجر، بکثرت اور فالیز کی کاشت میں، خربزہ تربوز، ککڑی، ہنگا، (ککڑی کی قسم سے ہے) اوسط درجہ پر ہے، نیشکر کی کاشت زمانہ سابق میں یہاں کی مشہور تھی، اب بہت کم ہے، کہیں کہیں گڑ بھی بنتا ہے،

غلہ کی چاہی کاشت کا رواج یہاں بہت کم ہے، عموماً بارانی پیداوار پر مخلوق کا دارومدار ہے، اگر اوسط سے زیادہ بارش ہوگئی تو فصل خریف کو بہت زیادہ نقصان پہنچتا ہے،

خود رو اشجار پہاڑ اور جنگل اس علاقہ کے عموماً سرسبز و شاداب ہیں جنمیں، ساگون، تینڈو (جسمیں آبنوس نکلتا ہے) کھرنی، اچار، املتاس، بیل، آنولا، گولر، سالر، املی، نیب، ڈھاک، بیر، سرس، سیمل، کنجی، گرار، ساج، تُم، بیجا، کوہا، موکھا، کسم، کھجور، بانس، وغیرہ کے درخت بکثرت ہیں، انمیں سے ساگون گرار، نیب، آنولا، کوہا، تُم، بیجا، ساج، کی لکڑیاں عمارتی کام میں آتی ہیں،،

کھیر کی جھاڑی بھی بکثرت ہے، جسکے گودے کا کتھا بنتا ہے،

خوشبودار درخت نہیں، کروندہ، جوہی، بکثرت اور کہیں کہیں نالوں کے کنارے خودرو سیوتی کے بھی درخت ہیں،

[1] پختہ سے مراد یہاں کا مروجہ وزن ہے، ۹۸ روپیہ کلدار کا سیر ہے اس حساب سے یک من پختہ کا سوا من تمبری سمجھنا چاہیے ۱۲ مؤلف

صحرائی جانور

شیر، تیندوہ، ریچھ، بھیڑیا، سُن کتے، خنزیر، نیل گائے، ہرن، چکارا، سانبھر، چیتل، بھیڑکی یہاں کے جنگلوں میں بکثرت ہیں،

پہاڑوں کا سلسلہ

مشہور کوہِ بندیاچل، کی شاخیں اس علاقہ میں پھیلی ہوئی ہیں، اکثر پہاڑ بلند، اور کمتر پست ہیں، جنکے نام بھی مختلف مقامات میں جدا جدا ہیں۔

(۱) پہاڑ کا پہلا سلسلہ موضع سیہورہ (علاقہ گوالیار) سے شروع ہوکر علاقہ مذکور میں ۲۶ میل ہوتا ہوا شمال میں بہادرپور علاقہ چاگیر سے گذرکر، موضع باموری سالا پرگنہ سرونج میں داخل ہوا ہے، وہاں سے مواضعات للت پور، پیکولی، قاضی کھیڑی، کلیاپور، ہوتا ہوا، خاص سرونج کے قریب ایک میل پست ہوکر، جٹا شنکر کی مشہور ٹیکری پر نمودار ہوا ہے، یہاں سے چلکر مواضعات چاپو، ریچھن، ہوتا ہوا موضع ٹوکرہ پولیس اسٹیشن کی سرحد پر پہنچا، اور وہاں سے سیمرا مسکرا ہوتا ہوا سیمری علاقہ سرونج کی جنوبی سرحد میں غائب ہوگیا اور پھر آگے چلکر موضع مجید گڈھ علاقہ بھوپال میں نمودار ہوکر بھوپال کی طرف چلا گیا ہے، سلسلہ مذکور نے جانب شمال، للت پورا اور مغلسرائے کے مابین ۴ میل کا عرض پایا ہے، اور سرونج کے قریب گوشہ شمال و مغرب میں، قاضی کھیڑی اور جٹاشنکر کے درمیان ۴ میل عریض ہوکر، موضع بر نیڈہ تک چلا گیا ہے، اسیطرح جٹاشنکر سے چلکر ٹوکرہ، اور چینا نکھو کے بیچ میں ۴ میل کا ہموار سطح ہوگیا ہے، جس پر تانگے، گاڑیاں، بآسانی آتی جاتی ہیں، کل ۵۰ میل سرونج کے علاقہ میں اس سلسلہ کا طول ہے،

(۲) دوسرا پہاڑی سلسلہ، موضع چھراری (علاقہ ریاست راگھوگڈھ سے شروع ہوکر موضع جھوکر علاقہ سرونج میں داخل ہوا ہے، جھوکر سے مواضعات ہری پور، تنیا، فوجپور، مونڈلیہ، بیراگڈھ ہوتا ہوا موضع دبکن کی حدِ جنوبی میں ختم ہوگیا،

دونوں شاخوں کی رفتار، شمال سے جنوب کو ہے، ان پہاڑوں کے پتھروں کا رنگ کہیں سیاہ، کہیں سرخی مائل اور کہیں بھورا سیاہی مائل ہے،،

مٹی کا رنگ اور اقسامِ زمین

یہاں کی زمین ذیل کے پانچ اقسام پر منقسم ہے۔

ما ۱ مار[۱] (سیاہ) زمین کو کہتے ہیں، گیہوں اور چنا اس زمین مین زیادہ پیدا ہوتا ہے، ما ۲ پڑوا اسکا رنگ بھورا ہے ما ۳ (رانکڑ) (کنکریلی) ما ۴ چیکٹا ر سیاہ چکنی) ما ۵ گوردان آبادی کے قریب والی زمینوں کے نام ہیں، کنکریلی، اور پتھریلی زمین کے علاوہ اور جتنی اقسام کی زمینیں ہیں وہ قدرتاً اسقدر چکنی ہیں کہ معمولی بارش میں بھی گاڑیوں اور تانگوں کا چلنا دشوار تر ہو جاتا ہے،

تالاب

مشہور اور بڑے تالاب پرگنہ میں یہ ہیں،

ما ۱ سرونج کا تالاب[۲] ۵ لو بیگہ،، ما ۲ تروریہ کا تالاب ۱۰ لو بیگہ،، ما ۳ باموری کا تالاب ۵ او بیگہ ، ما ۴ تال کا تالاب ما ۶ گز بیگہ، ما ۵ او ناسی کلاں کا تالاب ۲ لعہ بیگہ ما ۶ راگھوگڑھ کا تالاب ۸ لو بیگہ،، ما ۷ مغلسرائے کا تال ۹ لو بیگہ،، ما ۸ روسلی ساہو کا تال ۱۳ لعہ بیگہ ما ۹ پیڑی کا تال ۲ لو بیگہ، یہ وہ رقبہ ہے جو زیر آب ہے، زیر کاشت رقبہ علاوہ ہے سنگھاڑے تالابوں میں بکثرت ہوتے ہیں، کہیں کہیں گل نیلوفر خودرو بھی ہوتا ہے، آب پاشی کا کام تالابوں سے نہیں لیا جاتا، ان تالابوں کے علاوہ سیکڑوں تلائی بھی ہیں جنکو نظر انداز کر دیا گیا ہے،،

ندیاں

اس علاقہ میں چار بڑی اور دو چھوٹی کل ۶ ندیاں[۳] ہیں، جنکا مخرج بھی اسی علاقہ میں ہے، نالے بیشمار ہیں جو اکثر انہیں ندیوں میں مل گئے ہیں، ندیوں کی تفصیل یہ ہے،،

ما ۱ سین ندی، موضع گوپی تلائی حلقہ تحصیل پیڑی کی تلائی سے نکلکر مواضعات محبت پور، مونڈرا ساگر،

---

[۱] بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سانپ کی سیاہ رنگت کی بنا پر زمین کا نام مار رکھا گیا ہے یہ توجیہ کچھ موزوں نہیں معلوم ہوتی،، مولف کی رائے یہ ہے کہ پیداوار کے لحاظ سے مزروعہ زمین کو مال کہتے ہیں وہی مال لب و لہجہ کی خرابی سے، بہ تبدیل حرف (ر) مار ہوگیا جیسا کہ دیہاتی عموماً ل کو ر، ہلدی کو ہردی کہتے اور بولتے ہیں،، ۱۲ مولف،،

[۲] یہ تالاب قدیم ہے، نواب امیر الدولہ بہادر نے تالاب کے شرق میں پختہ گھاٹ بنوا دیا تھا جسکے اب کچھ آثار باقی ہیں، ۱۲ مولف

[۳] جواہری ندی، بیکھتی ندی، بیاس ندی، بھی سرونج کے علاقہ میں ہیں، مگر دراصل یہ بڑے نالے ہیں جو ندی کے نام سے مشہور ہو گئے ہیں، اسمیں بھی جابجا دہ ہیں جنمیں مچھلیاں بکثرت ہوتی ہیں،، ۱۲ مولف،،

ڈونڈکھیڑی، اولاکھیڑی، کاچھی کھیڑہ، بھگونت پور ہوتی ہوئی موضع بسرامپور سے گذر کر موضع روسلی (علاقہ آرون) میں داخل ہوگئی ہے، جنوب سے شمال کو اسکی روانی ہے، اور کل ۱۹ میل اس علاقہ میں جاری ہے، پانچ نالوں کے اشتمال نے اسکے پاٹ کو وسیع کرکے جابجا دِہ ڈالدیئے ہیں، جنمیں بارہ مہینے پانی رہتا ہے، مچھلیاں بھی بکثرت ہوتی ہیں، علاقہ گوالیار میں اس ندی کا نام سندہ مشہور ہے،

ع۲ کیتھن ندی، مواضعات باموری اور تسروریا کے تالاب اسکے مخارج ہیں، ان دونوں تالابوں سے دونالے نکلے ہیں، درمیان میں اور کئی نالے شامل ہوکر خاص سرونج کی آبادی کے مغربی گوشہ سے نکلکر گوشۂ شمال و مغرب میں ہوتی ہوئی مواضعات چاٹھولی، بمولیا، ہرگنا کھیڑی سے گذر کر موضع بموریا (پرگنہ بہادر پور علاقہ گوالیار) میں داخل ہوگئی ہے، یہاں اسکا گوشہ مغرب اور جنوب سے، شمال میں ہوکر شرقی سمت ہے، زمین تہ آب ریتیلی، اور ۱۸ میل اس علاقہ میں جاری ہے،

ع۳ سگڑندی، مواضعات سگڑ اور وہٹر گا کے پہاڑوں سے نکلکر ڈوکرہ، سحر کھیڑہ، دنواس، وغیرہ دیہات میں ہوتی ہوئی آگرہ علاقہ گوالیار میں چلی گئی ہے، گوشہ شمال و جنوب سے گوشہ جنوب و مشرق میں جاری ہے، اور ۱۲ میل اس علاقہ میں اسکا پھیلاؤ ہے، زمین تہ آب پتھریلی ہے، اور کہیں ریتیلی ہے، مواضعات سوجنا، اور ڈوکرہ کے نیچے بارہ مہینے پانی رہتا ہے، مچھلیاں بکثرت ہوتی ہیں،

ع۴ نرین ندی، سرونج سے ۸ میل کے فاصلہ پر موضع کانکر کھیڑی ہے، وہاں کے رقبہ سے ایک نالہ نکلکر، مواضعات مونڈرا، کنیرہ، لڈھورہ ہوتا ہوا اپنے ساتھ اور کئی ایک نالوں کو شامل کرتا ہوا موضع کھوگرا، علاقہ گوالیار میں داخل ہوکر نرین ندی کے نام سے مشہور ہوگیا ہے، کھوگرا سے چلکر اس علاقہ کے مواضعات عمریا، او نارسی تال رائے کھیڑی، رضا کھیڑی میں پھر نمودار ہوا، اور یہاں سے موضع مٹھولی (علاقہ گوالیار) میں چلا گیا ہے، تہ آب ریتیلی زمین کم اور مٹی زائد کل ۱۴ میل اس علاقہ میں مغرب سے مشرق کی سمت جاری ہے،

ع۵ ٹیم ندی، لیٹری کا تالاب اسکا مخرج ہے، مواضعات باندر سیمان، احمد پور، پیچو کھیڑی، ڈھیر گڈھ، دبکن، کل ۱۶ میل اس علاقہ میں ہوتی ہوئی موضع بالاپور علاقہ مقصود نگڈھ میں داخل

ہوگئی ہے۔ جس کا بہاؤ شمال سے جنوب کو ہے، سات نالے اس میں شامل ہوگئے ہیں، بارہ مہینہ پانی رہتا ہے، زمین رتیلی ہے ''

۵۔ بھٹر یندی، سرونج سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر مواضعات بھوگائی اور نینوا اس سے دو نالے نکلکر بھٹر یندی کے نام سے شہرت پذیر ہوگئے ہیں، یہ ندی مواضعات بسیل گڈھ آرمی آتا جیوڑ چندیری ہوتی ہوئی علاقہ مقصود نگڈھ میں داخل ہوگئی ہے، مشرق سے مغرب کی طرف ۸ میل اس علاقہ میں جاری ہے،

کنڈ

۱۔ اشن کنڈ واقع موضع دیوپور ۶۰ گز مربع اور ۱۰ گز عمیق پختہ بنا ہوا ہے، پانی کا مخرج دامنِ کوہ ہے، جہاں سے پانی جھڑکر کنڈ میں جمع ہوتا ہے، اور کنڈ سے جو پانی باہر نکلکر بہتا ہے اُس سے ایک نالہ نکلکر دور تک چلا گیا ہے، کاتک سُدی پونم کو یہاں اہلِ ہنود کثرت سے جمع ہوکر نہاتے ہیں، اُن کے نزدیک یہ مقام متبرک ہے،

۲۔ مداگن کنڈ سرونج سے مغرب میں ۲۸ میل کے فاصلہ پر موضع تہابن ہے، جسکے حدود میں ۴ گز مربع رقبہ میں پختہ کنڈ بنا ہوا ہے، جسکی گہرائی ۱۰ گز ہے، کتبہ کوئی نہیں ہے،، کنڈ کی مرمت پرستارانِ کُنڈ کی طرف سے ہوتی ہے، سنکرات کے روز نہان ہندؤں کا ہوتا ہے، جس کی تاریخ ماگھ بدی ۱۰ رہے،،

۳۔ چھوٹی مداگن کا کنڈ۔ خاص لیٹری کے رقبہ میں آبادی سے مغرب جانب ایک قدیم مندر کے متصل پختہ کنڈ بنا ہوا ہے، گو موجودہ زمانہ میں تقریبًا منہدم ہوکر پٹ ہوچکا ہے، تاہم پانی کسیقدر بھرا رہتا ہے، پہلے یہاں بھی نہان ہوتا تھا، اب موقوف ہے،

۴۔ رادھا کنڈ ۵۔ کرشن کنڈ ۶۔ کستور کنڈ، خاص سرونج کے اطراف میں ہیں، پہاڑوں سے پانی کی آمد ہے، لیکن گرمی میں پانی کی آمد بند ہوجاتی ہے ۷۔ کمرہ مداگن کا کنڈ، سرونج سے شمال میں ۱۹ میل کے فاصلہ پر ہے، کنڈ پختہ ہے، جسمیں پہاڑ سے پانی جھرکر جمع ہوتا ہے، بارہ مہینہ پانی کی آمد رہتی ہے، کنڈ کا رقبہ ۴۲ گز مربع ہے، اور گہرائی ۴ گز ہے،،

چاہات

تمام علاقہ میں پختہ چاہات ۶۰۲ ۔ اور خام ۴۲۹ کل ۱۰۳۱ ہیں ان میں سے ۶۲۴ آب نوشی کے لئے مخصوص ہیں۔ اور ۴۰۷ آبپاشی کے کام آتے ہیں۔

کان

ابالنسکھیڑی گوگل سرونج سے ۱۰ میل کے فاصلہ پر شمال میں ایک موضع ہے، جہاں چھوئی مٹی کی کان ہے، اور یہ قدیم ہے، اس کے علاوہ بعد میں ذیل کے دیہات میں بھی چھوئی مٹی کی کانیں برآمد ہوئی ہیں۔ جن کا ٹھیکہ ریاست کی طرف سے دیا جاتا ہے ۔

موضع کانکر کھیڑی ۔ موضع چنیا کھو، موضع سیل کھیڑی ۔ موضع سگنا بالنسکھیڑی موضع باموری حوض ۔ پتھر کی کوئی کان نہیں ہے ۔ سیاہ پتھر کے ٹکڑے بکثرت جگہ جگہ سے نکلتے ہیں ۔ انہی پتھروں کو تراش کر دیواروں کی چنائی کے کام میں لایا جاتا ہے ۔ یہاں کی زبان میں صاف شدہ پتھروں کو چنگھاری اور کھرسل کہتے ہیں ،،

زبان

علاقہ سرونج کی دیہاتی مادری زبان مالوی ہے، جو اوجین کے اطراف میں بولی جاتی ہے، لیکن تقریباً دو صدی سے یہاں کی مالوی زبان بھاشہ اور اردو کی آمیزش سے اسقدر صاف ہوگئی ہے کہ اسکو دیہاتی اردو کہنا زیادہ موزوں ہے۔ خاص قصبہ کے اعلے طبقہ کے باشندوں کی زبان اردو ہے ۔

اقوام

دیہات میں، مسلمان، قومیں کم، اور ہندو زیادہ ہیں ۔ مسلمانوں کی کاشتکار قومیں عموماً یہ ہیں ۔

گدی، میواتی، جھوبیہ ۔ اور ہندو قومیں حسب ذیل ہیں ۔

رگھبنسی، وانگی، باگڑی ۔ (جنکو بگھیلے راجپوت بھی کہتے ہیں) برہمن، اہیر، کاچھی، زیادہ

اور راجپوت، بینہ، گوجر، بھیل، صحریہ، ڈھیمر، (کہار) دھوبی، کہاتی، لوہار، نائی کم ہیں

سواد سرونج

قصبہ کے چاروں طرف باغات کی کثرت ہے، جن میں انبہ، جامن، کھرنی، امرود، بیر، لیموں، نارنگی، گولر، نیب، گوندی رُسلا، انجیر، فالسہ، آرنڈ، ککڑی، وغیرہ اشجار ہیں، سواد سرونج ہر موسم میں شاداب و طرب انگیز نظر آتا ہے، آبادی کے مشرقی سمت کوسوں ہموار میدان ہے، اس حصہ کو یہاں کی زبان میں تلہٹی یعنی نشیبی حصہ کہتے ہیں، باقی اطراف میں پہاڑیوں کا سلسلہ ہے، جن پر خودرو درخت بکثرت ہوتے ہیں، موسم گرما میں کروندہ کا پھول کثرت سے پھوٹتا ہے اور خوشبو دیتا ہے مغربی اور جنوبی سطح بلند ہے اس لئے اسکو اوپرپٹی کہتے ہیں ۔۔

یہ بات قابل اظہار افسوس ہے کہ باغات کی تنصیب کا رواج یہاں عرصہ سے نہیں ہے۔ کہ ثمردار اشجار کہنگی کی وجہ سے مستاصل ہوتے جاتے ہیں ۔ اور ان کی جگہ نئے درخت قائم نہیں ہوتے ۔ جو لوگوں کی بد شوقی اور عدم رغبت کی دلیل ہے ۔ ؎۱

؎۱ جغرافیہ کے بیان اور ترتیب میں زیادہ تر گزیٹیر سے مدد لی گئی ہے۔ کہیں کہیں مؤلف کی ذاتی تحقیقات بھی شامل ہے ۔ ۱۲

دوسرا باب

سرونج کی وجہ تسمیہ اور اُسکی آبادی کی تحقیقات

زبانی روایات یہاں عموماً دو روایت، سرونج کے استقرار نام کے متعلق مشہور ہیں،
۱۔ یہ کہ سلطان شیرشاہ سوری جسوقت دورہ کرتا ہوا سرونج میں داخل ہوا ہے
تو حضرت مجنون شہید رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ (جن کا مزار مبارک بازار میں کوتوالی قدیم کے متصل ہے)
کے ایما سے اُس نے سرونج کو آباد کرایا، اور چونکہ تین روز یا تیس روز میں شہر آباد ہوگیا تھا،
اس مناسبت سے ستی روز یا سہ روز نام رکھا گیا کثرت استعمال سے سرونج ہوگیا،
۲۔ یہ کہ شیرشاہ نے بلا کسی تحریک و ترغیب کے اسکو از سرنو آباد کرکے اپنے نام کے انتساب سے
شیرگنج نام قرار دیا، شیرگنج کا بگڑ کر سرونج ہوگیا،
سرونج کی آبادی کی تحقیقات میں اسوقت تک کوئی مفصل تاریخ نظر سے نہیں گذری، گزیٹر میں
البتہ کچھ اجمالی حالات مندرج ہیں، جسکو تاریخ نہیں کہا جا سکتا،،
مؤلف نے کوئی تحقیقات کا ذریعہ فروگذاشت نہیں کیا، قدیم و جدید کتابیں چھان ڈالیں،
سلطان شیرشاہ کے کارناموں کا غور سے مطالعہ کیا، لیکن ان دونوں روایتوں کی تصدیق کسی ایک
تاریخ سے بھی نہیں ہوتی،

تاریخی اندراج البتہ کتاب مرءت العالم عرف جامع التواریخ اردو مؤلفہ مولوی سوج حسین
خانصاحب سندیلوی مطبوعہ ۱۳۱۷ھ اور کتاب وقائع دلیری الالف
نواب دلیر محمد خاں بہادر رئیس کوروائی مطبوعہ ۱۸۸۳ء میں شیرگنج عرف سرونج لکھا ہوا نظر سے
گذرا ہے، لیکن ان کتابوں کے مؤلفین نے کسی ایسی تاریخی کتاب کا حوالہ نہیں دیا جس سے انہوں نے

نقل کیا ہے، اس لئے اندراج مذکور لائق استناد نہیں ہے، شیر گنج کی وجہ تسمیہ کے متعلق ایک مابعد کی اردو تاریخ کی روایت بھی قابل اظہار ہے، جسکے مؤلف کو ٹونک اور تاریخ ٹونک سے خاص نسبت بھی ہے"

مولوی سید اصغر علی صاحب آبرو ساکن ٹونک نے حدیقہ راجستان کے نام سے ایک ضخیم تاریخی کتاب مرتب کر کے شائع کی ہے، سرونج کی آبادی کی نسبت کتاب مذکور کی یہ عبارت البتہ قابل تنقید ہے

(جب شیر شاہ مذکور سرونج آیا تو سینگر راجپوتوں نے شاہی رسد کو لوٹ لیا، بحکم شاہی جملہ راجپوت اپنے کیفر کردار کو پہنچے، پھر بادشاہ موصوف نے سرونج کو آباد کر کے شیر گنج سے موسوم کیا، اور ۳۵۹ دیہات اسکے متعلق کر کے پرگنہ کی حیثیت میں تبدیل کرتے ہوئے، اوجین کے ماتحت اور اوجین کو دہلی کے ماتحت کیا،)

اصول فن تاریخ کے لحاظ سے مورخ کو یہ زیبا نہیں ہے کہ غیر مصدقہ بیانات کے آگے اپنا سر تسلیم خم کرے اگر مورخ ایسا کرے تو ظاہر ہے کہ اسکا اعتبار مورخین کے طبقہ میں قائم نہیں رہ سکتا، مورخ کا اولین اور ضروری فرض ہے کہ ہر تاریخی مضمون کو تحریری استناد کے حوالہ سے نقل کرے، اور اگر وہ کسی زبانی روایت یا غیر مصدقہ اندراجات کو بیان یا نقل کرنا چاہے تو اسکو لکھکر درایت کے اصول و معیار پر تنقید کرتے ہوئے صحت یا عدم صحت، قابل قیاس یا ناقابل قیاس ہونے پر اپنی رائے ظاہر کرتا ہوا چلا جائے،

بیان کیا جاتا ہے کہ سرونج کو سلطان شیر شاہ نے تین یا تیس روز میں آباد کر کے سی روزہ یا شیر گنج نام رکھا، اور ۳۵۹ دیہات اسکے شامل کر کے پرگنہ کی حیثیت سے اسکو عزت بخشی،

یہانتک تو قرین قیاس ہے، کہ سی روزہ یا شیر گنج سے سرونج ہو جانا ممکنات سے ہے، جسطرح شاہ ہارون پور سے، سہارنپور، جائے عیش سے جائس، شائستہ آباد سے سیسر آباد، آسا ہیر سے آسیر، زبیر نگر سے جانگرہ وغیرہ وغیرہ، لیکن تصفیہ طلب یہ امر ہے کہ سلطان شیر شاہ سوری نے سرونج کو آباد بھی کیا ہے یا نہیں، اور کیا سرونج کو سلطان موصوف نے پرگنہ بنایا، یا پہلے سے سرونج پرگنہ تھا،، سلطان موصوف کے عہد حکومت کے حالات فارسی وار دو تاریخوں میں درج ہیں، اسکے اساسی

آثار میں سے، شیر گڈھ، متعلقہ قنوج، قلعہ شیر کوہ (علاقہ بہرہ کند) قلعہ رہتاس خورد، شیر کوٹ، دہلی کی آبادی کی تجدید، اور سینکڑوں مہانسرائے ڈاک کی چوکیاں، شفاخانے، مساجد، وغیرہ ہیں تاریخوں میں جنکے نام محفوظ ہیں، لیکن تعجب ہے کہ شیر گنج عرف مبرگنج کی شہری آبادی کے نام سے صفحات تاریخ خالی ہیں،

شیر شاہ سوری [1]

سلطان شیر شاہ کے کارناموں سے انکار نہیں ہوسکتا، تاریخ اس بات کی ضرور شاہد ہے کہ ۹۴۷ھ ۱۵۴۰ء میں ہمایوں شاہ کو کامل شکست دیکر سلطان موصوف

[1] نام فرید خاں، باپ کا نام حسن خاں، دادا کا نام ابراہیم خاں قبیلہ سور سے تھا، سلطان سکندر خاں، بن بہلول لودی کے عہد میں ابراہیم خاں ہندوستان آیا، موضع شملہ تابع نارنول میں توطن اختیار کیا، تجارت شروع کی، پھر جمال خاں حاکم جونپور کے پاس ملازمت اختیار کی، حسن خاں اور اُسکا فرزند حسن خدمات کے صلہ میں زیادہ مقرب ہوا، پرگنہ سہسرام و ٹانڈہ اوسکو جاگیر میں ملے؛ فرید خاں نے اپنے باپ کی جاگیر کا عمدہ انتظام کیا چندروز کے بعد حسن خاں اپنی کنیز منکوحہ کے درغلانے سے فرید خاں سے کبیدہ خاطر ہوگیا، فرید خاں جونپور پہنچا، حسن خاں کی وفات پر جاگیر فرید خاں کے نام منتقل ہوگئی، جس زمانہ میں بابر نے سلطان ابراہیم لودی کو شکست دی ہے اور سلطان قتل ہوا، فرید خاں سلطان محمد والی بہار کے پاس چلا گیا۔ اور نوکر ہوگیا، کسی موقع پر، فرید خاں نے شیر کو تلوار سے مارا، شیر خاں کا خطاب ملا، پھر کسی بات پر ناراض ہوکر فرید خاں سلطان جنید کے پاس مانکپور چلا گیا، ایک موقع پر سلطان جنید کے ہمراہ فرید خاں دہلی آیا بابر کے حالات کا تفحص کرکے ایک روز فرید خاں نے کہا کہ مغل دوسروں کے بھروسہ پر حکومت کرتے ہیں، اگر افغانوں میں اتفاق ہو تو مغلوں کا ہندوستان سے نکالنا دشوار نہیں ہے، دوستوں نے اس قسم کی گفتگو سے روکا، اُسی زمانہ میں سلطان جنید کے ہمراہ ایک روز بابر کے دسترخوان پر فرید خاں بھی شریک ہوا، دُنبہ کا گوشت سامنے آیا، فرید خاں چھری سے کاٹکر گوشت بلا تکلف کھانے لگا، بابر نے غور سے دیکھکر سلطان جنید سے کہا کہ اس شخص کی آنکھوں سے فتنہ ٹپکتا ہے، نظر بند کرلو، سلطان جنید نے اپنے مہمان کی طرف سے معذرت کی، شیر خاں قیافہ سے گفتگو کا حال معلوم کرکے وہاں سے روانہ ہوکر سیدھا بہار پہنچا، اور نوکر ہوگیا، کارگذاری نے اسے معتمد علیہ بنایا، جب والی بہار نے رحلت کی تو اُسکا بچہ نا بالغ تھا، اسلیے تمام ملکی کام شیر خاں کے ہاتھ میں رہے، اس زمانہ میں اُسنے اسقدر قوت بہم پہنچائی کہ ہمایوں شاہ سے بھی دو مرتبہ جنگ کی ۹۴۶ھ میں ہمایوں شاہ پر غالب آکر شیر شاہ کے لقب سے ہندوستان کا بادشاہ ہوا،، ۱۲ (فرشتہ، مخزن افغانی)

اضلاع کے انتظام کی غرض سے ۹۴۹ھ ۱۵۴۲ء میں مالوہ کی طرف آیا، اور ضروری انتظام کے بعد واپس گیا،
۹۵۰ھ ۱۵۴۴ء میں دوبارہ رائسین آیا، اور قلعہ مفتوح ہوا، اس واقعہ کے بعد سلطان شیر شاہ نے رائسین کی حکومت شہباز خاں کے سپرد کی اور خود آگرہ چلا گیا، سہ بارہ اُسکا آنا مالوہ میں ثابت نہیں ہے،
۹۵۲ھ ۱۵۴۵ء میں جبکہ سلطان قلعہ کالنجر[1] کے محاصرہ میں مصروف تھا، اتفاقاً آتشین حقہ پھٹنے سے شاہی سلاح خانہ میں آگ لگی، سلطان قریب تھا، دوسروں کے ساتھ وہ بھی جلا، اور اسی صدمہ سے راہی ملک بقا ہوا، کسی شاعر نے حسب حال ذیل کی تاریخ موزوں کی ہے۔

شیر شاہے کہ از مہابت او	شیر و بز آب را بہم میخورد
چوں برفت از جہاں بدار بقا	گفت تاریخ او، ز آتش مُرد ۹۵۲ھ

اسمیں شک و شبہ نہیں کہ سلطان موصوف نے اپنے ۱۶ سالہ عہد امارت، اور پنج سالہ دور سلطنت میں جتنے رفاہیہ آثار یادگار چھوڑے ہیں، ملکی نظام کے جتنے بہترین قوانین مرتب کئے ہیں، عادلانہ کارنامے جسقدر یادگار چھوڑے ہیں، اور بیدار مغزی و رعیت نوازی کے ساتھ جس اعلےٰ پیمانہ پر حکومت کی ہے، ان تمام اوصاف میں اگر اُسکا کوئی حریف ہوسکتا ہے تو مؤلف کی رائے میں سلطان فیروز شاہ[2] تغلق سلطان دہلی المتوفی ۷۹۳ھ ہے، جو افغانوں میں بہترین بادشاہ گذرا ہے،

---

[1] موجودہ تقسیم ملکی کی رو سے، کالنجر ضلع باندہ کمشنری الہ آباد میں واقع ہے،، ۱۲ مؤلف،،

[2] مورخین اسکو بہترین بادشاہ لکھتے ہیں اسکے عدل و داد، رعایہ پروری، نیک خصائل اور حسن انتظام کے مخالف مورخین بھی قائل ہیں، اسکے عہد کے آثار کی تفصیل یہ ہے،،

(۱) ۵۰ دریاؤں کے باندھ آبپاشی کی غرض سے (۲) ۱۵۰ پل (۳) ۳۶ تالاب (۴) ۲۰ محل (۵) ۴۰ مساجد (۶) ۳۰ مدارس (۷) ۱۰۰ شفا خانے (۸) ۱۰۰ حمام (۹) ۵ مقابر (۱۰) ۱۰۰ کاروانسرائے (۱۱) ۲۰۰ قصبات (۱۲) جمنا کی نہر جو کرنال ہوتی ہوئی ہانسی حصار نکلی تھی،، ۱۲ (فرشتہ جامع التواریخ)

مؤلف

انہی اوصاف کی بدولت آجتک اُسکا نام بہترین بادشاہوں میں شمار ہوتا ہے ،،

جزائے حسنِ عمل بیں کہ روزگار ہنوز   خراب می نکند بارگاہ کسرے را

لیکن سلطان موصوف کے کارناموں کی طویل فہرست میں شیر گنج عرف سرونج کے نام کی کوئی آبادی درج نہیں ہے ،

سلطان شیر شاہ کے بعد شاہان تیموریہ کا سیکڑوں برس دور دورہ رہا، ان کے عہد کی عمارتی فہرستوں میں بھی اس نام کی کوئی بستی درج نہیں ہے ، ہاں اکبری ، شاہجہانی ، محمد شاہی ، عہد میں سرونج کا نام ضرور پایا جاتا ہے ، لیکن پھر بھی آبادی کے تذکرہ سے خالی ہے ، محض بعض تاریخی تذکرہ کے سلسلہ میں نام آگیا ہے ، تعجب ہے کہ اکبری عہد میں علامہ فیضی سفارت خاندیس کو جاتے ہوئے ۹۹۹ھ میں سرونج مقیم ہوا ہے ، تو سرونج کے متعلق اُنھیں کے یہ الفاظ ہیں ،،

(شہر سرونج[1] کہ حکم بندر دارد، خواجہ سرا (نام مقامی حاکم) در ویرانی او تقصیر نمیکند ،،)

سرونج کو شیر گنج نہیں لکھا، حالانکہ بمقابلہ ۹۴۹ھ جو سرونج کی آبادی کا زمانہ بتلایا جاتا ہے علامہ موصوف کے ورود سرونج میں صرف ۵۰ سال کا فصل ہے ، جب بیان کئے ہوئے آبادی کے قریب تر زمانہ میں شیر گنج اسکا نام مشہور نہ تھا، تو مابعد کی اردو تاریخوں میں نہیں معلوم شیر گنج کہاں سے اڈکر صفحۂ قرطاس پر نمایاں ہوگیا ، تاریخ آئینہ جہاں نما ، مرآۃ العالم فارسی ، اور آئین اکبری میں سرونج ہی لکھا ہے ، نہ شیر گنج ، اب رہی دوسری یہ بحث کہ شیر شاہ نے آبادی کے بعد ۳۵۹ دیہات اس کے شامل کرکے پرگنہ کی حیثیت میں تبدیل کر دیا تھا ، تاریخ اس بارہ میں بھی ساکت ہے جس قدیم فہرست[2] موجودہ دفتر نظامت کی بنا پر ایسا ظاہر کیا گیا ہے ، وہی فہرست اس بیان کی تردید بھی کرتی ہے ،،

---

[1] دربار اکبری مؤلفہ شمس العلما آزاد ۔ دہلوی تذکرہ فیضی ، ۱۲ مولف

[2] یہ فہرست دفتر قانون گوئی سرونج میں محفوظ ہے اسی فہرست کے حوالہ سے گزیٹیر اور تاریخ ٹونک میں اس روایت کا اندراج ہوا ہے ۱۲ مولف

یہ تحقیق شدہ امر ہے کہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے عہد حکومت میں بعض بستیوں کے نام تبدیل کئے ہیں ،، اوجین کا نام ، دارالفتح بھیلسہ کا نام عالمگیر پور، قصبہ لیٹری علاقہ سرونج کا نام اورنگشاہ پور رکھا تھا ، قدیم شاہی اسناد میں یہ نام درج ہیں ،

یہی اورنگ شاہ پور، فہرست مذکور میں سب سے پہلے درج ہے ، غور طلب امر یہ ہے کہ اورنگ زیب بمقابلہ ۹۴۹ھ دورۂ شیر شاہی صوبہ مالوہ کے پورے ۱۱۹ سال بعد ۱۰۶۸ھ میں تخت نشین ہوا ہے، شیر شاہ کو مستقبل کی کیا خبر تھی کہ ۱۱۹ سال بعد شاہجہاں کا بیٹا اورنگ زیب پیدا ہو کر لیٹری کا نام اپنے نام پر تبدیل کریگا ، اگر قدیم نام لیٹری درج ہوتا تو قیاس کو گنجائش تھی ، گو اور واقعات اسکی تکذیب میں بھی پیش کئے جاسکتے ہیں ، اسلئے فہرست مذکور عہد عالمگیر یا اُسکے بعد کی ہو سکتی ہے ، نہ شیر شاہی عہد کی ،

کتبہ ۱۹۹ھ سرونج کی قدیم آبادی کے متعلق ایک پختہ قبر کا کتبہ (جسپر او بھرے ہوئے ہندسوں میں ۱۹۹ھ نقش ہے ، اور جو محلہ کٹری کے سواد میں جھنگو کے املیوں کے نیچے واقع ہے) استدلال میں پیش کیا جاتا ہے ، اور بیان کیا جاتا ہے کہ یہاں ۱۹۹ھ سے پہلے مسلمان آباد تھے ،، مولف نے کتبہ کو دیکھا ہے ، اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ ۱۹۹ھ بہت صاف کندہ ہے ، لیکن تاریخ اسلام سے اس بات کی تصدیق نہیں ہوتی کہ ۱۹۹ھ سے پہلے وسط ہند میں مسلمانوں کی جماعت آباد تھی ، محض کتبہ پر بھروسہ کرلینا ، سخت غلطی ہے ، سنگ تراش کی تو یہ غلطی ہے کہ اس نے ۱۰۹۹ھ ہجری کے صدی کے صفر کو اڑا دیا ہے ، یا ۹۹۹ھ ہجری کے صدی کے عدد ۹ کو عدد ۱ کندہ کردیا ہے ، جس سے ۱۹۹ پڑھا جاتا ہے ، اور مدعیان ۱۹۹ھ ہجری کی یہ نادانی ہے کہ وہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے سنوات کو تاریخ سے ٹکرا کر نہیں دیکھتے ، نہ یہ دیکھتے ہیں کہ قبر زیر بحث کے متصل اور بھی متعدد قبریں اُسی نمونہ کی موجود ہیں جو دو سو سال سے زاید کی معلوم نہیں ہوتیں ، نہ اُنمیں طرز قدامت کے آثار ہیں ، اگر تسلیم کرلیا جائے کہ

لے سند محمد شاہی ۲۳ جلوس مطابق ۱۱۵۳ھ جسکے ذریعہ سے ۵ بیگہ آراضی معافی موضع انند پور تعلقہ اورنگ شاہ پور میں رانا جہانیت خاں یا دفروش کو عطا ہوئی ہے ، ۱۲ مولف ،

قبر زیر بحث واقعی ۱۹۹ھ کی ہے تو اُسکے ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ اُسوقت کافی جماعت سرونج میں مسلمانوں کی موجود تھی مگر مشکل یہ ہے کہ تاریخ اسلام اس دلیل کے بالکل خلاف ہے ،

مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد

جس زمانہ میں آفتابِ رسالت اُفقِ عرب سے طلوع ہوکر انوار توحید کی ضیاپاشیوں میں مصروف تھا، اسوقت سرزمین عرب کا اکثر حصہ تنویر اسلام سے منور ہو چکا تھا، خلفائے راشدین کے عہد خلافت میں وہی روشنی اسقدر بڑھی اور بڑھکر پھیلی کہ ربع مسکون کے تمام تاریک مطالع اُس سے جگمگا اُٹھے ، ہندوستان کے بعض سرحدی حصوں نے بھی بقدر استعداد فیض قبول کیا، جسکی تفصیل یہ ہے کہ خاندانِ توحید و رسالت میں سے جسنے سب سے پہلے تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں ہندوستانی حدود میں قدم رکھا ہے ، وہ مہلب بن ابی صفرہ ہے، ۴۴ھ کا آغاز، اور امیر معاویہ کا دورِ خلافت تھا کہ عبدالرحمٰن بن سمرہ نے عبداللہ بن ربیع والیِ بصرہ و خراسان سے اجازت لیکر کابل پر فوج کشی کی، اور اسے فتح کیا،

عبدالرحمٰن فاتح کابل کے ہمراہ مہلب بن ابی صفرہ بھی تھے ، کابل سے مہلب نے ہندوستان کا رخ کیا، ؎ راجہ سامری کا عہدِ حکومت تھا کہ ساحل مالابار پر مبلغین اسلام کی پہلی کشتی نمودار ہوئی جس نے ملتان تک توحید کا غلغلہ بلند کرتے ہوئے اسلامی پرچم اڑایا، جسکے سایہ میں ایک کثیر جماعت اسلام لاکر پناہ گیر ہوئی لیکن اُس نومسلم جماعت کا وہاں سے ہندوستان کے دیگر حصص میں منتقل ہوکر آنا ثابت نہیں ہے ،،

اسکے بعد راجہ داہر نے جب نومسلموں کی عبیر مصافی آبادی پر انواع انواع کے مظالم کئے اور تنبیہ پر بھی ستم آرائی کی تلافی نہ کی تو اُسوقت عروقِ حمیتِ اسلامی حرکت میں آئیں ،،

خاندان بنی امیہ کے چھٹے خلیفہ ولید بن عبدالملک کا عہدِ خلافت ، عراق پر حجاج بن یوسف ثقفی کا

؎ تاریخ فرشتہ وغیرہ الیکن عربی تاریخوں میں درج ہے کہ پہلا حملہ عہد خلافت عثمانی میں بہ قیادت ابن ربیع حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ صحابی نے سندھ پر کیا تھا، یہ زمانہ ۲۹ھ کا ہے ، اسکے بعد ربیع بعہدِ خلافت جناب امیر علیہ السلام معزول ہوکر امیر معاویہ کے عہد میں پھر بحال ہوئے اور اپنے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن صحابی کو لیجاکر سیستان کا حاکم کیا، ۴۴ھ میں ابن سمرہ نے دوبارہ سندھ پر حملہ کیا ۱۲ (تاریخ سندھ مولانا شرر)

دورِ امارت، اور ۹۳ھ کا آغاز تھا کہ محمد بن قاسم[1] کا جنگی، بیڑہ نسیم فتح کے جھونکوں میں لہراتا ہوا ۷۱۲ء نو مسلموں کی اعانت کے لئے ساحلِ سندھ پر نمودار ہوا اور اس شان سے رونما ہوا کہ

"مسیحا یار و خضرش ہم رکاب و ہمعنان موسےٰ

فغانی شہسوارِ من بدیں اعزاز می آید" (فغانی)

مئے توحید سے باشندوں کے سینے لبریز ہوئے، مسرت جوش شباب بنکر چہروں سے ٹپکنے لگی،

بانگ توحید نے وہ روح پھونکی کہ زنّار تسبیح بنے ناقوس اذانوں سے، مناور مسجدوں سے، کفر اسلام سے تبدیل ہونے لگے، راجہ داہر مقتول ہوا، اسکی فوج کچھ مقتول، و اسیر، اور کچھ مفرور ہوئی، اس تاخت میں پنجاب، اور ملتان کا بیشتر حصہ مجاہدین اسلام کے دائرہ اقتدار میں آیا، ۹۶ھ میں حجاج اور خلیفہ ولید کی وفات پر محمد بن قاسم کی فتوحات رُک گئیں، ڈہائی صدی تک مسلمانوں کا پھر کوئی حملہ ہندوستان پر نہیں ہوا، تاہم اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ ۹۰ھ سے ۵۹۰ھ سلطان شہاب الدین غوری کے پہلے حملۂ ہندوستان تک، پنجاب، ملتان، اور سندھ میں مسلمانوں کی کافی جماعت موجود تھی اور محققین[2] کی بعض روایت کی رو سے یہ بھی تسلیم ہے کہ ہندوستان کی جنوبی سرزمین (ملابار) میں دوسری قوموں، یہود و نصاریٰ وغیرہ کی طرح اہلِ عرب کی بھی ظہورِ اسلام سے قبل آمد و رفت تجارتی سلسلہ سے رہی ظہورِ اسلام کے بعد بھی مسلمانوں کا تجارتی سلسلہ برابر قایم رہا، جنہوں نے پرامن طریقہ کے ساتھ اشاعتِ اسلام

---

[1] محمد بن قاسم حجاج ثقفی کا چچا زاد بھائی اور اسکا داماد بھی تھا، ۱۷ سال کی عمر میں صوبہ فارس کی گورنری سے سندھ کی مہم پر مامور ہوا، ۹۳ و ۹۴ھ دو سال سندھ کی فتوحات میں صرف کیے ۹۶ھ میں ملتان فتح کیا، اسی سال حجاج نے اور اسکے آٹھ ماہ بعد خلیفہ ولید نے انتقال کیا، ۹۶ھ میں سلیمان بن عبد الملک خلیفہ ہوا، اسکو حجاج ثقفی سے ذاتی عداوت تھی، اسی رنج و عناد کی بنا پر محمد بن قاسم کو اس نے معزول کرکے نظر بند کردیا اور اسی مجلس میں اُس نے وفات پائی، عرب مورخین محمد بن قاسم کے عام صفات کی بیحد تعریف کرتے ہوئے اُسکی مظلومیت پر بھی متاسف ہیں (تاریخ سندھ مولانا شرر مرحوم)

[2] آئینہ حقیقت نما حصہ اول صفحہ ۴۸ مولفہ مولوی اکبر شاہ خانصاحب مورخ نجیب آبادی، بحوالہ تاریخ فرشتہ ۱۲

کی بھی خدمات انجام دیں، اسطرح پر ایک معقول اسلامی جماعت حملہ سندھ سے قبل ملا بار میں موجود تھی، اس اسلامی جماعت کا اثر سراندیپ میں بھی پہنچا جہاں کے راجہ نے اسلام قبول کیا، فرشتہ کی روایت یہ ہے۔

"ہر آئینہ حاکم سراندیپ بیشتر از رایان دیگر مواضع ہندوستان بر حقیقت اسلام مطلع شدہ در عہد صحابہ کرام مقلد قلادۂ شریعت مصطفوی گردیدہ بود"

یہ بھی ثابت ہے کہ اسوقت کا راجہ مالوہ بھی ہمسایگی کی بنا پر مثل راجہ ملا بار کے اہل عرب کی قدر و منزلت کرتا تھا، لیکن اس جماعت اسلام کا حدود مالوہ یا سرونج میں آکر قیام کرنا قطعی غیر ثابت ہے"۔ محمد بن قاسم کے حملہ سندھ کے تقریباً ڈھائی صدی بعد ۳۹۹ھ سے ۴۱۵ھ تک سلطان محمود غزنوی کے ۱۶ حملے ہندوستان پر ہوئے، اور ہر حملے میں مقامی راجاؤں کو مطیع و منقاد کرتا ہوا غزنی لوٹ گیا،

ان تمام تصریحات سے ۱۹۹ھ کا محولہ کتبہ خلاف قیاس قرار پاتا ہے تاریخ کے مقابلہ میں کتابوں کی غلطی کا زیادہ امکان ہے جسکی مثال سرونج میں مومنوں والی مسجد کا کتبہ موجود ہے جسپر سنہ تعمیر عہد خلافت شاہجہانی ۱۰۰۰ھ کندہ ہے، حالانکہ یہ سنہ شاہجہاں کی ولادت کا ہے اور جلوس شاہجہانی ۱۰۳۷ھ ہے اسمیں یہ غلطی ہوئی ہے کہ بجائے ۱۰۵۰ھ کے ۵ کے ہندسے کو صفر کی صورت میں کندہ کر دیا ہے جس سے ۱۰۰۰ھ پڑھا جاتا ہے،

مؤلف کی تحقیقات کا نتیجہ

تاریخ، کاغذات قدیم، قرائن، واسناد، کتبے، سکے ہی پانچ مستند ذرائع ایسے ہیں جنکی روشنی میں کسی شہر، کسی ملک، کسی قوم کسی بادشاہ، کسی رئیس کے حالات اور اسکے عہد کے واقعات تک رسائی ہو سکتی ہے، مؤلف نے بھی یہی شاہراہ اختیار کی جس سے اسکو بہت زیادہ کامیابی ہوئی، پھر بھی سرونج کی ابتدائی آبادی کا مطلع اسقدر غبار آلود ہے کہ اسپر قطعیت کے ساتھ کوئی رائے قائم نہیں کیجا سکتی، تاریخ میں شہنشاہ اکبر سے قبل سرونج کا نام دکھائی نہیں دیتا، کتبوں کے سلسلہ میں سب سے قدیم کتبہ جین مذہب کی اس مورت پر سمت ۱۱۱۲ بکرمی کا ہے جو آبادی سے باہر دھرمیور کے پاس قائم ہے، جسے ۸۱۷ سال ہوتے ہیں، دوسرا کتبہ گردھاری جی کے مندر میں مورت کے پاؤں کے نیچے نقش ہے جو سمت ۱۱۱۶ بکرمی کا ہے جسکو آجتک ۸۲۳ سال ہوئے ما اسکے بعد تیسرے نمبر پر شہنشاہ جلال الدین

اکبر کے زمانہ کا کتبہ کمو شاہ کی باؤلی میں نظر سے گذرا جس پر سنہ ۹۸۶ھ کندہ ہے جسے آجتک ۴۵۰ سال ہوئے
چوتھے نمبر پر جینیوں کے مندر کا کتبہ ہے جس پر سمت ۱۶۳۱ بکرمی نقش ہے اسے ۳۵۲ سال ہوئے، پانچویں
نمبر پر مدن موہن جی کے مندر کا کتبہ سمت ۱۶۳۷ بکرمی کا ہے جسکو ۳۴۶ سال ہوئے چھٹے نمبر پر آبادی سے باہر
نسیون کی چھتری ہے جو سمت ۱۶۷۵ بکرمی کی تعمیر شدہ ہے جسے ۳۰۰ سال ہوئے، متعدد کتبے ایسے بھی ہیں
جو تین سو سال سے کم کے ہیں، ان سب کی تفصیل آثار قدیمہ کے عنوان میں آگے آتی ہے، سکے دستیاب نہیں
ہوئے، قدیم فرامین کے سلسلہ میں بڑی جستجو اور محنت سے سلطان شیر شاہ سوری کا فرمان ہاتھ آگیا ہے، اسکے
بعد کے سلاطین مثل اکبر شاہ، جہانگیر، شاہجہاں، محمد شاہ وغیرہ کی اسناد کثرت سے بہم پہنچیں لیکن شیر شاہ سے قبل کی
کوئی سند ہاتھ نہیں آئی، شیر شاہی فرمان کے دیکھنے سے سرونج کے متعلق بہت سے واقعات روشنی
میں آگئے ہیں، جسکو میں اُن سابق مورخین اور زبانی روایت کرنیوالوں کے سامنے دعوی کے ساتھ پیش کرتا
ہوں جو سرونج کا نام سہ روزیا سی روز یا شیر گنج بتا کر اسکی آبادی کو سلطان موصوف سے منسوب
کرتے ہیں۔

نقل فرمان مغفرت پناہ تاریخ غرہ رمضان سنہ
بادشاہ شیر شاہ تسعہ وارلعین وتسعمائۃ

اللہ اکبر ۹۴۹ھ

آنکہ[1] عہدہ داران حال وہمہ جاگیرداران وچودھریان وشقہداران وکارکنان حال واستقبال پرگنہ
سرونج سرکار چندیری مضاف رائسین بدانند کہ سی صد و نو بیگہ زمین مزروع وافتادہ بیگہ
شیر شاہی منجملہ بعضے محال پرگنہ مذکور در وجہ مدد معاش فضائل مآب امانت

---

[1] فرمان کی نقل قاضی رکن الدین کے خاندان میں قاضی شیخ محمد مرتضےٰ صاحب کے پاس موجود ہے، جو کہنگی کیوجہ سے بہت دریدہ ہے، اس پر پانچ مہریں اس بات کی تصدیق میں ثبت ہیں کہ النقل کا صلہ، ایک مہر کا نام قاضی محمد خطیب پڑھا جاتا ہے باقی مہروں کے نہیں پڑھے گئے، مولف نے بشیر الدین صاحب پیروکار، مرزا امین بیگ صاحب لالہ پرتاب چند صاحب قانون گو وغیرہ کو دکھایا جنہوں نے دیکھکر مضمون مندرجہ کی تصدیق کی اور کہا نقل مطابق اصل کے ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور یہ سند اُس خاندان میں ملی ہے جنکو فرمان مذکور کے ذریعہ سے معافی دی گئی ہے اور آجتک معافی بحال ہے اصلی فرمان کے دریدہ ہونے کی بنا پر غالباً اسکی نقل یا تصدیق قضاۃ کرائی گئی ہے اور یہی مولف نے اکثر اسناد کی نقلیں مستجل بمہر دیکھی ہیں۔ ۱۲ مولف

آیات تقویٰ شعار، قاضی رکن الدین محمد و بعض الحی ائمہ عظام دادہ شدہ،

قاضی رکن الدین محمد[۱] منجملہ سواد قصبہ و باغات، ماسکہ — متوکل الہداد منجملہ[۲] سواد قصبہ سکہ — سکندر محمد منجملہ[۳] سواد قصبہ من اولاد حسکہ

محمد خطیب منجملہ موضع[۴] دباغ، برخوردار محمد منجملہ سواد قصبہ

می باید کہ زمین مذکور چنانچہ در صدر مسطور است معین دانستہ و بہبودہ تسلیم نمایند و از جمیع ابواب دیوان معاف و بے طلب دانند، مشار الیہ وغیرہ مذکورین اسامی در قصبہ مذکور آبادان و متوطن باشند و طلبِ علم بکنند و در مسجد جمع پنج وقت نماز با جماعت بگزارند و دہ[۵] دہ تیر بعد ادائے ظہر بیندازند۔ دریں بات زیادہ تاکید لطلبند

فرمان منقولہ صدر کے مضامین سے ذیل کی باتیں ثابت ہوتی ہیں،،

۱ عطائے سندِ معافی کے وقت (جو شیر شاہ کے مالوہ میں آنے کا سال ہے) سرونج پرگنہ کی حیثیت سے سطح ارض پر موجود تھا، نہ شیر شاہ نے اسکو پرگنہ بنایا، نہ شیر گنج نام رکھا، نہ اسکو بسایا، اگر ایسا ہوتا تو سب سے پہلے سلطان شیر شاہ کے قلم سے اس کا نام شیر گنج سند میں درج ہوتا،

۲ سرونج میں مسلمانوں کی اسوقت بھی اسقدر وسیع آبادی تھی کہ سلطان مذکور کو قضاۃ مقرر کرنے کی ضرورت ہوئی، تاکہ مذہبی خصومات اون کے ذریعہ سے فیصل ہوں۔

۳ سرونج میں ائمہ عظام پہلے سے موجود تھے، جامع مسجد شاہی بھی تھی، پھر شیر شاہ سرونج کا

---

۵ اس دس تیر پھینکنے کی جو ہدایت اس فرمان میں کی ہے اسکے بابت غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جہاد کی تیاری کے سلسلہ میں مسلمانوں کو گھوڑے کی سواری اور تیر اندازی کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے، یہ بھی فرمایا ہے کہ میرے نزدیک مشق تیر اندازی، گھوڑے کی سواری سے بہتر ہے یہ بھی فرمایا کہ تیر بنانے والا، تیر دینے والا اور تیر پھینکنے والا تینوں جنتی ہیں چونکہ شیر شاہ ایک شریعت پرست سلطان تھا خود بھی جنگ کے لئے مستعد رہتا تھا اسلئے عام مسلمانوں کو بھی مستعدی کی تعلیم دیتا رہا، بعد نماز ظہر تیر اندازی کے مشغلہ سے مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے وقت بلا طلب لوگ جمع ہوجاتے ہیں اگر اتحادی قوت کے ساتھ مشغلہ جاری رکھینگے تو غیر مسلموں پر اسکا اثر پڑیگا اور خود بھی مستعد رہینگے واللہ اعلم ۱۲ مؤلف،،

بانی کیسے قرار پاسکتا ہے ،،

ملا سرونج کا اسوقت ضلع چندیری ، اور صدر مقام رائسین[ملا] تھا اسلیے کہ سلطان محمود ثانی سلطان مالوہ کے عہد حکومت میں شیرازہ نظام درہم برہم ہوکر جا بجا راجپوتوں نے حکومت قایم کرلی تھی ، رائسین کا حاکم بھیا پورنمل مشہور راجہ گذرا ہے ، جس نے رائسین اور چندیری کے پرگنات پر قبضہ کرلیا تھا ، شیرشاہ نے بھی بعد فتح رائسین سابقہ انتظام ملکی کو بحال رکھا ، اوجین اسوقت صوبہ کا صدر مقام نہ تھا ، بعد میں اکبری حکومت نے اسکو دارالحکومت ہونے کی عزت بخشی ہے ۔

ملا سلطان مذکور نے سرونج کو قصبہ اور پرگنہ کے الفاظ سے یاد کیا ہے ، یہ دونوں امتیازی الفاظ اسوقت بھی سرونج کی کافی آبادی پر دلالت کرتے ہیں ،

ملا سلطان موصوف چونکہ خود متشرع سلطان تھا اسلیے دوسروں کو بھی شعار اسلام کی پابندی کی فرمان میں تاکید کرتا رہا ،

البتہ فرمان کے اس جملہ سے کہ "مشار الیہ مذکورین در قصبۂ مذکور آباداں و متوطن باشند" ، اسقدر ضرور پتہ چلتا ہے کہ سلطان مذکور کو سرونج کی ترقی کا خیال تھا ، بہر حال شیرشاہ کے بانی سرونج ہونیکا کوئی ثبوت نہیں ، البتہ عام زبانی روایت کو ملحوظ رکھکر یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ سرونج کی آبادی کو ترقی دے کر ممکن ہے کہ شیرشاہ نے شیر گنج نام رکھا ہو ، اور یہ عام اصول ہے کہ قدیم ناموں کے مقابلہ میں جدید ناموں کو بہت کم فروغ ہوتا ہے ، اس لئے شیرگنج مشہور نہ ہوسکا ، جسکی شہادت کثرت سے موجود ہے آج اکبرآباد ، اور شاہجہاں آباد کے بجائے وہی قدیم نام آگرہ ، اور دہلی معروف ہیں

تحقیقات کے سلسلہ میں یہ امر پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچیگا کہ سرونج کس زمانہ میں پرگنہ قرار پایا ، البتہ ایک قدیم کاغذ سے (جو مؤلف کو لیڑی کے پٹیل کے پاس سے ہاتھ لگا ہے) اس کا پتہ ضرور چلا کہ سمت ۱۵۴۳ بکرمی سے قبل جسے) ۴۰۴ سال کا زمانہ گذرا ، قصبہ لیڑی اور اس کے متعلقہ

ملا رائسین موجودہ زمانہ میں ریاست بھوپال کے علاقہ میں واقع ہے جہاں سنگین قلعہ آج بھی موجود ہے ۱۲ مؤلف

متعدد دیہات ، پرگنہ ، پاپان گڈھ[۱] کی حکومت کے زیر اثر تھے ، جن پر سینگروں کا عمل رہا ، دیہات کی تعداد حسب روایت زبانی ۱۴۲ ہے ، سمت ۱۵۴۳ میں قصبہ لیڑی کا پٹیل (زمیندار) سریان نامی تھا جس پر حکومت کو غارتگری کا شبہ ہوا ، انتظامی سلسلہ میں چودہ ہزار روپیہ پٹیل مذکور پر تاوان عاید کیا گیا ، اور پاپانگڈھ سے علاقہ لیڑی کو علیحدہ کرکے پرگنہ سرونج کے تحت میں دیا گیا ، اس سے اس بات کا بھی ثبوت ہوتا ہے کہ ۴۰۰ سال قبل بھی سرونج پرگنہ تھا ، اور یہی نام بھی تھا ، اُس وقت صوبۂ مالوہ میں غیاث الدین سلطان کی حکومت تھی جو سلطان محمود خلجی کا بیٹا تھا ، قصبہ لیڑی پر عالمگیری دورہ سے قبل سینگر راجپوتوں کا قبضہ آثار اور کاغذات قدیم سے ضرور پایا جاتا ہے ، لیڑی کے محال میں ۱۴۲ دیہات شامل تھے جو چھ بھائی ، بیٹوں میں منقسم رہے ، مواضعات لبیل گڈھ ، گوکن گڈھ ، وہیر گڈھ[۲] ، بیراگڈھ ، لکمراج ، مراریا ، ٹوکرا ، کالادلو ، اور نارسی کلاں تنسیا ، میں ٹھاکروں کی گڈھی کے آثار اب تک باقی ہیں ، اور خود لیڑی کے تحصیل کا دفتر جس عمارت میں آج قائم ہے یہ عمارت بھی سینگروں کی ہے ، ان عمارات میں سے بعض کا تذکرہ "علاقہ سرونج کے آثار قدیمہ" کے عنوان میں مفصل آگے آتا ہے۔

سینگروں کا چال چلن ہمیشہ مشتبہ رہا ، اور ان کی غارتگری کی بنا پر پایۂ تخت لیڑی ، لٹیری کے نام سے معروف ہوا ،

شہنشاہ اورنگ زیب نے دورۂ مالوہ کے سلسلہ میں لیڑی قیام کرکے سینگروں پر سیاسی اثر ڈالا جسکے سبب سے یہ قوم متفرق المساکن ہوئی اور لیڑی کا نام اورنگشاہپور[۳] رکھا ، یہ نام سرونج

---

[۱] یہ پرگنہ چندیری ضلع کے ماتحت نہ تھا ، بلکہ سارنگپور کے ماتحت ہونا پایا جاتا ہے ، ، اور سارنگپور لیڑی سے مغرب میں ۳۰ کوس کے فاصلہ پر ہی ، شاہی زمانہ میں مثل چندیری کے یہ بھی ملک مالوہ کا مشہور سرکار (ضلع) تھا موجودہ دور میں ریاست دیواس کا ایک ضلع ہے - ۱۲ مولف

[۲] وہیر گڈھ ، بیراگڈھ ، لکمراج کوٹرہ کی گڈھی دراصل گوشائیوں کی ہیں یہ قوم مدفون ہوتی ہے ، چبوترہ اُنکی قبروں پر آجتک باقی ہیں ، باغات بھی گوشائیں کے نام سے مشہور ہیں بعد میں سینگروں نے اُن پر قبضہ کیا ۱۲

[۳] گزیٹیر ٹونک ۱۲ =

کے سرکاری کاغذات میں ۱۸۱۹ء تک درج ہوتا رہا، بعد میں وہی قدیم نام لیٹری درج
لگا، اعراب میں صرف اسقدر تصرف ہوا کہ بجائے لُیٹری کے لَیٹری بالفتح مشہور ہوگیا
کتابی روایت یہ بھی ہے کہ سمت ۱۶۵۸ بکرمی میں سلطان عالمگیر نے بھگونت سنگھ ہاڈا ابن شتروسال
کو پرگنات منوہر، میدانا، چاچرنی، گوگور، کھاتا کھیڑی جاگیر میں دیئے تھے، لیکن اپنی قوت بازو
سے اُس نے علاقہ کو اور وسیع کیا، لیٹری پر بھی فوج کشی کی، سینگروں نے چار ہزار فوج سے
مقابلہ کیا، مگر مغلوب ہوکر منتشر ہوگئے، آگے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ بھگونت سنگھ کا قبضہ لیٹری پر
کب تک رہا،

یہ امر بھی تحقیق شدہ ہے کہ قصبہ لیٹری اور اُسکے متعلقہ دیہات کی قانون گوئی جداگانہ تھی، موجودہ
منشی لال پٹواری کا خاندان ۱۲ پشت سے لیٹری میں سکونت پذیر ہے، یہی خاندان محال لیٹری کا
قانونگو رہا ہے، جب سے علاقہ لیٹری سرونج میں شامل ہوا خاندان مذکور کے افراد پٹواری رہ گئے،
سرونج کے متعلق قصبہ تال (علاقہ سرونج) کا ایک محال اور بھی شامل ہوا ہے، موجودہ زمانہ میں
تال تحصیل شرقی کا وسیع الرقبہ گاؤں ہے، اور چونکہ تقریباً ۱۱۴ سال قبل پرگنہ کا صدر مقام تھا،
اسلیے آج تک قصبہ تال مشہور ہے، اسکا الحاق ۱۲۳۲ھ کے بعد نواب امیر الدولہ بہادر کے عہد
میں ہوا، تال میں ایک مسجد آباد ہے، قدیم مسجد شہید ہو چکی ہے، جسکا کتبہ جدید مسجد میں لگا ہوا ہے
شاہجہاں بادشاہ غازی کے عہد میں محمد ضیا نے قدیم مسجد بنوائی تھی، اشعار تاریخ یہ ہیں،

بس کہ بدورِ شہ عادل گیتی ستان	شاہجہاں درکرم ثانیٔ صاحبقران
ساخت محمد ضیا مسجد و جائے صفا	محض برائے خدا سجدہ گہ عابدان
پرگنہ تال را رونق و زینت فزود	قوتِ دیگر گرفت طبع ہمہ ساکنان
بود زہجرت عیاں پنجہ و چار و ہزار ۱۰۵۴	عقل و خرد دادہ اند قول نبی رانشان

کتبہ کو آجتک ۲۹۱ سال ہوئے، جبکہ تال کو قصبہ لکھا ہے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اُسوقت بہت

لہ کتاب ہندی شری لوکیندر آکہیا، مؤلفہ مسٹر شیوناتھ سنگھ سینگر، ۱۲

زیادہ آباد ہوگا، موجودہ زمانہ میں مہوبیا قوم گاؤں میں زیادہ آباد ہے اس کتبہ کے علاوہ قصبہ تال کے کنارے ایک بہت بڑا تالاب[1] ہے،، اسکی پال پر ایک مستطیل نقاط شکل کا ایک پتھر پڑا ہوا مؤلف کی نظر سے گذرا، جس پر موجودہ زمانہ میں لوگ بیٹھکر نہاتے اور کپڑے دھوتے ہیں، پتھر مذکور کے نقوش و تصاویر سے ثابت ہے کہ کسی ستی کی یادگار میں منقش ہوا ہے، لیکن پتھر جہاں پڑا ہے، یہ اسکی قدیم جگہ نہیں ہے، سواد قصبہ سے لاکر لوگوں نے پال پر رکھدیا ہے، اور اپنے خیال میں ایک بیکار چیز کو کام میں لا رہے ہیں، تصاویر کے نیچے ہندی میں کتبہ بھی ہے جس پر ذیل کی عبارت درج ہے

سرکار چندیری پرگنہ تال قصبہ، سری سہاگو بروہن

سمت ۱۷۴۳ متی ساون بدی د ۵ منگلوار،

اس کتبہ سے بھی تال کا ۲۴۱ سال قبل پرگنہ کی حیثیت سے چندیری ضلع کے محکومانہ رقبہ میں قائم ہونا پایا جاتا ہے، سمہ مذکور کا مطابق ۱۱۰۳ھ ہجری آتا ہے جو شہنشاہ عالمگیر کے جلوس کا سینتیسواں سال تھا، ان دونوں کتبوں کی مزید تائید و تصدیق، شاہجہانی فرمان مورخہ غرہ شوال ۱۰۶۸ھ سے ہوتی ہے،، (جو لالہ متھرا داس جی قانونگوئے چندیری کے نام ہے،، اور جو بجنسہ لالہ پرتاب چند جی قانونگوئے سرونج کے پاس محفوظ ہے فرمان مذکور میں چندیری کے ماتحت ۵۲ پرگنات دکھائے گئے ہیں، اس میں ایک پرگنہ تال بھی ہے، سرونج پر نواب امیر الدولہ امیر الملک بہادر کے قبض و تصرف کے بعد ۳۹[2] دیہات محال قصبہ تال کے سرونج میں مزید شامل ہوئے ہیں، جو ریاست کی طرف سے شمس الامراء نواب احمد سعید خاں بہادر اور نواب سرفراز الدولہ محمد سرور خاں بہادر کو جاگیر میں دیئے گئے تھے، یہ معلوم نہ ہو سکا کہ قصبہ تال کے متعلق کل کسقدر دیہات تھے لیکن ملحق الحدود پرگنات کی فہرست[3] عہد محمد شاہی، اور احمد شاہ دُرّانی جس قدر نظر سے گذری ہیں اُنمیں کمتر ایسے پرگنات ہیں، جن کے متعلقہ دیہات (۵۰) سے زیادہ ہیں اور بیشتر پرگنات

---

[1] تال کی پال ۱۸۹۸ء میں بعہد صاحبزادہ محمد صدیق خاں بہادر دلیر جنگ ناظم سرونج قائم ہوئی ہے ۱۲ مؤلف

[2] گزیٹیر سرونج ۱۲ [3] واقعات دلیری لائف نواب دلیر محمد خاں بہادر والی کوروائی ۱۲

کے متعلقہ دیہات کی تعداد ۵۰ اور ۵۵ کے اندر رہے، اور چونکہ وہ زمانہ طوائف الملوکی کا زمانہ تھا، اس لئے پرگنات کی وسعت میں کمی ہوتی چلی گئی، اور ایک پرگنہ سے کئی پرگنے بنگئے، یہانتک کہ پرگنہ لاہرہ میں ۱۶ مواضع، پرگنہ ایرن میں ۳۲ پرگنے کوروائی میں ۳۸ پرگنے دیھورہ میں ۴۹ دیہات باقی رہ گئے،، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ قصبہ تال کا پرگنہ بھی مختصر پرگنہ رہا ہوگا،

تمام ملحق الحدود پرگنات کی فہرست پر نگاہ کرنے سے واضح ہے کہ سرونج، شیر شاہی عہد سے قبل بھی چندیری کے پرگنات میں سب سے بڑا پرگنہ تھا،، چنانچہ عہد عالمگیری کی پیمایش کی رو سے سرونج کے متعلقہ دیہات کی تعداد ۲۸۲ گزیٹیر کی روایت سے ثابت ہے جسکی تصدیق دفتر قانونگوئی کے کاغذات سے بھی ہوتی ہے،، اور آج سرونج کے ماتحت دیہات کی تعداد ۲۸۵ ہے، مزارع غیر نمبری علاوہ ہیں،، اب تصفیہ طلب یہ سوال باقی رہتا ہے کہ جب سلطان شیر شاہ سے قبل کی آبادی سرونج کی محقق ہے تو پھر اسکا بانی کون، اور کس سال و سمت کی آبادی ہے اور سرونج کی وجہ تسمیہ کیا ہے،،

صاحب حدیقۂ راجستان مولوی سید اصغر علی صاحب آبرو ٹونکی لکھتے ہیں -

سمت ۱۱۵۱ بکرمی مطابق ۱۰۹۴ء میں سدہ راج راجپوت، سولنکھی والی اہلواڑہ ملک گجرات نے رائے جے چند نبیرۂ راجہ بھوج والی ریاست اجین کو گرفتار کیا، اور آپ قابض و دخیل ہوگیا، شنکر سنگھ، گردھر سنگھ رانا جی راجپوت سنگار قوم سولنکھی (جسے اب سینگھ کہتے ہیں) ہمراہیان راجہ جے چند نے سمت ۱۱۶۰ بکرمی، مطابق ۱۱۰۳ء میں اپنے نام سے حسب ذیل مواضعات دامن پہاڑ میں معمور کئے اور غارتگری کا پیشہ اختیار کیا۔ شنکر سنگھ نے سرونج - گردھر سنگھ نے گردھرپورہ، رانا جی نے رانا پورہ،

اس اندراج کا ماخذ نہیں بتایا گیا، جس سے تطبیق کی جاتی، اگر یہ کہا جائے کہ صاحب حدیقۂ راجستان نے گزیٹیر سے یہ روایت نقل کی ہے، تو اسمیں بھی ماخذ کا حوالہ نہیں ہے، صرف زبانی

مشہور روایت ضرور ہے، جو مورخین کے نزدیک سند کے قابل نہیں، مؤلف نے کسی کتاب میں یہ واقعات نہیں دیکھے، یہ بات تاریخ کی رو سے البتہ تسلیم ہے کہ راجہ سدھ راج[1] و جے چند نامی گجرات اور مالوہ میں راجہ ضرور گذرے ہیں، راجہ کرن کے بعد گجرات میں سدھ راج تخت نشین ہوا ہے، اسکے تخت نشینی کا زمانہ سمت ۱۱۵۱ بکرمی (۱۰۹۴ء) ہے، ۵۰ سال راج پاٹ کر کے سمت ۱۲۰۱ بکرمی (۱۱۴۴ء) میں فوت ہو گیا" اور راجہ جے چند پنوار والی مالوہ راجہ بھوج کی وفات پر سمت ۱۱۵۶ بکرمی میں مسند نشین ہو کر ۱۰ سال کے بعد سمت ۱۱۶۶ میں مر چکا تھا، اس حساب سے جے چند و سدھ راج ہمعصر نہ تھے، پھر دونوں کی باہم جنگ و جدال اور گرفتاری کیونکر تسلیم کی جا سکتی ہے، اسی طرح شنکر سنگھ وغیرہ ہمراہیان کی یہاں آمد اور آبادی مشتبہ ہے، رانا پور محلہ بادفروشوں کا آباد کیا ہوا ہے، شاہی اسناد میں جن کے ناموں کے ساتھ لفظ رانا درج ہے، اسکی تفصیلی بحث عروج و انحطاط کے عنوان میں آگے آتی ہے، ممکن ہے کہ کسی مستند کتاب یا کاغذات قدیم سے ان روایتوں کو لیا گیا ہو، کیونکہ ہر مورخ کا ماخذ جدا، طرز استدلال جدا، اور تحقیقات کا طریقہ جدا ہوتا ہے، سمت ۱۱۶۰ بکرمی میں سرونج کی آبادی کا اظہار کیا گیا ہے، اسکی تصدیق گو تاریخ سے نہیں ہوتی، لیکن مندر گردھاری جی واقع سرونج کے اس کتبہ سے ضرور ہوتی ہے، جو مورت کے پاؤں کے نیچے نقش ہے اور جسکی عبارت یہ ہے "

سری سینگر بنس سمت ۱۱۶۰

سری سینگر بنس کے معنی معزز خاندان سینگر کے ہیں، اور سینگر قوم ضرور یہاں آباد تھی، اب بھی بعض دیہات میں سینگروں کی آبادی ہے اور وہ تسلیم کرتے ہیں، کہ مورت مذکور انہی کے بزرگوں کی بنوائی ہوئی ہے، مندر میں جو خاندانی خادم (پوجاری) ہے اُس نے بھی تصدیق کی ہے کہ سینگروں کی بنوائی ہوئی مورت ہے، بہر حال کتبہ محولہ بالا کو اپنی جگہ اگرچہ صحیح تسلیم کر لیا جائے تاہم سمت مذکور اس بات کی سند نہیں ہو سکتا کہ سرونج کا سنگ بنیاد بھی اسی سال رکھا گیا، ممکن ہے کہ اس سے قبل سرونج نے آبادی کی صورت اختیار کر لی ہو جیسا کہ آگے چلکر اس کی بابت بحث کیجائیگی

---

[1] تاریخ ہندوستان تذکرہ راجگان مالوہ، مؤلفہ شمس العلماء، مولوی ذکاء اللہ مرحوم ۱۲

تقویم البلدان وغیرہ میں اسکے طول البلد کے اندراج سے بھی اسکی قدامت پر روشنی پڑتی ہے، علاوہ اسکے سمت ۱۱۰۶ سے قبل کا بھی کتبہ حدود سرونج میں موجود ہے جو سمت ۱۱۱۲ بکرمی کا ہے اور وہ اس امر واقع پر دلالت کرتا ہے کہ سمت ۱۱۱۲ سے پہلے سرونج کی آبادی ہے

نتیجہ اور وجہ تسمیہ حقیقت یہ ہے کہ سرونج کی آبادی اور بعض مقامات کی بلندی اور دیگر قرائن و آثار سے پتہ چلتا ہے کہ دَورِ ماضیہ میں بہت سے انقلابات ہوئے ہیں اور یہ کئی مرتبہ ویران ہو ہو کر آباد ہوا ہے، موجودہ شہری آبادی چار پانسو سال سے زیادہ کی نہیں ہے اور اسکی شرقی سرحد موجودہ بندیل کھنڈ سے ملتی ہے۔

قدیم عہد میں تاریخ مدوّن کرنیکا دستور نہ تھا، جیسا کہ اب ایک ہزار سال سے رواج ہوگیا ہے، یہی وجہ ہے کہ قدیم عام تاریخی حالات تاریکی میں ہیں، اور جو کچھ بھی واقعات مشہور ہیں اُن میں سے اکثر افسانے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے،

سرونج پر، پنوار، تونور، اور سینگر راجپوتوں کا ایک ہزار سال پہلے ضرور عمل دخل رہا ہے، اسکی شہادت میں کوئی مستند تاریخ نہیں ہے، البتہ بھاٹوں[1] کی نئی پرانی بہیوں میں قدیم راجاؤں، اور رایوں کے حالات ملتے ہیں، اُن میں سے بعض واقعات کی موجودہ زمانہ کی تاریخوں سے بھی بہت کچھ مطابقت ہوتی ہے، یا قدیم کتبوں سے جو کہیں کہیں محفوظ ہیں، راجاؤں کے ناموں، اُنکا سال و سمت اور بعض مختصر واقعات پر روشنی پڑتی ہے،،

موجودہ زمانہ کا بندیل کھنڈ یا بگھیل کھنڈ، اور شرقی مالوہ، راجہ بجے چند والی قنوج کے زمانہ تک سینگر راجپوتوں کے زیر عمل رہا ہے، راجہ وشوگ دیو سینگر کو جنکا تخت گاہ جگمن پور جال ضلع جالون (یو-پی)، تھا، راجہ بجے چند کی لڑکی دیوکلا نامی منسوب تھی، اس انتساب سے گنگا اور جمنا

---

[1] بھاٹ کو مالوی زبان میں جاگا بھی کہتے ہیں، یہ لوگ مارواڑ اور بندیل کھنڈ سے تین چار سال بعد دیہات میں اپنے اپنے ججمانوں کے یہاں آتے ہیں اموات و پیدایش اور دیگر واقعات کا اندراج بہیوں میں کرتے ہیں، اور اپنے حقوق وصول کرکے واپس جاتے ہیں، ایک ہزار سال تک کا اندراج انکی بہیوں میں مؤلف نے دیکھا ہے، جب کاغذ دریدہ ہو جاتا ہے تو نئی بہی بنا کر اسمیں نقل کر لیتے ہیں ۱۲ مؤلف

کا درمیانی علاقہ اُسکو جہیز میں ملا تھا، یہ واقعہ بارھویں صدی عیسوی کا ہے، یہی وجہ ہے کہ جہیزی علاقہ ملا کر تمام ملک سینگروں کا (سینگرات) ہندی تاریخوں میں درج ہے جسمیں اٹاوہ، جالون، مین پوری، جھانسی، کالنجر، ہگمن پور، راپٹری، وغیرہ شامل ہیں؛

شرقی مالوہ کے سینگر راجہ جسراج دیو کا تذکرہ بھاٹوں کی بہی میں دیکھا گیا ہے، جسکی نسبت لکھا ہے کہ مشہور و معروف راجہ گذرا ہے، بوندی کی تاریخ (ونش بھاسکر) میں لکھا ہے کہ راجہ جسراج دیو کا زمانہ رائے پتھورا مشہور راجہ دہلی سے ۳۲ پشت پہلے گذرا ہے،

سرونج کا نام ایک راؤ (بھاٹ) نے مولف کو ایک قدیم بہی کے حوالہ سے سینگراج، بتایا، اور ایک تعلیمیافتہ برہمن نے بتایا کہ سمت ۱۰۸۳ میں اسکا نام سَن سَن گنج تھا، اس اخیر نام کے تسلیم کرنے میں مولف کو تامل ہے اس لئے کہ سمت ۱۰۸۳ کے مطابق ۴۱۳ھ ہوتا ہے، گو اسوقت سلطان محمود غزنوی کے حملے ہندوستان پر ختم ہوچکے تھے، ہندوستان بدستور اپنے ہندی راجاؤں کے قبضہ میں تھا زبان بھی ہندی تھی، پھر سَن سَن گنج، کے ساتھ لفظ گنج، فارسی کس طرح شامل ہوتا، سَن سَن گڈھ ہوتا تو اس کو گنجایش تھی، پہلا نام سینگراج قرین قیاس ہے، اور یہ دراصل سینگراج سے مشتق معلوم ہوتا ہے حرف ر کی تخفیف سے سینگراج ہوگیا، جیساکہ تاریخ میں، مین پوری، اٹاوہ، جالون، جھانسی وغیرہ کا علاقہ سینگروں کی آبادی کی نسبت سے "سینگرات" درج ہے، اسی طرح مالوہ کا مشرقی علاقہ سینگروں کے انتساب سے سینگراج مشہور ہوکر کثرت استعمال سے سینگرج اور پھر آگے چلکر لفظوں کے تبدیل اور تخفیفات سے سرونج ہوگیا، اسکے سوا وجہ تسمیہ کے متعلق مولف کو اور کوئی صحیح روایت نہیں ملی اور اسی توجیہ کو مولف مرجح سمجھتا ہے

اس سے یہ بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ سمت ۱۱۶۰ بکرمی میں سرونج سینگروں کا دارالحکومت بھی رہا ہے، سینگروں کے زوال کے ساتھ ساتھ اسکی آبادی بھی گھٹتی ہوئی چلی گئی؛ یہاں تک کہ اکبری اور اس کے بعد محمد شاہی عہد تک پرگنہ کی معمولی حیثیت سے اسکا درجہ آگے نہ بڑھ سکا اور سینگر قوم متفرق المساکن ہوکر مختلف پیشے اختیار کرنے پر مجبور ہوئی، آج علاقہ سرونج اور گوالیار وغیرہ

میں جہاں جہاں یہ قوم آباد ہے، اکثر زراعت پیشہ ہے، بہت ممکن ہے کہ اپنی پریشانی کے زمانہ میں اس قوم نے ،، گونڈ، بھیل ،، مینہ ،، اقوام سے رفاقت پیدا کر کے غارتگری کا پیشہ بھی اختیار کیا ہو،،

سینگر قوم کی اصلیت اور انکی تاریخ

سینگروں کی جداگانہ کوئی تاریخ نظر سے نہیں گذری، ہندی پرانوں یعنی کتابوں اور راؤں کی قلمی بہی میں ضمناً انکا تذکرہ ہے ،،

لیکن حال کے تعلیمیافتہ سینگروں نے قدیم کاغذات اور کتبوں وغیرہ سے اس قوم کے حالات پر روشنی ڈالی ہے، مؤلف اپنے دوست مسٹر شیونا تھ سینگھ جی سینگر ساکن اوجین حال سکریٹری دربار بیکانیر (راجپوتانہ) کے اُس قلمی اعانت کا شکر گذار ہے جس سے اس قوم کے حالات لکھنے میں مؤلف کو بہت زیادہ امداد ملی ہے ،

ہندی روایات کے مطابق، سورج بنسی، چندر بنسی، دو شاخیں قدیم راجپوتوں کی مشہور ہیں اور اسکی ابتداء یوں بیان کی جاتی ہے کہ راجہ اکشواکو والی اجودھیا (فیض آباد) کی پسری اولاد سورج بنسی، اور دختری اولاد چندر بنسی کہلاتی ہے پسری اولاد میں ۲۶ پشت بعد مشہور راجہ دسرت ہوئے جو مہاراجہ رامچندر جی کے باپ تھے، ہندی پرانوں کی روایت ہے کہ سینگر قوم چندر بنسی کی شاخ ہے، جسکا وجود مہاراجہ رامچندر جی سے بہت پہلے ہوا ہے، سینگر کا ابتدائی وطن انگ دیس تھا، جو بھاگلپور کے آس پاس ہے، کوروں اور پانڈوں کی جنگ عظیم سے پہلے جبکہ راجہ وِکرن کے بیٹے پوتے جو شٹ کرن یعنی ۱۰۰ شاہزادے، مشہور ہیں، راجہ دریودھن کی سازش سے تخت سے محروم کر دیئے گئے، اسوقت وِکرن کی خاندانی ایک چھوٹی شاخ نے بردوان میں حکومت قائم کی، دوسری شاخ مع افراد خاندانی کے جنوب کی طرف چلی گئی، اس شاخ کے راجاؤں کے نام ڈہال دیو، ڈاہل دیو، ڈاہر دیو، ڈہار دیو مختلف رسم خط کے ساتھ ہندی کتابوں میں پائے جاتے ہیں ان راجاؤں کی حکومت اُسوقت جبلپور (ملک متوسط) سے لیکر موجودہ علاقہ بندیل کھنڈ تک تھی، یہی سبب ہے کہ اس ملک کا نام پرانی کتابوں میں ڈاہل دیس اور ڈاہر دیس

لکھا ہوا ہے، یہ واقعہ سنہ عیسوی سے صدیوں پہلے کا ہے۔ اسی شاخ میں آگے چل کر تہا راج شاکواہن ہوئے، جنہوں نے دکن (آندھر دیس) پر راج کیا، اس کے بعد دکن میں جب نئی نئی طاقتوں نے عروج پایا، اسوقت سینگر خاندان ڈہار دیس، ملک متوسط ہوتا ہوا شمال کی طرف چلا آیا، اور مختلف مقامات مثل باندھو گڈھ (بگھیل کھنڈ میں مشہور قلعہ تھا) کالنجر، جگمن پور، راپڑی، بندیل کھنڈ، سرونج اور مشرقی مالوہ کے اکثر علاقوں میں اپنی حکومتیں قائم کیں، اور کنار آب یعنی گنگا اور جمنا کا درمیانی علاقہ بھی راجہ جے سنگھ والی قنوج کی طرف سے جمن پور کے راجہ وشوک دیو کو اس سلسلہ سے ملا کہ اسکی لڑکی دیوکلا وشوک دیو کو بیاہی گئی تھی اُس علاقہ کا نام انتر بید بھی ہے،،

مالوہ کا سینگر راجہ جسراج مشہور راجہ گذرا ہے، جسکا حال بھاٹوں کی بہیوں میں جگہ جگہ ملتا ہے اسکی تصدیق ایک قدیم کتبہ سے ہوتی ہے جسمیں لکھا ہے کہ سمت ۵۲۸ میں جسو دہرمن راجہ نے ہُون قوم کے راجہ مہرکُل سے گوالیار اور مشرقی مالوہ چھین لیا تھا، غالباً جسودہرمن راجہ وہی جسراج راجہ ہے جسکا ذکر بھاٹوں کے بہیو میں ہے، کیونکہ ایک راجہ اپنے مختلف صفاتی نام سے بھی مشہور ہو جاتا ہے، کیا عجب ہے کہ اسکا دارالحکومت سرونج بھی رہا ہو، کیونکہ سرونج بھی مشرقی مالوہ کا مشہور مقام ہے،،

سینگروں کا خاندان "شات کرنی" خاندان کے نام سے ابتدا میں مشہور تھا۔ یہی لفظ بگڑتے بگڑتے سینگر ہو گیا،

موجودہ زمانہ میں مسٹر شیو ناتھ سنگھ سینگر ساکن او حین حال سکرٹری دربار بیکانیر، اور اضلاع جالون و اٹاوہ میں جگمن پور، بھیریہ، ارونڈہ، مادھو گڈھ دوئی کے راجہ صاحبان اور رکنہاؤ توما بھکرا، ریناکے راؤ صاحبان، اکرسی کے راوت صاحب، سراؤن کے دیوان صاحب اسی سینگر خاندان کے معزز اور مشہور افراد ہیں،،

تیسرا باب

سرونج کی آبادی کی تفصیل اور اُسکا عروج و انحطاط

ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت
رفت و منزل بدیگرے پرداخت
(سعدی)

تمہید سرونج کا وجود آثار و قرائن سے بہت قدیم معلوم ہوتا ہے جیسا کہ دوسرے باب میں اسکی مفصل بحث گذر چکی ہے، اُسوقت عمارتی نقش و نگار کیا تھے، اور آبادی کی وسعت کہانتک تھی، آج انکے اظہار سے مورخ کا قلم سراسر قاصر ہے، اسلئے کہ موجودہ آبادی میں کوئی عمارت چار سو برس سے پہلے کی باقی نہیں رہی، جابجا منہدم عمارتی تودے چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کی صورت میں البتہ نظر آتے ہیں، جو اپنی گذشتہ عظمت کے ایک مٹے ہوئے آثار ہیں، سطح زمین کے جابجا بلند ہونے سے قیاس غالب ہے کہ اس پر کئی عمارتی دور گذر چکے ہیں۔

اس زبانی روایت میں (جسکی تائید مؤلف کو بعض کاغذات قدیم سے بھی ہو چکی ہے) کوئی شبہ نہیں کہ شہر کا بیشتر حصہ نشیبی تھا، جہاں پانی کی تلائی تھی اور نالے بھی تھے، جنمیں نرسلوں کی جھاڑی کثرت سے تھی، بڑا بازار خود ایک نالہ تھا، جب کسی اولوالعزم بانی نے شہر کی آبادی کا ارادہ کیا تو سب سے پہلے پانی کی آمد کو روکنے کی غرض سے اس نے شہر سے جنوبی سمت تالاب کہدوا کر بند باندھا اور نالہ کا رُخ مغربی سمت پھیر کر سطح زمین کو کسیقدر ہموار کیا، جس پر آج شہر کی آبادی ہے محلہ تلیا، محلہ کھار، بازار بڑا بازار، حاجی پورا اسی نشیبی نسبت سے آجتک یادگار ہیں، بعض بعض جگہ آبادی کے نیچے دور تک قدیم پختہ پل نظر آتے ہیں جنمیں سے بارش کا پانی گذرتا ہے ''

شہر کی اندرونی و بیرونی آبادی

موجودہ شہر کی اندرونی آبادی مختلف الاضلاع اور اسکا رقبہ سروے پیمایش کی رو سے ۵۹۹ بیگہ ۹ بسوہ ہے سنہ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کی رو سے مکانات کی تعداد ۳۰۵۰ اور آدمیوں کی تعداد ۱۱۷۶۰ ہے گذشتہ زمانہ میں شہر کی آبادی ۱۸۴۰ گز بلند اور ایک گز عرض پختہ فصیل سے محیط تھی، موجودہ زمانہ میں دو چار جگہ فصیل کا کچھ حصہ اپنی شان ماضیہ دکھانے کو باقی رہ گیا ہے فصیل میں ۹[لہ] بڑے دروازے اور ۴ کھڑکیاں تھیں۔ جنکے نام زبانوں پر اور کاغذات میں اب بھی باقی ہیں۔

دروازوں کے نام

(۱) منڈی دروازہ، آبادی سے شمال میں نیم منہدم آج بھی باقی ہے جسکو مؤلف نے ۳۰ سال قبل اصلی حالت میں مرمت طلب دیکھا تھا دروازہ کے اندر نمک کی منڈی تھی جہاں دو رویہ پختہ دوکانیں بنی ہوئی تھیں، دُکانات کے آثار آج بھی موجود ہیں یہی اسمی نسبت دروازہ کی وجہ تسمیہ ہے، یہ دروازہ فصیل شہر کے تکمیل کے بہت دنوں بعد ۱۱۵۴ھ میں، بالاراؤ جی راؤ ناظم صوبہ مالوہ کے عہد نظامت میں جدید قائم ہوا ہے جسکی تصدیق اس کتبہ سے ہوتی ہے جو دروازہ کے شرقی پہلو میں بخط نستعلیق کندہ ہو کر وصل تھا یہی کتبہ اب نظامت کے مکان میں محفوظ ہے جسکی عبارت یہ ہے۔

محمد شاہی ؛ یا فتاح ؛ سری مہاراجہ ساہو در ہنگام نظامت بسالت مرتبت سوائی بالاجی ناظم صوبۂ مالوہ نائب امارت دعوالی منزلت، در عمل رفعت پناہ لچھمن شنکر پنڈت مکاسدار[سلہ] پرگنہ سرونج دروازہ منڈی نمک باہتمام راگھوجی پنڈت و درو غگی گوبند ہو باجی پنڈت داروغہ منڈی مرقوم تاریخ غرّہ شہر جمادی الثانی سنہ بست ۲۹ و نہم جلوس مطابق سنہ ۱۱۵۴ھ اساڑہ سدی تیج سمت ۱۷۸۳ تواحدات یافت۔

سلہ مرہٹے ریاستوں میں آج کل کما سدار کہلاتے ہیں، شاید کتبہ میں غلطی ہو گئی ہے۔ ۱۲ مؤلف

سکہ سنہ ۱۱۵۴ھ کی مطابقت لکھنے میں غلطی ہوئی ہے، صحیح ۱۱۵۹ھ ہے اسلئے کہ محمد شاہی جلوس کی ابتدا ۱۱۳۱ھ ہے اس حساب سے بست و نہم جلوس سنہ ۱۱۵۹ھ ہو سکتا ہے، لیست و نہم کے اوپر ۲۹ کا ہندسہ بھی کندہ ہے اسلئے اسمیں غلطی کا امکان نہیں ہے قطع نظر اسکے محمد شاہ نے بالاجی راؤ کو سنہ ۱۱۵۶ھ میں صوبۂ مالوہ کی سند نظامت دی تھی نہ سنہ ۱۱۵۴ھ میں ۱۲ مؤلف "

(نوٹ) یہ سنگی کتبہ موجودہ زمانہ سنہ ۱۹۳۲ء میں بعہد نظامت افتخار الانشا مشیر الملک سید محمد اسمٰعیل صاحب ناظم کوٹہ کے اندرونی دروازہ کی دیوار میں وصل کر دیا گیا ہے " ۱۲

لہ آبرو صاحب نے تاریخ ٹونک میں ۱۲ دروازے لکھے ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔ ۱۲ مؤلف

اس حساب سے دروازہ کی تعمیر کو آج تک ۱۰۵ سال ہوئے ،،

وجہ جدید احداث کی یہ پائی جاتی ہے کہ نگروہ دروازہ اور دہلی دروازہ کے مابین بہت زیادہ فاصلہ ہے ، صرف ایک کھڑکی وسط میں تھی ، رو ہلپورہ اور دیتیا کٹرہ وغیرہ کے مسافروں کو سواری پر زیادہ چکر سے جانا ہوتا تھا ، اسلئے جدید دروازہ قائم کیا گیا ،،

(۲) دہلی دروازہ شہر کی آبادی سے شمال و مغرب کے گوشہ میں ہے ،، فصیل شہر سے متصل جو دروازہ تھا وہ منہدم ہو چکا ہے ، آبادی کی سمت دو محرابی عالیشان دروازے ، سو سو گز کے فاصل سے اب بھی قائم ہیں ، چھتیں اُنکی البتہ نہیں رہیں بقائے آثار قدیمہ کے خیال سے مرمت کی ضرورت ہے ، اگر مقامی حکام توجہ فرمائیں ، دہلی سے آنے والے اور دہلی کو جانے والے مسافروں کے لئے یہی راستہ تھا ، شاہی سڑک (جو پتھر کے گول ٹوبوں کی پختہ بنی ہوئی تھی) کے نشانات دروازے کے باہر دور تک نظر آتے ہیں ،

(۳) اتوارہ دروازہ چکلیوں کے سامنے تھا ، قریب مندر کے آج بھی آثار باقی ہیں ، اتوار کے دن دروازہ کے اندر ہاٹ بھرتی تھی ، اسی مناسبت سے اتوارہ دروازہ مشہور ہے ۔

(۴) قاضی گھاٹ دروازہ جسکو امام باڑہ دروازہ بھی کہتے ہیں ، منہدم ہو چکا ہے ، امام باڑہ اور اسکے دروازہ کو مؤلف نے ۳۰ سال قبل مرمت طلب دیکھا تھا ، یہ دروازہ آبادی سے شمال و مغرب میں تھا ، قاضی گھاٹ دروازہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ دروازہ کے اندر قاضیوں کا قدیم اور مشہور خاندان آباد تھا ، جنہوں نے دروازہ کے سامنے ، کیھتن ندی پر پختہ گھاٹ تعمیر کرایا ، جو قاضی گھاٹ مشہور ہے ، محلہ بھی اسی نام سے معروف ہوا ، اور اسی عرفیت نے دروازہ کو بھی اسی نام سے منسوب کیا ، دروازہ کے اندر امام باڑہ کی بھی عمارت تھی ، جسکے اندر تعزیئے محفوظ رہتے تھے ، جنکا متولّی قاضیوں کا خاندان تھا ،

(۵) الف دروازہ ، مغرب میں ہے ، اور دروازہ سے ملا ہوا دریائے کیھتن کا ساحل ہے ، ایام بارش میں دروازہ پر کھڑے ہو کر دیکھنے سے آب رواں کی مستانہ رفتار اور موجوں کی اٹکھیلیوں کا نظارہ

دیدہ زیب معلوم ہوتا ہے، جب ندی طغیانی پر ہوتی ہے تو پانی دروازہ کے ستونوں کی پابوسی
کرتا ہوا آبادی کے اندر پہنچ جاتا ہے، دروازہ کے دونوں پائے چار چار گز بلند اب بھی باقی ہیں،
دروازہ کے اندر دو رویہ دکانات کے آثار آج بھی باقی ہیں اور یہ تحقیق شدہ بات ہے کہ یہاں
بازار تھا، وجہ تسمیہ کی تحقیق نہ ہوسکی، مؤلف کا خیال ہے کہ علف دروازہ، ع، سے صحیح ہے، علف
گھاس کو کہتے ہیں، پرانے لوگوں نے بیان کیا ہے کہ اس طرف گھاس فروخت ہوا کرتی تھی، اگر الف
دروازہ صحیح ہے تو غالباً اسکی نسبت الف بیگ خاں سے ہوگی اسلئے کہ ۱۲۰۰ھ میں اس نام کے ایک صاحب
مقامی عامل بھی گذرے ہیں، واللہ اعلم

(۶) حمامی دروازہ جنوب میں ہے، تالاب کی پال اور گورستان سامنے ہے، تحصیل پیٹری جانیکا
یہی دروازہ ہے، مؤلف نے ۵۰ سال قبل دروازہ کے دونوں پہلوؤں کی دیواروں کو سالم دیکھا
تھا، قدیم ٹولوں کی سڑک کے نشانات اب بھی باقی ہیں، مؤلف نے اس دروازے کے قریب کوئی
حمام نہیں دیکھا نہ سنا لیکن نام کے انتساب سے قیاس ہوتا ہے کہ ضرور دروازہ کے قریب کسی
زمانہ میں حمام رہا ہوگا،

(۷) بہیلیہ دروازہ، آبادی سے گوشہ جنوب و مشرق میں تالاب کے پال کے دامن میں واقع
ہے صرف چار چار گز دیواریں دونوں پہلوؤں کی قائم ہیں، اس دروازہ سے بہیلیہ جانے کا راستہ
تھا جو سرونج سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر ریاست گوالیار کا مشہور ضلع ہے راستہ میں متعدد پختہ سرائیں
بھی تھیں، سرونج سے ۴ میل کے فاصلہ پر موضع املائی اسٹیشن پولیس ہے، اگاؤں کے قریب ایک پختہ
سرائے کے نشانات آج بھی باقی ہیں، دکن جانے کا راستہ تھا، جا بجا قدیم سڑک کے آثار نمایاں ہیں
اس دروازہ کی مشرقی دیوار میں ایک سنگی لوح پر ذیل کا کتبہ ہندی خط میں وصل ہے،

((سری گنیشن سائے نما))

سمت ۱۸۴۱ بکرمی، جاگیر سری منت راجہ سری تکوجی راؤ ہلکر، باقی سطروں کے حروف پڑھے
نہیں جاتے، مسخ ہو چکے ہیں، سمت ۱۸۴۱ بکرمی کے مطابق ۱۲۰۲ھ ۱۷۸۴ء آتا ہے، جسکو آجتک ۱۴۲ سال

ہوئے ، یہ زمانہ اہلیا بائی رئیسۂ اندور کی حکومت کا تھا ، اور اُسوقت سرونج اندور کی عملداری
میں شامل تھا ، تکوجی راؤ ہلکر وہ شخص ہے جسکو اہلیا بائی نے خاندانی فرد ہونے کی بنا پر اپنا مشیر المہام
بنا لیا تھا ، مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر اسی تکوجی کا بیٹا تھا ، کتبہ اس بات کی شہادت ہے کہ سرونج
اسوقت اہلیا بائی کیطرف سے تکوجی راؤ کی جاگیر میں تھا ، دروازہ قدیم ہے لیکن تکوجی راؤ کے عہد میں
اسکی مرمت ہوئی ہے ، اُسوقت یہ کتبہ کندہ ہوکر دیوار میں لگایا گیا ہے ،،

اہلیا بائی نے ۱۷۹۵ء میں انتقال کیا ، اسکے بعد ہی تکوجی راؤ ریاست اندور کا مالک قرار پایا
لیکن ۳ سال بعد ہی ۱۷۹۷ء میں یہ بھی فوت ہوگیا ،

(۸) منڈی غلہ دروازہ ، مشرق و جنوب کے گوشہ میں ہے ، خواجہ سید عبد الہادی مرحوم
عہد شاہجہانی ۱۰۴۲ھ میں سرونج کے حاکم تھے ، انہوں نے ۱۰۵۶ھ میں غلہ کی منڈی قائم کی تھی
اس مناسبت سے دروازہ کا نام منڈی غلہ دروازہ مشہور ہوا ، اب دروازہ منہدم ہو چکا ہے ،
اسٹیشن باسودہ کو پختہ سڑک اسی دروازہ سے نکلی ہے ،

دہلی دروازہ کی طرح اس دروازہ کے اندر بھی ۲،۲ سو گز کے فاصلہ سے دو محرابی لداؤ کے دروازے
ہیں ، ایک دروازہ جھنگیرہ دروازہ کے نام سے آج بھی قائم ہے ، جسکے نیچے موچیوں کی دوکانات ہیں
اور دوسرا دروازہ نیم منہدم ہے ۔

(۹) بگرودہ دروازہ ، مشرق میں ہے اس دروازہ کے محاذ میں ۴ میل کے فاصلہ سے بگرودہ
ایک وسیع رقبہ کا گاؤں واقع ہے ، یہی وجہ تسمیہ اسکی ہے ، مؤلف نے دروازہ اصلی حالت میں دیکھا تھا
۱۸۹۶ء میں اعتمد الملک سید محمد خانصاحب بہادر ظفر جنگ مرحوم سابق ناظم نے سڑک سرونج گھوڑا(ں)
کی تعمیر کے زمانہ میں توسیع راستہ کے خیال سے دروازہ کی دیواروں کو گروادیا ، باموره کے آنے جانیوالوں
کیلئے یہی راستہ ہے اور چُنگی کا دفتر بھی اسی جگہ ہے "

کھڑکیاں

حسب ذیل تھیں (۱) کھڑکی ندی ، دہلی دروازہ کے متصل تھی (۲) ظریف خاں
کی کھڑکی ، مومنوں کی مسجد کے سامنے ندی کے کنارہ تھی جسکے آثار آج بھی موجود

ہیں،، (۳) منڈوی کھڑکی، منڈی دروازہ کی جگہ تھی، (۴) ڈہیرونی کھڑکی جسکا محرابی دروازہ نیم منہدم آج بھی ندی کے کنارے مولا علی کی ٹیکری کے سامنے قائم ہے،

فصیل شہر اور اُسکا زمانۂ تعمیر

فصیل کس سنہ میں اور کس کے عہد میں تعمیر ہوئی، یہ سوال مختلف زبانی روایتوں اور دروازوں کے کتبوں کے تاریخی اختلافات کی بنا پر حل کئے جانے کے قابل ہے،،

اہلکارانِ نظامت اور دیگر معمر لوگ، سرونج کی موجودہ آبادی کو شیر شاہ سوری کی متحدثات سے منسوب کرتے ہوئے فصیل بھی اسی عہد کی تعمیر شدہ ظاہر کرتے ہیں، اول تو کوئی تاریخی ثبوت اس کا نہیں ہے، کہ سرونج کو شیر شاہ نے آباد کرایا، اور اگر اُن قیاسی وجوہات سے جسکا تذکرہ باب دوم سرونج کی آبادی کے عنوان میں کیا گیا ہے، یہ تسلیم کر لیا جائے کہ سرونج کی آبادی کی ترقی کا باعث ایما برشیر شاہی ہے تو پھر اس بات کا مکمل اور واقعی کوئی ثبوت نہیں کہ فصیل شہر بھی اسی کے عہد کی یادگار رہے، اس سے قطع نظر جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ سلطان شیر شاہ سوری ۹۴۹ھ قدسی میں چندیری اور رایسین ہوتا ہوا آگرہ واپس گیا اور وہاں سے محاصرۂ قلعہ کالنجر کے زمانہ ۹۵۲ھ ہجری میں دو ڈہائی سال کے اندر فوت ہوگیا، تو ایسی صورت میں سرونج جیسے وسیع الرقبہ شہر کی مکمل آبادی اور اُسکی فصیل کا بھی ۲ سال کے اندر تعمیر ہو جانا بالکل خلاف قیاس واقعہ ہے، جسکی تصدیق نہ فرامین شاہی سے ہوتی ہے، نہ تاریخ سے، بعض اہلِ علم حضرات منڈی دروازہ کے کتبہ کو سند میں بیان کرتے ہوئے ۱۱۵۴ھ فصیل کا سال تعمیر بتاتے ہیں اور ہندی خواں اصحاب کتبہ بہلیہ دروازہ کی رو سے سمت ۱۸۱۲ بکرمی تعمیر کا زمانہ ظاہر کرتے ہیں،،

یہ دونوں خیالات بھی صحیح نہیں ہیں اس لئے کہ منڈی دروازہ کے کتبہ کا آخری فقرہ "نو احداث یافت" خود اس بات کی صاف شہادت ہے کہ دروازہ فصیل میں دنیا نکالا گیا ہے، اگر فصیل کے ساتھ کا دروازہ ہوتا تو لفظ نو لکھنے کی ضرورت نہ ہوتی، اس جگہ پہلے کھڑکی تھی، گاڑی تانگے آ جا نہیں سکتے تھے، اس لئے بڑا دروازہ بنا یا گیا،، مولوی حکیم سید اصغر علی صاحب آبرو مؤلف تاریخ ٹونک

تحریر فرماتے ہیں کہ (سنہ ۱۱۵۴ھ میں بعہد محمد شاہ بالاجی راؤ ناظم صوبہ مالوہ نے منڈوی دروازہ کی مرمت کی تھی یہ رائے بھی درست نہیں ہے ، اگر مرمت کیجاتی تو فارسی ترکیب کے موافق بجائے نو احداث یافت[۵۱] کے از سر نو ترمیم یافت درج ہوتا ، احداث کا لفظ ہمیشہ اُس محل پر استعمال ہوا کرتا ہے ، جہاں کوئی نئی بات نکالی جائے ،، یا کوئی نئی تعمیر کی جائے ،

اسی طرح بہیلسہ دروازہ کا سمت ۱۸۴۱ (جسکا مطابق سنہ ۱۲۰۲ھ ہوتا ہے اور چو منڈی دروازہ کے ۴۸ سال بعد مرمت کیا گیا ہے) تعمیر فصیل کے استدلال میں کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے ،

مؤلف کی تحقیقات کی رو سے فصیل شہر کی تعمیر صاحبقران ثانی شاہجہاں کے عہد کی پائی جاتی ہے ،، دلائل یہ ہیں ،،

(۱) سنہ ۱۰۴۰ہجری چہارم جلوس شاہجہانی میں خواجہ سید عبد الہادی سرونج کے مقامی عامل تھے ، اُسوقت خانجہاں خاں لودی نے بعض بوندیلوں کو اپنے ساتھ ملا کر بغاوت کی ، جب اُس پر علاقہ دکن میں شاہی افواج کا دباؤ پڑا تو وہاں سے نکل کر اوجین ہوتا ہوا ، سرونج آیا ، گو سرونج کی آبادی خانجہانی لشکر کی تاخت سے محفوظ رہی جسکی حفاظت سید عبد الہادی ناظم سرونج کی پامردی کا نتیجہ تھی ، تاہم سرکاری خالصہ شریفہ کے (۵۰) ہاتھی خانجہان سرونج سے لے جانے میں کامیاب ہو گیا ، چونکہ شاہجہاں کو تعمیرات عام ، اور مخصوص شہروں کی حفاظت ، اور قلعوں کی تعمیر اور مرمت کا ہمیشہ خیال رہا ہے جسکی تاریخ شاہد ہے ، اسلئے غالباً خانجہان مذکور کی تاخت کی بنا پر فصیل شہر کی بنیادی وجہ تحریک پیدا ہوئی ، اور وہ بنکر تیار بھی ہو گئی ، سرکاری کوٹ اور اسکے اندر کا حمام بھی شاہجہانی عہد کی یادگار آثار معلوم ہوتے ہیں -

(۲) خواجہ سید عبد الہادی مرحوم نے سنہ ۱۰۵۰ہجری میں قصبہ سرونج کے سواد میں ایک پورہ آباد کیا تھا ، جسکا نام اپنے نام کے انتساب سے ہادی پور رکھا ، کثرت استعمال سے دال ، جیم سے

---

۵۱ احداث بالکسر و ثائے مثلثہ نو پیدا کردن ۱۲ غیاث اللغات

۵۲ سیر المتاخرین مطبوعہ نولکشور پریس ۔ جلوس چہارم شاہجہانی ۱۲ ،،

تبدیل ہو کر حاجی پور معروف ہو گیا، اس پورہ میں خواجہ صاحب نے غلّہ کی منڈی بھی قائم کی تھی، جس کا حاصل خواجہ صاحب اور اُن کی اولاد کے حق میں دربار شاہی سے معاف تھا، پورہ کے ایک گوشہ میں پختہ اور وسیع سرائے بھی خواجہ صاحب نے تعمیر کرائی تھی، جو آج تک یادگار باقی ہے ،،

منڈی کی مناسبت سے شرقی دروازہ کا نام آجتک منڈوی دروازہ مشہور ہے، پورہ چھوٹے موضع کو کہتے ہیں جو ہمیشہ آبادی سے باہر غیر آباد قطعہ میں آباد کیا جاتا ہے، یہ قطعہ جسمیں ہادی پور بسایا گیا، سرونج کی ابتدائی شمالی آبادی سے تقریبًا ایک میل کے فاصلہ پر ہے، بعد میں جیساکہ آگے چلکر بحث کی جائے گی، شہری آبادی نے اسقدر ترقی کی کہ ہادی پور کے ڈانڈہ سے اُسکی سرحد مل گئی ،، یہ قیاس فرضی نہیں ہے، تم جس شہر کی ترقی پر نظر ڈالو گے، اُسکی وسعتِ آبادی اس قول کی تائید میں ہوگی جو مشاہدات اور واقعات ہیں، نئی دہلی کی بنیاد قدیم آبادی سے اسوقت میلوں دور ہے، لیکن دکانات اور دیگر تعمیرات کا سلسلہ درمیانی حصہ میں اسقدر تیزی کے ساتھ ترقی پذیر ہے کہ چند سال میں جدید و قدیم آبادی کا پورے طور پر اتصال ہوجائے گا، چونکہ ہادی پور بھی فصیل شہر سے محیط ہے، اسلئے لازمی طور پر ۱۰۵۵ھ کے بعد (جو ہادی پور کی آبادی کا سال ہے) فصیل کا تعمیر ہونا بھی تسلیم کیا جائے گا ،، اگر فصیل ہادی پورہ کی آبادی سے پہلے کی تعمیر شدہ ہوتی تو پورہ مذکور فصیل سے باہر ہوتا، سلطان شیر شاہ ۹۴۹ھ میں مالوہ آیا تھا، اسکی آمد کے (۱۰۶) سال بعد ۱۰۵۵ھ میں پورہ مذکور آباد ہوا ہے، ان وجوہات سے شیر شاہی عہد کی فصیل ثابت نہیں ہوتی، اصولِ درایت شاہجہانی عہد کی تعمیر و تکمیل کا مؤید ہے واللہ اعلم ،،

محلوں کے نام اور تعداد

شہر کی آبادی بروئے مردم شماری ۱۹۲۱ء ۵۲ محلوں پر تقسیم ہے، لیکن محلوں کے قدیم ناموں میں آبادی کے گھٹنے اور بڑھنے سے بہت کچھ تغیر و تبدل ہو گیا ہے، بعض قدیم محلوں کے کئی حصے ہو گئے ہیں، اور بعض محلے دوسرے محلوں میں شامل نظر آتے ہیں ،،

قدیم محلوں کے ساتھ جدید محلوں کی تفصیل یہ ہے ،،

(۱) محلہ پیرزادگان، اب حاجی پور محلہ کی ایک شاخ شمار ہوتا ہے، سید مسعود اور سید محمود رحمۃ اللہ علیہما دو حقیقی بھائی باہر سے تشریف لاکر یہاں آباد ہوئے، پیرزادے تھے، اسلئے پیرزادہ محلہ اُن کی سکونت کی وجہ سے مشہور ہوا، ان کے خاندان میں سید احمد علی و سید محمد علی دو بھائی موجود ہیں، خاندانی قدیم کاغذات جل گئے، نظامت میں بھی اُن کی نقلیں نہیں ہیں، اسلئے کچھ پتہ نہ چلا کہ یہ دونوں بزرگ کہاں سے اور کس سنہ میں تشریف لائے،

آبادی سے باہر دونوں کے پختہ گنبدی مزارات موجود ہیں، مگر اُنمیں بھی کوئی کتبہ نہیں ہے دربار شاہی سے اراضی معافی بھی اونکو عطا ہوئی تھی جس پر اون کی اولاد قابض اور متصرف ہے،

(۲) محلہ ہادی پور جو اب حاجی پور کے نام سے معروف ہے، خواجہ سید عبد الہادی سابق عامل سہرونج کا بسایا ہوا ہے۔ اس محلہ کی بنیاد بروئے فرمانِ شاہی مورخہ سنہ ۹ جلوس[1] مطابق ۱۱۵۵ھ کی ثابت ہوتی ہے، اُس وقت شاہی سند کی رو سے اسکا طول ۲۵ ڈوری اور عرض ۱۴ ڈوری تھا،

(۳) محلہ رکاب گنج، یہاں بادشاہی اونٹوں اور گھوڑوں کے مکانات، اور اُنکے لئے چارہ کا ذخیرہ تھا، احاطہ کے آثار اب بھی موجود ہیں، خواجہ محمد صالح کا مزار اور اُن کی تعمیر کی ہوئی مسجد بھی اسی محلہ میں قائم ہے،

(۴) کہارا بازار، قدیم زمانہ میں یہاں کہاروں کا بازار تھا، مچھلیاں فروخت ہوتی تھیں، ڈولیاں رکھی رہتی تھیں، اس نسبت سے بازار کی متصل آبادی کہارا بازار کے نام سے مشہور ہوئی، اس محلہ کی پشت پر خوگیر دوزوں کا محلہ تھا، اب ویران ہے،

(۵) آستانہ بازار۔ دری بافوں کا محلہ اسمیں شامل ہے، یہاں شاہ عباد اللہ کی تعمیر کی ہوئی ایک مسجد تھی، اور اُنکا آستانہ (بیٹھنے کی جگہ) پختہ بنا ہوا تھا،

مسجد اور آستانہ دونوں اب زمین کے برابر ہیں، شاہ صاحب کی قبر بھی یہیں ہے، یہی آستانہ اس محلہ کی وجہ تسمیہ ہے،،

---

[1] حکمنامہ مہری محمد شاہ بادشاہ غازی ہفتم شوال سنہ ۹ جلوس مطابق ۱۱۳۹ھ سید اصغر علی کے پاس محفوظ ہے ۱۲ مولفہ"

(۶) بوہر باڑہ، اب بوہر باڑی کے نام سے شہرت پذیر ہے، قدیم کاغذات میں بوہر باڑہ ہی لکھا ہوا دیکھا گیا ہے، اور یہی صحیح بھی ہے، جماعت فرقہ اسمٰعیلیہ مستعلیہ کا خاندان اس محلہ میں سکونت گزیں ہے،،

بوہرگت پیشہ کی وجہ سے یہ قوم بوہرہ معروف ہے اسی مناسبت سے محلہ کا نام بھی بوہرہ باڑہ رکھا گیا،،

(۷) رنگریزوں کا محلہ قدیم، اب درزی محلہ مشہور ہے، درزیوں کے مکانات زیادہ ہیں۔ پہلے رنگریز اور نورباف اس محلہ میں زیادہ آباد تھے، امان اللہ رنگریز کی تیار کردہ مسجد اسی محلہ میں آج تک قایم اور نہایت حسین و پختہ عمارت ہے،،

(۸) کٹرہ نورگنج قدیم، اب شکر کٹرہ کہتے ہیں، کوٹی ڈھانہ اور باگٹر ونکا محلہ کے نام سے دو جدید محلے قائم ہوگئے ہیں،،

(۹) محلہ بگرودہ (دروازہ) شہرپناہ کے دروازہ کے اسمی نسبت سے یہاں کی آبادی، بگرودہ دروازہ محلہ کے نام سے مشہور ہے،

(۱۰) محلہ نمک کی منڈی، بڑا اور قدیم محلہ ہے، پٹھانوں کی آبادی یہاں پہلے بہت زیادہ تھی، اب محلہ ویران ہے، نام کو کچھ مکانات غیر قوموں کے موجود ہیں، محلہ تیل منڈی اسی محلہ کی ایک شاخ ہے،،

(۱۱) محلہ کٹڑی قدیم محلہ ہے، اسمیں گوجر پٹھانونکی عموماً آبادی تھی، کٹڑی کی وجہ تسمیہ یہاں کے لوگوں سے تحقیق نہ ہوسکی بعض پنجابی احباب سے معلوم ہوا کہ سرحدی زبان میں کٹڑی،، قافلہ کو کہتے ہیں، اور یہ قرین قیاس بھی ہے، گوجر پٹھان جب ولایت سے یہاں آئے تو اپنی قومی آبادی کو کٹڑی کے نام سے موسوم کیا، ملتان میں بھی کٹڑی نام کا ایک محلہ ہے، گوجروں کی قوم متموّل اور بہادر قوم تھی دہلی دروازہ کی جانب کٹڑی محلہ کا ایک پختہ دروازہ نیم منہدمہ باقی ہے، اس نشان اور معمر لوگوں کی زبانی سنی ہوئی روایتوں سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ محلہ پٹھانوں کی ترقی کے زمانہ میں چار دیواری سے محیط تھا، جسکے دروازوں پر دربان مامور ہوتے، اور انکو تنخواہیں دیجاتیں، عرصہ ہوا کہ مؤلف نے

کٹری دروازہ کی دربانوں کی اولاد سے ایک دو آدمیوں کو دیکھا تھا، اور ان کے پاس پٹھانوں کی سندیں بھی تھیں، سنا گیا ہے کہ ریحنیدہ دیہہ جاگیر ریاست کوٹہ کی طرف دربانوں کی اولاد موجود ہے جہاں کے جاگیردار بھی گوجر پٹھانوں کی نسل سے ہیں، موجودہ وقت میں دو چار گھر پٹھانوں کے باقی ہیں قصابوں سے محلہ زیادہ آباد نظر آتا ہے،

(۱۲) محلہ نخاس یہاں پہلے ایک وسیع میدان تھا، جسمیں مویشیوں کی خرید وخت کثرت سے ہوتی تھی، اسی اسمی توجیہ نے آبادی کو نخاس کے نام سے معروف کردیا ہے "

(۱۳) دہلی دروازہ، دروازہ کی نسبت سے یہاں کی آبادی اسی نام سے مشہور ہے،

(۱۴) مدار کی ڈہال، سبزی فروشوں، طباخوں اور حمالوں، کے مکانات اس محلہ میں زیادہ ہیں، وجہ تسمیہ کی تحقیقات کے سلسلہ میں معلوم ہوا کہ ۵، سال پیشتر تک اس محلہ اور غیر محلہ کے عام لوگ، مدار صاحب کے نام سے تلوار، چھری، ڈھال، ایک چبوترہ پر تعظیماً رکھتے تھے، میلہ ہوتا، اختتام میلہ کے بعد مدار صاحب کے اُن تمام نشانات کو لیکر معتقدین اجمیر ہوتے ہوئے مکن پور جاتے اس لحاظ سے یہاں کی آبادی مدار کی ڈہال کے نام سے شہرت پذیر ہوگئی "

(۱۵) سنگھی ڈہانہ، پروار مہاجنوں کی آبادی ہے، سنگھی جی نامی پروار نے یہاں سکونت اختیار کرکے مکان کا صدر دروازہ عالیشان بنوایا تھا، اسلئے بعد کی آبادی اسی نام سے مشہور ہوگئی،

(۱۶) دلالوں کا محلہ، موجودہ زمانہ میں اس محلہ کا نام مالیوں کی سیاست کی بناء پر، مالی پورہ، مشہور ہے، اس سے قبل نوربافوں کی آبادی یہاں زیادہ تھی، اور نوربافوں میں بھی مخصوص وہ لوگ اس محلہ میں سکونت پذیر تھے جو تجارت اور دلالی کا کام کرتے تھے، آثار سے ثابت ہے کہ یہاں پختہ مکان زیادہ تھے، خضر دلال بانیِ جامع مسجد کا مکان بھی یہیں تھا، جسکا جنوبی حصہ جامع مسجد کی عمارت سے ملحق ہے،

(۱۷) سنگھی، اگروال مہاجنوں کی آبادی ہے، مشہور مسٹر کرپارام منجم کی سات منزلہ حویلی یہاں واقع ہے اس انتساب سے تمام ملحقہ آبادی محلہ سنگھی کے نام سے معروف ہوگئی۔

(۱۸) حمّالوں کا محلّہ، بیشتر مسلمان حمّال یہاں آباد ہیں ،،

(۱۹) مومنوں کا محلّہ، نوربافوں کی آبادی ہے، دیگر اقوام کے بھی خال خال مکانات ہیں ،

(۲۰) اتوارہ بازار، کسی زمانہ میں یہاں اتوار کو ہاٹ بھرا کرتی تھی، اس مناسبت سے آبادی بھی اُسی نام سے مشہور ہوگئی، متفرق قوموں کے مکانات ہیں ،

(۲۱) قاضی گھاٹ، قدیم اور مشہور محلّہ ہے، لیکن جسقدر مشہور ہے اسیقدر ویران بھی ہے۔ آج سوائے قاضی مرتضیٰ صاحب کے ایک خام مکان کے کسی دوسرے شخص کی آبادی نہیں ہے، قاضی صاحب نے تنگدستی سے مقابلہ کرتے ہوئے اس گنج ویرانے کی ایک ایک اینٹ بلکہ بنیادوں کے پتھر تک فروخت کر دیئے ہیں، اس عمل نے محلہ کو ہموار میدان بنا دیا ہے ،

(۲۲) راجی پورہ، برہمنوں کی آبادی پہلے زیادہ تھی، اب مختلف اقوام آباد ہیں، رائے بیدل رائے چودھری کی مشہور ۵۲ چوک والی حویلی یہاں قائم ہے، یہی محلّہ کی وجہ تسمیہ ہے ،

(۲۳) الف دروازہ، دروازہ کے نام سے محلہ مشہور ہے ،

(۲۴) تیتیس گھاٹ کی باؤلی، اب باولی کا وجود بھی نہیں ہے، جہاں پر باؤلی کا ہونا بیان کیا جاتا ہے، وہاں سکونتی مکانات ہیں ،

(۲۵) ٹوری محلہ، اسکی دو شاخیں ہیں، چھوٹی ٹوری، اور بڑی ٹوری، وسیع محلّہ ہے، آبادی بلند سطح پر ہے، اور چونکہ ٹوری مرتفع سطح کو کہتے ہیں اسلئے محلہ ٹوری کے نام سے مشہور ہے ،،

(۲۶) منہاروں کا محلہ، اس محلہ میں منہاروں کی مسجد بھی ہے، اب محلہ میں مختلف مسلمان قوموں کے مکانات ہیں، اور محلہ بھی ٹوری محلہ میں مدغم ہوگیا ہے ،

(۲۷) محلہ زیر کوٹ سرکاری مکان کوٹ کے نام سے معروف ہے، کوٹ کے مغرب و جنوب میں جو آبادی ہے وہ زیر کوٹ کے نام سے معروف ہے ،،

(۲۸) محلہ تلیاں، بڑا محلّہ ہے۔ عموماً شریف مسلمان آباد ہیں، چونکہ آبادی نشیب میں ہے، اور کسی زمانہ میں یہاں تالاب تھا، اس لئے تلیا معروف ہے ،،

(۲۹) مردھوں کا محلہ، شاہی زمانہ میں مردھے جریب کشی کا کام کرتے تھے، یہ اُن کا خاص محلہ ہے، مسجد بھی قدیم ہے،،

(۳۰) بٹوا ٹولہ، نام کا انتساب ظاہر ہے، اب مہاجنوں وغیرہ کے مکانات بکثرت ہیں، بھوتیسر کا محلہ بھی اسمیں شامل ہے،، بھوتیشر کے نام سے یہاں ایک قدیم مندر بھی ہے،

(۳۱) لوٹیا ڈہانہ، پروار وغیرہ مہاجنوں کے زیادہ مکانات ہیں،

(۳۲) محلہ گُریائی، حلوائی خانہ کے شمال میں ہندؤں کا وسیع محلہ ہے، اصل میں ہندؤں کے کسی گرد کی بیوی گُرپانی سے منسوب ہے،، جسکا بگڑکر گریائی ہوگیا ہے -

(۳۳) نیا پورہ،، اس محلہ میں گدّی مسلمان آباد ہیں، جنکے اجداد نواب وزیرالدولہ بہادر کے عہد میں جبلپور سے آکر آباد ہوئے،

(۳۴) ہتیاپول، لالہ چھوٹے رام اگروال مہاجن نے ایک عالیشان عمارت بنوائی تھی جس کے صدر دروازہ پر ہاتھیوں کی تصاویر ہیں، اسلئے دروازہ ہتیا پول کے نام سے معروف ہے، قرب و جوار میں جو آبادی ہے وہ اسی انتساب سے مشہور ہے،،

(۳۵) چھیپٹی، اصل میں چھیپہ پاٹی ہے، چھیپیوں کے مکانات تھے آج ایک مکان بھی کسی چھیپہ کا نہیں ہے، مغلوں اور مہاجنوں کے مکانات ہیں، عبداللہ خاں قدیمی کا احاطہ بھی اسی محلہ میں ہے، جنہوں نے چھیپیوں سے مکان خرید کرکے عالیشان مکان بنوایا ہے، چھیپیوں کا ایک مندر بھی ہے، جسکی تعمیر سمت ۱۹۳۰ بکرمی کی ہے، جسکو (۷۴) سال ہوئے،

(۳۶) محلہ مدرسہ، یہاں خانقاہ حسینی تھی، جسمیں مدرسہ بھی تھا، یہی وجہ تسمیہ ہے،

(۳۷) محلہ نعلبندان، قدیم، اب اس سے کوئی واقف نہیں ہے، کاغذات قدیم میں نام باقی رہ گیا ہے، موجودہ زمانہ میں، کہائی اور گردھاری جے کے مندر کے نام سے آبادی معروف ہے،

(۳۸) گُدڑی بازار، بازار کے نام سے آبادی معروف ہے،

(۳۹) محلہ کمانگران، آج ایک فرد بھی کمان گروں سے یہاں باقی نہیں ہے،، صرف انکی یادگار

ایک مسجد قایم ہے جسکو یہاں کے لوگ ناواقفیت سے کمنی گروں کی مسجد کہتے ہیں ،

(۴) کاغذی محلہ ، دیسی سفید کاغذ بنانے والے یہاں آباد تھے ، اب بھی انکے پختہ مکانات موجود ہیں ، جنہوں نے خراطی کا پیشہ اختیار کر لیا ہے ، انہی لوگوں کا بنوایا ہوا ندی کے کنارے وسیع پختہ گھاٹ بھی موجود ہے ،

غیر آباد اور ویران بازار

سو برس پہلے ، شہر میں متعدد بازار تھے ، جنمیں پختہ دکانات دو رویہ تھیں ، بعض آثار اب بھی باقی ہیں

تفصیل غیر آباد بازاروں کی یہ ہے ،

(۱) کٹرہ نور گنج ، عہد جہانگیری میں ، نورجہاں بیگم کی نسبت سے ، لالہ متھراداس قانون گوئے چندیری و سرونج (لالہ پرتاب چند جی موجودہ رجسٹرار قانونگو کے دادا) نے مگرودہ دروازہ کے جنوب میں آباد کیا تھا ، جسکی تصدیق سند جہانگیری مرقوم سنہ ۱۹ جلوس[۱] مطابق سنہ ۱۰۳۲ھ سے ہوتی ہے جو لالہ پرتاب چند جی کے پاس محفوظ ہے ، یہ کٹرہ بعد میں شکر کٹرہ کے نام سے معروف ہوا ، آج بھی ویران حصہ اسی نام سے پکارا جاتا ہے ، جب کٹرہ آباد تھا اسوقت اسکے شمالی و جنوبی کناروں پر مستقل طور سے حفاظت کا پہرہ مامور ، اور محکمہ سائر کا دفتر اور اوسکا جھنڈہ بھی یہیں قائم تھا ، نواب وزیر الدولہ بہادر کے زمانہ تک ، سرکاری لوازم کے آثار کا پتہ کٹرہ مذکور میں چلتا ہے ، مبصرین اگر کٹرہ کے رقبہ کو دیکھیں گے تو آج بھی اُسکے کھنڈرات پتہ دینگے کہ دو رویہ چار جریب تک پختہ دوکانیں تھیں ،،

---

[۱] سند مہری نورالدین جہانگیر و نورجہاں بیگم ، بخط سیاہی ، طغرا بخط سرخی ، (اللہ اکبر ، جل جلالہ) فرمان عالیشان جہانگیری خدمت قانون گوئی سرکار چندیری صوبہ مالوہ بہ جگجیونداس ولالہ متھراداس مقرر است باید کہ حکام و عمال و متصدیان حال و استقبال سرکار مذکور مشارٌالیہ را قانونگوئی آنجا دانستہ دست تصدی او را و ران باب قوی مطلق دارند سبیل مشارٌالیہ آنکہ حد آنچہ کفایت مال دیوان در فاہیت احوال رعایا بودہ باشد بہ تقدیم رسانیدہ ازاں تخلف نورزد ، و نیز حکم شد کہ چوں متھراداس پدر مشارٌالیہ در قصبہ سرونج کٹرہ نورگنج را ساختہ و اہتمام آبادی کٹرہ مذکورہ بعہدہ جگجیونداس مقرر ست باید کہ جاگیرداران قصبہ مذکور دکتہ آنجا بیوپاریان را بگذارند کہ بفراغ اسباب کہاتی وغیرہ آوردہ در کٹرہ مذکور خرید فروخت میکردہ باشند ہیچ کس مانع و مزاحم نشود ، درین باب قدغن دانستہ تمام دانستہ از فرمودہ تخلف نورزند فقط سنہ ۱۹ جلوس

(۲) نمک کی منڈی، منڈوی دروازہ کے اندر بازار واقع تھا جسمیں دکانیں تھیں، مولف نے ۳۰ سال قبل چند دکانیں نیم منہدمہ اور بیشتر دکانوں کے آثار پختہ دور تک دیکھے تھے، اب ہموار سطح ہے، نہ بازار ہے نہ منڈی، اسی جگہ سائر کا دفتر تھا جو ۱۹۱۵ء میں وہاں سے منتقل ہوکر بگرودہ دروازہ کے متصل جدید مکان میں آگیا ہے ۔۔

(۳) پل بازار، پانی کے مرور کے لیئے شاہی زمانہ میں اس طرف پختہ نالیاں تھیں، انسانوں کی آمدورفت کے لئے نالیوں پر پل بنادیا گیا تھا، یہی وجہ تسمیہ ہے، تقریباً چار جریب تک پختہ دورویہ دوکانیں تھیں، آج بھی متعدد دوکانات سالم ہیں اور بیشتر منہدم ہوچکی ہیں ۔۔

(۴) اتوارہ بازار، چھوٹا بازار تھا، اب ویران ہے، چند دکانات جو سالم ہیں، اُنمیں لوگ سکونت گزیں ہیں، سرونج کی ترقی کے زمانہ میں ہر دروازہ کے اندر ایک ایک دن ہاٹ بھرا کرتی تھی، اس طرف اتوار کا دن ہاٹ کے لیئے مخصوص تھا، اس لئے اتوارا بازار آجتک اُس قدیم جگہ اور اُس کے اطراف کی آبادی کو کہتے ہیں ۔۔

(۵) کہارا بازار، محلہ بھی اسی نام سے مشہور ہے، کہاروں کے مکانات اس طرف زیادہ تھے، ڈولیاں عموماً باہر رکھی جاتی تھیں، ضرورتمند اصحاب کہاروں کو مع ڈولی کے لیجاتے، یہی وجہ تسمیہ کہی گئی ہے،

(۶) آستانہ بازار، کہارا بازار کا جنوبی سرا اس بازار کے شمالی سرے سے ملگیا ہے، چند پختہ و خام دکانات اب بھی قائم ہیں، بیشتر حصہ ویران ہوچکا ہے ،

(۷) غلہ کی منڈی خواجہ سید عبدالہادی مرحوم بانیِ محلہ حاجی پورہ کی قائم کی ہوئی غلہ کی منڈی تھی، جسکا پختہ دروازہ اب تک قائم ہے، باقی دوکانات کا حصہ میدان ہے ۔

آبادی بازار

(۱) گزری بازار، ایوانِ نظامت کی شمال کی طرف ۹۰ گز طول میں ہے جسکے دونوں طرف پختہ دوکانات غلہ فروشوں، حلوائیوں، پنساریوں، عطاروں کی ہیں اور لب سڑک سبزی فروشوں کی نشست ہے، ڈاکخانہ[۱] کے قریب اس بازار کا شمالی کنارہ ختم ہوجاتا ہے، اسکے آگے

---

[۱] اسوقت ڈاکخانہ کپتان سعادت علی خاں کی مشہور حویلی میں ہے جو ساہوان رتلام کے قبضہ میں ہے - ۱۲ مؤلف

تقریباً ۱۰ گز تک دورویہ چار چار، اور پانچ پانچ منزلوں کے پختہ مکانات ساہوان رتلام، ساہوان اجمیر اور دیگر مقامی مہاجنوں کے واقع ہیں، جنکے آگے سڑک کی طرف برآمدے بھی نکلے ہوئے ہیں، ایوانات کی خوبصورتی نہایت درجہ دیدہ زیب ہے اور عمارات عموماً دلکش، وسیع اور بلند ہیں جن پر سیاحوں کو بنارس اور کانپور کی سر بفلک عمارات کا دہوکہ ہوتا ہے ۔۔

(۲) بڑا بازار، جامع مسجد کے گوشہ تک ایوانات متذکرہ کا سلسلہ تعمیر ختم ہوکر بڑے بازار کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جو ۱۹۵ گز ۵۹۵ فٹ طول میں حلوائی خانہ تک جانب شمال چلا گیا ہے، دورویہ بلند کرسیوں پر پختہ دکانات ہیں، غربی لائن کا پہلا حصہ ۱۸ اور شرقی لائن کا پہلا حصہ ۲۷ دکانات پر دونوں جانب کوچہ ہائے آبادی کے دروازوں کے حائل ہوجانے کی وجہ سے مختتم ہوگیا ہے، اس حصہ میں دونوں جانب بیشتر بزازوں کی دکانات ہیں، درمیان میں کہیں کہیں خیاطوں کی نشست ہے، دوسرا حصہ اسی خط پر پھر شروع ہوا ہے جسکی شرقی لائن کی دکانات ۳۶۔ اور غربی لائن کی ۳۰ ہیں، غربی لائن میں عموماً ساہوکار بیٹھتے ہیں، اور ان دکانات کے نیچے تہ خانوں میں صرافوں کی نشست ہے، شرقی دکانات اور ان کے تہ خانوں میں عموماً بوہرہ قوم بیٹھتی ہے، جن کے یہاں لوہے اور منہاری کا سامان فروخت ہوتا ہے ۔۔

دکانوں کے درمیان ۲۰ فٹ عریض پختہ سڑک ہے، سڑک کے کنارے پختہ نالیاں پانی کے بہاؤ کے لئے ہیں اور نالیوں سے متصل ۸ فٹ عریض پختہ فرش ہے، فرش کے کنارے سے دکانات کی سیڑھیوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، سطح زمین کے نشیب و فراز کے لحاظ سے کہیں ۳ اور کہیں ۴ سیڑھیاں ہیں، کل ۸ فٹ کی کرسی ہے، سیڑھیوں کا جہاں سرا ختم ہوتا ہے، وہاں پتھر کے مثمن ستون کہیں ۳۔ اور کہیں ۵ (فٹ کے درمیانی فاصلہ سے ایک خط میں قائم کئے گئے ہیں، ستونوں کے متصل ایک فٹ جگہ خریداروں کی آمد و رفت کے لئے چھوڑکر ۶ انچہ کی کرسی پر ۸ فٹ عریض پختہ فرش ہے جس پر دکاندار بیٹھتے اور اس پر سامان رکھتے ہیں، اسی طرح سے کل ۹ فٹ کا عریض کھلا ہوا پیش دالان ہے، دالان کے بعد کہیں اکہرے اور کہیں دوہرے کوٹھے، کواڑ دار

ساتھ قائم ہیں، مال انہی کوٹھوں کے اندر محفوظ رہتا ہے، کوٹھوں کے دروازوں پر عموماً سرخ کپڑے کا پردہ پڑا رہتا ہے، جس سے دو فائدے ہیں، ایک یہ کہ گرد و غبار سے مال کی گونہ حفاظت رہتی ہے دوسرے یہ کہ دُکانداروں کا بھرم قائم رہتا ہے یعنی مال موجود نہ ہونے کی حالت میں بھی لوگ خیال کرتے ہیں کہ کوٹھے میں مال ہے، بہرحال پردوں کی آویزش پسندیدہ ترکیب ہے، دُکانات مسقف اور نہایت مستحکم بنی ہوئی ہیں،

۸ فٹ کی بلند کرسی دینے سے تہ خانوں کی گنجائش نکل آئی ہے، ان تہ خانوں میں متفرق دُکاندار بیٹھتے ہیں، گنجائش کے علاوہ مرتفع کرسی سے بازار کی شان نکل آئی ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ کسی بڑے شہر کا بازار ہے دُکانات کی چھتوں پر غیر مسلسل طور سے کہیں ایک منزلہ کسی جگہ دو منزلہ پختہ بنگلے بنے ہوئے تھے، جنمیں لوگوں کی مستقل سکونت تھی، اب بیشتر بنگلے منہدم ہو چکے ہیں۔

مالوہ میں اس شان و طرز کا بازار دوسری جگہ نہیں ہے،،

بازار کے درمیان جہاں کوچے آگئے ہیں، وہاں پختہ دروازے بھی قائم کر دیئے گئے ہیں، کسی زمانہ میں کواڑ لگے ہوئے تھے، اب نہیں ہیں، گذشتہ دور میں شہر کے ہر دروازہ میں باری باری سے ایک ایک دن ہاٹ (بازار) بھرا کرتی تھی، اب صرف جمعہ کے دن بڑے بازار کی سڑک پر ہاٹ بھرتی ہے جسمیں چار چھ کوس کے دیہاتی کاشتکار نیز اُن کی عورتیں سودہ لینے کی غرض سے سیکڑوں کی تعداد میں آتی رہتی ہیں، جنکی کثرت و اژدحام سے بازار میں گذرنا دشوار ہوتا ہے، جمعہ کے دن پہلے سلسلہ دروازہ کے باہر لبِ تالاب ہاٹ بھرا کرتی تھی، مولوی خیر الدین عامل[1] کے زمانہ میں وہاں سے منتقل ہو کر یہاں قائم ہوئی،

(۳) ٹھٹیرا بازار، بڑے بازار کے آخری حصہ شمالی سے اس بازار کا آغاز ہے، دورویہ پختہ ۴۲ دُکانات ہیں، بڑے بازار کی طرح دوکانوں میں ستون نہیں ہیں، مسی برنجی، پھول، کانسہ، کے برتن یہاں بنتے اور فروخت ہوتے ہیں،،

---

[1] ہاٹ کی منتقلی کا زمانہ ۷۷-۱۲۷۶ھ ہے ۱۲ شوکت

(۴) حلوائی خانہ، شمالاً و جنوباً ۶ فٹ کی مرتفع کرسی پر دکانات ہیں جنمیں سیڑھیاں نہیں ہیں، ۱۰ فٹ عریض درمیان میں راستہ ہے، جس پر سیاہ پتھر کا فرش دور تک چلا گیا ہے، جنوبی سمت حلوائیوں کی نشست ہے اور شمال جانب کھٹائی کی دوکانات ہیں، کل دکانوں کی تعداد ۴۳ ہے "

(۵) کھٹائی بازار، شرقاً اور غرباً دکانات ہیں، جنکا سلسلہ ۰۰ اگز تک چلا گیا ہے، درمیان میں سناروں اور متفرق کاریگروں کی بھی دکانیں ہیں، معمولی کرسی ہے، اس بازار کا شمالی سرا پل بازار سے مل گیا ہے "

بازار کا سنِ تعمیر

موجودہ بازار کے متعلق یہاں عام طور پر مشہور رہے کہ شہنشاہ نورالدین جہانگیر نے اُس وقت اسکو تعمیر کرایا ہے جبکہ وہ سرونج ہو کر دکن کی مہم پر گیا ہے، گزیٹیر میں بھی یہی لکھا ہے، ممکن ہے گزیٹیر کے اندراج کے اعتبار پر اسکی شہرت ہو، یا شہرت کی بنا پر گزیٹیر میں لکھا گیا ہو، کیونکہ بعض زبانی روایتیں بھی واقعیت کا پہلو لئے ہوئے ہوتی ہیں، لیکن گزیٹیر میں روایت کے ماخذ کا حوالہ نہ ہونے سے اسکے قبول کرنے میں تامل ہے "

اس کتاب کا مؤلف اپنے اصولِ تحقیق اور تنقید کے دائرہ سے باہر جانا نہیں چاہتا، بیشک جلوس کے بارہویں سال ۱۰۲۵ھ ہجری میں شہنشاہ مذکور اپنے بیٹے شاہجہاں کو ساتھ لے کر دکن کی مہم پر گیا ہے، خود برہانپور میں مقیم رہا، اور شاہجہاں کو دکن روانہ کیا، آگرہ سے روانگی کے وقت اور برہانپور سے واپسی میں حدود مالوہ سے ضرور گذرا ہے، جس جس مقام پر خواہ وہ قریہ ہو یا شہر اوس نے قیام کیا ہے، یا سفر کی حالت میں جتنے جانور اُس نے شکار کئے ہیں یا جہاں جہاں کی سیر کی ہے یا جن لوگوں کو انعامات دیئے ہیں یا جن جن حکام کو اُس نے جہاں جہاں مامور کیا ہے یا جس عمارت کی اوس نے درستی اور مرمت کرائی ہے، اُن سب واقعات کو اُس نے اپنے قلم سے اعلیٰ انشا پردازی کے پیرایہ میں اس تفصیل کے ساتھ تزک جہانگیری میں درج کیا ہے کہ دوسرا واقعہ نگار یا مورخ جزئیات کی اتنی تفصیل درج نہیں کرسکتا تھا، لیکن تعجب ہے کہ سرونج جیسے مشہور اور

تجارتی شہر میں جہانگیر نے نہ اپنا آنا درج کیا ہے، نہ کسی بازار کی تعمیر کا حال لکھا ہے، نہ کسی دیگر تاریخی کتابوں میں یہ واقعہ درج ہے، نہ فرامین شاہی میں اسکا تذکرہ ہے، بازار جس شان اور جس اعلیٰ پیمانہ پر تعمیر ہوا ہے، اگر نور الدین جہانگیر کو اس سے نسبت ہوتی تو یقیناً اسکی شہرت پسند طبیعت اور اس کے جادو نگار قلم سے نظر انداز نہ ہوتا، جہانگیر کے دور سے ۲۶ سال قبل علامہ فیضی ۹۹۹ھ میں سرونج سے گذرا ہے، وہ سرونج کی شہرت پر اپنی رائے ان الفاظ میں ظاہر کرتا ہے کہ "شہر سرونج کہ حکم بندر دارد" اس جملہ کے نقل کرنے سے یہ مقصود ہے کہ ۲۶ سال دورۂ جہانگیری سے قبل سرونج تجارتی حیثیت سے مشہور شہر تھا، اور شہر کے لئے بازاروں کا وجود لازمی ہے جسمیں عام طور سے خرید و فروخت تجارتی مال کی ہوتی ہے، اس لئے سرونج کا بازار عہد جہانگیری سے پہلے کا قیاس کیا جاسکتا ہے، نہ بعد کا۔ یہاں یہ امر بھی قابلِ اظہار ہے کہ جس جگہ بازار واقع ہے یہاں نالہ تھا جسکی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ دوکانوں کی چھتوں کے برابر دونوں پہلوؤں کی آبادی کی جو زمین ہے سطح بازار اوس سے ۲۰ فٹ نشیب میں ہے، نیز بازار کے کنارے پیپل اور نیب کے چند قدیم درخت آج بھی قائم ہیں، جیساکہ ندی نالوں کے کنارے اکثر ہوتے ہیں، اور وہ نالہ پیلی کھدان سے نکلکر مدار کی ڈھال کے قریب ندی میں مل گیا تھا،

کوتوالی شہر میں پہلے دو کوتوالیاں تھیں، ایک محلہ حاجی پورہ میں، زمانہ گذرا کہ یہاں کی کوتوالی اٹھ چکی ہے، جب کوتوالی کا دفتر یہاں سے منتقل ہوا اُسوقت انگریزی ڈاکخانہ نے اُس جگہ قبضہ کیا جہاں اوسکا قبضہ ۱۹۰۸ء تک رہا، دوسرا مقام کوتوالی جامع مسجد سے متصل شاہ مجنوں شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے پہلو میں آج بھی قائم ہے،

چھپٹ کورہ کوتوالی سے ملا ہوا، ایک مکان ہے جسمیں بازار کے دن محکمۂ چنگی کا محرر دلیبی تھانوں پر چنگی کی مہر لگاکر محصول وصول کرتا ہے، پرانے کاغذات میں اس قسم کے حاصلات کا نام چھپٹ کورہ لکھا ہے۔

لے دربار اکبری مصنفہ شمس العلماء محمد حسین آزاد تذکرہ فیضی ۱۲۷

دارالضرب

چھیٹ کورہ کے سامنے غربی لائن میں مکان دارالضرب تھا ٹکسال بند ہوجانیکی وجہ سے اُسکی ضرورت باقی نہیں رہی اسلئے دوسروںنکے ہاتھ فروخت کردیا گیا، اسوقت گوپی لال سلاوٹ کے قبضہ میں ہے اس مکان میں ۱۸۹۲ء تک روپیہ اور پیسے مسکوک ہوتے رہے ہیں، دارالضرب کی دیوار میں، سڑک کے سامنے ایک مستطیل شکل کا پتھر وصل تھا، دیوار کے گرنے سے وہ پتھر مدتوں دارالضرب میں رکھا رہا نجشی، کپتان حافظ سید محمد خاں بہادر ظفر جنگ نے اپنے عہد نظامت ۱۸۹۵ء میں وہاں سے اُٹھواکر ایوان نظامت میں بحفاظت رکھوادیا ہے، جو ابتک وہاں محفوظ ہے، پتھر مذکور پر ایک کتبہ ہے جس پر فرمان جہانگیری نقش ہے، جسکے ذریعہ سے اعلان کیا گیا ہے کہ محصول جنگی معاف کیا گیا، خلاف ورزی کی صورت میں لوگ قابل تعزیر سمجھے جائینگے، آج کتبہ کے حروف کی شکلیں اکثر مسخ ہوگئی ہیں، اسی مضمون کا ایک پتھر موضع بھونریا علاقہ سرونج میں بھی قائم ہے، وہ ذرا زیادہ صاف ہے اُسکی مدد سے جو کچھ پڑھنے میں آیا اُسکی نقل ذیل میں درج کیجاتی ہے

فرمان ابوالمظفر نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی

حکام حال واستقبال وجاگیرداران وکروریان وراہداران وگذربانان قصبہ سرونج بدانند، چوں عدالت پیرائے پیرفاہ مال کافہ عباداللہ مصروفست خصوصاً زکوۃ درکل ممالک محروسہ معاف وجمیع ابواب مطالبہ آنرا مسدود ساختہ ام اگر کسے بعد ازیں نام زکوۃ بر زبان آرد بعذاب ہائے گوناگوں گرفتار گردد، واگر کسے بعد ازیں نام زکوۃ خلاف حکم لے علے خواہد شود بغضب بادشاہی ومورد غضب الٰہی،

تحریر بتاریخ ۲۲ شوال ۱۰۱۴ھ

جہاں جہاں بیاض سادہ چھوڑ دی گئی ہے، وہاں کے حروف پڑھنے میں نہیں آئے کتبہ کے مضمون کو تاریخ سے مطابق کرنیکے بعد معلوم ہوا کہ شہنشاہ جہانگیر نے اپنے پہلے سال جلوس ۱۰۱۴ھ میں

لہ تزک جہانگیری جلوس اول ۱۲

جو بارہ احکام جاری کئے تھے جسمیں زنجیر عدل طلائی بھی داخل ہے، منجملہ اُن کے دوسرا حکم محصول زکوٰۃ کے عام معافی کا تھا، اس حکم کا اعلان نقوش مرئیہ کے ذریعہ سے تمام ممالک محروسہ میں کیا گیا، وہی حکم امتناعی اس پتھر پر نقش ہے، اسی مضمون کا ایک سنگی کتبہ موضع بھونڑیا[1] پرگنہ سرونج میں بھی نصب ہے اور یہ گاؤں بھی گذشتہ زمانہ میں مہاجنی اور تجارتی آبادی کا مشہور مقام تھا، اور تیسرا پتھر اسی مضمون کا موضع روسلی ہاٹ[2] میں بھی نظر سے گذرا ہے،

سرا

قصبہ کے اندر دو سرائے اور ایک دہرم شالہ ہیں، اور ایک ویران سرائے شہر سے باہر۔

(۱) سرائے خام شاہی سرائے مشہور ہے جو دہلی دروازہ کے اندر وسیع رقبہ میں واقع ہے، اب اس سرائے میں اکثر تیلیوں اور کمتر دیگر اقوام کے سکونتی مکانات ہیں،

(۲) سرائے پختہ محلہ حاجی پور میں واقع ہے جسکے بانی خواجہ سید عبد الہادی مرحوم ہیں، ۱۲۱ گز مربع میں ہے، اس عمارت کے اندر چاہ بھی ہے، شمالی اور جنوبی دروازے ہیں، جنوبی دروازہ کے باہر ایک مسجد اور اُسکے متصل چاہ و حمام کے افتادہ آثار موجود ہیں،

(۳) اسی پختہ سرائے کے قریب دہرم شالہ پختہ ہے، آجکل اسمیں اکثر مسافر قیام کرتے ہیں،

(۴) آبادی شہر سے باہر شمال میں شاہ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ ..... کے مزار کے متصل ملپور نام کا ایک پورہ غیر آباد ہے، جسکا فاصلہ دہلی دروازہ سے ایک میل ہے، یہاں بھی ایک سرائے تھی جسکے آثار پائے جاتے ہیں، متعدد پختہ قبریں بھی ہیں، لالہ پرتاپ چندجی قانونگو اور دیگر راویوں نے بیان کیا ہے کہ دربار شاہی سے یہاں سرائے اس لئے تعمیر کرائی گئی تھی کہ اطراف دہلی کے مسافر وارد ہو جاتے اور دروازہ شہر پناہ مقفل ہو جانے کے سبب سے آبادی کے اندر داخل نہ ہو سکیں تو اس سرائے میں آرام پذیر رہیں،

یہ روایت قرین قیاس ہے، اس لئے کہ قرائین اور دیگر کا قدامت قدیم کے دیکھنے سے واضح ہے

---

[1] سرونج سے گوشۂ شمال مغرب میں ۸ میل کے فاصلہ سے ایک وسیع الرقبہ گاؤں ہے ۱۲

[2] سرونج سے مغرب میں ۱۲ میل کے فاصلہ سے بڑا گاؤں ہے جسمیں ہاٹ بھرتی ہے - ۱۲ مؤلف

کہ بڑے بڑے ملکی عہدہ دار شاہی، مثل وقائع نگار، سوانح نگار، مہتمان خیام شاہی، عملہ و صوبۂ فوجی افسران وغیرہ دکن جاتے ہوئے سرونج سے گذرتے رہے ہیں، اور یہ عام قاعدہ مرعی تھا، اور اب بھی جگہ جگہ ہے کہ ایک پہر رات گذر جانے پر شہر پناہ کے دروازے مقفل ہو جاتے ہیں، اور بلا شدید سرکاری ضرورتوں کے رات کو کھولے نہیں جاتے[1]

عام قلعوں، اور حصار بند شہروں کا یہی دستور ہے،،

ملپور کے نام اور اسکی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس جگہ مل یعنی نٹ قوم آباد تھی، لیکن اسکی کوئی سند نہیں ہے، اور بعض مالپورہ بیان کرتے ہیں، مؤلف کی رائے میں صحیح نام ملک پور ہے، اسلئے کہ یہاں قانون گویان کی آراضی ملک واقع ہے،

ملک اس اراضی کو کہتے ہیں جو خرید کردہ ہو، کثرت استعمال سے ملِ پور، اور مِل پور سے مُل پور ہوگیا، مُل کنواں اسی رقبہ میں ہے، جسکا پانی شہر کے تمام چاہات سے افضل مانا جاتا ہے،

مساجد آبادی کے اندر اور باہر مساجد بکثرت ہیں، جنمیں سے اکثر شہید ہو چکی ہیں ہر ایک محلہ میں متعدد مساجد تھیں، جنکے نشانات نظر آتے ہیں، مساجد کا شمار مشکل کام ہے، اسلئے کہ بہت سی مسجدوں کے آج آثار بھی باقی نہیں ہیں، تلاش کے سلسلہ میں ایک درویش نظام الدین شاہ کی یہاں ایک فرمان مع فہرست مساجد مؤلف کو ملا ہے، یہ فرمان[2] شاہ فرخ سیر کے عہد کا ہے جس پر تاریخ ۱۵ رجب ۶ جلوس درج ہے، ۶ جلوس کی مطابقت ۱۱۲۹ھ ہجری سے ہوتی ہے

---

[1] آئین اکبری میں کوتوال کے جو فرائض درج ہیں، اس میں یہ بھی ایک فرض درج ہے کہ رات کو حصار قلعہ اور شہر پناہ کے دروازے بند رکھے جائیں ۔ ۱۲

[2] فرمان مہری ابوالقاسم فدوی فرخ سیر بادشاہ غازی ۔ گماشتہ ہائے متصدیان سایر پرگنہ سرونج سرکار چندیری مضاف صوبۂ مالوہ بدانند بموجب اسناد پیشین و پروانہ بمہر نواب قطب الملک یمین الدولہ مرقوم ہفتم شہر ربیع الاول ۳ جلوس مبارک یکصد و شانزدہ تنکہ عالمگیری از محصول سائر پرگنہ مذکور در وجہ مدد معاش محمد سمیع وغیرہ خادمان مساجد پرگنہ مزبور حسب الضمن مقرر است، باید کہ یومیہ حیاتہ مسطور را از تحویل فوط دار بدستور سابق بآنہا میرسانیدہ باشند

(بقیہ صفحہ ۱۲۵ پر)

جسکو آجتک ۲۱۵ سال کا زمانہ ہوا، اس شاہی فہرست سے سرونج میں چھوٹی بڑی ۱۵ جامع مسجد

کہ آنرا صرف معیشت خود ہا نمودہ بدعائے، القائے دولت ابد مدت استعمال و مواظبت بینمودہ باشند و اگر در محل دیگر

چیزے داشتہ باشند آنرا اعتبار نکنند دریں باب تاکید اکید شناسند فی التاریخ پانزدہم رجب المرجب سنہ ۶ جلوس والا قلمی شد

(پشت فرمان پر مساجد و مصارف کی اس طرح تفصیل درج ہے)

مساجد کلاں جامع

۱ — بناکردہ قاضی ابوالخیر باسم نادر الزمان — امام خطیب ۳۷ دام چاردہ کش مؤذن

۲ — بناکردہ خضر دلال باسم کریم اللہ — امام خطیب ۳۷ دام چاردہ کش مؤذن

۳ — بناکردہ شاہ عبد الغنی باسم شیخ محمد فاضل — امام خطیب ۳۷ دام چاردہ کش مؤذن

۴ — بناکردہ بادشاہی باسم شیخ محمد وغیرہ — امام خطیب ۳۷ دام چاردہ کش مؤذن

۵ — بناکردہ محمد رضا باسم شکر اللہ — امام خطیب ۳۷ دام چاردہ کش مؤذن

۶ — بناکردہ شیخ محمد صالح باسم فیض اللہ — امام خطیب ۳۷ دام چاردہ کش مؤذن

۷ — بناکردہ کریم اللہ باسم جعفر وغیرہ — امام خطیب ۳۷ دام چاردہ کش مؤذن

مساجد جامع خورد

۸ — بناکردہ شیخ تھا باسم محمد وغیرہ — ۳۴ دام

۹ — بناکردہ بہادر چیلہ باسم خلیل وغیرہ — ۳۴ دام

۱۰ — بناکردہ امان اللہ زرگر باسم عبد الحکیم — ۳۴ دام

۱۱ — بناکردہ حاجی پسر محمد باسم قاسم بیگ — ۳۴ دام

۱۲ — بناکردہ کمانگران باسم امیر — ۳۴ دام

۱۳ — بناکردہ خواجہ میر باسم محمد سمیع وغیرہ — ۳۴ دام

۱۴ — بناکردہ سید یار محمد باسم خیر بیگ — ۳۴ دام

۱۵ — بناکردہ ہر بلاس زرگر باسم امین الدین — ۳۴ دام

غیر جامع

بناکردہ عبد الغفار — ۱۵ دام

بناکردہ چیلہ باسم شیخ حافظ وغیرہ — ۱۵ دام

بناکردہ زین العابدین — ۱۵ دام

بناکردہ شاہ محمد باسم عنایت اللہ — ۱۵ دام

ٹنکہ کی علامت ایک ٹکے کی اور یہ علامت دو ٹکوں کی ہے ایک ٹکے میں ۵۰ گنڈے خرچیوں کے ملتے تھے اس حساب سے پیسے کے ۱۲ دام اور چھدام کے ۲ دام ہوئے اور ۳۱ دام کے چھدام کم ایک ٹکہ ہوا ۱۲

اور غیر جامع ۴۰ مساجد جملہ ۴۳ مسجدوں کا وجود ثابت ہوتا ہے اور یہ وہ مساجد ہیں جنہیں امام، خطیب، مؤذن، جاروبکش، مامور تھے، اور جن کو یومیہ خزانہ سرونج سے وظیفے ملا کرتے تھے۔

٥ بناکردہ محمد درویش باسم عبدالعزیز — سلہ ١٨٠ دام	٦ بناکردہ شاہ فخرالدین باسم الٰہ بخش — سلہ ١٨٠ دام	٧ بناکردہ حمید لودیا باقی — سلہ ١٨٠ دام	٨ بناکردہ عادل باسم رسول خاں — سلہ ١٨٠ دام
٩ بناکردہ محبت باسم شیخ قاسم — سلہ ١٨٠ دام	١٠ بناکردہ خضر باسم شیخ نور محمد — سلہ ١٨٠ دام	١١ بناکردہ فتح محمد باسم شیخ کمال — سلہ ١٨٠ دام	١٢ بناکردہ دائم لوہیرہ باسم فتح بیگ — سلہ ١٨٠ دام
١٣ بناکردہ چمپا باسم عبدالواحد — سلہ ١٨٠ دام	١٤ بناکردہ اللہ بخش باسم امان اللہ — سلہ ١٨٠ دام	١٥ بناکردہ بابو شنکر باسم شیخ محمد فاضل — سلہ ١٨٠ دام	١٦ بناکردہ عبدالواحد باسم زاہد بیگ — سلہ ١٨٠ دام
١٧ بناکردہ شیخ بدھو باسم ابوبکر — سلہ ١٨٠ دام	١٨ بناکردہ امان اللہ باسم شیخ محمد علی — سلہ ١٨٠ دام	١٩ بناکردہ چاند لوہیرہ باسم شیخ محمد — سلہ ١٨٠ دام	٢٠ بناکردہ عادل خاں باسم سید حسن — سالانہ ١٨٠ دام
٢١ بناکردہ قاضی ابوالخیر باسم رحمت اللہ — سلہ ١٨٠ دام	٢٢ بناکردہ درویش باسم خان محمد — سلہ ١٨٠ دام	٢٣ بناکردہ خضر باسم شیخ محمد — سالانہ ٢٥ دام	٢٤ بناکردہ اداہو کلاں باسم کمال بیگ — سلہ ١٨٠ دام
٢٥ بناکردہ بہاری کندی گر باسم فیض اللہ — سلہ ١٨٠ دام	٢٦ بناکردہ گورن مروہہ — سلہ ١٨٠ دام	٢٧ بناکردہ بولا صقلیگر باسم محمد فاضل — سلہ ١٨٠ دام	٢٨ بناکردہ جانی نومسلم باسم سید فاضل — سلہ ١٨٠ دام
٢٩ بناکردہ الہداد نداف باسم شیر بیگ — سلہ ١٨٠ دام	٣٠ بناکردہ مہارانی باسم ولی بیگ — سلہ ١٨٠ دام	٣١ بناکردہ موہن نومسلم باسم نذیرالدین — سلہ ١٨٠ دام	٣٢ بناکردہ جلال — سالانہ ٢٥ دام
٣٣ بناکردہ علی رضا باسم بایزید — سلہ ١٨٠ دام	٣٤ بناکردہ باسم فصیح بیگ — سلہ ١٩٠ دام	٣٥ بناکردہ خدا بخش باسم زاہد — سلہ ١٨٠ دام	٣٦ بناکردہ فضل اللہ باسم ابراہیم — سلہ ١٢٠ دام
٣٧ بناکردہ اخلاص چیلہ باسم شیخ عزیز اللہ — سلہ ١٨٠ دام	٣٨ بناکردہ حاجی محمد درویش — سلہ ١٨٠ دام	٣٩ بناکردہ بادفروش باسم لعل بیگ — مالـ	٤٠ بناکردہ حسین باسم حامد — سالانہ ١٨٠ دام
٤١ بناکردہ شیخ فرید باسم قطب الدین — سلہ ١٨٠ دام	٤٢ بناکردہ چھبیہ باسم چھچو بیگ — سلہ ١٨٠ دام	٤٣ بناکردہ عمر دلال باسم حامد — سلہ ١٨٠ دام	٤٤ بناکردہ کریم داد باسم شہاب الدین — سلہ ١٨٠ دام

شاہ فرخ سیر کے عہد کے بعد جو مساجد تعمیر ہوئیں، جن کا وجود اس وقت بھی ہے، وہ ۶۳ مساجد مندرجہ شاہی فہرست کے علاوہ ہیں،

(۱۵) جامع مساجد مندرجہ میں سے ذیل کی چار مساجد اس وقت تک قائم ہیں۔ بناکردہ خواجہ محمد صالح محلہ رکاب گنج۔ بناکردہ امان اللہ رنگریز محلہ دریبان، بناکردہ کمانگران محلہ گدڑی بازار۔ بناکردہ خضر دلال واقع بڑا بازار، باقیوں کا پتہ نہیں چلا، کہ وہ کون سی ہیں یا کہاں تھیں۔

جمعہ کی نماز اب صرف خضر دلال کی مسجد میں ادا ہوتی ہے جو بڑے بازار میں ہے، اس وقت آباد اور غیر آباد مساجد کی تعداد شہر میں ۹۵ ہے ان میں سے ۴۹ مساجد سالم ہیں،،

سالم مساجد میں سے ۲۷ آباد ہیں جنہیں پنجگانہ نماز ادا ہوتی ہے، ان ۲۷ میں سے ...... ۱۹ مساجد کا صرفہ مؤذن وغیرہ کا ریاست کے ذمہ میں ہے باقی ۸ مساجد کا صرفہ محلے کے مسلمان برداشت کرتے ہیں، سرونج کے عروج کے زمانہ میں (۲۰۰) مساجد سے کم نہ رہی ہوں گی،

قلندری مساجد کی تعداد اُن مساجد کے علاوہ ہے جو شہر کے اندر اور باہر بکثرت ہیں اس قسم کی مساجد ہزار بارہ سو سے کم نہ ہونگی، قلندری مساجد ادائے نماز کے لئے تعمیر نہیں ہوئیں، بلکہ محض صحنِ مسجد میں مُردوں کو دفن کرنے کی غرض سے بنائی گئی تھیں، اگلے مسلمانوں میں یہ اعتقاد رائج تھا کہ مسجد کی زمین جنت میں اُٹھائی جائیگی، اس لئے اُنہوں نے قلندری مساجد کثرت سے تعمیر کراکے مُردوں کو صحنِ مسجد میں دفنانا شروع کر دیا تھا، کہ مُردے بھی طفیلِ مسجد کے ساتھ سیدھے جنت الفردوس میں داخل ہو جائیں، ان بزرگوں کو اعمالِ صالحات کی چنداں فکر نہ تھی نہ شاید پرسشِ اعمال کا خوف تھا، یہی وجہ ہے کہ شہر کے اندر کم اور باہر چاروں طرف قلندری مساجد

بناکردہ حاجی محمد باسم امان اللہ، سنہ ۱۰۱۸ دام — بناکردہ محمد رمضان باسم عبدالرحمٰن، سنہ ۱۰۱۸ دام — بناکردہ جمالان باسم شیخ احمد، سنہ ۱۰۱۸ دام — بناکردہ حسن اللہ باسم حکیم اللہ، سنہ ۱۰۱۲ دام — محلہ عالمگیری، ۲۵ دام

سلہ گزیٹیر میں ۱۱۸ مساجد قصبہ کی تعداد درج ہے جو ۱۸۸۶ء کی ہے ۲۳ مساجد حال کے شمار میں کم ہیں جنکے آج نشانات بھی نہیں ہیں

(نوٹ) ۱۰۱ ۱/۲ ٹکوں کے فی روپیہ ۱۶ ٹکوں کے حساب سے ۴۸ روپیہ ۱۲ ٹکے ایک پیسہ ہوئے ۱۲ مؤلف

اور مسجدوں میں قبریں پختہ اور خام تعویذ وں کی بکثرت نظر آتی ہیں گر بزرگوں کا قول ہے، شعر

اگر گور خواہی منور چو روز ۔۔۔ از ینجا چراغِ عمل برفروز

سیر المتاخرین مطبوعہ نول کشور پریس صفحہ ۳۲ تذکرہ مالوہ میں درج ہے کہ چندیری میں ۱۴۳۰ بازار ۷۰۰ سرائے، ۱۴ ہزار مکانات سنگین، ۱۲ ہزار مساجد تھیں،، بظاہر مساجد کی تعداد مبالغہ سے خالی معلوم نہیں ہوتی، لیکن مؤلف کا قیاس ہے کہ اس تعداد میں قلندری مساجد بھی شامل ہیں اور چونکہ چندیری اپنی ترقی کے زمانہ میں بہت بڑا شہر تھا جسمیں مسلمانوں کی آبادی زیادہ تھی ایسی صورت میں ۱۲ ہزار کی تعداد خلاف قیاس نہیں ہوسکتی،،

منادر شہر کے اندر اور باہر ۲۸ [1] منادر مختلف الاقوام ہنود کے آج موجود ہیں جنمیں زیادہ تعداد مندروں کی آباد ہے، اور بہت کم ویران اور غیر آباد ہیں جنکی عمارتیں وسیع اور مستحکم ہیں،،

دار الحکومت جسکو عرف میں سرکاری کوٹ کہتے ہیں ۵ للعہ بیگہ رقبہ کے اندر واقع اور فصیل سے محیط ہے، اس احاطہ کے اندر چاہ، لداؤ کے مکانات، باؤلی، مسجد، حمام، اور باغیچہ قدیم عمارات ہیں، جدید تعمیرات اسی احاطہ کے اندر علاوہ ہیں، جنکی تفصیل آثار قدیمہ کے عنوان میں آگے آتی ہے،،

عام عمارات قدیم عام عمارات اکثر پتھر اور چونے کی، کمتر اینٹ اور چونے کی دو منزلہ سے لےکر چار، اور پانچ منزلوں کی بلند ہیں، سکونتی مکانات کے صدر دروازوں کے اوپر دوسری منزل پر بیشتر خوشنما برآمدے بنے ہوئے ہیں، اکثر مکانات میں چوکھٹ اور بازو بھی پتھر کے تراشے ہوئے وصل ہیں،

سیاہ پتھروں کی تراش اور انکی صفائی، پھر انکا ایک دوسرے سے وصل اس عمدہ صنعت سے کیا گیا ہے کہ درمیان میں چونہ کی تہ معلوم نہیں ہوتی، خاص خاص عمارات میں جو

---

[1] گزیٹیر میں منادر کی تعداد ۲۴ درج ہے، ۱۲ منادر کا اضافہ ہوگیا ہے ۱۲

سیاہ پتھر مُصَفّا وصل ہیں۔ اُن پر سنگِ موسیٰ کا دہوکہ ہوتا ہے،،

سرونج علاقہ میں سرخ پتھر کی کان نہیں ہے، لیکن بانیانِ ایوانات کے تموّل اور شوق کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ پرگنہ اودے پور علاقہ گوالیار، اور ریاست پٹھاری کی کانوں سے جو سرونج سے ۴۰ = ۵۴ میل کے فاصلہ سے ہیں، سُرخ پتھر کے شہتیر، پیٹے، سلیں، اور مختلف سنگین قطعات منگا کر عمارات میں لگائے گئے ہیں،،

گذشتہ زمانہ کے محدود وسائلِ باربرداری، پہاڑوں کے ناہموار اور دشوار گذار راستے نالوں اور ندیوں کا درمیان میں حائل ہونا، اور دیگر عام مشکلات پر نظر کرکے اس قدر بعید مسافت سے پتھروں کا لانا عین تموّل اور شوق کی دلیل ہے "خام عمارات کا قدیم زمانہ میں یہاں پتہ نہ تھا، یوں تو ہر ایک حویلی بجائے خود وسیع اور سنگین ہے، لیکن رائے جی کی حویلی، کالا محل، ناتھو للّا کا محل، ہتھیا پول محل۔ نئی حویلی، گھاسی رام بوہرہ کی حویلی، تین گھاٹ کی باؤلی، سنگھی حویلی۔ وہ مشہور وسیع اور عالیشان عمارات ہیں، کہ جنکی شگفتگی، ارتفاع، وسعت اور نقش ونگار وغیرہ کی صنعتیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے،،

شہر پناہ کے باہر کی آبادی کی تفصیل

جب سرونج کی ترقی پذیر آبادی کے لئے اندرون شہر پناہ کا موجودہ رقبہ کافی نہ ہوسکا تو دروازوں کے باہر چاروں طرف قطعات اراضی میں آبادی شروع ہوئی، متعدد پورے مختلف ناموں سے آباد ہوئے، عام پیشہ ور اور کاشتکاری پیشہ قومیں زیادہ رجوع ہوئیں، خام اور پختہ ہر قسم کے مکانات تعمیر ہوئے، بعض پورے کی آبادی نے اسقدر وسعت حاصل کی کہ بجائے خود ایک بڑے گانوں کے مقابلہ میں اُن کی آبادی پہنچ گئی،

اُن میں سے کچھ پورے ویران ہوچکے ہیں، اور کچھ آباد ہیں، موجودہ آباد پورے اور غیر آباد کے نام یہ ہیں،،

ویران پورے

مخدوم پورہ[1]، قصبہ کی آبادی سے مغرب میں الف دروازہ سے تقریباً نصف میل پر پرانی عیدگاہ سے شمال میں آباد تھا، جسکو حضرت شاہ اسدالدین بن حضرت شیخ محمد اشرف نبیرۂ قطب العالم امام الاولیا حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہم نے سنہ ۱۱۲۰[2] ھ میں آباد کیا تھا، جسکو آجتک ۲۴۲ سال کا زمانہ گذرا،

[1] پروانہ مہری خادم شرع محمد صادق سنہ ۱۱۳۲ھ بروے پروانہ جات مہری صدرالصدور سید امجد خاں و مہری وزارت پناہ معتمد خاں دیوان خجستہ اختر))

کل تکالیف دیوانی و مزاحمت حکامی و دستور چودھری و قانونگوئی و حاصل محال چھاپہ و محال چھیٹ کورہ و دیگر محصول کہ ابواب ممنوعہ بارگاہ خلائق پناہ است از سکنۂ پورہ مخدوم پور کہ آباد کردۂ رفقائے حقائق و معارف آگاہ شاہ اسعد الدین است، از ابتدائے آبادی معاف است، چنانچہ درہیچ عمل کسے مزاحم نشدہ، الا آغا محمد جعفر متاجر محال چھیٹ کورہ از راہ اشتباہ دریں باب چند روز گفتگو درمیان آوردہ بود، چون ایں ہمگی کیفیت برفعت و امانت پناہ رائے صاحب شنکر کہ فوجدار و امین و دارو غہ سائر پرگنہ سرونج اند واضح گشت آغائے موی الیہ از مزاحمت منع نمودہ، چھاپہ پورۂ مستور را مطابق معمول جاری نمودند و دلالان و بزازان قصبہ مذکور را امر فرمودہ آغائے مستور خاموش ماند چنانچہ تہا تہائے، پورہ مذکور در بازار قصبہ مستور بفروخت میرود و کس مانع و مزاحم نیست بنا براں اینچند کلمہ بطریق صورت حال قلمی شد کہ کس مزاحم نشود سنہ ۱۱۳۲ھ ۱۲

[2] سند مہری جہاں شاہ، ابن شاہ عالم سنہ ۱۱۲۰ھ متصدیان و مہمات حال و استقبال پرگنہ سرونج سرکار چندیری مضاف صوبہ مالوہ بدانندہ چو بظہور پیوست کہ حقائق و معارف آگاہ فضیلت و کمالات دستگاہ زبدۂ اصحاب دین قدوۂ ارباب یقین شاہ اسدالدین نبیرۂ قطب الاقطاب غوث العالم ہادی بنی آدم شیخ الاسلام (مخدوم شیخ بہاؤالدین زکریا عظمت کے خیال سے حضرت کا نام مہر کے برابر اوپر درج ہے) قدس اللہ تعالے سرہ العزیز در کنج انزوا منزوی شدہ و از خلق انقطاع گزیدہ، و ما نقاتا خود انتفاع علوم دینی و یقینی بہ طلبہ و متلمذین میرساند و درویشاں و مسکیناں و فقرا و غیرہا و مسافرین و متردوین کہ وارد می شوند ہمچو منشور با و ما حضر درویشانہ پیش می آرند، لیکن از ہیچ جا وجہے معین نیست، متوکل علی اللہ بسر می برد، لہذا بتصدق فرق مبارک بندگان ۴۲

آبادی کے نشانات موجود ہیں، ہر قسم کا محصول یہاں کے باشندوں کے حق میں معاف تھا،
آبادی کے متصل متعدد پختہ قبریں ہیں جو خود حضرت شاہ صاحب اور اُن کے رفقا کی معلوم ہوتی ہیں، چاہ بھی یہاں موجود ہے، اس نام سے یہاں کے لوگ واقف نہیں ہیں، پرانی عیدگاہ کے قریب ایک خانقاہ بھی بنوائی تھی جسکے مصارف کے لئے تین سو بیگہ اراضی دربار شاہی سے شاہ صاحب کو ملی تھی - گزیٹیر میں اسکا اندراج نہیں ہے، تحقیق نہ ہوسکا کہ یہ پورہ کب سے ویران ہے، آثار اب بھی نظر آتے ہیں -

(۲) دھرم پور، دھرم چند نامی برہمن نے آباد کیا تھا، آثار آبادی قصبہ کے جنوب میں، جو اہری ندی کے کنارے شہر سے ایک میل کے فاصلے پر ہیں، برہمن اور چھیپوں کی آبادی زیادہ تھی مسلمان بھی سکونت پذیر تھے جسکی تصدیق میں مسجد شہید شدہ اور چاہ کے نمایاں نشانات موجود ہیں، اس پورے کے کنوؤں کا پانی تھانوں کی رنگت پر شوخی پیدا کرنے میں بہت مشہور تھا، جس کی وجہ سے یہاں کے تھانوں کی فروخت اور اُن کی قدر زیادہ تھی،

سنہ آبادی تحقیق نہ ہوسکا، پورہ کے سواد میں چند پتھر ستیوں کے ہیں، ایک پتھر پر تصاویر کے نیچے ہندی میں کچھ لکھا ہوا ہے، جو پڑھنے میں نہیں آسکا، البتہ ۱۶۹۷ بکرمی صاف پڑھا جاتا ہے، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ اس سمت سے پہلے کی آبادی تھی جسکو ۲۸۶ سال سے زیادہ زمانہ گزرا ستی کا ایک دوسرا پتھر بھی ہے، جسکے حروف پڑھنے میں نہیں آتے،

(۳) گردھر پورہ، گزیٹیر کی روایت ہے کہ اسکو گردھر سنگھ راجپوت سنگار نے سمت ۱۱

---

۴ ص حضرت قدر قدرت سلیمان حشمت سکندر صولت خلیفۃ الرحمن بادشاہزادہ، موازی سی صد بیگہ زمین افتادہ خارج از جمع لائق زراعت از پرگنہ مذکور در وجہ مدد معاش خدمۂ خانقاہ حق جوئی و حق بین حق دان و حق شناس حق آگاہ مذکور مقرر نمودہ شد، باید کہ در محل بیک پیمودہ چک بستہ بہ تصرف آن بگزراند کہ محصول آنرا سال بسال فصل بفصل صرف یا محتاج خود نمودہ بفراغ خاطر بعبادت و تدریس علم منقولات بدعائے بقائے دولت ابد مقرون مواظبت نمودہ باشند دریں باب قدغن شناسند تاریخ غرۂ شہر محرم الحرام سنہ جلوس میمنت مانوس قلمی گشت ۱۲

ٹیکری میں آباد کیا تھا، مؤلف کو اس روایت کی تصدیق کسی دیگر ذرائع سے نہیں ہوئی، شہر سے گوشہ مغرب وجنوب میں ایک میل کے فاصلہ پر بلند سطح پر اسکی آبادی تھی، مدتوں سے ویران ہے مؤلف نے یہاں مسجد بھی دیکھی تھی، جسکے پتھر جامع مسجد میں اس وقت لگائے گئے ہیں، جبکہ مسجد مذکور کی توسیع[1] ہوئی تھی ،،

(۴) گاڑیبان پورہ، آبادی سے گوشہ شمال ومغرب میں حضرت مولا علی کے ٹیکری کے دامن میں آباد تھا، مختلف اقوام کی آبادی تھی، گاڑیوں کے کرایہ کا پیشہ یہاں کے باشندے اکثر کرتے رہے، یہی نام کی وجہ تسمیہ ہے، کنواں سالم اور دیگر آثار اب بھی موجود ہیں، آبادی کا سنہ معلوم نہ ہو سکا،

(۵) محمود پورہ، یہ پورہ دھرم پورے سے متصل ہے، کسی زمانہ میں آباد تھا، اب مدت سے ویران ہے، محمود خاں نامی کاشتکار نے آباد کیا تھا، آبادی کا سال تحقیق نہ ہو سکا، اتنا ضرور پتہ چلا کہ زراعت پیشہ گروہ کی یہاں زیادہ آبادی تھی ،،

(۶) سنگ پورہ، قاضی گھاٹ سے مغرب میں آباد تھا، اب صرف ایک باؤلی یادگار باقی ہے،

(۷) نور پور، مصطفی خانصاحب معافیدار کے باغ کے متصل آباد تھا،،

(۸) لکشی پور، جٹا شنکر پہاڑ کے دامن میں آباد تھا،

(۹) موچی بازار، نمک منڈی کے دروازہ کے باہر دروازہ سے ملی ہوئی مسلمان موچیوں کی دو رویہ دکانیں تھیں، اور اس جگہ اُن کے مکانات بھی تھے، آثار اب بھی نمایاں ہیں، بازار کو آباد دیکھنے والے شہر میں چند نفوس زندہ ہیں، بھوپال کی ترقی پذیر حالت دیکھکر سب لوگ یہاں سے نقل سکونت کر گئے ،،

آباد پورے

(۱) راتا پور، قصبہ کی آبادی سے گوشہ مغرب اور شمال میں ندی پار واقع ہے، حضرت مولا علی رضہ کی ٹیکری کے دامن سے شروع ہو کر مشرق میں

[1] جامع مسجد کی توسیع ۱۳۲۱ھ میں ہوئی ہے ۱۲ مؤلف

دور تک آبادی چلی گئی ہے گذشتہ زمانہ میں صرف ایک سو کایستوں کے مکانات تھے، دوسری قوموں کی آبادی کا بھی اسی پر اندازہ کر لینا چاہیئے، اب صرف ایک گھر کایستھ کا رہ گیا ہے باقی دیگر اقوام مثل کاچھی، چونگر، کھاتی، راؤ وغیرہ کے مکانات ہیں، صحیح طور پر اس پورہ کی ابتدائی آبادی کا سال معلوم نہ ہو سکا لیکن اسقدر ضرور پتہ چلتا ہے کہ قوم باد فروش (بھاٹ) کا آباد کیا ہوا محلہ ہے، اور غالباً عہد عالمگیری میں آباد ہوا ہے جسکی تائید بعض اسناد سے ہوتی ہے، باد فروش کے خاندان میں سے ایک شخص پنّالال نامی اس پورہ میں سکونت پذیر ہے۔ جسکے قبضہ میں شاہی عہد کی اراضی معافی بھی ہے، بڑی مہربانی اور متعدد سفارشوں سے اس نے اپنے قدیم کاغذات مؤلف کو دکھلائے، ڈیڑھ سو سے کم اُسکے پاس اسناد نہ ہوں گی، شہنشاہ عالمگیر کے عہد سے لیکر شاہ عالم ثانی تک کی اسناد نظر سے گذری ہیں، رانا بلرام، رانا چندر بھان، رانا ملیب، رانا بلاقی، رانا مکٹ رائے، رانا تلوک چند، رانا صلابت خاں، رانا مہابت خاں، نومسلموں وغیرہ کے نام کے فرامین ہیں، جنکے ذریعہ سے اُنکو اراضیات معافی، سائر سے روزینہ اور دیہات سے حقوق سالانہ دلائے گئے ہیں،

فرامین میں اُن کے ناموں کے ساتھ رانا لکھا ہوا ہے، لیکن فرامین کی عبارتوں سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی کہ دربار شاہی سے اُنکو رانا کا خطاب دیا گیا ہو، اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ قوم بھاٹ کو عموماً راؤ اور رانا کہتے ہیں، یہی عرفی لقب غالباً اُن کے ناموں کے ساتھ درج ہوا ہے،

ایک فرمان مہری سراج الدین محمد فدوی عالمگیر ۳۵ سنہ جلوس مطابق ۱۱۰۲ھ کے دیکھنے سے واضح ہے کہ رایان رانا پور کو علاوہ دیگر حقوق مثل (دہرجنہ)[1] پیدائش، شادی، منگنی وغیرہ کے یہ بھی ایک حق دربار شاہی سے مقرر تھا کہ جو نیا گھر رانا پور میں بنائے، وہ آٹھ آنہ فی گھر رانا کو ادا کرے، اس استقرار و تعیینِ حق سے پایا جاتا ہے کہ رانا پور انہی راؤں کا آباد کیا ہوا ہے، ورنہ

[1] شدر اقوام کے بعض خاندانوں میں زندہ خاوند کو چھوڑ کر دوسرے ہم قوم سے ناطہ کر لینا جائز ہے، پنچایت سے اگلے خاوند کو جدید خاوند سے صرفہ شادی دلایا جاتا ہے اس حق کو دہرجنہ کہتے ہیں، ۱۲ مؤلف

آبادی اور ریاست پر کسی حق کی ضرورت نہ تھی، اور چونکہ بادفروشوں کا قدیمی لقب راتا ہے اسلئے پورہ کا نام بھی راتا پور رکھا گیا، جو آجتک مشہور ہے،،

اسی کے متصل بلندی پر ایک دوسری آبادی ہے جو محلہ علی گنج کے نام سے مشہور ہے، گزیٹر اور تاریخ ٹونک میں درج ہے کہ راناجی سنگھ راجپوت کا آباد کیا ہوا پورہ ہے جسکو اُسنے سمت ۱۱۶۱ بکرمی میں آباد کیا ہے، ممکن ہے کہ یہ صحیح ہو لیکن تاریخی اور دیگر دستاویزی اسناد کا حوالہ نہیں ہے، جس سے تصدیق کیجاتی،،

ممکن ہے کہ اس اندراج کا کوئی ماخذ ہو، لیکن مؤلف نے اپنی تحقیقات کا نتیجہ اوپر درج کردیا ہے جسکی تائید میں اسناد ہیں،

اس پورہ میں مساجد بھی تھیں، مساجد کی شاہی فہرست (جسکی نقل گذشتہ صفحات میں کی گئی ہے) میں ایک مسجد بناکردہ بادفروشاں درج ہے،، لیکن آج سوائے نشانات کے اور کچھ باقی نہیں رہا، موجودہ زمانہ میں ایک سو گھر کی آبادی رہ گئی ہے، بادفروشوں کے خاندان میں سے کیشو راؤ ناکیدار سائر اور بنالال راؤ باقی رہ گئے ہیں، جنکی معافیات محلہ راتا پور میں موجود ہیں، اور بہت زیادہ حصہ معافیات کا رہن و بیع کے ذریعہ سے منتقل ہوچکا ہے،،

(۵) کاناپورہ، الف دروازہ کے سامنے کٹھن ندی کے کنارے آباد ہے، قوم راجپوت اور شیخوں کی آبادی اس پورہ میں زیادہ تھی، اب صرف ایک گھر شیخ کا کچھ مالیوں اور کولیوں کے باقی ہیں آبادی کے ایک گوشہ میں ستی کا ایک پتھر زمین میں گڑا ہوا ہے جس پر ہندی خط میں ۶ سطریں نقش ہیں، عبارت صاف پڑھنے میں نہیں آتی جو کچھ پڑھا گیا اُس سے معلوم ہوا کہ کسی مہاجن کی عورت کی ستی کا پتھر ہے جو سمت ۱۶۷۸ بکرمی کا یادگار ہے جسے آجتک ۲۹۶ سال ہوتے ہیں، اس سنگی یادگار سے استنباط ہوتا ہے کہ پورہ مذکور کی آبادی اب سے ۳۰۰ سال پہلے کی ہے،،

متعدد قلندری مساجد بھی ہیں، جنکے صحن میں پورہ مذکور کے مشائخ کی قبریں ہیں، ۲۰ سال قبل بھین سنگھ جمعدار متوفی قوم کیسریا راجپوت نے مؤلف سے بیان کیا تھا کہ راٹھے کا ناجی اُسکے بزرگوں

میں سے ایک شخص گذرا ہے ، جس نے پورہ آباد کیا تھا ،

(۹) متاع پور ، (جسے عام لوگ مکتا پور کہتے ہیں) حضرت شاہ متاع الدین رحمۃ اللہ علیہ کا آباد کیا ہوا پورہ ، گنتھن ندی کے کنارے کاتا پور کے متصل ہے ، شاہ صاحب مرحوم کے خاندان کے لوگ یہاں آباد ہیں ، خاندانی ممبران سو سوا سو سال کی آبادی پورہ کی بیان کرتے ہیں ، سید قطب الدین شاہ خاندانی اعلے ممبر ہیں ، اپنے خاندان کا حال نہ زبانی بیان کر سکے ، نہ کسی کاغذ سے ثبوت دے سکے کہ اُن کے اسلاف کہاں سے اور کس سنہ میں یہاں آکر آباد ہوئے ، ، اتنا پتہ ضرور سید صاحب اور دیگر لوگوں سے چلا کہ سب سے پہلے سید یٰسین علی شاہ صاحب مرحوم سرونج آئے اور حضرت مولا علی رضؓ کے پہاڑ کے دامن میں مسجد تعمیر کرا کے قیام کیا ، مسجد لداؤ کی اب تک قائم ہے اور اس اطراف میں خاندان مذکور کی اراضی معافی بھی ہے ، معافی ہونے کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ دربار شاہی سے شاہ صاحب کا ذریعہ معاش مقرر ہوا تھا ، پورہ کے اندر مسجد بھی ہے اور چاہ بھی ، مسجد سے ملا ہوا ، گنبدی مزار بھی ہے ، جسمیں خاندان کے بزرگوں کی قبریں ہیں ، ، ندی کے ساحل سے ۵۰ فٹ بلند پورہ کی آبادی ہے ، پختہ خوبصورت گھاٹ بھی بنا ہوا ہے ،

(۱۰) روہیلپورہ مشہور محلہ پٹھانوں کا ہے ، جو منڈوی دروازہ سے شمال میں ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے ، پورہ کے بانی صاحبداد خاں روہیلے افغان تھے جو محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد میں یہاں آکر آباد ہوئے ، اس حساب سے ۲۲۵ سال آبادی پورہ کی سمجھنی چاہیئے ، روہیلوں کی کافی جماعت تھی جو جنگ جو مشہور تھے ، عروج کے زمانہ میں کوئی شخص سوار ہو کر محلے سے نہیں گذر سکتا تھا ، اب دو چار گھر نام کو پٹھانوں کے باقی رہ گئے ہیں ، ورنہ زیادہ تر آبادی کا حصہ کوینڈا کا ہے ، محلہ میں مسجد بھی ہے جو مستحکم اور آباد بھی ہے ،

(۱۱) پرانا کٹرہ ، محلہ کٹری سے متصل شمال میں ہے ، جو مختلف الاقوام انسانوں سے اب بھی خوب آباد ہے ، پٹھانوں کے بھی متعدد مکانات تھے ، تین مساجد بھی تھیں ، اب صرف ایک مسجد عبدالحمید بوریا باف کی یادگار باقی رہ گئی ہے ، جسکا سنہ احداث ۱۱۰۴ھ ہے جسکو ۲۴۰

سال ہوئے، اس حساب سے کٹرہ کی آبادی ۲۴۰ سال پہلے کی معلوم ہوتی ہے، اس محلہ کے چمار جوتوں کی تراش اور اس کے بنانے میں مشہور ہیں، انہی کاریگروں کے بنائے ہوئے جوتوں میں یہ تعریف ہے کہ بارش میں ڈھیلا نہیں ہوتا،

(۱۲) شاہجہاں پور محلہ نیا پورہ کے سامنے فصیل شہر کے باہر راجہ کلیان سنگھ جی کے مکان کے متصل جو آبادی ہے وہ اسی نام سے مشہور ہے، غالباً شاہجہاں کے عہد کی آبادی ہے،

(۱۳) پڑاؤ، اسکو کنڈیا پورہ بھی کہتے ہیں، بڑودہ دروازہ کے باہر عموماً کولیوں سے آباد ہے خال خال دوسرے اقوام کے بھی مکانات ہیں، چنگی (سائر) کا دفتر بھی یہیں ہے، بیوپاری یہاں قیام کرتے، اور مال کا محصول ادا کرتے ہیں، اس مناسبت سے پڑاؤ مشہور ہے، کنڈیا پورہ کی توجیہ ابھی یہ معلوم ہوئی کہ اس محلہ میں پہلے کمہار قوم کثرت سے آباد تھی جو علاوہ ظروف بنانے اور بیچنے کے اکنڈے بھی فروخت کیا کرتے تھے

مناظر

مقامات مناظر قابل تعریف و تحریر یہاں بہت کم ہیں اور جو کچھ ہیں اُن کی تفصیل یہ ہے،

(۱) حضرت مولا علی کی ٹیکری شہر کی آبادی سے گوشہ مغرب و شمال میں ۴۰۰ فٹ مرتفع سطح کوہ پر خانقاہ ہے، جہاں پختہ چند دالان چار دیواری سے محیط ہیں، مسجد بھی ہے، جسکے صحن میں ایک چبوترہ پر چھوٹا سا پتھر نصب ہے، اُس پر نقش پا ہے، جسکو عوام حضرت امیر علیہ السلام کا نقش پا ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں،

خانقاہ کے مغرب میں وسیع اور ہموار سطح ہے، پچھلے دنکو لوگ تفریحاً اس ٹیکری پر جاتے ہیں، مخصوص ایام بارش میں یہ مقام زیادہ لطافت خیز اسلئے نظر آتا ہے کہ دامن کوہ میں ندی جاری ہے، سامنے شہر کے تمام سر بفلک ایوانات کا سلسلہ ہے، بارش میں لوگ دیکھتے ہیں، کہ کوہی سطحات کا سبزہ جوش نمو میں لہلہا رہا ہے، پھواریں پڑ رہی ہیں، سرد ہوا چل رہی ہے یہ تمام دلکش سین زندہ دلوں کے لئے روح بخش ہیں، جسکا جواب سواد سرونج میں نہیں ہے،

(۲) پچکوئیں گھاٹ کتھین ندی کے کنارے پختہ گھاٹ حضرت مولا علیؑ کی ٹیکری کے دامن سے ملا ہوا ہے، پانچ کنوئیں یہاں واقع ہیں، یہی اسکی وجہ تسمیہ ہے، درمیان میں جو راستہ آنے جانے والوں کے لئے شہر کے اندر گیا ہے، اُس کے دونوں طرف ندی کے کنارے پختہ گھاٹ اور گھاٹ کے کنارے خوبصورت بروج بنے ہوئے ہیں، گھاٹ سے اوپر نشست کے لئے پختہ چبوترہ بھی ہے، قصبہ کے باشندے اکثر یہاں صبح کو آتے اور نہاتے ہیں، پچھلے دن کو جوانان شہر جاتے اور لطف سیر و تفریح حاصل کرتے ہیں -

(۳) کاغذی گھاٹ

یہ گھاٹ بھی ندی کے کنارے ۰۰ افٹ طول میں خوبصورت بنا ہوا ہے متعدد زینے اوپر سطح سے آب تک جانے کیلئے بنے ہوئے ہیں، کسی کاغذی کا بنایا ہوا ہے، جسکا مکان بھی گھاٹ کے اوپر ہے، اور نیچے آب رواں، اور سامنے سبزہ زار نہایت دلفریب جگہ ہے،

(۴) قاضی گھاٹ

آبادی سے گوشہ شمال و مغرب میں خاندان قاضی رکن الدین مرحوم کی اولادیں سے کسی کا بنایا ہوا گھاٹ ہے، نصف حصہ منہدم ہو چکا ہے، نصف حصہ گھاٹ کا ۰ ۵ فٹ طول میں مرمت طلب ہنوز باقی ہے، اکثر لوگ نہانے جاتے ہیں، سامنے بلند پہاڑ ہے، جسکا سبزہ موسم بارش میں دلوں کو اپنی طرف جذب کرتا ہے،،

(۵) کاتک گھاٹ

شہر سے مغرب میں الف دروازہ کے سامنے ہے، کاتک کے مہینہ میں اس جگہ میلہ ہوتا ہے، یہی نام کی وجہ تسمیہ ہے، گھاٹ کے کنارے مندر بھی ہے، ارباب ہنود روزانہ صبح کو گھاٹ پر جاتے اور نہاتے ہیں،

(۶) ننھے میاں کا گھاٹ

کاتک گھاٹ سے ملا ہوا تمام گھاٹوں سے حسین تر گھاٹ ہے، جو ۱۰۰ فٹ کے طول میں متاع پور کی آبادی

ط یہ قوم برہمن ہے ۳۰ سال پہلے تک اس خاندان کے افراد سفید دیسی کاغذ بناتے رہے ہیں اسلئے کاغذی مشہور ہوئے ۱۲

کے نیچے لب دریائے گنبھن واقع ہے، مردانہ و زنانہ دونوں گھاٹ برابر ہیں، دس دس فٹ کے فاصلہ سے خوبصورت بروج بنے ہوئے ہیں، جنکے نیچے عمیق دہ ہے، بارش میں عمدہ اصحاب اس مقام پر اکثر جاتے ہیں، سیر و تفریح کے ساتھ کھانا پکواتے اور کھاتے ہیں، میاں شاہ ولی الدین رحمۃ اللہ علیہ کی عرفیت نھنے میاں تھی، یہی اسکی وجہ تسمیہ ہے، گھاٹ کے اوپر ایک ہموار سطح ہے، جس پر امرود اور انگوروں کی کیاریاں ہیں، سب سے بہتر اور دلکش منظر ہے،،

(۷) باغات متعدد ہیں، انمیں سے بلحاظ آبادی، چمنوں کی ترتیب، پھولوں اور نارنگیوں وغیرہ اشجار کے نشو و نمائی کے، سرکاری باغ، رانجی کا باغ پھوندی لعل مہاجن کا باغ، چنی لعل مہاجن کا باغ، خوش منظر باغات ہیں۔

(۸) بھوری ٹوری سرونج سے مغرب میں دو میل کے فاصلہ پر ایک اونچی ٹیکری ہے جس پر ۱۸۵۵ء میں گورنمنٹ ہند کے محکمہ پیمایش نے ایک پختہ مکان تعمیر کرایا ہے، مکان کے چاروں طرف دیواروں میں رن ہیں، چار چھ سال کے بعد پیمایش کا یورپین انسر آتا، اور دوربین سے ستاروں کی رفتار کی دیکھ بھال کرتا ہے، بارش میں نوجوان اصحاب کثرت سے اس مقام پر جاتے ہیں، راتوں کو قیام کرتے ہیں، میدان کا لہلہاتا ہوا سبزہ عجیب لطف دیتا ہے،

سرونج کی تجارتی و شہری عظمت

سرونج مالوہ کی شرقی سرحد پر واقع ہے اور ایک اسلامی شہر مشہور ہے آبادی، طرز، تعمیرات، ساہوکارہ، تجارت، صنعت و حرفت، اور آب و ہوا کی لطافت کے لحاظ سے مالوہ میں، اوجین، مانڈو، ہنڈیا، چندیری کے بعد سرونج پانچویں نمبر پر تھا بڑے بڑے صناعوں، لکھپتی، مہاجنوں، اور ہر قسم کے اہل علوم و فنون کا سرونج مسکن رہا ہے، مخصوص تجارتی حیثیت سے مالوہ میں سرونج کو خاص امتیاز حاصل تھا۔ لالہ

چھوٹے رام اگروال مہاجن کے خاندان میں مؤلف نے متعدد چٹھیاں عمائدین سلطنت کی دیکھی ہیں، جن پر طلائی جدولیں اور آبِ طلائی افشاں ہیں، جس سے، ہنڈی، جواہرات، اور موتیوں کی خرید و فروخت کا پتہ چلتا ہے، ایسے چند کاغذات بھی نظر سے گذرے ہیں جنکے معائنہ سے معلوم ہوا کہ دیسی ساخت کے کپڑوں، مخصوص شاہی چیرہ کی طیاری میں خاص اہتمام ہوتا رہا ہے،

آبادی کے لحاظ سے تو سرونج کا رقبہ قصبہ کی حیثیت سے زیادہ نہیں ہے، لیکن یہ اسکی بازاری رونق اور آبادی کا طغرائے امتیاز تھا کہ عمائدین سلطنت اور صوبہ داران مالوہ نے سرونج کو بلدۂ سرونج لکھا ہے، اس بیان کی تائید میں صرف ایک تاریخی واقعہ نقل کیا جاتا ہے، باقی استدلال و ثبوت میں وہ متعدد، فرامین شاہی اور وزیری ہیں جنکو مؤلف نے دیکھا ہے، اور اُن میں سے بعض کی نقلیں کتاب کے مناسب عنوانات میں درج کر دی گئی ہیں

شہنشاہ جلال الدین اکبر نے اپنے جلوس کے چھتیسویں سال ۹۹۹ھ میں جبکہ علامہ فیضی کو خاندیس کی سفارت پر روانہ کیا ہے، اُس وقت علامہ موصوف نے سرونج اور سنجا علپور قیام کرتے ہوئے انکی اقتصادی، تمدنی اور تعمیری حالت پر مبصرانہ نگاہ ڈالی ہے اپنی عرضداشت میں اکبر شاہ کو مخاطب کرتے ہوئے رقم طراز ہے،

شہر سرونج[1] کہ حکم بندر دارد، خواجہ سرابلندخاں در ویرانی او،
تقصیر نمی کند و خانہ ہائے خویشاں شہاب خان و منصبداران،
و سائر مردم بتدریج ساختہ بودند چوبہائے اور اکندہ فروختہ،
در و دیوار ہم شکستہ اگرچہ از پیری دست و پایش می لرزد،
و عنقریب است کہ دیوار گلین بدنش از ہم ریزد، اما دلش،
ہمچناں سنگین است ،،

[1] دربار اکبری و شعر العجم تذکرہ فیضی ،، ۱۲ -

آگے چلکر شجاعلپور کے حال میں لکھا ہے "

درشجاعلپور خواجہ امین خویش وزیر خاں برعایہ سلوک خوب کردہ ،

وتقاوی دادہ وپرگنہ معمور ساختہ وہمہ چیز خود میرسد ،

کارخانہ ہائے پارچہ بافی ترتیب دادہ کہ چیرۂ فوطہ برلئے حضرت

می بافندو دکان کاردانی واکردہ ازدست او خیلے خدمت وسرراہی

آید اگر خدمت سرونج بعہدۂ او باشد شہر معموری شود قابل توجہ

وتعمیر است ۔

اس عرضداشت میں دو جگہ سرونج کے ساتھ لفظ شہر لکھا ہے حکم ہندر وارد سے ثابت ہے کہ اکبری عہد میں سرونج تجارتگاہ تھا، اور عروج پاکر اُسوقت بھی اسقدر انحطاط پذیر ہو چکا تھا، کہ علامہ موصوف کو اُسکی آبادی کی طرف توجہ ہوئی ،

شجاعلپور، سارنگ پور، خلجی پور، شاہجہاںپور، بھیلسہ، عیسیٰ گڈھ، ساگر، راترسنگ گڈھ، راجگڈھ، بھونراسہ، کوروائی وغیرہ مشہور مقامات (جوبعض سرونج سے قریب، اور بعض چالیس پچاس کوس کے فاصلہ پر ہیں) سرونج کے ترقی پذیر عہد کے آگے بے رونق اور ہیچ تھے، اب بھی تہذیب وتعمیرات کے لحاظ سے مقامات مذکورہ کو سرونج کی ہستی سے کوئی نسبت نہیں ہے

بھوپال دارالریاست اور قلعہ فتح گڈھ[1] کے وجود سے گو مشہور شہر ہے، لیکن تقریباً ، سو سال قبل سرونج کی رفعت کے سامنے وہ بھی پست تھا، اس میں بھی شبہ نہیں ہے کہ بھوپال کی آبادی نے سرونج کی آبادی سے بہت کچھ فیض حاصل کیا ہے، بادی النظر میں یہ اعتراض وارد ہوتا ہے، کہ اتنی بڑی جامعیت اور شہری آبادی کے تذکرہ سے تاریخی صفحات کیوں خالی ہیں؟

[1] قلعہ فتحگڈھ اور موجودہ شہر کی بنیاد ۱۱۴۵ھ میں امیر دوست محمد خاں بہادر بانی ریاست بھوپال نے قائم کی اور چونکہ اپنی محبوبہ بیگم فتح بی بی کی فرمائش پر قلعہ تعمیر کیا اسلئے فتحگڈھ نام رکھا، اس سے قبل بھوپال معمولی گانوں کی حیثیت سے تھا۔ (تاریخ بیگمات بھوپال)

اسکا جواب یہ ہے کہ سرونج نے تجارتی حیثیت سے رونق اور نام پایا، جنگی مرکز کبھی نہیں بنا، نہ اس کے ہموار و مرتفع سطحات نے کبھی کسی قلعہ کی تعمیر کا بار اوٹھایا، فوجی چھاؤنی تک یہاں قائم نہیں ہوئی، نہ توپخانہ رہا، نہ کسی راجہ کا دارالحکومت، نہ ضلع کا صدر مقام، یہی سبب ہے کہ سرونج سے کمتر درجہ کے مقامات مثل تومن، پچھار، بھونراسہ، بھیلسہ، راحت گڈھ ملہار گڈھ، سارنگپور، رائسین وغیرہ جنگی مرکزی حیثیت سے صفحاتِ تاریخ میں نمایاں ہیں، اور سرونج اس حیثیت سے محروم ہے،

سرونج امن و امان کی بستی رہی ہے، تجارتی شہر رہا ہے اس امتیازی لحاظ سے سرونج کا نام دیکھنا ہو تو آئین اکبری میں سکہ کا عنوان دیکھو جسمیں تجارتی شہروں کے سلسلہ سے سرونج کا نام تیئسویں نمبر پر ہے، یا فرامین شاہی میں اسکی عظمت دیکھنی چاہیئے،

سرونج کا قدیم تمدن

اس میں شبہ نہیں کہ سرونج کا قدیم تمدن اعلیٰ پیمانہ پر تھا، رفتار گفتار، مہمانداری، تواضع، اخلاص، محبت، حسن معاشرت صنعت و حرفت، تجارت اور فنون سپہگری وغیرہ اوصاف میں سرونج دوسرے متمدن شہروں سے کم درجہ پر نہ تھا، سرونج کی آب و ہوا پیشہ ور جماعت کے دماغوں کے لئے موافق رہی گو قابل رشک ہستیاں آج فنا ہو چکی ہیں، لیکن اُنکی صنعتوں کے نمونے اس کثرت سے شہر کے اندر موجود ہیں، کہ اہل بصیرت کو داد دینی پڑتی ہے، سنگتراشوں اور معماروں نے سرونج کے ہر کوچہ اور بازار کو صنعتکدہ بنا دیا ہے، پتھروں میں باریک باریک جالیاں کاٹنا، جالیوں میں گلدستے نکالنا، محرابوں، کنگوروں، ٹوڑیوں، ستونوں کرسیوں، اور ہر قسم کی چھوٹی بڑی سنگی تقطیعات پر پھول بوٹوں کی جدولیں، اشجار اور حیوانات کی تصاویر تراش کر ابھارنا، مسالے کی ترکیب لداؤ کا استحکام، پتھروں کی صفائی اور اُنکا باہمی اتصال، تمام امور کمالِ صنعت پر دال ہیں علاوہ اس کے عمارات و منازل کا نقشہ بنانے اور اختراعات میں موجودہ فن انجینیری کے کمال سے اُن کا کمال پیچھے نہ تھا۔۔۔۔

نیلگروں اور چھیپیوں نے سرونج کے نام کو اور زیادہ چمکایا، ابرے یہاں کے مشہور تھے، نیل کا کام بہت زیادہ ہوتا تھا، بعض کنووں اور چشموں نے بھی رنگ و روغن کو شوخ تر بنانے میں بہت زیادہ امداد دی تھی، تالاب کے متصل جو باغ ہے اُسمیں آج بھی متعدد قدیم حوض پختہ و عمیق نیلگروں کی تمدنی یادگار باقی ہیں زمانہ گذرا کہ ولایتی رنگوں کی ایجادات نے نیل کا کام قطعی بند کر دیا ہے، جسکی وجہ سے یہ لوگ دوسرے روزگار اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں نام کو رنگریز اب بھی باقی ہیں جو ولایتی رنگوں سے کام لیتے ہیں، لیکن چھیپیوں کے جو دو مستقل محلے تھے اُنمیں آج ایک چھیپہ بھی نہیں ہے، دیہات میں البتہ آباد ہیں ر

زردوز[1] اب بھی یہاں باکمال موجود ہیں، جزدان، جانماز، پنکھے، کاٹھیان، جھول، ٹوپی کمر پٹی وغیرہ، زردوزی کام کے اعلیٰ صنعتی نقش و نگار کے ساتھ بناتے اور رئیسوں کے دربار میں پیشکر کے انعامات حاصل کرتے ہیں ،،

نونیت رام، زردوز عمری ۱۰۰ سالہ اپنی صناعی کی بدولت مالا مال ہے، سرکار عالی دام ملکہ کی طرف سے اس کو انعامی اراضی بھی عطا ہو چکی ہے، کالو رام زردوز عمری ۲۵ سالہ صنعت و دستکاری میں اپنے اسلاف سے بہت بڑھ گیا ہے، دہلی کی زردوزی اور اُسکے کام میں امتیاز مشکل ہے،،

نوریاف (جنکو شاہی فرامین میں سفید باف لکھا ہے) ویسی پگڑیاں، محمودی، سہیلے چارخانے باریک تر ململ وغیرہ بنانے میں کامل تھے، شاہی چیرہ بھی یہاں طیار ہوتا تھا، جسکا ذکر بعض اسناد میں ہے، کاریگروں نے اپنی صنعت پر دربار شاہی سے انعامات بھی حاصل کئے ہیں، نمائشوں میں بھی یہاں کی پارچہ بافی کی صنعت کو خاص امتیاز حاصل رہا ہے ،،

یہاں .... دو چار گھر اپنے اسلاف کے حقیقی یادگار آج بھی .... موجود ہیں جنکے یہاں

[1] یہ قوم دراصل راجپوتوں کی شاخوں میں سے ہے، پیشہ کے اعتبار سے پنی گر، زین گر، زردوز، چیتر کار وغیرہ مختلف ناموں سے مشہور رہے ،، ۱۲، مؤلف

دور دور سے فرمائشات آتی ہیں، اور اُنکی تعمیل بھی ہوتی رہتی ہے، بنیاد محمد، ثنا محمد، نور باقوں نے اپنی کاریگری کے صلہ میں ریاست سے اراضی معافی بھی حاصل کی جس پر وہ قابض ہیں

یہاں کے لوہاروں، کھاتیوں میں یہ کمال تھا کہ ولایتی بندوقوں اور دیگر ہتھیاروں کا جواب بناتے تھے، قلمدان، صندوقچے وغیرہ باریک نقش و نگار کے لاجواب طیار ہوتے تھے، اور اب بھی اس قسم کے صنعتی نمونے یہاں بنتے ہیں،

خلجی پور، بیاورہ، راجگڑھ، نرسنگڈھ، مقصودنگڈھ وغیرہ مقامات ملحق الحدود کے تمام باشندے یہاں کے کاریگروں کے محتاج رہے، اور اب بھی ہیں، قلم، کٹار، تلوار جنبیہ، چاقو، سروتے، مقراض، اُسترے، تالے اور ہر قسم کی صنعتوں کے نمونے اب بھی یہاں بنتے ہیں،

کاغذی، کاغذ بنانے والوں کا یہاں ایک مستقل محلہ تھا، جو دیسی کاغذ بنانے میں ماہر تھے، اب اُن کی اولاد خرّاطی کا پیشہ اختیار کئے ہوئے ہے،،

سُنار، علاوہ دیگر اقسام کے زیور بنانے کے، تلواروں کے قبضوں پر سونا چڑھانے اور اسمیں پھول، پتّیاں باریک نکالنے میں ماہر تھے، جسکی شہرت اطراف مالوہ میں تھی،

کمانگروں[1] کا یہاں خاص ایک محلہ تھا، جو اطراف مالوہ میں مشہور تھے، گو اب اُن کی اولاد میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہا، لیکن اُن کی مادّی یادگار ایک باغ اور ایک مسجد آج بھی موجود ہیں

موچی، یہاں کے موچیوں نے اور بھی زیادہ شہرت پائی جنکے جوتوں کی تراش و خراش عام طور پر پسندیدہ ہے، ایک خاص وصف یہ ہے کہ بارش میں یہاں کا جوتہ ڈھیلا نہیں ہوتا، اسی طرح دیگر پیشہ وروں کے کمالوں کا اندازہ کر لینا چاہیئے،

تمدن کے یہ تمام اوصاف خصوصًا دہلی سے منتقل ہو کر یہاں آئے جسکی وجہ یہ ہے کہ

---

[1] سر و بخ محلہ گذری بازار میں ایک قدیم مسجد ہے جو کمنی گروں کی مسجد کے نام سے مشہور ہے یہ غلطی ہے، کمانگروں کی مسجد ہے، الف کی تجدید سے کنگروں کی اور کنگروں سے کمنی گروں کی معروف ہو گئی، شاہی اسناد میں کمانگروں کی مسجد درج ہے ۱۲ مؤلف

کہ سرونج نے اپنے عروج کے زمانہ میں ہر قسم کے صناعوں، مہذب انسانوں، اور اہل علم افراد کو اپنی طرف کھینچا، ملازمت اور پیشہ کے سلسلہ سے بھی ہر قسم کے دماغ کے لوگ یہاں آئے اور مستقل سکونت اختیار کرتے ہوئے چلے گئے،

شریفوں کی آبادی کی کثرت اور اخوتِ اسلامی کی کشش نے بھی اکثر شریف خاندانوں کو یہاں کی سکونت پر آمادہ کیا جسکا ثبوت قدیم کاغذات سے ملتا ہے، علاوہ اس کے شاہی لشکر اور لشکر کا عملہ اراکین و عمائدین سلطنت اور اُن کے ندما سرونج ہو کر ملک دکن جاتے ہوئے اور دکن سے دہلی آتے ہوئے سرونج قیام کرتے رہے، یہاں کے باشندوں میں استعداد قابلیت کا جوہر پہلے سے موجود تھا، اردوئے معلے کی متواتر صحبتوں نے اُس جوہر کو اور زیادہ چمکا دیا جس سے سرونج کی زمین آسمان ہوگئی،،

مسلمانوں کی آبادی

عہد قدیم میں خانہ شماری اور مردم شماری کا باقاعدہ رواج نہ تھا، اسلئے یہاں کے قدیم اعداد و شمار پیش کرنے سے مجبوری ہے، اندازہ داں طبائع کے لئے اتنا اشارہ کافی ہے کہ جس سے شہر میں ۲۱۵ سال قبل پندرہ مسجدوں میں نماز جمعہ ادا ہوتی تھی، اس میں مسلمانوں کی آبادی کس تعداد کی ہوگی۔ اسکے علاوہ بعض حسب ذیل تعداد سے مسلمانوں کی کثرتِ آبادی کا پتہ چلتا ہے جو متواتر زبانی روایتوں کے ساتھ ثابت ہے،،

پٹھانوں کے پانچسو مکانات، مغلوں کے دوسو گھر، نوربافت پانسو گھر، مسلمان سلاوٹ[1] معمار پچاس گھر، سبزی فروش سو گھر، قصاب تین سو گھر، بوہرے فرقہ اسمٰعیلیہ تین سو گھر، اسیطرح دیگر اقوام کی آبادی کا اندازہ کر لینا چاہیئے،

پٹھانوں کی شہرت

سرونج کی خاک سے شیخ، سید، مغل، پٹھان، سبھی پیدا ہوئے

---

[1] قاضی گھاٹ کے مغرب میں ربط پہاڑ پر معماروں کی یادگار ایک گنبدی قدیم مسجد آج بھی قایم ہے جو سلاوٹوں کی مسجد کے نام سے معروف ہے اور اُسی جگہ اُن لوگوں کا گورستان بھی ہے،، ۱۲ مولف

اور اسی خاک میں ملتے ہوئے چلے گئے، لیکن فنون سپہ گری اور شجاعت میں جو شہرت اور ناموری پٹھانوں کے سپوتوں نے حاصل کی، اُسکو خاص امتیاز حاصل ہے،،

بھوپال، اندور، گوالیار، ساگر، ناگپور، خلچی پور، راجگڈھ، شجاعلپور، نرسنگ گڈھ، وغیرہ مشہور مقامات میں پٹھانوں کے کارناموں اور اُن کے جنگی بسالت کے آجتک سکے بیٹھے ہوئے ہیں،،

اُنکا ذریعہ معاش سو برس پہلے جنگی مشغلہ تھا، جن دو راجاؤں یا رئیسوں میں لڑائی کی نوبت پہنچی اور پہلے جس فریق نے یہاں کے پٹھانوں کو معاوضہ خدمت دیکر اپنا رفیق کار بنایا اُسکی طرف سے اُنہوں نے جانبازی کے ہنر دکھلائے اور کامیاب واپس آگئے بہت کم ملازم پیشہ تھے۔

کمر بندی اور کمر کشائی کی پٹھانوں میں ایک خاص رسم تھی جس سے اُن کی فطری شجاعت اور جنگی مکتب نشینی کی رسم مردانہ کا اظہار ہوتا ہے، جسکی تصدیق، ایسے معمر اور معتبر لوگوں سے مؤلف کو ہوئی ہے، جنکے آبا و اجداد رسم مذکور میں شریک رہے ہیں، رسم یہ تھی کہ جب پٹھان کا بچہ دوڑ دھوپ کی طاقت حاصل کر لیتا تو اُسے خاکبازی کے بجائے بہادری کے کھیل سکھلائے جاتے، جب گھوڑے پر سوار ہونیکے قابل ہو جاتا تو جنگ بازی کے تمام سپاہیانہ ہنر اُسکو مشق کرائے جاتے، بالآخر مصنوعی جنگی امتحان اُسکا ہوتا، کامیابی کی صورت میں ایک معین تاریخ پر شہر کے تمام پٹھان مدعو کئے جاتے، اُن سب کے سامنے ہنر مند لڑکے کی کمر میں پٹکا باندھا جاتا، تمام اسلحوں سے اُسکو آراستہ کیا جاتا اور اجازت دیجاتی کہ بلا استعانت غیرے وہ میدانِ جنگ میں جا سکتا ہے، اسکے بعد کھانا کھلایا جاتا اور شیرنی تقسیم ہوتی،،

کمر کشائی کی یہ رسم تھی کہ جب پٹھانوں کے گروہ میں سے کوئی شخص عوارضِ جسمانی یا ضعفِ پیری کی وجہ سے جنگی میدان کے ناقابل ہو جاتا تو اسی طرح تاریخ مقرر کر کے سب برادری کے سامنے اُسکی کمر کھولی جاتی، اور ایک خاص پیشہ تجارت اسکے لئے مخصوص کر دیا جاتا،

عہد محمد شاہ میں جب راحت گڈھ (تعلقہ مالوہ) کے ٹھاکر نے بغاوت کی ہے، اُسوقت

مرحمت[1] خاں نامی افسر نظام الملک ناظم صوبۂ دکن و مالوہ کی طرف سے مامور ہو کر سرونج آیا، اور روہیلوں کی کافی جماعت بھرتی کر کے لے گیا جنکی مدد سے بغاوت فرو کرنے میں کامیاب ہوا وہ روہیلے افغان محلہ روہیلپورہ کے باشندے تھے جو سرونج کا ایک مشہور محلہ ہے۔

ہندؤں کی آبادی

مسلمانوں کی طرح انکی تعداد کا بھی اندازہ مشکل ہے بعض اقوام کے گھروں کی مشہور تعداد یہ ہے، اگروال مہاجن ۳۰۰ گھر، پروار مہاجن ۲۰۰ گھر، حجام ۲۰۰ گھر، سلاوٹ (معمار) ۱۰۰ گھر، ہیسری مہاجن ۸۰ گھر، اندرونی اور بیرونی آبادی پر نظر کرتے ہوئے مؤلف کا قیاس ہے کہ عروج و ترقی کے زمانہ میں سرونج کی مردم شماری قریب قریب ایک لاکھ نفوس کی رہی ہوگی۔

آبادی و ترقی کا انحطاط

ہر ذی روح کو فنا اور غیر ذی روح کو انحطاط ہے ہر کمال کو زوال اور ہر ابتدا کی اخیر انتہا ہے، اس مسلّمہ اصول کے اثر سے سرونج بھی نہ بچ سکا۔

سرونج کی موجودہ آبادی کی عمر پانچ ساڑھے پانچسو سال سے زیادہ کی نہیں ہے، تقریبًا تین سو سال تک زمانہ اسکے موافق رہا، اسکے بعد تدریجًا آبادی کی رفعت زوال پذیر ہونا شروع ہوئی، اور اگر سرونج کی ابتدائی گمنامی کا زمانہ بھی شامل کر لیا جائے تو اسکے وجود کو تقریبًا ۱۷۰۰ سال کا زمانہ ہوتا ہے۔

یہ عام قاعدہ ہے، کہ شہروں کی آبادی، اور اُن کی رونق و ترقی کے دو اسباب کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔

(۱) شہر کا دار الحکومت ہونا، (۲) شہر کا تجارت گاہ ہونا۔

جس قصبہ یا شہر میں رئیس یا بادشاہ کا قیام ہوگا، وہ صدر مقام ہونے کی حیثیت سے بہت زیادہ پُر رونق اور آباد ہوگا، خزانہ کی کشش، تجارت کی ترقی، اہل کمال کی آمد،

[1] تاریخ ہندوستان مؤلفہ مولوی ذکاء اللہ مرحوم تذکرہ مالوہ ۱۲

سپاہ کی کثرت، علوم کی اشاعت، وغیرہ اسباب ہمیشہ دارالحکومت کی آبادی کے معین
ومددگار رہے ہیں۔

تجارتی منڈی اپنے شہر کی رونق اور ترقی کا آپ خود ہی باعث ہوا کرتی ہے، حکومت
کی اعانت کی چنداں اُسکو احتیاج نہیں رہتی، تجارت نے انحطاط اختیار کیا تو اوسکے ساتھ
آبادی بھی اوس طرف منتقل ہوجائے گی، جہاں اوسکے قیام کے ذرائع اور وسائل بکثرت ہونگے۔

ظاہر ہے کہ سرونج کبھی دارالحکومت نہیں رہا، صرف ایک تحصیل کی حیثیت اسکی رہی،
اپنی رونق وآبادی کے لئے اس نے کسی حکومت کا بارِ احسان نہیں اوٹھایا، تجارت کی شہرت
اور عظمت نے اسکو تمام ملحق الحدود آبادیوں میں ایک خاص امتیاز عطا کیا تھا، اپنے پاؤں پر
آپ کھڑے رہنے کی جب تک اس میں طاقت رہی، اُس وقت تک تجارتی نشان لئے ہوئے
اپنی جگہ قائم رہا، انگریزی حکومت کے عہدِ امن میں جب راستوں کی صفائی اور آمد ورفت کے
وسائل میں ترقی ہوئی، جہازوں کے ذریعہ سے ہر قسم کے مال کی آمد ہوئی، جگہ جگہ تجارتی روشنی
پھیلی، اُس وقت یہاں کے لوگوں نے اپنے قدیم حصار سے باہر نکلنا، لوگوں سے تبادلہ خیالات
کرنا شروع کیا، باہر نکلکر اُنہوں نے چاروں طرف تجارتی، صنعتی اور حرفتی بساط بچھی ہوئی
دیکھی تو نقلِ سکونت پر مجبور ہوئے، مکان کو مکین سے رونق ہوتی ہے، جب سرونج کی تجارتی
آبادی منتقل ہونا شروع ہوئی، تو اوسی مناسبت سے سرونج کی تجارتی عظمت بھی گھٹنا
شروع ہوگئی،،

بھوپال، سرونج سے ۵۰ میل کے فاصلہ پر ہے، اپنے دارالحکومت کی اعزازی
نسبت سے اوس نے ترقی شروع کی، اسلئے سب سے پہلے سرونج کی آبادی کا حصہ اُسی طرف
منتقل ہوا، ہندوستان کے شہروں میں جب ہر طرف تجارتی روشنی اور بڑھی تو اُس روشنی
کی طرف یہاں کی مخلوق اور کثرت سے رجوع ہوئی، یہانتک کہ آج بمبئی، بھوساول، جبلپور،
رائپور، بلاسپور، ساگر، کٹنی، اندور وغیرہ مقامات میں سرونج کی مخلوق کثرت سے موجود ہے،،

نتیجہ یہ ہوا کہ مکانات بغیر مکینوں کے قائم نہ رہ سکے، سینکڑوں سر بفلک ایوانات آج زمین کے برابر نظر آتے ہیں، آج تم شہر کے جس راستے، جس کوچے، جس محلّے سے گذرو پختہ بنیادوں کا جال بچھا ہوا دیکھو گے، مکانات کے انہدام نے نئے نئے راستے پیدا کر دیئے ہیں، بارش کا زمانہ آثارِ قدیمہ کی رونمائی کا موزوں زمانہ ہے، خوش خرام اصحاب بھی ٹھوکر کھائے بغیر نہیں بچ سکتے افسوس

منعموں نے صرف کی تعمیر میں عمرِ عزیز　　　یہ نہ سمجھے خانۂ دل کی بِنا محکم نہیں

امن کا دور، دورہ تھا، جنگی بساط اولٹ چکی تھی، اسلئے پٹھانوں کے جنگی طبائع میں بھی زوال شروع ہوا، اُنہوں نے ہتیاروں کو کھول کر رکھدیا، سپہ گری کے فنون کو بھلا دیا تلاش معاش میں سرگرم ہوئے جسکا اثر یہ ہوا کہ اُنکے بعد جو نسلیں عالم وجود میں آئیں اون میں نہ وہ جوش مردانہ تھا، نہ عزم رستمانہ، صرف نام کو اسقدر وصف باقی رہا کہ اولوالعزم افغانوں کی یادگار ہیں،
نتیجہ یہ ہوا کہ کسی نے تجارت شروع کی، کسی نے زراعت کی طرف توجہ کی، کسی نے ملازمت اختیار کی، اسکے ساتھ ہی مسلسل عدم پیداوار اور متواتر قحط سالیوں نے لوگوں کو اسقدر شکستہ حال کیا کہ وہ اپنی مالی نقصان کی آیندہ تلافی نہ کر سکے، نہ وہ خود سنبھل سکے، نہ آنے والی نسلیں سنبھل سکیں، بالآخر خود بھی فنا ہوگئے اور جائدادیں بھی تباہ ہوئیں،

یہی حال دوسری قوموں کا بھی ہوا، مثال کے طور پر محلہ بوہرہ باڑہ کو لیجیئے کہ جس میں بوہرہ جماعت کے عالیشان ۳۰۰ مکانات اور ہر مکان میں تین تین چار چار چولھے تھے اُس احاطہ میں اب صرف ۵۰ مکانات آباد باقی رہ گئے ہیں، محلہ میدان نظر آتا ہے۔ اگروال مہاجنوں کے تین سو مکانات میں سے اب ایکسو مکانات باقی رہ گئے ہیں، مہیری، مہاجنوں کے ۸۰ گھروں میں سے آج ایک بھی اوس قوم سے آباد نہیں ہے
تیلیوں، اور مسلمان، موچیوں، کے سینکڑوں مکانات تھے، آج ایک بھی نہیں ہے۔
نورباقوں کی ۵۰۰ گھروں میں سے آج صرف ۵۰ گھر آباد نظر آتے ہیں،
چھیپوں کے اور کمانگروں کے سینکڑوں مکانات آج میدان ہیں، مسلمان اور ہندو معماروں کے مکانات میں سے صرف پندرہ بیس گھر باقی رہ گئے ہیں،

منڈی، اکڑی، رہلپورہ، افغانوں کے مشہور محلے ہیں دس بیس مکانات نامور افغانوں کے اخلاف کے باقی ہیں، اسیطرح دیگر اور مشہور متمدن قوموں کا حال ہوا،

وہی سرونج جسکی آبادی کے اندر پندرہ جامع مسجدوں میں نماز جمعہ ادا ہوتی تھی، اب صرف ایک مسجد میں نماز ہوتی ہے، پھر بھی صحن مسجد خالی رہتا ہے، فلاکت و افلاس نے سینکڑوں سر بفلک عمارات کا استیصال کر دیا ہے، پختہ منازل کی جگہ خام عمارتیں زیادہ نظر آتی ہیں،

متمدن قوموں کے انتقال کے ساتھ ساتھ قدیم تمدن بھی رخصت ہو گیا صنعت و حرفت کی جگہ زراعت و تجارت نے قبضہ کر لیا ہے، ذرائع معاش تنگ و محدود ہونے سے تعلیم بہت زیادہ پست حالت میں ہے، لڑکوں نے جہاں ہوش سنبھالا شکم پری کے ذرائع اور وسیلوں کی تلاش میں سرگرم ہوئے، ابتدائی اردو کے قواعد کا مطالعہ کر لیا اور منشی بن گئے، آجکل قوموں کی حالت بالکل اس شعر کی مصداق ہے، ؎

وہی ہم تھے کہ ہم کو دیکھ کر ہوتے تھے خوش مُردہ دِل ۔۔۔ سو اب یہ حال ہے اپنا کہ ہنستوں کو رُلاتے ہیں

سرونج اپنے عروج کے زمانہ میں ایک بڑے قصبہ کی حیثیت سے زیادہ نہ تھا، یہ اگر انقلاب زمانہ کا شکار رہا تو کچھ زیادہ تعجب خیز اور قابل افسوس امر نہیں ہے، آبادی، و بربادی، رات، دن کے مشاہدات ہیں، تاریخ عالم کے صفحات مشہور ترین عروس البلاد مثل قرطبہ، غرناطہ، بغداد، مدائن، شیراز، طوس، وغیرہ کی ویرانی کے حالات و واقعات سے سیاہ ہو رہے ہیں جنکو دیکھکر اور پڑھکر سرونج کی انحطاط پذیر حالت پر ماتم کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی،

اسیطرح سرونج کے صناع، اہل علم، نامور، افغان و مغل، بانیان عمارات و منازل، اگر اپنی یادگاریں چھوڑ کر پیوند خاک ہوئے تو موجودہ نسلوں کے لئے رنج و افسوس کا محل نہیں ہے اس لئے کہ،

نظم

یہاں ہر ترقی کی غایت یہی ہے ۔۔۔ سرانجام ہر قوم و ملت یہی ہے

سدا اس زمانہ کی عادت یہی ہے ۔۔۔ طلسم جہاں کی حقیقت یہی ہے

بہت یاں ہوئے خشک چشمے اُبل کر
بہت باغ چھانٹے گے پھول پھل کر

کہاں ہیں وہ اہرام مصری کربانی | کہاں ہیں وہ گردان زابلستانی
گئے پیشدادی کدہر اور کیانی | مٹا کر رہی سب کو دنیائے فانی

لگاؤ کہیں کھوج کلدانیوں کا
بتاؤ نشاں کوئی ساسانیوں کا

وہی ایک ہے جسکو دائم بقا ہے | جہاں کی وراثت اسی کو سزا ہے
سوا اوسکے انجام سب کا فنا ہے | نہ کوئی رہے گا نہ کوئی رہا ہے

مسافر یہاں ہیں فقیر اور غنی سب
غلام اور آزاد ہیں رفتنی سب
(حالی)

دوبارہ ترقی کے آثار

سرونج کی ابتدائی آبادی، اور اُسکا عروج، عروج کے بعد زوال کے تمام مناظر گذشتہ صفحات میں تم دیکھ چکے ہو، قوم عمیق غاروں میں گر کر، پھر اُبھرنا شروع ہوئی ہے، زمانہ نے پھر کروٹ بدلی ہے، ہوا سرونج کی موافقت میں پھر چلنا شروع ہوگئی ہے، ہزہائینس حضور امین الدولہ وزیرالملک دام ملکہ کی توجہ نے ریاست کے سب سے بڑے پرگنہ سرونج کو ترقی دینی شروع فرمائی ہے، ہر سال دو چار پختہ منازل کے مکانات اور دُکانیں جدید تعمیر ہو جاتی ہیں، صنعت و حرفت بھی رو بہ ترقی ہے،

باسودہ اور باموره، ریلوے اسٹیشنوں تک پختہ سڑکیں تعمیر ہوگئی ہیں، تانگوں اور گاڑیوں کے علاوہ موٹروں کے ذریعہ سے بھی مال و مسافروں کی آمد رفت شروع ہے، روئی کا بہت بڑا کارخانہ مشین کے ساتھ قائم ہوگیا ہے، آٹا پیسنے کی مشینیں بھی کام کر رہی ہیں، جدید تہذیب کے ہوٹل بھی قائم ہوگئے ہیں، پیشہ ور اصحاب کی آمد شروع ہوگئی ہے، میونسپل کمیٹی کا

خاص انتظام ہے، یہی رفتار اور حسن انتظام ہے تو کچھ تعجب نہیں ہے کہ سرونج اپنے قدیم عروج و تمدن کی بہت کچھ تلافی کردے جسکے لئے مؤلف بھی دست بدعا ہے،

خنک امروز نسیم سحری می آید ۔۔۔ از لب غنچہ گل خوشخبری می آید

(از مؤلف)

چوتھا باب

حکومتوں کا انقلاب سرونج پر

اعتبارے نیست صائب طایر اقبال را ۔۔۔ ایں کبوتر ہر زماں مشتاق بام دیگر است (صائب)

تقسیم ارضی کی رو سے سرونج کا رقبہ مالوہ کی شرقی سرحد پر واقع ہے، ٹھاکر جی کی مورت (واقع مندر گردھاری جی) کے کتبہ کی رو سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ سمت ۱۱۰۶ بکرمی میں یہاں آبادی تھی، اور سینگر بنس کی جو عبارت کتبہ مذکور میں درج ہے، اسکا ثبوت ہے کہ سنیگر راجپوتوں کی بنوائی ہوئی مورت ہے وہی قوم اسوقت یہاں آباد تھی اور وہی لوگ اسکے پرستار تھے، لیکن تاریخ سرونج کے ابتدائی وجود کے بیان سے خاموش ہے،

راجگان ہنوار اور تونور کے قدیمی ملکی و انتظامی حالات تاریکی میں ہیں، البتہ سلاطین مالوہ اور شاہان تیموریہ کے زمانہ کے واقعات روشنی میں آچکے ہیں، تاہم سلاطین مالوہ کے عہد حکومت میں سرونج کا نام کسی اعزازی نسبت سے تاریخ میں درج نہیں ہے، بعض قدیم کاغذات سے اس امر کا پتہ ضرور چلتا ہے کہ سمت ۱۴۵۱ بکرمی سے قبل سرونج پرگنہ کی حیثیت سے وجود میں آچکا تھا، جسکو ۴۰ سال کا زمانہ ہوا، اسوقت سلاطین مالوہ کی مستقل حکومت اضلاع مالوہ پر تھی

جس میں سرکار چندیری مع پرگنہ سرونج شامل تھا، سب سے پہلا عہدِ سلطنت، سرونج کا نام جسکی تاریخ میں دکھائی دیتا ہے،، وہ شہنشاہ جلال الدین اکبر کا عہدِ سلطنت ہے،

آئین اکبری میں علامہ ابوالفضل نے آئین سکّہ کا جو عنوان قائم کیا ہے اوسمیں سرونج کا نام تجارتی شہر کی حیثیت سے تینتیسویں نمبر پر درج ہے، اس کے بعد علامہ فیضی کا قلم شکریہ کا مستحق ہے کہ جس نے ۹۹۹ھ میں سفارت خاندیس پر جاتے ہوئے سرونج میں قیام کرکے دنیا کو اسکی تجارتی عظمت سے روشناس کیا،

مؤلف نے تحقیقات کے سلسلہ میں ایک اور سندی شہادت تاریخ کے علاوہ بھی بہم پہنچائی ہے، اور وہ سند سلطان شیرشاہ کا فرمان مورخہ ۹۴۹ھ ہے جسکے ذریعہ سے اوس نے قاضی رکن الدین وغیرہ کو سرونج میں معافی عطا کی تھی، عہدِ اکبری کے تاریخی اندراج سے پورے ۵۰ سال قبل کی یہ شہادت ہے، جو اس بات کی قوی دلیل ہے کہ ۹۴۹ھ میں سرونج پرگنہ کی حیثیت سے طبقۂ ارضی پر موجود تھا،

سرونج سے گوشۂ مغرب و جنوب میں ۵۰ میل کے فاصلہ پر چندیری واقع ہے، جو اکبری انتظام سے قبل بھی سرکار یعنی ضلع کا صدر مقام تھا، اور اسکے ماتحت پرگنات (تحصیلات) میں ایک پرگنہ سرونج بھی شامل رہا، شاہان تیموریہ کے عہدِ حکومت میں بھی بدستور وہی اضافت قائم رہی،

سرونج پر سلہدی راجپوتوں کا قبضہ

محمود ثانی سلطانِ مالوہ کے اخیر دورِ سلطنت میں حکومت مالوہ ضعیف ہو چکی تھی، رائسین اور چندیری مشہور اضلاع پر پورنمل سلہدی راجپوت پوربیہ کا قبضہ تھا، اس سلسلہ سے سرونج بھی راجگان چندیری اور رائسین کے ماتحت رہا،

۵۱ علامہ فیضی کے خط کی نقل سرونج کے عروج و انحطاط کے عنوان میں درج کردی گئی ہے ۱۲ مؤلف۔

۵۲ تحقیقات آبادی کے عنوان میں اس سند کی نقل درج ہے ۱۲ مؤلف ۔

راجہ چندیری کا باغ اور ایک پختہ منہدم باؤلی آجتک سرونج میں یادگار آثار باقی ہیں ،

شیرشاہی دورِ حکومت

سلطان شیر شاہ نے ۱۰ محرم ۹۴۷ھ (۱۷ مئی ۱۵۴۰ء) میں ہمایوں شاہ کو قنوج کے مقام پر کامل شکست دیکر ۲ شوال ۹۴۸ھ (۲۴ جنوری ۱۵۴۲ء) میں ہندوستان کے شاہی تخت پر جلوس کیا ، سیاسی اثر ڈالنے کی غرض سے ۹۴۹ھ (۱۵۴۲ء) میں سلطان موصوف مالوہ بھی آیا ، رائسین چندیری اور مانڈو پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد ، شجاعت خاں کو مالوہ کی حکومت سپرد کرکے آگرہ چلا گیا ، شجاعت خاں نے ۱۲ سال اور اسکے بیٹے باز بہادر نے ۴ سال اور ۲ ماہ مستقل حکومت کی جو ۹۶۷ھ (۱۵۵۹ء) میں اکبری فتوحات پر ختم ہوگئی ۔ ،

تیموریہ خاندان کا دورِ حکومت

۹۶۲ھ (۱۵۵۵ء) میں ہمایوں شاہ دوبارہ ہندوستان آکر اپنا آبائی تخت ، جانشینان شیر شاہ سے واپس لینے میں کامیاب ہوا ، موت نے عجلت کی ، ۵ مہینہ کے بعد کوٹھے سے گر کر دنیا سے رخصت ہوگیا ،

"ہمایوں بادشاہ از بام افتاد" تاریخ ارتحال ہے ،،

اکبر[1] اپنے باپ کے انتقال کے وقت ۱۷ سالہ نوجوان شہزادہ تھا ، مگر قسمت میں فتوحات پدری کا ثمرہ مقدر تھا ، ہندوستان کے تاج و تخت کا مالک ہوکر اپنے اسلاف سے بہت زیادہ اقبال مند فاتح ، اور اولوالعزم تاجدار ثابت ہوا ،

بالائے سرش ز ہوشمندی   می تافت ستارۂ بلندی   (سعدی)

اکبر نے تخت نشینی کے بعد سب سے پہلے صوبہ مالوہ پر فاتحانہ نگاہ ڈالی ، اسوقت باز بہادر برائے نام تمام مالوہ کا بادشاہ تھا ، ۹۶۷ھ (۱۵۵۹ء) کا سال تھا کہ سلطان جلال الدین اکبر کے حکم سے ادہم سپہ سالار نے باز بہادر کے دارالحکومت ، سارنگپور پر تاخت کی اور کامیاب ہوا ، اسوقت سے

---

[1] اکبر اعظم ۹۴۹ھ میں پیدا ہوا ، شہنشہ جہانگیر ، مادۂ تاریخ ولادت ہے ، اور نصرتِ اکبر مادۂ سالِ جلوس ہے ۹۶۳ھ (۱۵۵۶ء) میں تخت نشین ہوکر ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۵ء) میں فوت ہوا ، مصرع تاریخ وفات ایک عدد کے تخرجہ سے یہ ہے ،
الفت کشیدہ ملک زفوتِ اکبر شاہ ، ۱۲

ناصر الدین محمد شاہ کے اخیر دورِ سلطنت ۱۱۵۶ھ تک تقریباً ۱۹۲ سال صوبہ مالوہ شاہان تیموریہ کے ممالک محروسہ میں شامل رہا جسکے محکومانہ رقبہ میں سرکار چندیری کے ساتھ سرونج بھی تھا،

تیموریہ سلطنت کا زوال

شہنشاہ عالمگیر ۱۰۲۸ھ میں پیدا ہوکر ۱۰۶۹ھ (۱۶۵۹ء) میں اکبرآباد اور دہلی کے تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا ۵۰ سال نہایت شان و شوکت، جلال، و عظمت، تدبر و سیاست کے ساتھ حکومت کرکے ۱۱۱۸ھ (۱۷۰۷ء) میں قید عناصر سے آزاد ہوا، شہنشاہ عالمگیر نے سلطنت کے رقبہ کو اسقدر وسعت دی تھی کہ اسکے جانشینوں سے مقبوضہ علاقوں کی حفاظت نہ ہوسکی، بہادر شاہ، جہاندار شاہ، فرخ سیر، محمد شاہ میں نہ اسقدر قابلیت تھی کہ سلطنت کو سنبھال سکتے، نہ سیاسی طاقت کا اتنا اثر تھا کہ صوبہ داران ماتحت فرمانبرداری کے ساتھ اضلاع کی نگرانی رکھتے،

قانونِ سلطنت کی ناآشنائی سے شیرازہ جمعیت پراگندہ تھا جسقدر بھی فوجی قوت تھی وہ باہم خانہ جنگیوں میں ختم ہوچکی تھی، حق یہ ہے کہ اتنی بڑی سلطنت کے مشین کے کل پرزوں کو اپنی اپنی جگہ نصب کرنے اور اسکو باقاعدہ چلانے کے لئے دوسرے عالمگیر کی ضرورت تھی،

شرح مجموعہ گل مرغ سحر داند و بس   نہ کہ ہر کو ورقے خواند و معانی دانست (خواجہ حافظ)

اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ ضعف سلطنت کی بنیاد خود شہنشاہ عالمگیر کے اخیر دورِ حکومت میں پڑ چکی تھی، تاہم اسکا شاہی اور سیاسی رعب و جلال و تاج و تخت کا ضامن رہا، اوسکی وفات پر اتنا ضعف کا احساس کرنے والا اور بغاوت کے سیلاب کو روکنے والا دوسرا مدبر سلطان پھر پیدا نہوا، ایک طرف مرہٹوں کا زور، دوسری طرف ارکان سلطنت اور حکومت کی عیارانہ حکمت عملیاں زوال سلطنت کا باعث ہورہی تھیں، جسکی اجمالی کیفیت یہ ہے کہ امیر الامرا سید حسن علیخاں اور قطب الملک

لہ آفتاب عالمتاب، تاریخ پیدایش، اور آفتاب عالمتاب تاریخ جلوس شاہی دوسری تاریخ جلوس کلام مجید کی اس آیت سے برآمد ہوتی ہے (اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم) تاریخ وفات یہ ہے، (روح و ریحان و جنۃ نعیم) دیگر، شد باد شہ ملک فنا عالمگیر،

سید عبداللہ خاں سادات بارہہ برادرانِ حقیقی سلطنت کے چشم و چراغ تھے، اُن کی قوت شاہی طاقت پر غالب آچکی تھی، جب خود غرضیوں کے مادّے نے ابھار کیا تو دونوں بھائی امورِ سلطنت کے تخریب کے جوڑ توڑ چلنے لگے ۱۱۳۱ھ میں فرخ سیر[1] کا خونِ ناحق انہی کے اشارہ سے ہوا جسنے مخالفت کی آگ عوام و خواص کے دلوں میں سلگا دی ''

امرائے شاہی میں اُسوقت نظام الملک[2] آصف جاہ ناظم صوبۂ ملک دکن اعزاز و بزرگی، تدبر، اور عام قبولیت کے لحاظ سے ممتاز تھا، قطب الملک نظام الملک سے خائف رہکر اس پر

---

[1] مرزا بیدل نے اس واقعہ کی تاریخ کو اسطرح موزوں کیا ہے '' دیدی کہ چہ با شاہِ گرامی کردند؛ صد جور و جفا زراہ خامی کردند
تاریخ چو از خرد بجستم فرمود؛ سادات بوئے نمک حرامی کردند

[2] نظام الملک کا نام میر قمر الدین، باپ کا نام شہاب الدین خاں، دادا کا نام عابد خاں، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے احفاد سے تھے سلسلۂ نسب جدّ مادری کے لحاظ سے علّامہ شیخ سعد اللہ وزیر اعظم شاہجہانی سے ملتا ہے، عابد خاں شاہجہانی عہد میں ہندوستان آئے، شاہزادہ اورنگ زیب کے ملازمین میں داخل ہو کر عالمگیری عہد سلطنت میں پنجہزاری منصب پر سرفراز ہو کر دو مرتبہ صدارت کے مرتبہ پر فائز ہوئے ۱۰۹۸ھ گولکنڈہ کے محاصرہ کے زمانہ میں گولہ سے مجروح ہو کر انتقال کیا، شہاب الدین خاں عہد عالمگیری میں ترقی کرتے ہوئے ہفت ہزاری منصب اور غازی الدین خاں فیروز جنگ کے خطاب سے ممتاز ہوئے اکثر سپاہ سالار بھی رہے، فتح بیجاپور پر فرزند ارجمند کا بھی اعزازی خطاب ملا، بہادر شاہ شاہ عالم کے عہد میں صوبہ دار گجرات ہو کر ۱۱۲۲ھ میں وفات پائی، میر قمر الدین اسی فیروز جنگ کا سپوت تھا عالمگیری عہد میں بیجاپور کی صوبہ داری حاصل کر کے پنجہزاری منصب حاصل کر چکا تھا، شاہ عالم نے خانداوراں کا خطاب دیکر اودھ کی صوبہ داری پر مامور کیا، امیر الامراء ذوالفقار خاں کے اقتدار پر ترکِ مناصب کر کے گوشہ نشین ہو گیا، جہاندار کے عہد میں، پھر گوشہ سے نکلا اور اپنے مناصب پر فائز ہوا فرخ سیر نے ہفت ہزاری کا منصب عطا کر کے آصفجاہ نظام الملک فتح جنگ کا خطاب دیا، دکن کی صوبہ داری بھی ملی، محمد شاہ کے عہد میں دو مرتبہ وزارت پر فائز ہوا محمد شاہ کی وفات کے ۳۷ روز بعد ۱۱۶۱ھ میں نظام الملک نے بھی انتقال کیا، اعتماد الدولہ قمر الدین خاں صدر اعظم نے بھی اسی سال رحلت کی مولوی غلام علی آزاد بلگرامی نے ۶ عدد کے تخرجہ سے ذیل کی تاریخ وفات استخراج کی ہے '' گشت تاریخ چون کشیدم آہ؛ موتِ شاہ و وزیر و آصفجاہ ''۱۲۷۷ سو

کاری ضرب لگانے کی فکر میں تھا، رفیع الدرجات کے جلوس کے تیسرے روز دونوں بھائیوں نے نظام الملک کو مالوہ کی صوبہ داری پر رضا مند کر لیا، نظام الملک عہد عالمگیری کا تجربہ کار اور جہاندیدہ امیر تھا، اُسوقت دونوں بھائیوں کی طاقت کا اندازہ کر کے دارالخلافہ سے نکل جانا عین مصلحت سمجھا، اور مالوہ روانہ ہو گیا، جانے کے بعد اُس نے دوراندیشی اور تدبیر کے ساتھ اپنی فوجی قوت بڑھانی شروع کر دی، یہاں امیر الامرا اس فکر میں تھا کہ نظام الملک پر کوئی محاسبہ قائم کر کے اُسے معزول کر دے، مرحمت خاں قلعدار مانڈو اُسی زمانہ میں امیر الامرا کے حکم سے بر طرف ہو کر نظام الملک کی خدمت میں پہنچ گیا تھا، چونکہ بہادر اور کارگذار تھا، اس لئے نظام الملک نے اُس سے پہلی خدمت یہ لی کہ قلعہ راحت گڑھ[1] جو سرونج اور بھیلسہ کے درمیان ہے اور جس پر چند سال بوندیلہ نے قبضہ کر لیا تھا مختصر جمعیت کے ساتھ روانہ کیا تاکہ کامیابی پر اُسکا کام عفو تقصیر کا باعث ہو سکے، مرحمت خان روانہ ہو کر سرونج آیا، اور بھیلسہ بھی گیا، سرونج سے کافی جماعت روہیلوں[2] کی بہم پہنچا کر راحت گڈھ پر حملہ آور ہوا، دباؤ سخت تھا اس لئے قلعہ واپس لینے میں کامیاب ہو گیا،

امیر الامرا کو خبر ہوئی، موقع ہاتھ آیا، اور نظام الملک سے جواب طلب کیا، کہ موقوف شدہ افسر سے کیوں کام لیا گیا، اسکے ساتھ ہی چند باتیں اس قسم کی لکھیں، جن سے بخلاف نظام الملک سوئے ظنی کا اظہار ہوتا تھا،

نظام الملک نے مناسب جواب لکھکر یہ شعر بھی درج کیا،

من بیوفا نیم بیوفا مخورم قسم   من چوں شما نیم بشما مخورم قسم

---

[1] تاریخ ہندوستان میں راحت گڈھ کا نام مولوی ذکاءاللہ مرحوم نے رانا گڈھ درج کیا ہے اور سیر المتاخرین مطبوعہ ۱۲۴۸ھ میں رات گڈھ درج ہے، دونوں نام غلط ہیں یا تو کتابت کی غلطی ہے یا انہوں نے غلط لکھا ہے، راحت گڈھ سرونج سے ۴۰ میل کے فاصلہ پر موجودہ زمانہ میں ضلع ساگر سی پی کے علاقہ میں مشہور مقام ہے ۱۲

[2] غالباً سرونج کے مشہور محلہ روہیلپورہ کے بہادر افغان ہونگے ۱۲ مؤلف

جواب نے امیر الامراء کو اور زیادہ مشتعل کیا، محمد شاہ کے جلوس کا دوسرا سال تھا کہ امیر الامراء نے نظام الملک کے خلاف عملی قدم بڑھایا، اُدھر نظام الملک مریم مکانی (والدۂ محمد شاہ) اور دیگر امراء کے ایما سے کچھ فوج لے کر مندسور کے انتظام کے بہانہ سے اوجین آیا، وہاں سے سرونج کی طرف کوچ کی شہرت دیکر دو تین منزل ادھر آیا، اور پھر سیدھا دکن چلا گیا، وہاں سے مزید فوج ہمراہ لے کر قلعہ آسیر کو فتح کرتا ہوا برہانپور میں بلامزاحمت داخل ہو گیا[1]، نظام کے گرد بنجیال خیر خواہی سلطنت، سرداران ملک کا اجتماع ہوتا جاتا تھا،

سادات بارہہ نے نظام کے مقابلہ کے لئے عالم علیخان، دلاور علیخاں، راجہ بھیم سنگھ[2] اور راجہ گج سنگھ[3] کو کثیر سپاہ کے ساتھ روانہ کیا، برہانپور سے ۱۶ کوس ورلی طرف فریقین میں مقابلہ ہوا، دلاور علیخاں نے شکست کھائی اور مقتول ہوا، جس سے ہواخواہاں سادات کا رخ پھر گیا بہادر راجپوتوں میں میدان جنگ سے بھاگنا چھتری آن کے خلاف ہے، اس لئے بھیم سنگھ اور گج سنگھ دونوں گھوڑوں سے اتر کر شمشیر برہنہ اپنے حریف کے صفوں میں داخل ہو گئے، درحقیقت بہادری و مردانگی کا کام کیا، لیکن مغلوب ہو کر اپنے چار سو سورما جاں نثار دنکے ساتھ آصفی تلواروں کے نذر ہو گئے،،

دوبارہ اُسی سال ۱۱۳۱ھ (۱۷۱۹ء) میں امیر الامراء نے اپنے بھتیجے عالم علیخاں کو ۳۰ ہزار سپاہ کے ساتھ نظام کے مقابلہ کو روانہ کیا، جسکا مقام بالاپور (ملک برار) میں آصفجاہی افواج سے مقابلہ ہوا بڑی خونریز جنگ ہوئی، آصفی توپخانہ برق و رعد کی طرح چمک اور گرج رہا تھا، جب عرصہ تک کوئی فریق مغلوب نہ ہوا تو تجربہ کار نظام الملک نے جنگ گریز کی، پہلے سے توپخانہ عقب میں لگا دیا گیا تھا، عالم علیخاں کی فوج جب متعاقب توپخانہ کی زد پر پہنچی، اُس وقت توپوں کو آتش فشاں

[1] تاریخ ہندوستان مؤلفہ شمس العلما مولوی محمد ذکاء اللہ مرحوم ۱۲

[2] مہاراجہ بھیم سنگھ ہاڈہ اُسوقت کوٹہ کا راجہ تھا، ۱۲ تاریخ ہندوستان

[3] راجہ گج سنگھ اسوقت نرور کا راجہ تھا، نرور موجودہ زمانہ میں ریاست گوالیار کا ایک ضلع ہے، ۱۲ تاریخ ہندوستان

کا نمونہ دکھلایا جس سے عالم علیخاں کی سپاہ کا ستھراؤ ہو گیا، لیکن عالم علیخاں کی بسالت و شجاعت پر آفریں ہے کہ جب اُس کے ترکش میں ایک تیر بھی نہ رہا، تو جو تیر مخالف سپاہ کی کمانوں سے نکلکر اوسکے سینہ میں پیوست ہوتے، انکو زخموں سے نکال کر اپنی کمانوں کے ذریعہ سے دشمنوں پر چلاتا تھا، دم واپسیں تک فیل نشین بہادر کا یہی مشغلہ رہا اور کہتا رہا، ؎

من آنگہ عناں باز پیچم ز راہ ۔۔۔ کہ یا سر دہم یا ستانم کلاہ (نظامی)

آگے چلکر بیگناہ فرخ سیر کا خونِ ناحق رنگ لاتا ہے، ع

در پسِ ہر خندہ آخر گریہ الیست

قطب الملک اور امیر الامراء ان دونوں شکستوں سے رنجیدہ ہو کر اور پُر جوش ہوئے، ۶۰ ہزار سواروں کی معیت میں محمد شاہ کو ہمراہ لے کر نظام کے مقابلہ کے لئے خود دہلی سے نکلے، آگرہ سے بڑھکر ۳۵ کوس پر منزل تورہ میں قیام کیا، امیر الامراء پالکی میں بیٹھکر جا رہا تھا، میر حیدر خاں نے ایک عرضی اوسکو دیکر اوسکے مطالعہ کی طرف متوجہ کیا، امیر الامراء نے عرضی کو غور سے دیکھنا شروع کیا، موقع پاکر میر حیدر نے پھرتی کے ساتھ کمر سے خنجر نکال کر رسید کیا، امیر الامراء فی الفور ہلاک ہو گیا، اور خود بھی میر حیدر دوسرے کے ہاتھ سے وہیں مارا گیا،

اب دوسرے بھائی قطب الملک کو محمد شاہ سے بھی بدگمانی پیدا ہوئی، انتقامانہ جوش و خروش کے ساتھ ایک لاکھ کی مجموعی زبردست طاقت فراہم کر کے ۱۴ محرم ۱۱۳۳ھ کو سوا د حسن پور میں محمد شاہی افواج سے نبرد آزما ہوا، لیکن سخت ترین ہزیمت پاکر گرفتار ہوا، مگر اوسوقت سادات کی اعزازی نسبت نے اوسکو قتل سے بچا لیا،

خون ناحق ہے دیکھ لے قاتل ۔۔۔ رنگ لائے گا یہ کہیں نہ کہیں (مؤلف)

خداوند عالم کا ارادہ انسانی ارادوں پر غالب ہے، سادات بارہہ نے نظام الملک اور محمد شاہ کی بیخکنی پر کمر باندھ کر دہلی کا تخت حاصل کرنا چاہا تھا۔ لیکن جو دام انہوں نے بچھایا تھا، اسمیں وہ خود پھنسکر شکار ہو گئے، نہ وہ جاہ و حشم رہا، نہ وہ شکوہ و خدم، ذلت کا ہار جو مقدر میں تھا

وہ انکو نصیب ہوا ،

ہر آنکہ تخم بدی کِشت و چشم نیکی داشت
دماغ بیہودہ پخت و خیال باطل بست (سعدی)

فتنہ و فساد کے کانٹوں سے جب بساط سلطنت صاف ہوگئی تو وزارت کے بار گراں اُٹھانے کے لئے سب کی نگاہیں نظام الملک کی طرف اُٹھیں ، مغلیہ سلطنت کی خیرسگالی کے خیال سے ۱۱۳۴ھ میں دہلی پہنچکر نظام الملک نے پہلی مرتبہ وزارت کا چارج لے کر ہمہ تن اصلاح ملک کی طرف متوجہ ہوگیا ، دوسری طرف ایشیائی بادشاہوں کی طرح محمد شاہ نے رزم سے فرصت پاکر بزم آرائی شروع کردی ، عیش و عشرت کے خمار نے اسکی دماغی طاقت کو سلب کرلیا ، مزاج میں استقلال نہ رہا ، ہواخواہان سلطنت کے نیک مشوروں کو اندرونی و بیرونی خودغرضانہ مداخلت سے بہت کم قبول کرتا ، آثار اچھے نہ تھے ،

بالآخر مغلیہ جاہ و جلال کا آفتاب زوال پذیر ہونے لگا ، صوبہ داران و ناظمان ملک نے ضعفِ سلطنت کا احساس کرتے ہوئے آزادی و خودمختاری کا علیحدہ خواب دیکھنا شروع کیا ، یہانتک کہ بدنظمی و خودمختاری کے جراثیم سے تمام ہندوستان موؤف ہوگیا ، جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ دکن میں نظام الملک نے ، اودھ میں برہان الملک نے ، بنگال میں جعفرخاں مرشد قلی نے آزادانہ حکومتیں قائم کرلیں ، دوسری طرف افق ستارہ سے مرہٹوں کا کوکب اقبال طلوع ہوتا شروع ہوا ، سیواجی[1] مرہٹہ نے عہد عالمگیری

[1] سیواجی ماہ مئی ۱۶۲۷ء میں لکھوجی عرف جادو راؤ (سردار راجہ دیوگڈھ دولت آباد) کی دختر کے بطن اور مالوجی بھونسلا سردار مرہٹہ کے پسر ساہوجی کے صلب سے پیدا ہوا ، جب شاہجہاں نے والی بیجاپور کے اتفاق سے احمدنگر کی حکومت کو پامال کرکے ملک کو آپس میں تقسیم کرلیا تو تقسیم کی رو سے کوکن کا علاقہ والی بیجاپور کے حصہ میں آیا ، ساہوجی (سیواجی کے باپ) نے والی بیجاپور کی نوکری اختیار کرلی اور اسکی جاگیر جو بیجاپور کی طرف منتقل ہوچکی تھی ، بدستور وہ اسکے قبضہ میں رہی ، ساہوجی بیجاپور کی طرف سے کرناٹک علاقہ میں ملک گیری کرتا رہا ، اس سلسلہ میں میسور کے نزدیک بھی اسکو بڑی جاگیر حاصل ہوئی جسمیں بنگلور وغیرہ بڑے بڑے شہر داخل تھے ، سیواجی بوجہ صغیر سنی پونہ میں سکونت پذیر تھا ، پونہ کی جاگیر اور سیواجی کی سرپرستی کا انتظام ، داوجی کنڈونا می ایک برہمن

(بقیہ صفحہ ۱۶۰)

کے حوالہ تھا ، اس زمانہ میں صید بازی ، شہسواری اور دیگر سپاہ گری کے فنون کا عام رواج تھا ، سیواجی نے تمام فنون میں کمال حاصل کیا ، اسکے رفیقوں میں کچھ باپ کے سوار تھے ، اور کچھ کوہستانی لٹیرے ، سیواجی نے لٹیرے دوستوں کے ساتھ کچھ روزغارتگری کا پیشہ اختیار کیا جس سے وہ اور دلیر اور مضبوط ہوگیا ، ۱۶ سال کی عمر کو پہنچا تو اپنے اتالیق کے انتظامی امور میں بھی دخل دینے لگا ، جب وہ مرگیا تو سیواجی نے قلعہ چاکنہ پر قبضہ کرلیا ، حوصلہ بڑھتا گیا ، عادل شاہ والی بیجاپور کے آخری زمانہ میں ضعف حکومت کی بنا پر اس نے کوکن علاقہ پر بھی تاخت کی اور بہت سا ملک دبا لیا ، اوسکے باپ بھائی بیجاپور کے نمک خوار تھے ، اس لئے انہوں نے سیواجی کی حرکت پر بہت ملامت کی حتی الامکان روکنا چاہا مگر سیواجی کو فتوحات کی چاٹ پڑگئی تھی ، وہ اس مشغلہ کو برابر وسعت دیتا رہا ، آخرکار افضل خان حکومت بیجاپور کی طرف سے سیواجی کی گوشمالی کو مامور ہوا ، یہ سردار نہایت زبردست اور قوی الجثہ تھا ، سیواجی اس سے خائف تھا چال یہ چلا کہ اپنی تسلّی و تسکین کی خاطر افضل خاں سے تنہائی میں ملاقات کرنی چاہی ، خانصاحب جسقدر بہادر تھے ، اسیقدر سادہ لوح بھی تھے ، عیار کی چال میں آگئے ، پرتاب گڈھ کے قلعہ سے سیواجی باہر آیا ، افضل خاں انتظار میں تھا ، سیواجی کو دیکھتے ہی بغلگیر ہونے کیلئے دونوں بازو کھولدیئے ، سیواجی نے فولادی خنجر سے بغلی مصافحہ کیا اور دوسرا وار تفنگچہ کا کیا ، افضل خاں نے گرتے گرتے سیف کا وار دسپر کیا مگر وہ کارگر نہ ہوا ، افضل خاں وہیں ٹھنڈا ہوکر رہ گیا ، سیواجی اپنی عیارانہ کامیابی سے بے حد مغرور ہوا ، اور بھی زیادہ ہاتھ پاؤں پھیلانے شروع کیے [۱۶۶۲ء] تک اس کے پاس ، ۷ ہزار سوار اور ۵۰ ہزار پیادوں کی جمعیت ہوگئی تھی ، رفتہ رفتہ علاقہ شاہی صوبہ دکن کی طرف بھی اس نے حرکت شروع کی ، امیرالامراء نواب شائستہ خاں صوبہ دار دکن اسکی سرکوبی کے لئے دولت آباد سے نکلا ، پونہ اور چاکنہ کے مستحکم قلعوں کو اس سے چھین لیا ، کوہستانی علاقوں کی ناہمواری اور مشکلات کی وجہ سے امیرالامراء کو کافی طور پر کامیابی نہ ہوئی ، شہنشاہ عالمگیر نے امدادی ضرورت محسوس کرکے مہاراجہ جسونت سنگھ راٹھور صوبہ دار گجرات کو بھی روانہ کیا ، عرصہ تک وہ بھی سیواجی کے متعاقب رہا ، مگر وہ ہاتھ نہ آیا ، یہانتک کہ [۱۶۶۳ء] میں جبکہ نواب شائستہ خاں پونہ میں مقیم تھا ، سیواجی نے اسقدر جسارت کی کہ قلعہ سنگم نیر سے (جو پونہ سے ۱۲ کوس کے فاصلہ پر ہے) کچھ فوج لیکر نکلا ، راستہ میں تھوڑی تھوڑی فوج چھوڑتا ہوا چلا گیا ، صرف ۲۵ جوانوں کو ساتھ لے کر ایک بارات کے جلوس میں (جو پونہ کو جارہی تھی) شامل ہوکر پونہ کے اندر داخل ہوگیا ، نواب شائستہ خاں اوسوقت

(بقیہ صفحہ ۱۶۱)

اُس مکان میں مقیم تھا جسمیں خود سیواجی نے پرورش پائی تھی، اسلئے تمام دروازوں سے واقف تھا مخفی طور پر
ایک دروازہ سے محل کے اندر داخل ہوا، شائستہ خاں حواس باختہ ایک کھڑکی سے کودکر بھاگا، بھاگتے ہوئے
بھی اوسکی ایک انگلی میں زخم آیا، ابوالفتح اوسکا بیٹا مقابلہ میں مارا گیا، اور سیواجی پھرتی سے نکلکر اپنے قلعہ کو روانہ
ہوگیا، اس کامیابی پر سیواجی نے اپنے قلعہ سنگم نیر پر اسقدر چراغاں کیا کہ اوسکی روشنی پونہ میں نظر آرہی تھی،

عالمگیر نے سنکر اس واقعہ کو شائستہ خاں کی غفلت پر محمول کرتے ہوئے اوسے صوبہ بنگال پر تبدیل کردیا
اور شاہزادہ محمد معظم کو اوسکی جگہ صوبہ دار دکن اور مہاراجہ جسونت سنگھ کی جگہ پر راجہ جے سنگھ کچھواہا کو مع ۴ ہزار
سواروں کے گجرات، پر مامور کیا، جس نے ۱۰۷۵ھ میں پونہ پہنچکر جسونت سنگھ سے چارج لیا، اسکے بعد قلعہ
رودرمال اور پورن دہر کو (جسمیں سیواجی کا تمام ساز و سامان تھا) محصور کرلیا، سیواجی اسوقت قلعہ پرتاب گڈھ
میں تھا، تاب مقابلہ نہ دیکھ کر عجز و انکساری کا اظہار کیا، جے سنگھ نے بلا ہتھیار حاضر ہونے کی اجازت دی،
سیواجی حاضر ہوا، باہمی مصالحت کی رو سے علاقہ کوکن کے ۳۵ قلعوں میں سے ۱۲ قلعے سیواجی کو دیئے گئے.
باقی ۲۳ قلعے بادشاہی تسلط میں آئے، سیواجی اوسکے پسر کو عالمگیر کی طرف سے پنجہزاری کا منصب عطا ہوا
جشن شاہی کے موقع پر سیواجی دہلی حاضر ہوا مخلص خاں وغیرہ سرداروں نے اوسکا استقبال کیا، دربار میں
امرایان کے سلسلہ میں اوسکو کھڑا کیا گیا، لوگوں سے سیواجی نے ایستادہ رہنے سے اپنی توہین کی شکایت کی
شہنشاہ عالمگیر نے سنا تو شہر کے باہر ایک خیمہ میں اوسے بھیجدیا، اور اوسکی نگرانی رکھی گئی، راجہ جے سنگھ نے سنا
تو عرضداشت بھیجی کہ میں نے سیواجی سے معاہدہ امن کرلیا ہے، اس پر عالمگیر نے معافی دیکر پہرے اوٹھوا دیئے
اوسکے بیٹے سنبھاجی پر شاہانہ نوازشیں ہوئیں، اعزاز کے ساتھ سیواجی کو عنقریب رخصت کردینے کا ارادہ تھا،
کہ وہ رات کو چھپکر فرار ہوگیا، اور ایسا بھاگا کہ پھر عمر بھر ہاتھ نہ آیا، سیواجی، بھاگ کر آیا تو اور بھی طاقتور
ثابت ہوا، تمام قلعہ جات جو معاہدہ کی رو سے شاہی تسلط میں دیئے گئے تھے، اون سب کو واپس لینے میں کامیاب
ہوگیا، شہنشاہ عالمگیر نے تمام حکمت عملیاں اوسکی گرفتاری میں خرچ کردیں، لیکن پہاڑوں کی ناہمواری اور ہر قسم
کی فوجی مشکلات کی وجہ سے کامیابی نہ ہوئی، عالمگیر نے دق ہوکر موش کوہی اوسکا نام رکھدیا، اس مناسبت
سے کہ اوس علاقہ میں موش زیادہ ہوتے ہیں۔

میں جن باغیانہ خیالات اور فاتحانہ ارادوں کی تخم ریزی ہند کی جنوبی سرزمین میں کی تھی۔ وہ سرسبز ہوکر نشو ونمائی قوت کے ساتھ ظاہر ہونے لگی۔ اگر پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کی طاقت احمد شاہ درانی سے ٹکرا کر پاش پاش نہ ہو جاتی تو آج سارا ہندوستان مرہٹوں کے زیر اثر ہوتا۔

جب حالت اس درجہ تک پہونچی آصف جاہ نظام الملک وزارت سے دستکش ہوکر دکن میں چلا گیا۔ ۱۱۳۵ھ میں دہلی آکر پھر وزارت کا چارج لیا۔ ۱۱۳۶ھ میں بعض وجوہ سے دوبارہ

بقایہ گزشتہ سیواجی کا پیمانہ عمر لبریز ہوا۔ عالمگیر کے جلوس کے تیسویں سال ۱۰۹۱ھ/۱۶۸۰ء میں بعمر ۵۳ سال راجگڈھ قلعہ میں فوت ہوگیا، اس وقت اس کی حکومت ۴۰۰ میل طول اور ۱۲۰ میل عرض میں پھیلی ہوئی تھی ۱۶۷۴ء میں راج تلک کی رسم بڑی شان و شوکت سے ادا کرکے خود مختار راجہ بن گیا تھا، مذہبی جوش اور جنگجویانہ روح جو وہ اپنی قوم میں پھونک چکا تھا، اس نے آخر کار سلطنت کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا۔

مرہٹوں میں برہمن، راجپوت، کورمی، اشنکر جاتی وغیرہ اکثر قومیں شامل ہیں جن کا اصلی وطن جنوبی ہند کا وہ قلعہ ہے جو مہاراسٹر کے نام سے کتابوں میں درج ہے۔

سنبھاجی اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ دائم الخمر اور نااہل ثابت ہوکر پانچ سال کے بعد قتل کردیا گیا، اس کے بعد راجہ رام چھوٹے بھائی نے اپنے نابالغ برادرزادہ ساہوجی کی طرف سے حکومت کے کام کو سنبھالا، چند روز کے بعد جب شاہی فوج نے اس کے دارالریاست رائے گڈھ پر فوج کشی کی تو راجہ رام ساہوجی کو چھوڑ کر کرناٹک بھاگ گیا، اس کی غیر حاضری میں ریاست کے کام کو رام چند نیلکنٹھ نے سنبھالا، آخر کار ساہوجی اسیر سلطانی ہوا۔ شہنشاہ عالمگیر کی وفات کے بعد ساہوجی قید سلطانی سے آزاد ہوکر بادشاہ کی اجازت سے ستارہ میں راج کرنے لگا، ساہوجی کا وزیر مسمی بالاجی کانکن علاقہ کا ایک برہمن تھا، جس نے اپنا لقب پیشوا اختیار کیا وہ نہایت بیدار مغز اور دلاور تھا، اس کا بیٹا باجی راؤ پیشوا مشہور شخص گذرا ہے۔ جس کے کارنامے اصل مضمون میں درج ہوں گے۔!! (انتخاب از سفرنامہ ڈاکٹر برنیر، مترجمہ وفٹ نوٹ، خلیفہ سید محمد حسین صاحب میر منشی پٹیالہ مشیر الدولہ ممتاز الملک، بہادر بحوالہ تاریخ مرہٹہ وغیرہ)

وزارت سے دست بردار ہوکر اپنی حکومت گاہ دکن کی طرف روانہ ہوگیا اور نہایت اطمینان کے ساتھ اپنے صوبہ کی اصلاح و انتظام میں مصروف رہا، صوبہ مالوہ کی حکومت بھی اسوقت نظام الملک ہی سے متعلق تھی،

ناصرالدین محمد شاہ کے کمزور دماغ نے استعفا کی منظوری کا فیصلہ بغیر سوچے سمجھے بہت جلد صادر کردیا، اسی پر اکتفا بھی نہ کی بلکہ فی الفور گردھر نامی ایک برہمن سردار کو مالوہ کی حکومت پر مامور کرکے روانہ بھی کردیا،

مرہٹوں کی تاخت مالوہ پر

یہ وہ زمانہ ہے کہ ساہوجی دوم (سنبھاجی کا بیٹا سیواجی کا پوتا) خودمختار راجہ ہے، باجی راؤ پیشوا (بالاجی المتوفی ۱۷۲۰ء کا سپوت) اپنی آبائی وزارت پر قائم اور مرہٹہ افواج کا جنرل بھی ہے

سلطنت مغلیہ کا زوال و انحطاط ظاہر ہوچکا تھا، مرہٹوں نے بھی ضعف حکومت کا احساس کیا، سنہ ۱۱۳۶ھ (۱۷۲۴ء) کا آغاز تھا کہ مرہٹوں کی فوج ستارہ کی چاردیواری سے باہر نکلی، جسکا قائد اعظم باجی راؤ پیشوا تھا، پہلا حملہ مالوہ پر ہوا، گردھر بہادر ناظم مالوہ[1] نے بہادری سے مقابلہ کیا اور مارا گیا، دیا بہادر (گردھر بہادر کے بھتیجے) نے اور بھی سخت سی مدافعانہ جنگ کی، خوب لڑا لیکن موت نے اوسکو بھی چچا کے پاس پہنچا دیا، ملہر راؤ[2] (مشہور ملہار راؤ) بانی ریاست اندور پیشوا کی افواج

---

[1] ۱۱۴۲ھ (۱۷۲۹ء) میں دونوں چچا بھتیجے مارے گئے، گردھر بہادر پہلے الہ آباد کا پھر اودھ کا اسکے بعد مالوہ کا صوبہ دار رہا تھا، سیر المتاخرین

[2] ملہر راؤ ۱۶۹۳ء میں پونہ سے ۴۰ کوس کے فاصلہ پر موضع ہل میں کنندوجی کاشتکار کے یہاں پیدا ہوا اسکے آباؤ اجداد کسی زمانہ میں متھرا کے قریب بکریاں چرانے کا پیشہ کرتے تھے وہاں سے منتقل ہوکر چتوڑ، وہاں سے دکن آکر آباد ہوئے ملہر راؤ پانچ سال کا تھا کہ اسکا باپ مرگیا، ماموں نے پرورش کی، وہاں بھی اکثر بکریاں چراتا رہا، ماموں نے اسکو ہونہار دیکھکر سپاہیانہ ہنر سکھلائے پھر سواروں میں بھرتی کرادیا، ایک موقع پر اوس نے نظام الملک کے ایک فوجی افسر کو بڑی بہادری سے قتل کیا جس نے اسکے نام کو چمکا دیا۔ ماموں نے خوش ہوکر اپنی دختر سے اسکی شادی کردی، جسکا نام گوتما بائی تھا رفتہ رفتہ ترقی حاصل کرتے ہوئے پیشوا کی فوج میں پانسو سوار کا افسر ہوگیا، کانکن کی جنگ میں اسکو مزید شہرت حاصل ہوئی اسکے بعد مالوہ کی فتوحات نے اسکے کارناموں پر چار چاند لگادئے، تاریخ اندور

کا قابل ترین سپاہ سالار تھا، اوس نے مالوہ کے اکثر اضلاع کو فتح کیا، پیشوا نے اعلے کارگذاری کے صلہ میں اندور کا علاقہ اوسے جاگیر میں دیا،

گردہر بہادر کے قتل کے بعد یکے بعد دیگرے محمد خاں[1] بنگش نواب محمد خاں بہادر مظفر جنگ راجہ جے[2] سنگھ (والی جے پور) مالوہ کی صوبہ داری پر مامور ہوئے لیکن بدنظمی بدستور باقی رہی،

باجی راؤ کا حملہ سرونج پر

۱۱۴۶ھ میں باجی راؤ تاخت کرتا ہوا سرونج بھی آیا، شاہی فوج تعاقب میں تھی، مظفر خاں میر آتش، (امیر الامراء صمصام الدولہ کا بھائی) تیزی کے ساتھ متعاقب سرونج پہنچا، لیکن باجی راؤ حکمت عملی کے ساتھ مقابلہ کئے ہوئے بغیر نکل گیا، مظفر خاں نے کچھ روز سرونج قیام کیا اور پھر دہلی واپس چلا گیا،، صاحب سیر المتاخرین صفحہ ۴۹۲ مطبوعہ نولکشور پریس میں لکھتے ہیں ،،

---

[1] نواب محمد خاں بہادر مظفر جنگ خطاب تھا، فرخ سیر کے عہد میں فرخ آباد (واقع ممالک متحدہ) اسی نے آباد کیا مدتوں اسکی اولاد مالکانہ حیثیت سے فرخ آباد پر قابض رہی ۱۲ سیر المتاخرین

[2] جے سنگھ مشہور راجہ گذرا ہے، شہر جیپور (راجپوتانہ) اسی کا آباد کیا ہوا ہے جو اسی کے نام سے منسوب ہوا، دلیری اور تدبر میں بے مثل تھا، تخت دہلی کی طرف سے اس نے بڑے بڑے معرکے سر کئے ہیں، صوبہ داری مالوہ کے زمانہ میں مدتوں سرونج بھی مقیم رہا، جسکی تصدیق فرمان مورخہ ۱۱۴۳ھ سے ہوتی ہے جو خواجہ عبد الہادی کے خاندان میں سید اصغر علی محلہ چھیپٹی کے پاس محفوظ ہے ۱۱۳۱ھ میں بھی راجہ جے سنگھ سرونج میں مقیم تھا، نواب دلیر محمد خاں بانی ریاست کورو ائی اس سے سرونج آکر ملے، ۲ لاکھ روپیہ کی امانت چاہی، راجہ مذکور نے اس شرط پر ۲ لاکھ روپیہ دینے کا وعدہ کیا کہ راجہ بھیم سنگھ والی کوٹہ کا سر کاٹ کر میرے سامنے پیش کرو، نواب دلیر محمد خاں نے تعمیل کی اور بھیم سنگھ کو قتل کر کے اوسکا سر حاضر کیا، راجہ جے سنگھ نواب موصوف کی دلیری سے بہت زیادہ متردد ہوا، اور دربار شاہی میں اونکی نگرانی کے لئے عریضہ لکھا، محمد شاہ بادشاہ نے نظام الملک کو ہدایات دیں، نظام الملک دکن جاتے ہوئے سرونج مقیم ہوئے اور یہاں نواب دلیر محمد خاں کو بلوا کر گفتگو کی، خیر خواہانہ خیالات کا اندازہ کرنیکے بعد باہم صفائی ہوگئی ۱۲ (تاریخ ہندوستان، ولادت نواب دلیر محمد خاں بہادر)

باجی راؤ ضعف سلطنت و رخصت عقل ارکان حضور دریافتہ و اسباب اقتدار خود، بر ہر دو صوبہ مہیا دیدہ قدم بر جرأت پیش گذاشت، مظفر خاں برادر صمصام الدولہ بہ مہم او مامور شدہ بملک مالوہ در آمدہ تا سرونج رسیدہ طالب نبرد با مرہٹہ گردید، باجی راؤ ترک مقابلہ اصلح دیدہ بہ دکن برگشت،

صوبہ مالوہ کی سند باجی راؤ کو

۱۱۴۸ھ ۳۴-۱۷۳۵ء میں راجہ جے سنگھ نے ملکی مصالح کی بنا پر دربار شاہی میں سفارش کرکے باجی راؤ کو نظامت مالوہ کی سند دلا دی، جسے ملہر راؤ سپاہ سالار پہلے ہی فتح کر چکا تھا، اس طرح مالوہ کے تمام اضلاع کے ساتھ چندیری کا ضلع بھی پیشوا کی طرف منتقل ہو گیا، جسکے محکومانہ رقبہ میں سرونج پرگنہ بھی شامل تھا،

نظام اور باجی راؤ میں جنگ

اس شاہی عنایت پر بھی باجی راؤ نے قناعت نہ کی، گجرات پر حملہ کرکے اُسے بھی اپنے زیر اثر لایا، نظام الملک سے بھی نوک جھونک رہی، نظام الملک نے ایک موقع پر پیشوا کی فوجی قوت کے استیصال کے ارادہ سے پونہ پر فوج کشی بھی کی، لیکن تقدیر میں شکست تھی، عقب سے مرہٹہ افواج نے نظام الملک کے لشکر کو محصور کر لیا،

ایسے مواقع پر فوج اور افسروں میں انتشار کا ہونا ناگزیر ہے، لیکن نظام الملک جہاندیدہ اور جنگ آزمودہ جنرل بھی تھا، انجام پر نظر کرکے فوراً صلح کر لی، جس سے اُس کی فوج صحیح وسالم نکل آئی،

باجی راؤ کا دوآبہ پر حملہ

باجی راؤ پیشوا اس کامیابی سے اور بھی زیادہ مغرور ہوا دکن اور گجرات سے فرصت پاکر بندیل کھنڈ اور صوبہ اودھ کی طرف بھی للچائی ہوئی نظر ڈالی، پہلے ملہر راؤ کو کافی فوج دیکر اُدھر روانہ کیا، بعد میں

خود بھی اعانت کے لئے روانہ ہوگیا، ملہر راؤ نے بندیل کھنڈ کے راجاؤں کو پریشان کرنا شروع کیا چونکہ دوآبہ[1] کا سیر حاصل قطعہ سامنے تھا، اس لئے بہت جلد جمنا کو عبور کرکے اٹاوہ کی سمت بڑھا اور آگرہ تک کی آبادی کو خاک سیاہ کرتا ہوا چلا گیا،

نواب برہان الملک باجی راؤ کے تعاقب میں

برہان الملک[2] سعادت خاں صوبہ دار اودھ پہلے ہی سے افواج مرہٹہ کی عالمگیر شعلہ افشانیوں سے آگ ہو رہا تھا، گو برہان الملک، نظام الملک اور

---

[1] دوآبہ اُس علاقہ کو کہتے ہیں جو گنگا اور جمنا دریاؤں کے درمیان علاقہ ہے ۱۲

[2] سید محمد امین نام، برہان الملک سعادت خاں خطاب ہیں، وطن نیشا پور تھا، نسب کے اعتبار سے حسنی موسوی تھے ان سے بڑے ایک بھائی محمد باقر تھے، ۱۱۱۸ھ میں ان کے والد سید شمس الدین بڑے بیٹے کے ہمراہ بنگال آئے، عظیم آباد پٹنہ میں سکونت اختیار کی، شجاع الدولہ ناظم بنگال نے سرپرستی کی ۱۱۲۰ھ میں محمد امین باپ سے ملنے پٹنہ آئے، وہاں سے بڑے بھائی کے ہمراہ دہلی پہنچے، فرخ سیر شاہ دہلی نے جوہر قابل دیکھ کر ہنڈوان اور بیانہ، کی خدمت فوجداری انکے حوالہ کی اور ہزاری منصب بھی عنایت کیا، کارگذاری کے صلہ میں پانصدی کا اور اضافہ ہوا، محمد شاہ کے عہد میں برہان الملک سعادت خاں خطاب ملا، اور ناظم صوبہ اکبر آباد ہوئے، شاہ فرخ سیر کے خون ناحق کا اثر انکے دل پر بھی گہرا ہوا، سادات بارہ کی تباہی کے مشورہ میں جو چار ہستیاں شریک تھیں، انمیں ایک یہ بھی تھے، دوسرے اعتماد الدولہ تیسرے میر حیدر خاں کاشغری، چوتھے مریم مکانی والدہ محمد شاہ (از تاریخ ہندوستان مؤلفہ مولوی ذکاء اللہ صاحب مرحوم) محمد شاہ کے عہد میں صوبہ دار اودھ ہوئے، اودھ کی مستقل حکومت کا بانی یہی برہان الملک ہے، اسکے خاندان میں حسب ذیل گیارہ بادشاہوں نے ابتدائے ۱۱۳۲ء تا نہایت ۱۸۵۶ء تقریباً ۱۳۵ سال سلطنت کی، نواب برہان الملک،[1] نواب صفدر جنگ،[2] نواب شجاع الدولہ،[3] نواب آصف الدولہ،[4] مرزا وزیر علی،[5] نواب سعادت علی خاں،[6] شاہ غازی الدین حیدر،[7] شاہ نصیر الدین حیدر،[8] محمد علی شاہ،[9] امجد علی شاہ،[10] واجد علی شاہ،[11] نواب برہان الملک نے ۲۹ سال حکومت کرکے ۱۱۵۱ھ / ۱۷۳۹ء میں وفات پائی، ۱۲ مؤلف، از سیر المتاخرین و عماد السعادت ۱۲

صمصام الدولہ سے جاہ ومناصب میں کم درجہ تھا، لیکن غیور طبع اور بیحد شجاع تھا، ملہر راؤ کی آمد کی خبر سنکر فوراً اپنی جگہ سے اوٹھا، اور اس تیزی وچابکدستی کے ساتھ ملہر راؤ کے عقب میں پہونچکر حملہ کیا جس طرح ۔۔

بہ کبک دری چوں در آید عقاب | چگونہ جہد بر زمین آفتاب
ازاں تیز تر خسرو پیلتن | بہ تندی در آمد باں اہرمن (نظامی)

پھر کیا تھا، مرہٹی افواج حواس باختہ تھی، جوانان برہان الملک کے تلواروں کے احسانوں کے بار سے سینکڑوں مرہٹوں کے سر زمین پر جھکے ہوئے تھے، اور سیکڑوں تیغ برہانی کا گھاٹ باڑہ دیکھ کر دریا میں غرق ہوگئے، جو بچے وہ اسیر ہوئے۔

ملہر راؤ نے بھی داغ کھایا اور مجروح ہوکر پنجہ سے نکل گیا۔

نواب برہان الملک زخمی شیر کے نکل جانے سے بے حد پرجوش تھا اور چاہتا تھا کہ کسی شکسی طرح سرداران مرہٹہ کو گرفتار یا قتل کرکے مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو فنا کردے۔

باجی راؤ پیشوا کی نسبت سنا کہ وہ گوالیار کے قریب خیمہ زن ہے، بڑے صید کی تمنا میں یلغار کرتا ہوا گوالیار پہنچا، لیکن دام بچھانے سے پہلے وہ نکل چکا تھا[له]۔ باجی راؤ اس ہزیمت سے سخت محجوب ہوا، دوبارہ اپنی سپاہ کو ترتیب دیکر دہلی کے قریب پہنچا، غارتگری شروع کی، دہلی میں اتنی فوج کہاں تھی جو اس کا مقابلہ کرسکے، برہان الملک کو اطلاع دی گئی، وہ دہلی کی طرف روانہ ہوا، مرہٹوں پر برہان الملک کا خوف اس قدر بیٹھ چکا تھا کہ اس کی آمد کی خبر سنتے ہی باجی راؤ دکن کی طرف کوچ کرگیا، باجی راؤ نے تھک کر اب مصالحت کے لئے نامہ وپیام کا سلسلہ دربار شاہی سے شروع کیا ۔۔

له یہ واقعہ حسب روایت سیر المتاخرین ۲۲ ذیقعدہ ۱۱۴۹ھ کا ہے، نواب برہان الملک کا بھانجہ نواب منصور علیخاں صفدرجنگ ساتھ تھا، صاحب افتخار التواریخ نے اس رفاقت کی بنا پر منصور علیخاں کا حملہ آور ہونا لکھاہے برہان الملک کا تذکرہ نہیں کیا، حالانکہ دیگر مورخوں نے برہان الملک ہی کا نام درج کیاہے ۱۲ مؤلف

نظام الملک کا دربار شاہی میں پہنچنا

مالوہ اور گجرات دونوں صوبوں کے دیئے جانیکی تجویز زیر غور تھی، بعض ہوا خواہوں نے اس سے انکار کیا، اس گتھی کے سلجھانے اور دیگر مہمات ملکی کے درستی کے لئے پھر نظام الملک کی منت وسماجت کی گئی، کئی شقّے دربار شاہی سے طلبی میں گئے، امرائے عالمگیری کا سرتاج پاس نمک خواری کو ملحوظ رکھتے ہوئے دکن سے چلکر ۱۱۵۰ھ/۱۷۳۷ء میں شاہجہاں آباد پہنچا غازی الدین خاں فیروز جنگ اپنے بیٹے کو اپنی طرف سے نائب دکن مقرر کر چکا تھا۔ محمد شاہ نے تالیف قلوب کے سلسلہ میں غازی الدین خاں کو اپنی طرفسے مالوہ کی نظامت کی بھی سند عطا کی

نظام کا باجی راؤ کے مقابلہ کیلئے نکلنا

آصف جاہ کو مجبور کیا گیا کہ وہ مرہٹوں کا استیصال کرے، وہ بوڑھا ہو چکا تھا اسکے علاوہ سلطنت کے کل پرزے سب ڈھیلے ہو چکے تھے، فوجی جمعیت کا انتظام مشکل تھا، تاہم شاہی وقار دوبارہ حاصل ہونے کا بھی اسکو بے حد خیال تھا اور مرہٹوں سے سوائے نقصان کے انتفاع کی کوئی امید نہ تھی، مجبور ہوکر کل ۳۵ ہزار سپاہ کے ساتھ روانہ ہوکر بھوپال پہنچا، صفدر جنگ برہان الملک کا بھانجہ بھی کچھ فوج ہمراہ لے کر آیا اور نظام الملک کے ساتھ شامل ہو گیا۔

دوسری طرف باجی راؤ پیشوا بھی المضاعف فوج لئے ہوئے دریائے نربدا سے پار اتر آیا عرصہ تک فریقین بالمقابل خیمہ زن رہے، نظام الملک اپنی فوج کی قلت اور اُن کی سردمہری وبیدلی کا احساس کرتے ہوئے عمداً لڑائی کو ٹالتا رہا،

مصالحت کی گفتگو اور نادر شاہ کی آمد

بالآخر بجائے جنگ وجدال کے آشتی کی گفتگو شروع ہوئی عہدنامہ مرتب ہوا جسکی روسے کل علاقہ مالوہ اور ۵۰ لاکھ نقد مصارف افواج، باجی راؤ کو دینا تجویز ہوا، عہدنامہ لیکر خود نظام الملک دہلی آیا ابھی معاہدہ زیر غور تھا کہ ۱۱۵۱ھ/۱۷۳۹ء میں ایران سے نادر شاہی طوفان اوٹھا، جسکے سیلاب نے دہلی کی آبادی اور باقی ماندہ شاہی شان وشکوہ کو برباد کر دیا، [1]

[1] اس واقعہ کی تاریخ یہ ہے، دلی خراب شد، ۱۱۵۱ھ، ۱۲

گریاں نے اک جہاں میں تلاطم بپا کیا   برسایا آہ نے بھی شرر اک نشد دو شد (خستہ)

نادر شاہ کی بے پناہ تلوار نے تخت گاہ دہلی میں جس روانی و بیدردی کے ساتھ شہری اور فوجی آبادی کا خون بہایا ہے، اُس سے صفحات تاریخ رنگے ہوئے ہیں، یہاں ان کی تفصیل کا موقع نہیں،

البتہ محمد شاہ کا یہ شعر، جو جذبات ماتم میں ڈوبا ہوا ہے، سننے کے قابل ہے،

دیدۂ عبرت کشا قدرتِ حق را ببیں   شامت اعمالِ ما صورت نادر گرفت

ناصر جنگ اور باجی راؤ میں جنگ

نادری حملے سے، باجی راؤ کے حواس خود گم تھے، جب نادر شاہ نے مراجعت کی، تو باجی راؤ نے بھی عہد نامہ نظام کو یاد دلایا، اور ساتھ ہی میدانِ جنگ خالی پاکر دکن پر حملہ کر دیا، ناصر جنگ نظام کا بیٹا اُس وقت فوج لئے ہوئے برہانپور میں مقیم تھا پیشوا نے برہانپور کا محاصرہ کر لیا، لیکن نوجوان ناصر جنگ نے باہر نکلکر اس زور شور سے مقابلہ کیا کہ پیشوا کو اپنی جان کی سلامتی کے خیال سے مفرور ہونے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا، سخت ترین اور ذلت آمیز شکست پائی، باپ کی ہزیمت یابی کا بیٹے نے پورا پورا معاوضہ لے لیا، سچ ہے، اگر پدر نتواند پسر تمام کند،

باجی راؤ کو اس آخری شکست کا اسقدر صدمہ ہوا کہ چند مدت کے بعد ۱۱۵۳ھ ۱۷۴۰ء میں دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا،

بالاجی راؤ کی سپہ سالاری اور سند مالوہ

باجی راؤ کے مرنے کے بعد اسکا بیٹا بالاجی راؤ دوم راجہ ساہوجی کی طرف سے پیشوا تسلیم کیا گیا، راگھوجی بھونسلا نے اس کے عہد میں بنگال پر حملہ کیا، محمد شاہ کے اشارہ سے بالاجی راؤ دوم، علی وردی خاں والی بنگال کا معین ہو کر بھونسلا سے مقابل ہوا، اور اسکو شکست دی، اس صلہ میں بالاجی راؤ دوم کو ۱۱۵۶ھ ۱۷۴۳ء

میں محمد شاہ نے صوبہ مالوہ کی سند حکومت تجدیداً عنایت کی، یہی وہ سال ہے کہ جسمیں صوبہ مالوہ تختِ دہلی سے جدا ہو کر مرہٹوں کی طرف منتقل ہو گیا،

ناصر الدین محمد شاہ[1] کا ۳۱ سالہ عہدِ حکومت ۱۱۶۱ھ میں ختم ہو گیا اوسکا عہد پُر آشوب عہد تھا، پھر بھی بزمِ عشرت اور ساغر و مینا کے پُرلطف دور میں عمر بھر سرشار رہا، اسکا عمل اس مضمون پر تھا

آمد بہار و شد چمن و لالہ زار خوش ـــ وقتیست خوش بہار کہ وقتِ بہار خوش

چیزے دگر مگوئے ہمیں گو کہ در چمن ـــ سبزہ خوش است و آب خوش است و بہار خوش

در باغ با ترانۂ بلبل درین ہوا ـــ مستی خوش است و بادہ خوش است و بہار خوش

ماہیم و مطربے و شرابے و محرمے ـــ جائے بزیر سایۂ شاخِ چنار خوش

احمد شاہ بن محمد شاہ نے جب تخت دہلی حاصل کیا ہے تو بنگال، بہار، اڑیسہ، مالوہ دکن، گجرات وغیرہ صوبے نکل چکے تھے، شمالی و جنوبی ہند میں مرہٹوں کا پورا پورا تسلط تھا،

عالمگیر ثانی کا عہد اور اسکا قتل

عالمگیر ثانی کا زمانہ آیا تو نجیب الدولہ روہیلہ نے احمد شاہ درانی کی اعانت اور سرپرستی میں وزارت حاصل کی، غازی الدین خاں خلف آصف جاہ نے جوڑ توڑ لگا کر قلمدان وزارت اپنے ہاتھ میں لیا، اور نجیب الدولہ کو علیحدہ کرا کے ۱۱۷۳ھ میں عالمگیر ثانی غریب کو بھی قتل کرا دیا،

اب زمانہ نے ایک دوسرا ٹھاٹھ بدلا، احمد شاہ درانی نے نجیب الدولہ کی معزولی اور عالمگیر ثانی کے قتل کی اطلاع سے برافروختہ ہو کر قندہار سے ہندوستان کی طرف نہضت کی،

احمد شاہ درانی کا حملہ

غازی الدین خاں نے سپہ مہیا اور ہلکر کو اپنی طرف ملا کر ابدالی افواج کا راستہ روکنے کی غرض سے پنجاب روانہ کیا، مقابلہ میں

---

[1] محمد شاہ بن جہان شاہ بن شاہ عالم بہادر شاہ بن عالمگیر، ۱۱ ربیع اول ۱۱۰۴ھ میں پیدا ہوا، جہاندار شاہ نے اپنے عہد میں اسے نظر بند کیا، ۱۱۳۱ھ بعمر ۱۷ سال تخت نشین ہوا، چونکہ روشن اختر نام تھا اس مناسبت سے کسی شاعر نے ذیل کی تاریخ جلوس لکھی ہے۔ روشن اختر بود اکنوں ماہ شد + یوسف از زنداں برآمد شاہ شد ۱۱۳۱ھ (مفتاح التواریخ)

مرہٹوں نے شرمناک شکست کھائی، غیرت اور ندامت کے ساتھ انتقامانہ جوش مرہٹوں میں از سرِنو پیدا ہوا، پانچ لاکھ کا ٹڈی دل لشکر بھاؤ سپاہ سالار کی زیر کمان دریائے زخار کی طرح جوش مارتا اور اُبلتا ہوا پانی پت کے وسیع میدان میں آکر ٹھہرا، ابدالی سپاہ نے بھی ۴۰ ہزار پیادہ و سوار اور ۷۰ توپوں کے ساتھ بڑھکر مرہٹوں کے بالمقابل پر اجمایا، ایسا عظیم الشان اجتماع گذشتہ جنگوں میں کبھی نہیں ہوا تھا، گو پانچ لاکھ اور پون لاکھ کا مقابلہ تھا، لیکن شکست و فتح، قلت و کثرت پر موقوف نہیں ہے،

زمانہ چو عاجز نوازی کند ۔۔۔ بہ تُندِ اژدہا مور بازی کند، (نظامی)

دو ماہ تک مرہٹوں کو جدال و قتال کی ہمت نہ ہوئی، تیسرے مہینے افواج قاہرہ میں حرکت ہوئی، شعاعِ آفتاب کے نکلتے ہی میدان جنگ لالہ زار تھا[1]،

اشعار

چو گیتی درِ روشنی باز کرد ۔۔۔ جہاں بازیِ دیگر آغاز کرد
دو ابر از دو سو در خروش آمدند ۔۔۔ دو دریائے آتش بجوش آمدند
برآمد ز قلب دو لشکر خروش ۔۔۔ رسید آسماں را قیامت بگوش
چو لشکر بہ لشکر در آمیختند ۔۔۔ قیامت ز گیتی بر انگیختند
ز پولاد پیکاں پیکر شکن ۔۔۔ تن کوہ لرزید بر خویشتن
ز نوکِ سنان چرخ دولاب رنگ ۔۔۔ ز پرکار گردش فرو ماند لنگ
زبس زخم پولاد خارا ستیز ۔۔۔ زمین را شدہ استخواں ریز ریز
سنان در سناں رستہ چوں نوکِ خار ۔۔۔ سپر بر سپر بستہ چوں لالہ زار
سواراں ہمہ تیر پرداختہ ۔۔۔ گہے تیر گہ ترکش انداختہ
دران دجلۂ خوں بلند آفتاب ۔۔۔ چو نیلوفر افگندہ زورق برآب

---

[1] یہ لڑائی ۷ جنوری ۱۷۶۱ء ۱۱۷۴ھ میں واقع ہوئی تھی، از سیر المتاخرین، لیکن بعض تاریخوں میں ۱۷۵۹ء لکھا ہے ۱۲

زمین گفتی از یکدگر بر دریدسرافیل صور قیامت دمید
گریزندگاں را دراں رستخیزنہ روئے رہائی نہ راہ گریز (نظامی)

مرہٹوں کا حملہ سخت ہوا، پہلے ہی حملہ میں آٹھ ہزار افغان کام آئے تین گھنٹہ کامل دُرانی افواج پر مغلوبیت کے آثار نمایاں رہے، شیر دل احمد شاہ درانی موقع کا منتظر تھا جب اُس نے اپنے میمنہ کو کمزور دیکھا تو نسلی شجاعت کے تقاضہ سے شیر صفت غصہ میں بپھر کر فوراً اپنے ۱۲ ہزار منتخب سواروں کو لئے ہوئے اور یہ رجز پڑھتا ہوا مخالف فوج کے قلب میں در آیا،

پلنگاں درم بر سر کوہسار نہنگاں خوم بر لب جویبار
ہمہ خون خام است نوشیدنم ہمہ چرم خام است پوشیدنم
چو در معرکہ بر کشم تیغ تیز یکو بہ کنم کوہ را سنگریز
گرم شیر پیش آید و گاہ گرہ بر بر و سیل بارم چو بارندہ ابر
فرس بفگند جوش من نیل را رخ من پیادہ کند پیل را (نظامی)

مرہٹوں کی ہزیمت

سخت و زلزلہ خیز جنگ ہوئی، دُرانی تلواروں اور نیزوں نے خون کے دریا بہا دیئے، ابدالی سردار کی تلوار علم تھی وہ مع اپنے گھوڑے اور ساتھیوں کے خونی دریا میں تیر رہا تھا، تنہا شمشیر ابدالی نے سیکڑوں جوانوں کا خون پیا، لیکن حرارت کی شدت سے پیاس نہ بجھتی تھی، مرہٹہ افواج میں عجیب ہل چل تھی، اُن کو نہ اپنوں کی شناخت رہی نہ غیروں کی، جو سیل فنا سے بچے انہوں نے راہِ فرار اختیار کی، سرداران فوج میں سے جہنکوجی سیندھیا، بسواس راؤ[1]، اور بھاؤ[2] سپاہ سالار

---

[1] بسواس راؤ بالاجی راؤ دوم کا بڑا بیٹا تھا، ۱۲ تاریخ مالوہ

[2] جمنا آیا پسر بالاجی راؤ پیشوا عرف نانا پیشوا کا تبنی بیٹا تھا، بیٹوں کے رنج و غم میں بالاجی نے ۱۹ ذیقعدہ ۱۱۷۴ھ میں انتقال کیا، اسکے بعد چھوٹا بیٹا مادھو راؤ پیشوا ہوا،۔ ۱۲ تاریخ مالوہ

بقول تاریخی روایت قتل ہوئے، مادھوجی سیندھیا لنگڑا ہوا، غرض بُری طرح مرہٹوں نے ہزیمت پائی، احمد شاہ ابدالی مظفر و منصور ہوا، سرداران مرہٹہ میں ملہر راؤ ہلکر کا اور کہلاڑی جنرل تھا، وہ اپنی فوج کو صاف بچالے گیا، اندازہ کیا گیا ہے کہ دو لاکھ مرہٹے اس جنگ میں کام آئے مرہٹوں کا ملک عرصہ تک ماتمکدہ رہا، تاہم مرہٹہ قوم ایک مضبوط اور جنگ جو قوم تھی جس نے شیرازۂ جمعیت بکھرنے اور شکست کی ذلت کے باوجود جنگی مشغلہ برابر جاری رکھا۔

شاہ عالم ثانی اور لارڈ لیک صاحب

عالی گہر شاہ عالم ثانی کے عہد میں مرہٹوں کو پھر عروج ہوا، گو یہ بادشاہ بھی حکمرانی کے لحاظ سے ساقط الاختیار بادشاہ تھا، تاہم مغلیہ خاندان کے شبستانِ حکومت اور بزمِ اقبال کا ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ تھا، اسکے اقتدار شاہی میں صرف الہ آباد کا ضلع باقی رہا، ابتدا میں نواب شجاع الدولہ والی اودھ اور انگریزوں کی کفالت اسکی مددگار رہی، ۱۱۸۵ھ (۱۷۷۱ء) میں مرہٹوں کی امداد سے دوبارہ دہلی آیا، اس حسن خدمت کے صلہ میں، بالاجی راؤ دوم پیشوا کو امیر الامرا، اور مہاجی سیندھیا کو (جو دہلی میں شاہ عالم کا محافظ رہا) نائب امیر الامراء کے اعزازی خطابات عطا کئے، سپاہ سالاری کا منصب بھی پیشوا کو ملا، سیندھیا کیطرف سے ۶۵ ہزار ماہانہ کا وظیفہ شاہ عالم کے لئے مقرر ہوگیا، راجپوت، افغان، روہیلے، مرہٹے پھر بھی باہم جنگ زرگری میں مصروف رہے، ۱۲۱۸ھ (۱۸۰۳ء) میں لارڈ لیک صاحب بہادر نے دہلی کو مرہٹوں وغیرہ سے صاف کرکے شاہ عالم کے لئے ایک لاکھ روپیہ ماہوار کی پنشن.... مقرر کردی، شاہ عالم نے برائے نام ۴۸ سال شاہی تخت پر جلوس کرکے ۸۰ سال کی عمر میں ۱۲۲۱ھ (۱۸۰۶ء) میں انتقال کیا،

شاہ عالم کے اخیر زمانہ کا ایک یہ واقعہ نہایت رقت خیز اور الم انگیز ہے کہ ۱۲۰۲ھ (۱۷۸۸ء) میں

غلام قادر خاں کی سفاکی

امیر الامرا غلام قادر خاں ابن ضابطہ خاں

ابن نجیب[1] الدولہ سابق وزیر نے خزانہ شاہی حاصل کرنے کی طمع میں محلسرائے شاہی کے اندر وہ مظالم کئے جنکے لکھنے سے قلم تھراتا ہے، جسوقت شاہ عالم نے غلام قادر خاں سفاک سے یہ کہا کہ میری آنکھیں وہ آنکھیں ہیں، جنہوں نے مدتوں آیات کلام الٰہی سے روشنی حاصل کی ہے، آج وہ اپنے سامنے ان ظالمانہ افعال کو نہیں دیکھ سکتیں، اس رحم آفریں تقریر کے جواب میں غلام قادر خاں نے خنجر سے شاہ عالم کی دونوں آنکھیں باہر نکال لیں، ضعیفی میں بھی شاہ عالم اتنا بڑا مضبوط و صابر تھا کہ اُف تک نہ کی اور خدائی انتقام کا منتظر رہا[2]،

مظلوم بادشاہ کی آہ بے اثر نہ گئی، چند روز کے بعد غلام قادر خاں مادھوجی سیندھیا کے شکنجہ میں آیا، جسکی نعش کو اس نے قیمہ قیمہ کیا اور سر کو نابینا بادشاہ کے آگے تحفہ کے طور پر حاضر لایا،

دیدی کہ خونِ ناحق پروانہ شمع را ۔۔۔ چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند،

شاہ عالم شاعر اور آفتاب تخلص رکھتا تھا، اوس نے اپنا آپ مرثیہ لکھا ہے، اور اس دردانگیز پیرایہ میں لکھا ہے کہ جسکے پڑھنے سے کمال و زوال کا ایک عبرت خیز مرقع سامنے آجاتا ہے جسکے چند اشعار یہ ہیں،

شاہ عالم کا کہا ہوا مرثیہ

صرصرِ حادثہ برخاست پےَ خواریِ ما ۔۔۔ داد برباد سر و برگ جہانداریِ ما

آفتابِ فلکِ رفعتِ شاہی بودیم ۔۔۔ بُرد دورِ شامِ زوال آہ سیہ کاریِ ما

چشمِ من کندہ شد از جورِ فلک بہتر شد ۔۔۔ تا نہ بینم کہ کند غیر جہانداریِ ما

---

[1] نجیب آباد ضلع بجنور انہی کا آباد کیا ہوا ہے، صاحبزادہ حمید الظفر خاں سابق دیوان بیکانیر انہی کی اولاد میں تھے، ۱۲ افتخار التواریخ

[2] اس واقعہ کی تاریخ صاحب مفتاح التواریخ نے تعمیہ نہایت موزوں استخراج کی ہے

کور چوں کرد شاہ را قادر ۔۔۔ ایں ندا از سما رسید ایک بار + سر و پائے غلام قادر را ۔۔۔ ببر و برفگن سر بازار ۱۲
(۱۰۰۰)(۱۰۰)(۳) (مفتاح التواریخ)

دادافغان بچہ صد شوکت شاہی برباد — کیست جز ذاتِ خدائی کہ کند یاریِ ما
نازنینان پری چہرہ کہ ہم دم بودند — کیست جز محل مبارک بہ پرستاریِ ما
عہد و پیمان بمیان دادہ نمودند دغا — مخلصان خوب نمودند وفاداریِ ما
قوم افغان و مغلیہ ہمہ بازی دادند — بسکہ گشتند مجوّز بہ گرفتاریِ ما
شاہِ تیمور کہ دارد سر نسبت بامن — زود باشد کہ بیاید بہ مددگاریِ ما
آصف الدولہ و انگریز کہ دستور من اند — چہ عجب گر بنمایند مددگاریِ ما
حیف صد حیف کہ تاراجِ خزاں شد باغم — کرد تقدیر ازل روزیِ ما خواریِ ما
آفتاب از فلک امروز تباہی دیدم — باز فردا دہد ایزد سر سرداریِ ما

اکبر ثانی اور بہادر شاہ

شاہ عالم[1] کے بعد اکبر ثانی کا زمانہ آیا ۳۲ سال تک یہ بھی شاہ ہند مشہور رہا، اسکے بعد سراج الدین بہادر شاہ کا نمبر آیا، اس آخری تاجدار نے ۲۰ سال تک مغلیہ کے اعزازی نام کو زندہ رکھا ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء کا زمانہ تھا کہ ہندوستان میں غدر کا طوفان اُٹھا، بہادر شاہ کو حکماً دہلی سے رنگون جانا پڑا جہاں اُس نے اپنی بقیہ زندگی قیدی کی حیثیت سے گذار کر ۱۲۷۶ھ / ۱۸۶۰ء میں دنیا سے ہمیشہ کیلئے آزاد ہو گیا، بہادر شاہ خاتم السلاطین مغلیہ ہے جس پر شاہان تیموریہ کی ۳۱۲ سالہ سلطنت کا خاتمہ ہوا۔

دنیائے فانی کا انقلاب اور اسکی معشوقانہ بیوفائیاں عبرت بیں نگاہوں سے دیکھے جانیکے قابل ہیں، کل کا دن تھا کہ جاں نثارانہ جوش اخلاص کے ساتھ شہنشاہ اکبر، شاہجہان، صاحبقران ثانی، اورنگ زیب عالمگیر کے الوالعزمانہ اور فاتحانہ ارادوں کے ساتھ ساتھ رہی، آج وہی پیکر بے وفا، بہادر شاہ کو تاج و تخت سے محروم کرکے رنگون پہنچانے میں معین و مددگار رہے، "فاعتبروا یا اولی الابصار"

[1] شاہ عالم نے ۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء میں وفات پائی، "آہ دریغا" تاریخ ارتحال ہے۔ ۱۲۲۱ھ

بشنو زجام بادہ کہ این زال نو عروس — بسیار گشت شوہر چون کیقباد و جم (حافظ)

شاہانِ مغلیہ کے عروج و زوال کی تصاویر دکھانیکے بعد مالوہ کا مستقل تذکرہ درج کیا جاتا ہے،

مرہٹوں کا راج مالوہ اور سرونج پر

تم نے اوپر پڑھا ہوگا کہ ۱۱۵۶ھ ۱۷۴۳ء میں ملک مالوہ بالاجی راؤ دوم پیشوا نے محمد شاہ سے بذریعہ سند حاصل کر لیا تھا، لیکن اس تحریری سند سے قبل ۱۱۴۷ھ ۱۷۳۴ء میں باجی راؤ کا قبضہ مالوہ پر ہوچکا تھا، جس نے ملہر راؤ ہلکر کو اندور کا علاقہ مع دیگر ۱۲ محالوں کے جاگیر میں دیدیا ''

صوبہ مالوہ کی آمدنی کا اندازہ اسوقت ۱½ کروڑ روپیہ سالانہ تھا، چونکہ فتوحات میں پیشوا کے ساتھ کئی اور ماتحت جنرل بھی شریک تھے، اس بنا پر وہ سب علے قدر مراتب حصہ دار تھے، پیشوا نے ان کے حقوق کو نظر انداز نہیں کیا، بلکہ فیاضی کے ساتھ تمام علاقہ مالوہ مستحق سرداروں پر تقسیم کر دیا، ملہر راؤ کو ۷۵ لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی کا علاقہ ملا، باقی ۷۵ لاکھ میں مادھوراؤ سیندھیا[1] اور راگھوجی بھونسلا[2] برابر کے شریک

[1] اس خاندان کا مورثِ اعلی ملک سندھ کا باشندہ تھا، اسلیئے اسکا خاندان سیندھیا مشہور ہوا ۱۲ تاریخ مالوہ

[2] بھونسلا اور گھونسلا دونوں طرح فارسی کتابوں میں درج ہے، بھونسلا کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس خاندان کا مورث اعلی باکھ سنگھ خاندان رانایان اودیپور سے تھا، اودیپور سے نکل کر راجہ اولی موہن (جسکی حکومت اسوقت نربدا کے متصل تھی) کے یہاں ملازم ہوا، راجہ نے ایک نابالغ بچہ چھوڑ کر وفات کی اسوقت باکھ سنگھ نے مخالفوں اور سرکشوں کی اسقدر سرکوبی کی کہ لوگوں کے دلوں میں کانٹے کیطرح کھٹکنے لگا اور اسکے نام کے ساتھ بھونسلا اضافہ کر دیا، یہ لفظ مرکب ہے بھون اور سلہ سے بھون کے معنی مرہٹی میں زمین کے اور سلہ کے معنی خار کے ہیں، یعنی زمین کا کانٹا، اور گھونسلہ کی وجہ تسمیہ محمد ہاشم خافی خاں نے یہ لکھی ہے کہ باکھ سنگھ کا باپ ایک نجار کی لڑکی پر عاشق تھا، اس سے باکھ سنگھ پیدا ہوا، بدنامی کے خیال سے اسکی پرورش نہانخانہ میں ہوئی جب باکھ سنگھ نے جوان ہوکر دکن میں مرہٹہ خاندان کے اندر شادی کی اور مرہٹوں کو اسکی اصلی حالت سے آگاہی ہوئی تو اسکے نام کے ساتھ گھونسلہ اضافہ کر دیا اسلیئے کہ اُسنے مثل پرندوں کے گھونسلہ کے اندر یعنی مخفی پرورش پائی تھی ۱۲ تاریخ دکن عرف مجدی

ہوئے، آج وہی صوبہ مالوہ جس پر سینکڑوں برس شاہی پرچم لہرتا رہا، ٹکڑے ٹکڑے ہوکر مختلف ریاستوں کے زیرِ حکومت نظر آتا ہے،،

ملہر راؤ[1] ہلکر کا دورِ حکومت

ملکی تقسیم کی رو سے سرونج، اندور کے زیرِ عمل رہا، ملہر راؤ جب ابدالی افواج سے پانی پت کے میدان میں ہزیمت یاب ہوکر لوٹا، تو اوس نے اپنے جاگیر کے انتظام کی طرف توجہ کی سات آٹھ سال کے بعد سنہ ۱۱۸۰ھ (۱۷۶۶ء) میں بندیلکھنڈ علاقہ میں وفات پائی، موضع عالمپور[2] ضلع جالون مدفن ہے، جسے ملہار گنج بھی کہتے ہیں،

ملہر راؤ کا ایک بیٹا کنڈی راؤ تھا، جو بھرتپور کی لڑائی میں باپ کے سامنے کام آچکا تھا، اُسکی بیوی اہلیہ بائی سیندھیا خاندان سے تھی، جسکے بطن سے مُلّی راؤ یا ملہر راؤ نامی ایک لڑکا یادگار رہا تھا، دربار پونہ سے وہی لڑکا اپنے دادا کا جانشین تسلیم کیا گیا، اوسکی صحت خراب تھی، ۹ مہینہ بعد راہیِ ملکِ عدم ہوا،

اہلیہ بائی کی حکومت

اہلیہ بائی عاقلہ و فرزانہ عورت تھی، دل و دماغ ملکی نظم و نسق کے لئے موزوں تھا، بیٹے کی وفات پر اسنے عنانِ ریاست کو اپنے ہاتھوں سے سنبھالا، پیشوا نے نذرانہ کی تحریک کے ساتھ مداخلت کرنی چاہی۔ اہلیہ بائی نے اس بدعت سے صاف انکار کردیا، پیشوا نے ندامت آمیز غصہ میں فوجی دباؤ کی دھمکی دی، لیکن سیندھیا اور بھونسلا نے پیشوا کو سمجھا کر تکمیل ارادہ سے باز رکھا،

---

[1] بعض کتابوں میں ملہار راؤ لکھا ہے، اتنا ہر لب و لہجہ کا فرق ہے، ہلکر قوم نہیں ہے، بلکہ ہُل اُس موضع کا نام ہے جہاں ملہر راؤ پیدا ہوا، اسلیئے وہاں کے باشندوں کو ہلکر کہنے لگے، ۱۲ تاریخ مالوہ

[2] موضع عالمپور متصل جالون میں ملہر راؤ کی چھتری بنی ہوئی ہے، اس بنا پر اُس مقام کو ملہار گنج بھی کہتے ہیں، تاریخ وفات میں اختلاف ہے، مورخ مالوہ ۱۷۶۶ء، مالکم صاحب بہادر ۱۷۶۴ء اور مورخ اندور ۱۷۶۶ء بیان کرتے ہیں، ۱۲ مولف

آئندہ کی بلا سے مطمئن ہوکر اہلیہ بائی نے تکوجی نامی سردار کو (جو ہلکر کے خاندان سے تھا) فوج کا سپہ سالار اور اپنا مشیر بنایا، تکوجی پیشوا کے ساتھ اندور سے باہر فوجی کمان کرتا رہا، اور اہلیہ بائی ریاست کے اندرونی و بیرونی انتظام میں مصروف رہی، گو دونوں کی ۳۱ سال تک مشترکہ حکومت رہی، تاہم کبھی تخالف کی بدنما تصویر بساط حکومت پر نظر نہیں آئی، اہلیہ بائی کے عہد میں سرونج تکوجی کی جاگیر میں رہا جسکی تصدیق بھیلسہ دروازہ کے اُس کتبہ سے ہوتی ہے جو سنگی لوح پر منقش ہے اور جسکا سنہ نقش سنہ ۱۸۴۱ بکرمی ہے،

اہلیہ بائی انصاف و رحم کی مجسم تصویر تھی، باعصمت بھی اسقدر تھی کہ ۲۰ سال کی عمر میں بیوہ ہونے کے باوجود تمام قابلِ اعتراض لغزشوں سے اوسکا دامن عفت آلودہ نہیں ہوا، عدل گستری کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ شبھ کھیم[1] داس سرونج کے مشہور مہاجن کی بیوی عاملِ سرونج فریادی اوسکے پاس پہنچی اور کہا کہ میرے خاوند کے مرنے کے بعد عامل نے تمام میری جائداد ضبط کرلی ہے، ۳ لاکھ روپیہ کے معاوضہ پر جائداد واگذار کرنے کا اقرار کرتا ہے، کسی خاندانی لڑکے کی تبنیت کی بھی اجازت نہیں دیتا،

اہلیہ بائی نے سکو اوسیوقت حکمنامہ کے ذریعہ سے عامل سرونج کو تبدیل کردیا، اور جو بچہ تبنیت کے لئے انتخاب ہوا تھا اوسکو اپنے زانو پر بٹھاکر تبنیت کی اجازت دیدی، ساتھ ہی خلعت اور پالکی عطا کرکے اوسے سرونج رخصت کردیا،

سنہ ۱۷۷۱ء میں اہلیہ بائی نے رانا اُرسی والیِ میواڑ کی کمزوری سے فائدہ اوٹھاکر پرگنہ نیما ہیڑہ پر قبضہ کرلیا تھا جس پر سنہ ۱۸۰۹ء میں باہمی معاہدہ کی رو سے نواب امیر الدولہ بہادر والیِ ٹونک نے اپنا عاملانہ تسلط جمایا،

اہلیہ بائی نے ۳۱ سال نیک نامی کے ساتھ حکومت کرکے سنہ ۱۷۹۵ء میں انتقال کیا،

---

[1] از تاریخ اندور، اصل میں شبھ کرن داس نام تھا، اوس نام سے چند مکانات سرونج محلہ گذری بازار میں آج بھی موجود ہیں، لیکن خاندان میں سے کوئی فرد نہیں ہے، ۱۲ مؤلف

اوسکے بطن سے ایک لڑکی مکتابائی تھی، جو بیوہ ہوکر چھتری رسم کے مطابق ماں کی زندگی میں ستی ہوچکی تھی،

تکوجی اور کاشی راؤ کا عہد حکومت

اب تنہا تکوجی، مالک ریاست ہوا وہ بھی تین سال بعد ۱۷۹۷ء میں فوت ہوگیا،

تکوجی کے چار بیٹے تھے، دو لڑکے کاشی راؤ، اور ملہر راؤ خاندانی بیوی سے اور دو جسونت راؤ، اور اٹیھوجی[1] مدخولہ عورت سے، باپ کی وصیت کے مطابق بڑا بیٹا کاشی راؤ ریاست کی گدی کا مالک ہوا، حکومت کی ہوس نے دونوں حقیقی بھائیوں کو لڑا دیا، بالآخر دونوں دربار پونہ میں پہنچکر انصاف طلب ہوئے، دولت راؤ سیندھیا کاشی راؤ کا معاون تھا،

قوم کا اتفاق دیکھو کہ پیشوا راجہ پونہ کا وزیر اعظم سیاہ و سفید کا مالک اور افواج کا جنرل ہے، ہلکر سیندھیا، بھونسلا، بجائے خود مستقل راجاؤں کی حیثیت سے زبردست قوت کے مالک ہیں، پھر بھی اپنے برائے نام راجہ کی اطاعت و فرمانبرداری سے اسوقت تک بال برابر بھی پیچھے نہیں ہٹے، قومی اتفاق کا یہی ایک ایسا بیہا جوہر تھا جس نے مرہٹوں کو متعدد ہزیمتوں کے باوجود ہندوستان میں عزت کی حیثیت سے زندہ رکھا، یہانتک کہ شاہ عالم ثانی کو اون کی حفاظت میں آکر اونکا وظیفہ خوار بننا پڑا،

اسکے مقابلہ میں امرا، دہلی اور خود مغلیہ خاندان کے عمائدین کی نفاق انگیزی کی آتش فشانیاں دیکھو جس نے اسلامی سلطنت ہند کا حصن حصین چند سال میں جلاکر خاک سیاہ کر دیا، ع - خدا شرے برانگیزد کہ خیرے مادراں باشد،،

گو دربار پونہ نے دونوں بھائیوں میں بظاہر مصالحت کرادی تھی، لیکن بعد میں چھوٹے بھائی ملہر راؤ کے ساتھ شرمناک و نامردانہ دغا کی گئی، وہ ابھی سواد پونہ میں مقیم تھا کہ ایک رات کو سیندھیا نے اوسکے خیمہ کو محصور کرلیا، وہ گھبراکر آنکھ ملتا ہوا اوٹھا اور اٹھکر گھوڑے

[1] بعض تاریخوں میں اسکا نام ابتھل جی بھی درج ہے - ۱۲ مؤلف

پر سوار ہوا، ابھی وہ خود اور اسکے رفقا پورے طور پر سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ پیشانی پر گولی کھاکر وہیں ٹھنڈا ہوگیا، ملہر راؤ کی بیوی حاملہ تھی وہ سیندھیا کی حراست میں آئی مقتول کے علاتی بھائی جسونت راؤ اور اٹھوجی بھی ہمراہ تھے، وہ بچکر نکل گئے،

جسونت راؤ کی نظر بندی

جسونت راؤ بادیہ پیمائی کرتا ہوا، راگھوجی بھونسلا والی ناگپور کے پاس پہنچا، جس سے اوسکو اعانت کی امید تھی، مگر بھونسلانے سیندھیا کو خوش کرنے کی غرض سے اس غریب آوارۂ دشت کو نظر بند کرکے جیلخانہ بھیجدیا، جہاں یہ غریب چھ مہینے تک مقید رہا،

کاشی راؤ ہلکر اندور علاقہ کا تنہا مالک ہوا، تدبیر و سیاست کی اوسکو ہوا بھی نہیں لگی تھی، دولت راؤ سیندھیا ایک آزمودہ کار و جہاندیدہ راجہ تھا، چونکہ کاشی راؤ کی کامیابی اسکی مداخلت اور اعانت کا نتیجہ تھی، اسلیئے وہ اندور علاقہ کے ملکی انتظام میں بہت زیادہ دخیل رہا،

اسی زمانہ میں دولت راؤ نے کھیچواڑہ علاقہ کی طرف فاتحانہ قدم اوٹھایا، راجہ جے سنگھ اور اسکا چچا درجن سال اپنی دار الریاست راگھوگڈھ سے نکلنے پر مجبور ہوئے، جب کہیں ٹھکانہ نہ رہا، دشت نوردی و غارتگری شروع کردی،

سرونج پر کھیچوں کا عارضی قبضہ

۱۲۱۲ھ ۱۷۹۷ء میں راجہ جے سنگھ نے سرونج پر اپنا تسلط کرکے اپنے چچا درجن سال کو عامل مقرر کیا، کچھ مدت کے بعد باہمی مصالحت ہوکر راگھوگڈھ کا نصف علاقہ جے سنگھ کو واپس ملا، اور نصف علاقہ سیندھیا کی طرف منتقل ہوا،

سرونج پر سیندھیا کا عمل

سرونج نے جے سنگھ کے قبضہ سے نجات پائی تو بالا راؤ (سیندھیا کے مشہور افسر) نے سرونج پر للچائی ہوئی

لہ دولت راؤ، مادھوجی عرف مہاجی، سیندھیا کا بھتیجا اور کیدارجی کا بیٹا تھا، ۱۲۰۹ھ ۱۷۹۵ء میں اپنے چچا کی گدی پر بیٹھا ۱۲ افتخار التواریخ ،، ۱۲ امیر نامہ ۱۲۰

نظر ڈالی، یہ وہ زمانہ ہے کہ نواب امیر الدولہ بہادر کا ملک مالوہ جولانگاہ ہے، بالاراؤ نے نواب امیر الدولہ بہادر ہی کے ذریعہ سے سرونج پر اپنا عاملانہ قبضہ کیا [1]

اب آگے چلکر نواب امیر الدولہ بہادر اور مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر کا باہمی اتصال و اشتراک اور اونکی فاتحانہ کامیابیوں کا تذکرہ آتا ہے، اسلئے اسقدر تفصیل کے بعد نواب امیر الدولہ بہادر کی تاریخ پیدائش، خاندانی مختصر حالات، اور مالوہ تک کے سفر کے واقعات قارئین کرام کی واقفیت کیلئے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں -

اقبالنامہ امیری

زفضلش سپاہی سپہدار شد　　امیر و سر فوج و سالار شد　　از منشی بساون لال مؤلف امیر نامہ

نام و نسب نواب امیر الدولہ بہادر والیٔ ٹونک

محمد امیر خاں [2] نام امیر الدولہ امیر الملک بہادر شمشیر جنگ خطابات، باپ کا نام محمد حیات خاں، دادا کا نام طالع خاں بارھویں صدی ہجری کا آغاز اور محمد شاہی عہدِ سلطنت تھا، کہ طالع خاں اپنے قدیم وطن

---

[1] امیر نامہ ۱۳

[2] آپ کا نسب نامہ حسب روایت مؤلف امیر نامہ یہ ہے، نواب محمد امیر خاں ابن محمد حیات خاں ابن طالع خاں ابن کالیخاں بن مولا خاں بن سید علیخاں بن فتح خاں، ابن اللہ داد خاں بن یوسف خاں بن کٹرہ خاں بن ملے خاں بن سالار بن الیاس بن یوسف ابن یوسف کلاں بن شجار بن خرشیون بن ابراہیم مشہور بہ سٹر ابن قیس عبد الرشید اسرائیلی - کل ستر ا واسطوں سے قیس عبد الرشید تک آپکا سلسلہ پہنچتا ہے مورخین نسب نامہ افغانی قیس کا آنحضرت صلعم کے دست مبارک پر اسلام لانا اور ۴۱ھ میں اونکا انتقال ہونا بیان کرتے ہیں، نواب امیر الدولہ بہادر نے ۱۲۵۰ھ میں وفات پائی اس حساب سے بمقابلہ ۴۱ھ کے آپکی وفات تک ۱۲۰۹ سال ہوتے ہیں ۱۲۰۹ سال کے اندر بحساب اوسط . . . . فیصدی ۳ پشت کے حساب سے ۳۶ واسطوں کا ہونا ضروری ہے معلوم ہوتا ہے کہ درمیانی چند واسطے درج ہونے سے رہگئے ہیں خود مؤلف کا سلسلہ نسب حضرت علی تک ۳۹ واسطوں سے پہنچتا ہے ۱۲

موضع چوہڑ علاقہ بنیر ملک افغانستان سے نقل سکونت کرکے ہندوستان آئے، قصبہ سنبھل (ممالک متحدہ) محلہ سرائے ترین میں قیام کیا، نسبتاً یوسف زئی بنیر وال افغان تھے ہندوستان میں توطن اختیار کرنیکے بعد عرصہ تک علی محمد خاںؒ سردار روہیلہ کے یہاں ملازم رہے، جنگی خدمات کے سلسلہ میں ایک مرتبہ علی محمد خاں کے ہمراہ شاہی افواج سے جنگ کرتے ہوئے بنگدہ (متصل آنولہ) میں آٹھ روز تک محصور رہے تاہم سپہگری کے وہ جوہر دکھلائے کہ محمد شاہ شاہ دہلی نے ہنرشناسی و قدر دانی کے خیال سے انکو اپنی ملازمت میں لینا چاہا، لیکن طالع خاں نے ترک رفاقت حمیت و غیرت کے خلاف سمجھ کر صاف انکار کر دیا،

محمد حیات خاں کم سن تھے کہ طالع خاں نے انتقال کیا، محمد حیات خاں جوان ہو کر بذریعہ اجارہ اور املاک آبائی گذر کرتے رہے کسی کی ملازمت اختیار نہیں کی،

سال ولادت

نواب امیر الدولہ بہادر کا کوکب اقبال دسویں جلوس عالم شاہی سنہ ۱۱۸۲ھ ۱۷۶۸ء میں مطلع حیات سے طلوع ہو کر کائنات میں جلوہ گر ہوا،

شب فرخ اور مہر افاغنہ سال تولید کے تاریخی جملے ہیں، ۱۱۸۲ھ بچپن ہی سے نواب امیر الدولہ بہادر میں ارجمندی و خوش اقبالی کے آثار پائے جاتے تھے، سوائے جنگی کھیلوں کے دوسرا مشغلہ نہ تھا، اپنے ہم عمر لڑکوں کو سپاہی بناتے اور خود جمعدار بنتے فال مبارک تھی جوانی میں بھی عرصہ تک جمعدار کے لقب سے ملقب رہے،

مبارک بود فال فرخ زدن ۔ نہ فرخ زدن بلکہ شہ رخ زدن (نظامی)

یہ کسے معلوم تھا کہ تقدیر بچپن ہی میں جنگی کھیل کا مشق کرا رہی ہے اور جمعداری کا جو لقب اختیار کیا ہے وہ مستقبل میں سپہ سالاری کا مرادف سمجھا جائے گا،

---

[۱] علی محمد خاں بانی ریاست رامپور داؤد خاں کا متبنی بیٹا تھا، اولو العزم اور صاحب اقبال گذرا ہے، موجودہ رئیس رامپور اسی کی اولاد سے ہیں، نسب کے متعلق مورخین کا اختلاف ہے نواب کلب علیخاں بہادر نے اپنے جد امجد کو امام موسیٰ کاظمؓ کی اولاد سے بتایا ہے، مولوی نجم الغنی صاحب اخبار الصنادید کی تحقیقات کا بھی یہی نتیجہ ہے، واللہ اعلم ۱۲ مولف

سفر

سنہ ۱۲۰۲ھ میں بعمر ۲۰ سال نواب امیرالدولہ نے سفر اختیار کیا، ۲۰ نفر رفیقان[1] جاں نثار ہمراہ ہوئے، پہلے شیخاواٹی[2] پہنچے، دو مہینے تک نواب نجف علیخاں کے رسالہ دار، یوسف خاں کے پاس ملازم رہے، وہاں سے چلکر باگھ سنگھ رئیس کھیتڑی[3] کے پاس پانچ مہینے تک رہے، وہاں جنگی طبع کے مناسب سامان دلچسپی نہ تھا، اس لئے نقل سکونت کرکے راجہ بیجے سنگھ والی جودھپور کے پاس اور پھر وہاں سے اسمٰعیل خاں[4] کے پاس ناگور چلے گئے، کچھ عرصہ کے بعد اسمٰعیل خاں کے ہمراہ پالن پور، علاقہ گجرات کا رخ کیا، وہاں سے کنارہ کش ہوکر ٹھکانہ آہدر علاقہ (جودھپور) چلے آئے، اوسوقت اُنکے ہمراہیوں کی تعداد ۴۰۰ نفر تک پہنچ گئی تھی، آہدر کا میدان ہمراہیوں کے لئے تنگ تھا، وہاں سے اٹھکر مہاراجہ گائیکواڑ بڑودہ[5] کی ملازمت میں داخل ہوئے وہاں بھی طبیعت مانوس نہ ہوئی تو سورت کی طرف نہضت کی، جہاں اُسوقت پیشوا کی طرف سے ایک سردار پنڈت جنگی آدمیوں کے بھرتی کرنے میں مصروف تھا، اوس نے انکو مع ہمراہیوں کے رشتہ ملازمت میں لیا اور امداد یہ چاہی کہ سورت کی چہارم تحصیل، انگریزوں نے بند کردی ہے وہ وصول کرادی جائے، ایک مہینہ کی تنخواہ اُن کو وصول ہوچکی تھی، اسلئے زیادہ جوانوں کی

---

[1] امیرنامہ مولوی سعید احمد صاحب ٹونکی نے صفحہ ۲۹ پر تصریح کی ہے کہ شاہ عالم کے بیسویں سال جلوس میں نواب امیرالدولہ نے سفر اختیار کیا، لیکن حساب سے اُسوقت آپ کی عمر دس سال کی قرار پاتی ہے اور اس عمر میں تلاش روزگار کیلئے گھر سے نکلنا قرین درایت نہیں ہے شاہ عالم ثانی سنہ ۱۱۷۳ھ میں تخت نشین ہوا ہے، اس حساب سے بیسواں سال جلوس سنہ ۱۱۹۲ھ ہوا، بمقابلہ پیدائش سنہ ۱۱۸۲ھ کے آپکی عمر ۱۰ سال کی اُسوقت ہوتی ہے تیسواں سال جلوس البتہ صحیح قرار پاتا ہے جبکہ آپ کی عمر ۲۰ سال کی ہوچکی تھی اسلئے مؤلف نے سنہ ۱۲۰۲ھ سال سفر درج کیا ہے،

[2] شیخاواٹی، جیپور ریاست میں ایک حصۂ ملک کا نام ہے، [3] کھیتڑی ریاست جیپور کا ایک ٹھکانہ ہے۔

[4] اسمٰعیل خاں نواب ذوالفقار الدولہ نجف خاں کے عزیز دہیں تھے باہمی مصالحت کی بنا پر ریواڑی کا علاقہ انکے حصہ میں آیا تھا، ۱۲ مؤلف

[5] بڑودہ کے رئیس اسوقت مہاراج سیاجی راؤ تھے جو سنہ ۱۱۸۸ھ میں دوبارہ تخت نشین ہوئے تھے ۱۲ افتخار التواریخ،

بھرتی کا انتظار نہ کرکے ، دو سو سواروں کو ہمراہ لئے ہوئے قلعہ سورت کے سامنے پہنچ گئے ،
صبح ہوتے ہی قلعہ کا دروازہ کھلا ، لوگ حوائج ضروری کو باہر نکلے انہیں سے چند لوگوں کو
جوانانِ امیر نے نیزوں کے ہلکے زخم پہنچائے ، وہ بھاگ کر قلعہ کے اندر واپس گئے ، واقعہ
سے خبردار ہو کر انگریزی فوجی افسر دو پلٹنوں کو لئے ہوئے قلعہ سے باہر نکلا ، جنگ سے
پہلے رستم باغ میں مصالحانہ گفتگو ہو کر حصہ چہارم ادا کر دیا گیا ، سردار پیشوا نے اس کامیابی
پر انکو انعام بھی دیا ، اس مہم سے فراغت حاصل کرکے کوکن[1] کی طرف آئے جہاں پنڈت
تاراشنکر حاکم تومین پچھار (حال علاقہ گوالیار متصل سرونج) سے ملاقات ہوئی ، (جو پیشوا
کی طرف سے مالوہ کا حاکم تھا) وہ اونکو مع جملہ ہمراہیوں کے اپنے ساتھ لایا ، ایک سال
تک اوسکی ماتحتی میں ملازم رہے ، ۱۲۰۹ھ / ۱۷۹۴ء میں ریاست بھوپال کا رخ کیا ، اوسوقت نواب
غوث[2] محمد خاں رئیس اور امیر محمد خاں[3] مختار الکل تھے ، اور دونوں میں نااتفاقی تھی ، مناسب
وقت سمجھ کر مع تین سو ہمراہیوں کے امیر محمد خاں کے ملازم ہو گئے ، چند روز کے بعد لالہ
ہمت رائے ساکن بلگرام ، مدار المہام ریاست کے ذریعہ سے نواب غوث محمد خاں سے
دوستانہ ملاقات ہوئی ، ہوشنگ آباد (جو اوسوقت بھوپال کے زیر عمل اور افواج ناگپور
سے محصور تھا) کی مہم پر انکا انتخاب ہوا ، فوراً اپنی فطری چابکدستی کے ساتھ یلغار کرتے
ہوئے قلعہ ہوشنگ آباد کی فصیل تک پہونچ گئے ، لیکن موقع پر پہنچنے سے قبل قلعہ دار ،
قلعہ کی کنجی محاصرین کے حوالے کر چکا تھا مجبوراً کامیاب داخلہ کے ساتھ ناکام واپس آئے ،
بیگم نواب حیات محمد خاں کو بازوئے امیری ، اور آثار اقبالمندی ، نیز اونکے شجاعانہ کارناموں
سے کچھ سوئے ظنی پیدا ہوئی ، اسلئے انہوں نے بھوپال کا قیام نامناسب سمجھ کر سرونج کی

[1] کوکن نواح بمبئی کو کہتے ہیں ، ۱۲ ، [2] نواب غوث محمد خان ابن نواب حیات محمد خاں اسوقت ولیعہد تھے ، ۱۲۲۲ھ
میں باضابطہ مسند نشین ہوئے ۱۲ تاریخ بھوپال ، [3] نواب حیات محمد خاں کے وفادار غلام ، دیوان چھوٹے خاں کا بیٹا
تھا ۱۲ صفحہ ۱۸ ، تاج الاقبال ، تاریخ بھوپال ۔

طرف نہضت کی، بالا راؤ (سردار سیندھیا نے) انکی شہرت سنکر اپنے یہاں امیدوار رکھا، چند روز کے بعد جواب دیدیا، چونکہ تنخواہ ایام امیدواری کی واجب ہو چکی تھی اس لئے تنہا سر دربار پہنچے، بالا راؤ کے سینہ پر کٹار رکھکر اُسیوقت تنخواہ وصول کی اور قلعہ سے باہر نکل آئے، حاشیہ نشینان دربار اس بسالت اور بے مثل جرأت و ہمت پر دنگ رہ گئے، کسی کو بھی اتنا یارا نہ ہوا کہ امیر شیر گیر کے اُس غیر معمولی حملہ میں مداخلت کرتا،

سرے کز تو گردد بلندی گرائے   بافگندنِ کس نہ افتد زپائے   (سعدی)

نواب امیرالدولہ بہادر کے اسی طرح جنگی سیکڑوں کارنامے تاریخ میں نظر آتے ہیں، جنہوں بالآخر ایک شریف النسل غیور اور باہمت سپاہی کو سپہداری اور حکومت کے درجہ تک پہنچا کر دنیا پر ثابت کر دیا کہ

عروسِ ملک کسے در کنار گیرد تنگ   کہ بوسہ برلبِ شمشیرِ آبدار زند

اس واقعہ کے بعد وہاں سے سرونج آگئے اور چار ماہ بیکاری میں گذارے، یہ وہ زمانہ تھا کہ نواب مرید محمد خاں[۱]

[۱] نواب حیات محمد خاں کے بھائی سلطان محمد خاں کا پوتا تھا، جسکا سلسلہ نسب اسطرح ہے مرید محمد خاں بن آصف محمد خاں بن سلطان محمد خاں بن یار محمد خاں بن نواب دوست محمد خان بانی ریاست، اسکو عصمت بی بی بیگم نواب حیات محمد خاں نے راٹھگڑھ سے بلوا کر ۱۲۱۱ھ میں ریاست کا مدارالمہام کیا، اسی سال اُس نے اپنی محسنہ سے دغا کی اور بیگم عصمت بی بی کو محض دولت کی طمع میں قتل کر دیا، اس نمک حرامی کے فعل سے عمائدین ریاست برافروختہ ہو کر حملہ آور ہوئے، مرید محمد خاں نے بالا راؤ سیندھیا سے معاوضہ پر امداد طلب کی، بالا راؤ سرونج سے فوج لیکر بھوپال پہنچا، وزیر محمد خاں اور نواب فیض محمد خاں نے متحدہ طاقت سے حملہ کر کے سخت شکست دی، مرید محمد مع بالا راؤ کے سرونج بھاگ آیا، بالا راؤ نے مرید محمد خاں سے معاوضہ مانگا، انکار پر قید کر دیا، مرید محمد خاں نے نگینہ و الماس کھا کر نہ صرف قید بالا راؤ، بلکہ قید دنیا سے بدنامی کے ساتھ آزادی حاصل کی، مرید محمد خاں کی قبر سرونج میں حضرت مولا علی رضی کی درگاہ میں ہے، اگر مؤلف کو باوجود تلاش کے قبر کا نشان کسی نے نہیں بتایا نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کے جملے مرید محمد خاں کی نسبت یہ ہیں (افغانان بھوپال مرید محمد خاں را بہ بدی یاد میکنند اگر بہ سرونج میروند بر قبر او بجائے فاتحہ پاپوش زدن واجب می شناسند) ماخوذ از تاج اقبال بھوپال صفحہ ۲۲ و ۲۳) نیز تاریخ مالوہ صفحہ ۱۳۹ جلد دوم ۱۲

کو بھوپال کی مدار المہامی کے اختیارات مل چکے تھے، لیکن سیاسی اثر کی ضرورت باقی تھی، نواب امیر الدولہ بہادر مرید محمد خاں کی استدعا پر پانسو سواروں کے ساتھ بھوپال پہنچے، قابل قدر اعانت کی، ۸ مہینے کے بعد سرونج واپس آگئے، یہ وقت وہ ہے کہ سیندھیا کے دباؤ سے کھچواڑہ کا رئیس بجے سنگھ غارتگروں کی شان سے نکلا ہے، درجن سال[1] اسکا چچا بھی ہمراہ ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے،

لچھمن راؤ سے جنگ

نسلی بہادروں کے لئے ہر وقت جنگی شغلہ درکار ہے نواب امیر الدولہ بہادر کو سرونج میں بیکار دن گذارتے ہوئے کچھ عرصہ ہوچکا تھا، مردانہ جوش کے تقاضوں سے اوٹھے اور ٹھکر راجہ بجے سنگھ کی خواہش پر اسکی رفاقت اختیار کی، امیر جہانگیر کی شرکت کی خبر نے سرداران سیندھیا کو مشوش کیا، انسدادی تدابیر کے سلسلہ میں لچھمن راؤ جاگیردار سیت پور کو دو ہزار مسلح جوانوں ۲۵ ضرب توپوں کے ساتھ بالا راؤ نے نواب امیر الدولہ کے مقابلہ کیلئے روانہ کیا، راجہ بجے سنگھ کثرت سپاہ سے خوف زدہ ہوکر چندیری کی جھاڑیوں میں چلا گیا، افغانی غیرت اور فطری شجاعت نے پیٹھ دینا گوارا نہ کیا آپ کے ہمراہ اسوقت سیندھیا افواج کے دسویں حصہ کے برابر صرف دو سو سوار تھے یعنی ۱۰ اسکے مقابلہ میں ایک، تاہم کثرت و قلت کے خیال سے امیر جہانگیر کی پیشانی پر ناامیدی و خوف کی شکن تک نہ پڑی، اللہ اکبر کے زلزلہ افگن نعروں کے ساتھ گھوڑے کو مہمیز کیا، دو سو سوار عقب میں تھے کھلاڑیوں نے قلب دشمن میں گھسکر شمشیر و نیزوں کے کچھ ایسے ہنر دکھلائے کہ فوج مخالف کے افسران ہنرمند چوکڑی بھول گئے،

اسوقت کا نقشہ جنگ قابل دید تھا، امیر غازی سمند باد صرصر تھا، جوش و خروش کے ساتھ یمین و یسار جاتا اور دشمنوں کی آنکھوں میں خاک ڈالتا ہوا واپس آجاتا، تلوار بجلی تھی جو حریفوں کے ڈھالوں کی گھٹا میں کوند رہی تھی، نیزہ نجم ثاقب تھا جسپر جھکا برتا ہوا سینے کے

---

[1] درجن سال مقصود نگدھ کا اسوقت رئیس تھا، افتخار التواریخ صفحہ ۱۲۶

پار تھا، جب صف پر حملہ کیا وہ صف صاف تھی جسکو تاکا وہ گھوڑے کے سُموں میں تھا،
اور جو گھوڑے کی جھپٹ میں آیا وہ گرد و برد تھا، شمشیر امیری کی روانی اور اُسکی جُنبش بالکل
اس شعر کے مصداق تھی،

بہر جا کہ شمشیر او کار کرد یکے را دو کرد و دو را چار کرد، (فردوسی)

عین معرکۂ جنگ میں، امیری نوجوان، عنایت خاں کا سامنا سر عسکر لچھمن راؤ سے ہوا، وہ
پہلو بچا کر نکلنا چاہتا تھا کہ شیر دل افغان نے للکارا،

بزد بانگ بر وے کہ اے زاغ پیر عقابِ جواں آمد آرام گیر (نظامی)

اودھر اُس نے ٹھہر کر ٹھاٹ بدلا تھا کہ ادھر سے عنایت خاں کی تلوار برق صفت
اُسکے سر پر چمکی، تلوار کا سینہ میں ڈوب کر نکلنا تھا کہ اُسکی روح بھی قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی
ہاتھ کی صفائی اور تیغ کی روانی دیکھ کر

قضا گفت گیر و قدر گفت دِہ فلک گفت احسن ملک گفت زہ (فردوسی)

مظفر و منصور، امیر جہانگیر مال غنیمت لیئے ہوئے واپس آگئے،

بالاراؤ کی فوج کشی

سیندھیا کو اس ذلت آمیز شکست نے عرصہ تک شرمندہ رکھا،
شرمندگی کیساتھ افغانوں کی شجاعت اور اُن کی بڑھتی ہوئی
طاقت دیکھ کر خوف زدہ بھی تھا ملکی حفاظت کی علیحدہ فکر تھی ان تمام امور کو زیر نظر رکھ کر پہلے سے المضاعف
سپاہ، بالاراؤ مشہور سردار کی قیادت میں روانہ کی، یہاں نہ کوئی فوجی قلعے تھے، نہ جنگی خیمے
پہاڑوں اور جنگلوں کا روزانہ گشت تھا، اور افغانی بہادروں کے گھوڑے کے زین اُنکے قلعے تھے،
راجہ بیجے سنگھ جی نہایت درجہ بزدل ثابت ہوا، جدید فوج کشی کی خبر پاکر اُسنے پھر جنگل کی راہ لی البتہ شیر سنگھ

شیر سنگھ دھرناؤدہ کا جاگیر دار تھا اسی کے خاندان میں اب تک جاگیر ہے، بڑا بہادر شخص تھا جب بیجے سنگھ کو سیندھیا نے قلعہ
بہیلسہ میں قید کر دیا تھا، تو اس نے اوسکو رہا کرایا، اور غارتگری شروع کی، راجہ ملسی جی کے تین بیٹے تھے اُن تینوں
کے حصہ میں، کھلچی پور، راگھوگڈھ، دھرناؤدہ کے علاقے علیحدہ علیحدہ آئے تھے ۱۲ افتخار التواریخ بحوالہ تاریخ کھیچی

کھیچی کچھ نوجوانوں کے ساتھ شامل رہا،

امیر خوش تدبیر مصلحتاً جنگ کو ٹالتے رہے اور وقت کے منتظر تھے، ہنوز باقاعدہ محاربہ کا آغاز نہیں ہوا تھا کہ ایک روز شیر سنگھ کی اس مزاحاً طعنہ زنی نے (کہ اگلے پٹھانوں کے سے حوصلے لوگوں میں اب نہیں رہے) امیر کے شجاعانہ دل پر نشتر کا کام دیا، شیر صفت فوراً اپنی جگہ سے اوٹھکر گھوڑے پر سوار ہوئے، نیزہ جانستاں ہاتھ میں لیا، تلوار گلے میں حمائل کی، اور تنہا گھوڑے کو مہمیز کئے ہوئے بالاراؤ سردار سیندھیا کے خیمہ تک پہونچگئے، بالاراؤ سامنے تھا، نیم خم ہوکر نیزہ کا وار کیا، زندگی تھی، نیزہ بغل کی کھال کو چھیلتا ہوا نکل گیا، پھر کیا تھا، تنہا، امیر جہانگیر تھے اور اقبال اونکا رفیق، بالاراؤ کے جوانوں نے انکو ہر طرف سے محصور کرلیا، ظاہر ہے کہ مٹھی میں نہ ہوا بند ہوسکتی ہے، نہ خس وخاشاک سے دریا کی روانی کو روکا جاسکتا ہے، بحر شجاعت کے غواص کے سامنے اون حبابوں کی کیا ہستی تھی، تلوار علم کئے ہوئے، جوہر تیغ دکھاتے ہوئے اور اُسکے گھاٹ بارہ سے سبکو آشنا کرتے ہوئے، صحیح وسالم اپنے لشکر میں واپس آگئے، شیر سنگھ نے تحسین وآفریں کے پھول نچھاور کئے، رفیقوں نے ہاتھ چومے اور کہا کہ ع

اُیں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند،، راجہ بجے سنگھ[1] نے رفاقت کے وقت معاہدہ کیا تھا کہ مفتوحہ علاقے بالمناصفہ تقسیم کئے جاوینگے، لیکن اُس نے اسطرح پر عہد شکنی کی کہ بالاراؤ سے بالا بالا اپنے الوالعزم رفیق کے بغیر استمزاج اپنا نصف علاقہ سیندھیا کو دینے اور نصف واپس لینے کے معاہدہ پر دستخط کردیئے، اور رفیق کی جانبازانہ ومخلصانہ رفاقت کا یہ صلہ دینا تجویز کیا کہ کسی مناسب موقع پر اوسکا کام تمام کردیا جائے، تاکہ پھر نصف علاقہ کے مطالبہ کا خطرہ باقی نہ رہے،

راجہ بجے سنگھ کھیچی کی طرف سے دغا

بالاراؤ سے تکمیل معاہدہ کرلینے کے بعد راجہ

[1] بجے سنگھ سنہ [illegible] میں فوت ہوا، اسکے بعد سرکار کمپنی کی سفارش پر مہاراجہ سیندھیا نے بجے سنگھ کی رانی کے متبنی پسر اجیت سنگھ کو راگھوگڈھ کا علاقہ واپس دلایا ۱۲ افتخار التواریخ بحوالہ تاریخ کھیچی،

مذکور حضرت مولا علی کی ٹیکری (واقع سرونج) پر مقیم تھا[1]، اور امیر کشور گیر، زخموں کی تکلیف کی وجہ سے شہر میں قیام پذیر اور گھوڑے کی سواری کے ناقابل تھے، پالکی میں سوار ہو کر ٹیکرہ مذکور پر، ایک خدا رسیدہ[2] بزرگ کے سلام کے لئے تشریف لائے، راجہ بجے سنگھ کے ایماء سے اوسکے آدمیوں نے امیر کو فاسدانہ ارادہ سے گھیر لیا، لیکن عین وقت پر جاں نثاران امیر امداد کو پہنچ گئے، معاملہ رفع دفع ہوا، اسکے بعد گو راجہ مذکور نے بہت کچھ معذرت کی، لیکن مَن جَرّبَ المُجَرّب حلّت بہ الندامۃ، کے اصول کے مطابق امیر جہانگیر نے اوسکی رفاقت سے کنارہ کشی اختیار کر لی، کامل صحتیاب ہونے پر پرگنہ شجاعلپور آئے، وکیل شجاعلپور سے نقد معاوضہ لیکر، بالا راؤ سے مقابلہ کیا اور فتحیاب ہوئے،

بالا راؤ سے مقابلہ اور فتح

یہ وہ زمانہ ہے کہ امیر کی شہرت حدود مالوہ سے گذر کر راجپوتانہ میں بھی پھیل چکی تھی، ع

بوئے گُل پھاندتی ہے باغ کی دیواروں کو، راجگان و سرداران مالوہ اور راجپوتانہ امیر جہانگیر کے آگے طلب استعانت کا ہاتھ بڑھاتے، جس رفیق کی انہوں نے رفاقت کی وہ فیروزمند ہوا، یہ سارا اعزاز، یہ تمام کامیابی اور عام مقبولیت اوس خدائے قادر کی ذرہ نوازی کا ادنی کرشمہ ہے، جسکی الوہیت، لازوال طاقت، اور اپنی عبدیت و عاجزی پر اونکو دلی اعتقاد و بھروسہ تھا، سچ ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

بالا راؤ کی ملازمت

شجاعلپور کی مہم سے فراغت پاکر مع اپنے ایکہزار سوار پیادوں کے بالا راؤ کی آرزو مندانہ استدعا پر پھر اوسکی ملازمت اختیار کر لی، ۱۲۱۲ھ میں بالا راؤ کے حکم سے امیر جہانگیر نے قلعۂ فتحگڈھ (بھوپال) پر قبضہ کیا، کچھ مدت

[1] صاحب فتحا رالتواریخ نے صفحہ ۳۵ پر فٹ نوٹ میں لکھا ہے کہ مولا علی کی درگاہ سرونج سے ۳ کوس کے فاصلہ پر ہے یہ صحیح نہیں، درگاہ مذکور شہر کے غربی و شمالی گوشہ میں فصیل شہر سے ایک فرلانگ کے فاصلہ پر ہے ۱۲ مؤلف، [2] بزرگ کا نام شاہ ظہور اللہ تھا ۱۲ امیر نامہ

کے بعد اُس سے بھی قطع تعلق کر کے نواب وزیر محمد خاں[1] بہادر رئیس بھوپال کے شریک ہوئے، سیندھیا افواج سے اکثر مقابلہ رہا جسمیں ہمیشہ کامیاب رہے،،

چونکہ اوس زمانہ میں مدعیانِ ریاست کی نااتفاقی کی وجہ سے بھوپال علاقہ میں خانہ جنگیوں کے شعلے بھڑک رہے تھے، اولوالعزم امیر نے فی الوقت مداخلت کر کے مصالحانہ تدابیر اور حکمت عملیوں کے پانی سے اُسے ٹھنڈا کیا،، اس عملی کارگذاری نے امیر جہانگیر کو سپہگری کے فنون کے علاوہ تدبیر و سیاست میں بھی قابل ترین ہستی کا انسان ثابت کیا، اکثر امور ملکی بھی انکی دور اندیشانہ رایوں اور مشوروں سے طے ہوتے رہے اور جس عزت کے یہ مستحق تھے،، اسی لحاظ سے قدر افزائی بھی ہوئی،،

نواب امیر الملک امیر الدولہ بہادر اور مہاراجہ جسونت راؤ کا اتصال اور معاہدہ

سنہ ۱۲۱۴ھ (۱۷۹۸ء) کا یہ قرانُ السعدین[2] دنیاوی جاہ و جلال کی حیثیت سے دونوں کے حق میں مبارک ثابت ہوا،

مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر کو خلاقِ عالم نے اعلیٰ دل و دماغ، بسالت و شجاعت، ہمت و استقلال کے زیوروں سے آراستہ کیا تھا اُس نے اپنی ذاتی صفات اور نواب امیر الدولہ امیر الملک بہادر کی قابل قدر و مخلصانہ و جانبازانہ اضافی امداد سے آگے چلکر جو شہرت و ناموری حاصل کی، وہ اُس کے کسی معاصرین راجاؤں کو نصیب نہیں ہوئی،، ان تمام اوصاف میں اگر اوسکا کوئی حریف ہو سکتا ہے تو وہ نواب امیر الدولہ بہادر کی زبردست شخصیت ہے، جسنے اوسکے کارناموں میں چار چاند

---

[1] وزیر محمد خاں بن شریف محمد خاں بن فاضل محمد خاں بن دوست محمد خاں بانی ریاست بھوپال، امیر محمد خاں کے بعد سنہ ۱۲۱۱ھ میں مختار ریاست ہوئے،، ۱۲ از تاریخ بھوپال مؤلف،،

[2] حکیم سید احمد سعید اللہ ٹونکی مترجم امیرنامہ نے ذیل کی تاریخ دونوں فاتحوں کے اشتراک بالعمل پر موزوں کی ہے
چو برخوردن امیر و راؤ ہلکر ؛ معاہدہ ہر دو رزی راہ ہر حال ؛ ز ہاتف خواست تاریخش خرد گفت ؛ قرانِ ترک و ہندو حل اقبال
۱۲ ھ ۱۴

لگا دیتے ہیں، تم اوپر پڑھ چکے ہو کہ جسونت راؤ دشت نوردی کرتا ہوا ناگپور پہنچا اور قید کرلیا
گیا، اُس نظر بندی کو ۶ مہینے کا عرصہ گذر چکا تھا، اُس کی عالی ہمتی آزادی کی متقاضی
ہوئی، موقع پاکر قید سے نکلا، لیکن اُسی روز گرفتار ہوگیا، دوبارہ پھر قلعہ سے نکلا اس مرتبہ
کامل احتیاط کے ساتھ منزلیں طے کرتا ہوا، اندور علاقہ میں پہنچ گیا،

بے سروسامانی کا عالم تھا، پیسہ پاس تھا نہ فوج، ملک تھا نہ تاج، انیس تھا نہ رفیق
مجبورًا مالوہ علاقہ میں مار دھاڑ شروع کردی،

کاشی راؤ، ریاست اندور کا تنہا مالک ہوکر عیش و عشرت کا اسقدر دلدادہ ہوا کہ
سیندھیا کو اپنی اعانت و اثر کے بھروسہ پر اندور کے انتظامی امور میں بہت زیادہ مداخلت کا موقع
مل گیا تھا، جسونت راؤ یہ تمام حالات دیکھ اور سنکر غیظ و غضب میں سانپ کی طرح بل
کھاتا رہا، ساز و سامان اور فوجی قوت کے بغیر تنہا شجاعت، ریاست اندور اسکو نہیں دلا سکتی
تھی، جسکا خود بھی اوسکو احساس تھا، اسکے خیالات وسیع اور ارادے بلند تھے، اس نے کسی
قوی اور شجاع تر رفیق کی تلاش میں رہا، سارنگ پور آیا تو سید نذیر حسین[1] نامی سردار نے سابق
نمک کے آب و نمک کا پاس کرتے ہوئے ۵۰ گھوڑوں، دو تین سو پیادوں اور پانچ ہزار روپیہ
نقد سے اسکی امداد کی، اُس سے بڑھکر قابلِ قدر یہ ایک اور خدمت انجام دی کہ نواب
امیر الدولہ بہادر کو (جنکا مستقر اُسوقت بھوپال تھا) غائبانہ تعارف کراکے اُسکی امداد پر
آمادہ کرادیا،

نواب امیر الدولہ بہادر سنہ ۱۲۱۲ھ (۱۷۹۸ء) میں اپنے پندرہ سو سوار و نکے ساتھ بھوپال سے
روانہ ہوکر شجاعلپور پہنچے، جہاں دونوں فاتحوں کی پہلی ملاقات ہوکر مفتوحہ علاقوں کو بالمنا صفہ

[1] تاریخ اندور مالوہ سے یہ روایت لی گئی ہے، لیکن امیر نامہ میں درج ہے کہ کھنڈی خدمت گار نے مہاراجہ
جسونت راؤ سے ابتداءً تحریک کی اور اُسی کے ذریعہ سے شجاعلپور میں ملاقات ہوئی، بہرحال آمادگی ملاقات
اور عہد نامہ کی تکمیل سے کسی کو انکار نہیں ہے ۔ ۱۲ مؤلف ،،

تقسیم کر لینے کا تحریری معاہدہ ہوا،
اسکے بعد دونوں اقبالمند فاتحوں نے ملکی فتوحات پر کمر باندھی، نصرت نے مبارکباد عرض کی، شجاعت نقیب بنکر آگے ہوئی، اقبال ہمرکاب ہوا، ہمائے فتح نے چتر برداری کی خدمت انجام دی، اور سب سے بڑھکر یہ کہ اعانت الٰہی کی روشنی فتوحات کے راستوں میں رہبر ہوئی،

اس شان سے ہم آئے تری جلوہ گاہ میں
مشعل دکھائی برق تجلّے نے راہ میں (امیر مینائی)

مہاراجہ سیندھیا اور اندور کا علاقہ جولانگاہ قرار پایا، جہاں عرصہ تک دونوں فاتحانہ اولوالعزمیاں دکھاتے رہے،

قلعہ مہیسر کی فتح

اسی زمانہ میں مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر کو جگر خراش و صبر شکن یہ اطلاع ملی کہ اٹھوجی اسکے بھائی کو پیشوا نے گرفتار کرا کے ہاتھی کے پانوں تلے کچلوا دیا،

زخمی جگر پہ تیر لگا یک نشد دو شد

وفور صدمات، نیز غیظ و غضب سے آنکھوں میں خون اتر آیا، قلب سیماب صفت پہلو میں تڑپنے اور جذبات کے اثر سے جوش انتقام سینے میں لہریں مارنے لگا، پیشوا اور سیندھیا کے علاقوں کے استیصال کی قسم کھا کر زخمی شیر کی طرح اوٹھا، نواب امیر الدولہ بہادر رفاقت میں دو قدم آگے تھے، پہلے ہی ہلے میں ہنڈیا[1] علاقہ کو تباہ کیا، کسنوار وکے مقام میں، کاشی راؤ[2] کو سخت ترین شکست ہوئی، قلعہ مہیسر اسوقت مستحکم اور محفوظ قلعہ تھا، مہاراجہ کو قلعہ پر حملہ کرنے میں تردد ہوا، لیکن یا زدے امیری ایسی پست ہمتی کو کب گوارا کر سکتا تھا، آگے بڑھے اور کوہ شکن حملوں کے ساتھ ۱۵ ۱۲ ہجری ۱۷۹۹ء میں قلعہ مذکور کو فتح کر لیا، مسند نشینی کی فکر ہوئی، مہاراجہ

---

[1] ہنڈیہ مالوہ کا مشہور ضلع تھا، جہاں ملّا دو پیازہ کا مزار آج بھی یادگار ہے، اب معمولی قصبہ کی حیثیت سے ضلع ہوشنگ آباد ملک متوسط میں واقع ہے ۱۲

[2] قلعہ بیجا گڈھ میں کاشی راؤ عرصہ تک محبوس رہکر ۱۸۰۸ء میں مقتول ہوا ۱۲ (افتخار التواریخ)

جسونت راؤ کی نیت اُسوقت منصفانہ تھی، اپنی غیر صحیح النسبی کی بنا پر اپنے کو مستحق راجگی نہ سمجھ کر اپنے بھتیجے کھنڈی راؤ[۱] بن ملہر راؤ مقتول (جو اسوقت مع اپنی والدہ کے سیندھیا کی حراست میں تھا) کے نام سے ریاست اندور کا اعلان کرتے ہوئے اُسی بچے کے نام کا سکہ بھی جاری کردیا اور نواب امیر الدولہ بہادر کو نائب الریاست مقرر کیا، اہلیہ بائی کا اندوختہ قلعہ مہیسر[۲] میں بہت کچھ ہاتھ آیا جس سے زبردست مالی امداد پہنچی،

سرونج پر نواب امیر الدولہ بہادر کا عاملانہ قبضہ

فتح مہیسر کی غیر معمولی کامیابی کی مسرت میں مہاراجہ نے نواب صاحب کو (امیر الدولہ، امیر الملک بہادر شمشیر جنگ) کے خطابات مرحمت کرتے ہوئے کثیر زر و جواہر نذرانے میں دیئے، اور ایفائے معاہدہ کی پہلی قسط میں پرگنہ سرونج حوالہ کیا، نواب امیر الدولہ بہادر کی طرف سے سرونج کی حکومت پر جو پہلا عامل مامور ہوا وہ محمد یوسف[۳] خاں جمعدار جلال آبادی افغان تھا جو عسکر امیری کا ایک معزز و معتمد سردار تھا، اسوقت سے[۴] ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ مصالحت سنہ ۱۲۳۲ھ (۱۸۱۷ء) تک سرونج برابر نواب امیر الدولہ بہادر کے مالکانہ قبضہ میں رہا، اس عرصہ میں متعدد جاگیریں مستحقین کو نواب صاحب نے اپنے مالکانہ اختیار سے مرحمت کیں

---

[۱] اس نابالغ بچہ کو بھی جسونت راؤ نے سنہ ۱۸۰۷ء میں قتل کر دیا، افتخار التواریخ ۱۲

[۲] مہیسر اندور کا پہلا پایۂ تخت ہے، جواب صوبہ کا صدر مقام اور اندور کے ماتحت ہے ۱۲ مؤلف

[۳] محمد یوسف خاں جمعدار کی اولاد میں اسوقت محمد بشیر خاں جاگیردار چھپیون بقید حیات ہیں اور جو جاگیر اُن کے پڑدادا کو ملی تھی اوس سے متمتع ہیں، دوسرا موضع امیرگڈھ محمد بشیر خاں کے چھوٹے بھائی محمود بشیر خاں کے حصہ میں آیا تھا وہ اُنکی لاولد وفات پر بحق ریاست منتقل ہوا، اور اُن کی دختر و بیوہ کو کچھ نقد وظیفہ ریاست سے مقرر ہوگیا ہے ۱۲ (مؤلف)

[۴] عبداللہ خاں قدیمی کو مواضعات باموری سالا، اور جھوکر جو کی سند جاگیر مورخہ سنہ ۱۲۲۳ھ اور صاحبزادہ غلام حیدر خاں کو سند جاگیر موضع چاٹھوبی مورخہ سنہ ۱۲۲۹ھ اسی عہد کی یادگار ہیں، لالہ تیج راؤ قانونگوئے سرونج کو بھی سنہ ۱۲۲۴ھ میں شاہی سند کی تجدید میں امیری سند دیگئی ۱۲ مؤلف

جو قیام ریاست کے بعد بھی بدستور بحال رہیں،

نئی عیدگاہ کی وسعت اور اوسکا کتبہ ۱۲۲۳ھ کا اسی عاملانہ قبض و تصرف کے عہد کا یادگار ہے جسکی تفصیل آثار قدیمہ کے عنوان میں آگے آتی ہے،،

مہیسر کی فتح کے بعد دونوں اولوالعزم سرداران نے حدود مالوہ سے نکلکر اطراف ہند میں جس اقبالمندانہ جہانگیری کے ساتھ قدم بڑھایا ہے، اور جقدر فتوحات کی ہیں، اُن سب کی تفصیلات و تشریحات فارسی امیرنامہ، انگریزی امیرنامہ، اردو امیرنامہ، تواریخ مالوہ و راجپوتانہ، تاریخ اندور، اور تاریخ مرہٹہ میں درج ہے، اس مختصر کتاب کے صفحات ان ناموروں کے شجاعانہ حالات لکھنے کے لئے نہ تو کافی ہو سکتے ہیں، نہ وہ مضامین اس کتاب کا موضوع ہیں، یہ کام مخصوص ان فاتحین کے تاریخ نگاروں کا ہے، خدا جسے توفیق عطا کرے، سرونج کے قبضہ کے سلسلہ میں جسقدر تشریحات ضروری سمجھی گئیں وہ درج کردی گئی ہیں، تاکہ سمجھنے میں آسانی رہے، اور مطالب میں ابہام نہ ہو،

نتیجہ

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ یُوْرِثُہَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ ط

(ترجمہ) تحقیق زمین اللہ کی ہے، وارث کرتا ہے اُس پر جسکو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے،،

کلام الٰہی ہے، فقیر کو شاہ، اور بادشاہ کو فقیر، سپاہی کو سپاہ سالار، اور سپاہ سالار کو سپاہی بنانا، اور ایک سلطان کو دوسرے سلطان پر مسلط کرنا یہ سب امور ارادۂ الٰہی کے ساتھ وابستہ ہیں، یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ، شاہان تیموریہ کا تم نے انجام دیکھ لیا، ہلکر، سیندھیا، بھونسلا کہاں سے کہاں پہنچے، پیشوا نے تخت دہلی کی آرزو میں کسقدر بلند پروازی کی، مگر مشیتِ الٰہی نے اُسکے ارادوں کی تائید نہ کی، انگریزی قوم جو ہندوستان کی باشندہ نہ تھی، نہ بظاہر اس سرزمین میں اُسکا کوئی استحقاق ملکی تھا تاہم احکم الحاکمین نے تخت دہلی کے لئے اُسکو منتخب فرماکر آیہ مندرجہ صدر کی تفسیر دنیا پر ظاہر کردی، جسکے آگے ہندوستان کے تمام نبرد آزما سرداروں نے اخیر میں سر تسلیم جھکا دیا۔

سب سے پہلے سب سے زیادہ طاقتور اور مغرور، بالاجی راؤ پیشوا نے ۳۱ دسمبر ۱۸۰۲ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی سے مصالحت کرکے اپنی خود مختاری کا خاتمہ کیا، اس واقعہ کے ایک سال بعد ۳۰ دسمبر ۱۸۰۳ء کو مہاراجہ دولت راؤ سیندھیا نے عہدنامہ پر دستخط کئے، مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر نے گو عرصہ تک کمپنی کے آگے گردن نہیں جھکائی لیکن بالآخر مجبور ہو کر اس نے بھی دسمبر ۱۸۰۵ء میں دریائے بیاس کے کنارے کمپنی کے شرائط کو منظور کیا، جسکی روسے مالوہ کا کل مقبوضہ علاقہ اور دکن کے بیشتر مقبوضات اُسکو واپس دیئے گئے،

سب سے آخر میں کمپنی نے نواب امیرالدولہ بہادر کی طرف دوستانہ ہاتھ بڑھایا، جسکا نتیجہ ۹ر نومبر ۱۸۱۷ء ۱۲۳۲ھ کا وہ صلحنامہ ہے، جسکی روسے پرگنات سرونج، پڑاوہ، نیماہیڑہ، چھبڑہ، ٹونک، جو معاہدہ تقسیم ملکی کی تعمیل میں ہلکر کی طرف سے نواب امیرالدولہ بہادر کے قبضہ میں

ـــــــــــــــــــــــــــــ

لہ لالہ نرنجن لال وکیل، نواب امیرالدولہ بہادر اور معظم الدولہ چارلس مٹکلف بہادر ریزیڈنٹ دہلی کے مابین ۹ر نومبر ۱۸۱۷ء ۱۲۳۲ھ کو عہدنامہ مرتب ہوا تھا، اُس پر ۱۷ر دسمبر ۱۸۱۷ء کو بمقام موضع وسوان (درمیان ٹنکانیر اور نیماہیڑہ) جنرل لونی آکٹر سے نواب امیرالدولہ بہادر کی ملاقات ہوکر تبادلۂ خیالات ہوا، اور اُسی تاریخ عہدنامہ مذکور کی تکمیل و تصدیق ہوئی، مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر سے بالمناصفہ تقسیم کا جو معاہدہ ہو چکا تھا اُسکی روسے سرونج ۱۷۹۸ء میں ٹونک ۱۸۰۶ء میں نیماہیڑہ اور پڑاوہ ۱۸۰۹ء میں چھبڑہ ۱۸۱۶ء میں نواب امیرالدولہ بہادر کے قبضہ میں آچکے تھے، جنپر نواب بہادر ممدوح کی حکومت تسلیم کی گئی، اسکے علاوہ پرگنہ رامپورہ (علیگڈھ) اور تین لاکھ روپیہ نقد درستی انتظام کے لئے کمپنی نے اپنی طرف سے اور اضافہ کیا، چونکہ مہاراجہ جسونت راؤ اس معاہدہ کی ترتیب سے قبل ۱۸۱۱ء ۱۲۲۶ھ میں فوت ہو چکا تھا، اور پرگنات مذکور الصدر راؤ کی طرف سے اُسکی حیات میں نواب ممدوح کیطرف منتقل ہو چکے تھے، اسلئے موجودہ رئیس اندور کی طرف سے معاہدہ مذکور پر تصدیق کی ضرورت تھی، چنانچہ ۶ر جنوری ۱۸۱۸ء کو بمقام مندسور ملہر راؤ پسر مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر سے معاہدہ کی تجدید ہوکر دستخط کرلئے گئے جسمیں ہلکر کیطرف سے اقرار کیا گیا کہ وہ پانچوں پرگنات مقبوضہ نواب امیرالدولہ بہادر سے دست بردار ہوتا ہے (تاریخ اندور، امیرنامہ، افتخار التواریخ) لیکن مؤلف کے معزز ترین دوست مولوی سید علی اصغر صاحب امیر الانشا، دبیر الملک صاحب تاریخ

(بقیہ صفحہ ۱۹۶ پر)

پہلے دیئے جاچکے تھے، بدستور نواب ممدوح کے مالکانہ اقتدار میں تسلیم کئے گئے، اور
پرگنہ رامپور (علیگڈھ) گورنمنٹ کیطرف سے ملا جن پر آجتک بانیِ ریاست کی اولاد، وراثتاً قابض
و متصرف ہے، اسمیں شبہ نہیں کہ نواب امیر الدولہ بہادر اپنے عظیم ترین کارناموں، فنونِ حرب
کی قابلیت، ذاتی شجاعت، استقلال و ہمت، اور فاتحانہ اولوالعزمیوں کی بدولت امیر اعظم
کہے جانیکے مستحق ہیں، مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر کے کارناموں میں امیر اعظم کی کارگذاریوں کا
جوہر نمایاں تر ہے، فتوحات و شجاعت امیری نے امیر اعظم کو ہندوستان سے باہر دیگر
ممالک میں بھی روشناس کرایا، ۱۲۲۹ھ میں شجاع الملک[1] والیِ کابل نے، اور اسی سال
نصیر خاں والیِ سیستان کی بیوہ نے امیر اعظم کو بذریعہ سفارت اپنی اپنی امداد کے لئے یاد کیا
چونکہ نواب بہادر ممدوح کو راجپوتانہ اور مالوہ میں جنگی مشاغل درپیش تھے، اسلئے اُن کی
خواہشوں کو منظور نہ کرسکے، اور سفیرونکو اخلاص آمیز نفی میں جواب دیدیا،
اس مجسم شجاعت کو جس بات نے ریاست کا مالک بنایا، وہ اُسکا استقلال جوانمردی
اور قناعت آمیز ارادے کی مضبوطی ہے، اٹھارہ بیس لاکھ کی ایک چھوٹی سی ریاست پر
امیر اعظم کا قانع ہوجانا خداوند ذوالجلال کی مشیت پر سر تسلیم جھکا دینے کے مرادف تھا،
ورنہ اتنا بڑا فاتح، اولوالعزم جہانگیر اور صاحب شمشیر، (جسکو مؤلف نے امیر اعظم لکھا ہے)
قناعت کے دائرہ سے باہر نکلنا چاہتا تو راجپوتانہ اور مالوہ دونوں وسیع الرقبہ ممالک اُسکے
زیر نگیں ہوتے،
امیر اعظم کے قول و عمل پر خود اُن کی مہر کا یہ مصرع زبردست شاہد ہے،،

(بقیہ صفحہ گذشتہ) تیا ہیٹرہ صفحہ ۳۰ میں لکھتے ہیں کہ ۱۸۱۸ء کا معاہدہ جسونت راؤ سے ہوا تھا، اسکی تصدیق کسی تاریخ سے نہیں ہوتی، اور جبکہ وہ ۱۸۱۱ء میں وفات پا چکا تھا تو پھر اُسکا معاہدہ کیونکر تسلیم کیا جاسکتا ہے، ۱۲، مؤلف

[1] شجاع الملک تیمور شاہ کا بیٹا اور احمد شاہ دُرّانی کا پوتا تھا اُس وقت کابل پر محمود شاہ کے قابض و متصرف ہوجانیسے مہاراجہ رنجیت سنگھ والی لاہور سے طالب امداد تھا ۱۲ (افتخار التواریخ بحوالہ تاریخ پنجاب

خدا خود میر سامان است اسباب توکل را[1]

یہی وہ وصف تھا جس نے نظام الملک والیِ حیدرآباد دکن کے ۱۰ لاکھ کے علاقہ کی پیشکش کو نامنظور کر دیا،

ایسٹ انڈیا کمپنی کیطرف سے بھی کئی مرتبہ ایک کروڑ کا ملک دیئے جانیکی تحریک ہوئی مگر عالی ہمتی نے گوارا نہ کیا،[2]

جنرل سر جان مالکم صاحب بہادر ریزیڈنٹ اور مورخ مالوہ کی اس غیر طرفدارانہ و منصفانہ رائے سے کسکو انکار ہو سکتا ہے، جو حسب ذیل ہے،

قاعدہ نواب کا یہ تھا کہ جو کچھ غنیمت میں ہاتھ آیا اُس پر قناعت کی، اگر نواب (امیرالدولہ امیرالملک بہادر) ریاست لینے کا ارادہ کرتے تو مثل جے پور کے صد ہا ریاست کے مالک ہو جاتے، صفحہ ۸۴، نواب امیرالدولہ بہادر کو خواہش حکمرانی کی ہوتی تو ایک اقلیم کی حکومت قبضہ میں آسکتی تھی صفحہ ۸۶

مصالحت کے ۱۵ سال بعد ۱۸۳۲ء میں ہنری ٹی پرنسب بہادر نے گورنر جنرل کشور ہند کے ایماسے فارسی امیرنامہ کا انگریزی میں ترجمہ کر کے کلکتے سے شایع کیا ہے، اُسکے دیباچہ میں صاحب مذکور نے امیرنامہ اور نواب امیرالدولہ بہادر کی شخصیت پر حسب ذیل رائے ظاہر کی ہے، (اس کتاب میں بھی کہیں کہیں شاعرانہ بیان ہے، جسمیں رستم و اسفندیار کی مثالیں پائی جاتی ہیں، لیکن اس نقص کے باوجود جب نواب امیرالدولہ بہادر کی ذاتی شجاعت، فاتحانہ ہمت پر غور کیا جاتا ہے تو اس کتاب کو نہ جھوٹا کہا جا سکتا ہے، نہ نواب بہادر کے کارناموں سے انکار کرنیکی کوئی وجہ پائی جاتی ہے، اسمیں کسی جگہ یہ کوشش نہیں کی گئی کہ فتح کو شکست، اور شکست کو فتح ظاہر کیا گیا ہو،،

صرف نواب امیرالدولہ بہادر کی تنہا قوت بازو سے عجیب عجیب واقعات کے سرزد

---

[1] قانعی ریاست سے پہلے بھی یہی مہر تھی جسے مؤلف نے بعض فرامین پر ثبت دیکھا ہے ۱۲

[2] افتخار التواریخ صفحہ ۵۲ و ۵۴ ۱۲

ہونے کا بیان ہے، اس سے زیادہ ایک زندہ سردار کی سوانحعمری میں اور کس بات کی توقع کرنی چاہیے [1]

اعتراض کرنا آسان اور اسکے لئے ہر وقت دروازہ کھلا ہوا ہے، لیکن اگر انصاف سے دیکھا جائے تو معاصرین و ماہرین جنگ نے نواب امیر الدولہ امیر الملک بہادر کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے، اُنسے تائید حاصل کرنے کے بعد مؤلف نے امیر اعظم کے لقب سے اگر یاد کیا ہے تو اس کے استحقاق میں شک و شبہ کی گنجایش باقی نہیں رہتی، و نیز

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیب است — گل است سعدی و در چشم دشمنان خار است (سعدی)

ذیل میں اُس عہدنامہ کی پوری نقل کیجاتی ہے جو سرکار کمپنی اور نواب امیر الدولہ امیر الملک بہادر کے مابین ۹ نومبر ۱۸۱۷ء کو مرتب ہوکر ۱۶ دسمبر ۱۸۱۷ء کو تصدیق و تکمیل کے بعد نافذ ہوا ہے،

اقرارنامہ [2] فیمابین سرکار کمپنی انگریز بہادر و نواب امیر الدولہ امیر محمد خاں بہادر مرتبہ مسٹر چارلس تھیافلس مٹکلف بہادر منتظم الدولہ از سرکار کمپنی انگریز بہادر بموجب اختیار دادہ جناب معلے القاب مارکوئیس آف ہسٹنگس گورنر جنرل بہادر و لالہ نرنجن لال از طرف نواب صاحب بہادر موصوف - بموجب اختیار دادہ نواب صاحب موصوف،،

دفعہ اول، اینچہ مکانات [3] متعلقہ ملک مہاراجہ ہلکر بہادر کہ بموجب سند مہاراجہ موصوف بقبضۂ نواب امیر محمد خاں بہادر است علی الدوام نسلاً بعد نسلٍ در قبض و تصرف نواب صاحب موصوف و وارثان شان خواہند ماند، سرکار انگریزی کفیل این معنے است و حفاظت آن ذمہ سرکار ممدوح،

دفعہ دویم، نواب محمد امیر خاں بہادر فوج خود را سوائے قدرے کہ برائے انتظام مکانات مرقومہ صدر در کار باشد، برطرف خواہند نمود،

---

[1] افتخار التواریخ صفحہ ۵، ۲، ۱۲،، [2] افتخار التواریخ صفحہ ۵۹ ۱ ۶۰ اسکا اردو ترجمہ عہدنامجات جلد چہارم صفحہ ۸ میں درج ہے ۱۲ [3] مکانات سے مقصود مقامات ہیں، ۱۲ مؤلف

دفعہ سوم نواب صاحب موصوف خلش در ملک کسے نخواہند کرد و رابطہ کہ با پنڈارہا و دیگر غارتگراں کہ میدارند موقوف خواہند نمود بلکہ حتی الوسع در تدارک و مدافعت آنہا برفاقت سرکار خواہند پرداخت و سوال و جواب با اعدے بغیر مرضی سرکار نخواہند داشت ،

دفعہ چہارم - نواب صاحب موصوف ہگی اضراب توپہا و اسباب جنگی خود سوائے قدرے کہ بنا بر تنظیم مکانات و تحفظ قلعہ جات متعلقہ خود ، درکار باشد ، در سرکار کمپنی انگریز بہادر خواہند رسانید ، و عوض آں از سرکار زر نقد بقدر واجب خواہند یافت ،

دفعہ پنجم ، جمعیت کہ پیش نواب موصوف خواہد ماند ، عند الطلب در سرکار کمپنی انگریز بہادر حاضر خواہد گردید ،

دفعہ ششم ، اقرارنامہ ہذا متضمن شش دفعہ و مہر و دستخط مسٹر چارلس تہیا فلس مٹکلف بہادر و نرنجن لال بمقام دار الخلافہ شاہجہان آباد ترتیب یافتہ و برو فق آں اقرارنامہ بمہر و دستخط جناب معلے القاب گورنر جنرل بہادر ، و نواب محمد امیر خاں بہادر تکمیل پذیرفتہ در عرصہ یک ماہ در ینجا خواہد رسید ، مرقوم نہم ماہ نومبر ۱۸۱۷ء

العبد العبد

مہر عہد

لالہ نرنجن لال (وکیل نواب امیر الدولہ بہادر) چارلس مٹکلف رزیڈنٹ دہلی

مہر وسیرائے ہند

زبدہ نو آئینان عظیم الشان مشیر خاص حضور فیض معمور بادشاہ کیوان بارگاہ انگلستان اشرف الاشراف مارکویس آف ہسٹنگس گورنر جنرل بہادر ناظم ممالک محروسہ سرکار کمپنی انگریز بہادر و امیر اعظم عساکر بادشاہی و سرکار کمپنی متعلقہ کشور ہند ۱۲۳۲ھ

پانچواں باب

عام انتظامی مفصل حالات

آئینہ سکندر جام جم است بنگر
تا بر تو عرض دارد احوال ملکِ دارا (حافظؔ)

پہلا دور

عہدِ قدیم سے ہلکروں کے عہد تک لغایت ۱۲۱۲ھ / ۱۷۹۷ء

راجگان، تونور، پنوار، اور سینگروں کے مالی و ملکی نظام کے متعلق صرف اسقدر معلوم ہو سکا ہے کہ مالوہ کی حکمرانی کے زمانہ میں کاشتکاروں سے پیداوار کا چھٹا حصہ[1] راج کے حق میں وصول ہوتا تھا، اور رعایہ کی جان و مال کی نگراں فوجی سپاہ تھی، آجکل کی طرح مختلف ٹیکس رعایہ پر نہ تھے، یہی وجہ ہے کہ سنہ ۱۰۰۲ھ عہد اکبری میں صوبۂ مالوہ کے بارہ ضلعوں کی آمدنی ۲۴[2] کروڑ ۶ لاکھ ۹۵ ہزار ۵۲ دام تھی، فی ۴۰ دام ایک روپیہ کے حساب سے ۶۰ لاکھ ۱۷ ہزار ۳ سو پچہتر روپیہ ۵۲ دام ہوئے، یہ تعداد صوبہ مالوہ کی موجودہ ریاست بھوپال کی آمدنی سے بھی کم ہے، رفتہ رفتہ پیداوار، زمین کی آبادی نئے نئے ابواب کے اضافوں نے اسقدر ترقی ہوئی کہ شاہجہاں صاحبقران ثانی کے عہد میں اسی صوبہ کی آمدنی ۴۰ کروڑ دام (ایک کروڑ روپیہ[3]) تک پہنچ گئی تھی، اور سلطان عالمگیر کے عہد سلطنت کے اخیر سالوں میں ۹۷ ہزار

---

[1] گزیٹیر ریاست ٹونک مرتبہ میور صاحب بہادر پولیٹکل ایجنٹ ٹونک ۱۲ [2] سیر المتاخرین تذکرہ مالوہ ۱۲

[3] تاریخ ہندوستان، مؤلفہ مولوی ذکاء اللہ صاحب مرحوم جلد ہفتم صفحہ (۵۴۰) ۱۲

پانچو اکتالیس روپے کا مزید اضافہ ہو کر ایک کروڑ ۹۷ ہزار پانچسو اکہتر روپیہ سالانہ اس صوبہ کی مالگذاری تھی، سمت ۱۱۲ بکرمی میں سرونج کا وجود ضرور تھا، جسکا تذکرہ دوسرے باب میں مفصل کیا جا چکا ہے، لیکن اسوقت سرونج کی آبادی معمولی گانوں سے زیادہ نہ تھی، اور چونکہ یہ بھی حدودِ مالوہ میں داخل ہے اسلئے محاصل کا قدیم طریقہ اس سے بھی متعلق سمجھنا چاہیئے

عہد اکبری

شہنشاہ جلال الدین اکبر کے زمانہ سے سرونج تاریخی صفحات پر نمایاں ہوا ہے جسکا سبب ہندوستان کا عام نظام ہے جسکی تفصیل آئین اکبری میں درج ہے۔

مؤتمن الدولہ عمدۃ الملک راجہ ٹوڈرمل وزیر مالیات نے ۹۸۲ھ میں اکبری حکم سے زمین کی پیمائش کی اور مالگذاری کا نصاب مقرر کر کے اسوقت تک کے مفتوحہ ممالک کو ۱۲ صوبوں[1] پر منقسم کیا، انہیں کا ایک صوبہ مالوہ بھی تھا، مالوہ میں ۱۲[2] سرکار (ضلع) اور ۳۰۱ پرگنات (تحصیلات) شامل تھے پرگنوں میں ایک پرگنہ سرونج بھی تھا جو سرکار چندیری کے ماتحت رہا

عہد اکبری میں چندیری کے ماتحت ۵۴[3] پرگنات تھے، اوسوقت سرونج کی آمدنی ایک کروڑ ۹۲ ہزار ۸۶۷ دام تھی،،

[1] ۱۲ صوبوں کے نام یہ ہیں،، بنگالہ[1]، بہار[2]، اودھ[3]، الہ آباد[4]، مالوہ[5]، احمد آباد[6]، اکبر آباد[7]، دہلی[8]، اجمیر[9]، لاہور[10]، ملتان[11]، کابل[12]، بعد میں برار، احمد نگر، خاندیس، تین صوبوں کا اور اضافہ ہوا ہے۔ ۱۲-

[2] نام یہ ہیں،، اُجین، ہنڈیا، دہار، سارنگپور، رائسین کوٹری، بیجا گڈھ، اگاگرون، مانڈو، چندیری، مند سور، شاہ آباد،،

[3] پرگنات کی تفصیل یہ ہے، چندیری، سرونج، اودیپور، رتوذ، توبین، پچھار، آصف آباد، دولاجہاگر، بدرچھلا مہیانہ، اٹاوہ، سادمورہ، ایرن، مونگاولی، رائیکہ بھوراسہ، کالا باغ، کہیاودہ، تال، کوروائی، مہاسہ، بیرچھیا، دیوری کلاں، انانا، بدرحالیں، جھرکوٹا، جہاجمن، دیوری خورد، آرمان، لشادرہ، بار، باموربھیلسہ، ڈھاکوچی، کوہار، مودی، بوکرانہ، پاٹون، مانگرول، بھیسٹے، پارسپور، باموری جال، دوربار

(بقیہ صفحہ آئندہ)

چونکہ ٹکسال کے تمام مصارف کے حساب سے ۴۰ دام ایک روپیہ کے برابر تھے، اسلئے راجہ ٹوڈرمل نے ایک روپیہ کے ۴۰ دام قرار دیکر تحصیل وصول مالگذاری اور تنخواہوں کی تقسیم اسی حساب سے مقرر کی،

دام ایک مسی پیسہ کی طرح وزنی ایک تولہ تھا جسکے ایک رُخ پر اکبر شاہ کا نام اور دوسری طرف خوشخط لفظ دام نقش تھا، اس حساب سے سرونج کی آمدنی اکبر شاہی روپیہ میں اسوقت ۲ لاکھ ۵۲ ہزار، ۱۳۱ روپیہ کی تھی، روپیہ گیارہ ماشہ کا تھا،

یہ بھی قرار دیا گیا کہ ایک کروڑ دام کے علاقہ پر ایک دیہی منتظم بھی مقرر کیا جائے جسکے تعلق آبادی اور محاصل سرکاری کے وصول کا کام ہو، اسی ایک کروڑ دام کی مناسبت سے اسکا لقب کروڑی قرار دیا گیا، یہی وجہ ہے کہ شاہی اسناد میں عاملان، چودھریان، پرگنات کے ناموں کے ساتھ کروڑیوں کو بھی مخاطب کیا جاتا رہا ہے،،

کروڑیانِ علاقہ اور عاملانِ پرگنات کے علاوہ ہر پرگنہ میں فوطہ دار (خزانچی) امین، دارو غہ چنگی، فرد نویس، نرخ نویس، اور پٹواریوں کا وجود بھی پایا جاتا ہے۔ چند پرگنات پر ایک فوجدار بھی مقرر ہوتا، پرگنہ کے حاکم کو عامل، اور شقہ دار بھی کہتے تھے، اکبر اور اکبر سے پہلے زمانہ میں زمیندار عام طور سے ہندو تھے، جنکو مقدم کہتے تھے اور کروڑیوں کے بجائے چند دیہات پر ایک ذیلدار، یا فوطہ دار مقرر ہوتا، اور چند ذیلدار کے دیہات کو ملا کر ایک پرگنہ قرار دیا جاتا، پرگنہ کے حاکم کو شقہ دار بھی کہتے، وہی سابقہ عمل کسیقدر ترمیم کے ساتھ عہد اکبری

کوریا، دیچی ہیلچی پور، مانٹ، کولاکوٹ، نون گانون، بردت، جاگر سین پور، از سند رضا بیجانی مورخہ غرہ شوال سنہ ۱۰۹۲ھ جو اسوقت لالہ پرتاب چند قانون گوئے سرونج کے پاس محفوظ ہے) بعد میں پرگنات کا تغیر و تبدل ہوکر عہد محمد شاہی میں جو فہرست آمدنی صوبہ داری کی نادر شاہ شاہ ایران کے سامنے پیش ہوئی ہے، اوسکی رو سے مالوہ میں ۲۵۷ پرگنات، اور آمدنی صوبہ مالوہ کی ۴۲ کروڑ ۵۸ لاکھ ۷۷ ہزار ۶۰۷ دام (۱۰۶۴۳۹۱۶) روپیہ کی تھی، از تاریخ ہندوستان مؤلفہ مولوی ذکاء اللہ مرحوم ۱۲

میں بھی بحال رہا۔

صیغۂ مال پرگنہ کا عامل عموماً شریف، صاحب علم اور مدبر صفات کا مقرر ہوتا، اور اسکو ہدایت ہوتی کہ رعایہ سے نرمی کے ساتھ مالگذاری وصول کرے۔ جو لوگ شریف اقوام سے غیر مستطیع ہوں اُنکو موقع دیا جائے کہ قسطوں کے ساتھ مطالبہ ادا کریں؛ فریادیوں کے لئے ہر وقت باب حکومت کھلا رکھے، عاملانِ پرگنات کے فرائض میں یہ خاص بات بھی تھی کہ آمد و خرچ ماہواری اور روزنامچہ اپنے دستخطوں سے دربار شاہی میں بھیجتا رہے،

بارانی پیداوار سے نصف اجناس، اور اعلیٰ پیداوار چاہی مثل نیشکر وغیرہ سے ۱/۲ ۱/۴ ۱/۵ ۱/۳ حسب مراتب زمین سالانہ بحق سرکار وصول ہوتا تھا، ہندوؤں سے جزیہ معاف کر دیا گیا تھا،،

کھیتوں کی پیمائش کا سالانہ انتظام تھا جس کے لئے پہلے سوتی جریب ۶۰ گز کی تھی، چونکہ تری میں اُس کے گھٹنے بڑھنے کا احتمال تھا، اس لئے بانس اور نرسل کی جریب ایجاد ہوئی، جس کے بیچ میں لوہے کی کڑیاں تھیں، تاکہ پیمائش میں فرق نہ آئے۔ مردھے[1] (جریب کش) ضمانت سے مقرر ہوتے۔

اہلکارانِ اعلیٰ کو تنخواہ کے علاوہ ۵ مار آٹا، ۱۰ مار گھی، ۱ مار دانہ، اور ۴ دام نقد ترکاری کے لئے۔ پٹیلچی کے لئے ۴ مار آٹا، ۱۰ مار گھی، ۵ مار دانہ، ۴ دام نقد، جریب کش اور تھاپہ دار کے لئے فی کس ۱ مار آٹا۔ ۱ مار گھی اور نقد ایک دام روزانہ ملتا تھا۔۔۔۔۔ دیگر عہدہ داروں کی تفصیل یہ ہے،،

پٹواری، ان کا فرض یہ تھا کہ اسم وار دیہہ وار افراد جمعبندی پیمائش کے بعد سالانہ مرتب کرتے رہیں، اُنہی افراد کو زیر نظر رکھکر مالگذاری وصول کیجاتی۔

---

[1] سرونج میں مردھے ہونا ایک خاص محاورہ ہے لیکن بندوبست انگریزی کے بعد یعنی [illegible] سے یہ لوگ معطل ہو کر دیگر پیشہ اختیار کیے ہوئے ہیں

جمع وخرچ نویس ۔ سالانہ آمدنی ومصارف کا قلمبند کرنا اوسکے ذمّہ تھا، ہلکروں نے اپنے عہد میں بدستور فارسی دفتر قائم رکھکر جمع وخرچ لکھنے کے لئے ایک مرہٹی دان اہلکار مقرر کیا تھا، جسکا عہدہ سررونج میں ۱۹۰۶ء تک قائم رہ کر تخفیف کردیا گیا،

فردنویس۔ یہاں کی دیہاتی زبان میں پھڑنویس کہتے ہیں، اسکا کام دِہ وار افراد کا ترتیب دینا تھا، اب یہ عہدہ باقی نہیں رہا،

نرخ نویس ہر روز کا نرخ لکھنا، اور ہفتہ وار صدر مقام چندیری میں روانہ کرنا اسکا فرض تھا، وہی نرخنامہ دربارشاہی میں ماہوار بھیجا جاتا، خلاف نرخ خرید وفروخت کی سخت ممانعت تھی ۔

داروغہ بیت المال، آج کل اسکا مرادف خزانچی ہے،

داروغہ چُنگی ۔موجودہ زمانہ میں منصرم سائر کہتے ہیں۔

مشرف ناکے دار چنگی، اب بھی اس نام کے متعدد عہدہ دار ہیں۔

قانون گو، اہم ذمہ داری کا عہدہ تھا، اور اب بھی ہے، اس عہدہ دار کے کام کی تفصیل اسوقت یہ تھی، افراد جمعبندی کی سالانہ جانچ اور ان کا مرتب کرنا، سرحدی تنازعات کا فیصلہ، لاخراج اراضی کا رجسٹر مرتب کرنا، سالانہ جمعبندی دفتر شاہی میں روانہ کرنا،

پٹواریوں کے کاغذات کی پڑتال، رعایہ کی فلاح وبہبود کے متعلق حکام کو نیک مشورہ دینا۔محصول کی زیادتی کو روکنا۔دورۂ دیہات کے سلسلہ میں مقامی عاملوں کے ساتھ رہنا، مزروعہ زمین کی پیمایش کی پڑتال کرنا، اپنا ایک رشتہ دار دربار خلافت میں مامور رکھنا جسکے ذریعہ سے پرگنہ کے تمام واقعات وحادثات کی اطلاع دربارشاہی میں پہنچتی رہے۔

امین، پیمائش کا اعلیٰ مقامی افسر ہوتا ہے، اسی کی نگرانی میں سالانہ پیمایش ہوتی،

کمروڑیال دیہات، باہم زمینداروں اور فریقی کاشتکاروں کے نزاعات کا تصفیہ کرنا۔تحصیل وصول میں امداد دینا، اور خود جسقدر زمین کاشت کریں اون کا حاصل

معاف تھا،

چودھری کے متعلق بازاری تنازعات کی پنچایت اور اُن کا باہمی تصفیہ تھا۔ خدمات کے معاوضہ میں تنخواہیں قلیل اور حقوق کثیر تھے جنکی تفصیل یہ تھی:-

عاملوں کے حقوق" علاوہ تنخواہ کے، فی گانوں دو روپیہ بھینٹ سالانہ، دورہ کا نذرانہ فی پٹیل (زمیندار) دو روپیہ

حقوق قانونگویان بھینٹ فی دیہہ دو روپیہ سالانہ، دامی فیصدی ایک روپیہ، دستور جنگی (سایر) فی روپیہ پاؤ آنہ، اراضی انعامی علاوہ، فی انتقال نامہ ایک روپیہ عـ

حقوق پٹواریان۔ فی دیہہ ؁ اراضی معافی، فصلین پر فی ہل ۵ مار غلہ، فی پٹہ کھانہ داری فی پٹہ وزن کشی ارفی ناطہ (عقد ثانی) عـ فی فارغخطی ۔

حقوق زمینداران" معافی زمینداری وسعت رقبہ کے لحاظ سے ایکسو بیگہ سے ۱ بیگہ تک ملبہ خرچ[1] فی روپیہ سرکاری آمدنی پر ۲ سے ۱ تک۔

حقوق کمینگان" گانوں کا بلائی، مردہ مواشی کا چرم، فصلین پر فی ہل ۱ مار غلہ

حجام"	فی ہل ۵ مار غلہ دونوں فصلوں پر
دہوبی	ایضاً
کمہار	ایضاً
لوہار	ایضاً فی ہل ۲۰ مار غلہ
بڑھی	ایضاً

کمینوں کے حقوق اُن خدمات کے معاوضہ میں ہیں جو دورہ کے وقت اہلکاران سرکاری

[1] ملبہ خرچ دیہہ کے اون مصارف کو کہتے ہیں جو زمینداروں کی طرف سے مسافروں کی مہانداری سرکاری چپراسیوں کے روزینہ (دستک)، تہوار وغیرہ میں صرف ہوتا ہے اور اسکا معاوضہ سالانہ خزینہ ریاست سے دیا جاتا ہے۔ ۱۲ مؤلف

اور کاشت و طیاری فصل کے زمانہ میں کاشتکاروں کی انجام دیتے ہیں ''

موجودہ دور میں زمینداروں اور کمینوں کے حقوق بحال ہیں اور پٹواریوں کی نقد تنخواہیں مقرر ہیں ،، مقامی عامل کی اب ماہانہ تنخواہ ہے ، بھینٹ اور نذرانہ موقوف ہو چکا ، حقوق قانون گویان میں صرف اسقدر تبدیلی ہوئی ہے کہ داہی بالمقطع للعہ بھینٹ بالمقطع الساعہ ۵ اور دستور چھنگی عار سالانہ ہے ۔

نرخ اجناس وغیرہ

شاہی زمانہ میں پیداوار کی کثرت اور اُس میں برکت تھی ۔ حالانکہ موجودہ زمانہ میں جسقدر اراضی آباد ہے اسکا تیسرا حصہ بھی اُسوقت آباد نہ تھی ، شیر دار مویشی کی بھی کثرت تھی ، پرگنہ کا رقبہ جنگل جھاڑیوں کی کثرت سے گھرا ہوا تھا ، اجناس کی ارزانی کا سبب یہ تھا کہ آج کل کی طرح وسائل باربرداری نہ تھے ، مقامی اجناس کی پیداوار باہر نہ جاتی ، کبھی کبھی بنجاروں کے ذریعہ سے نمک اور چاول ، دوسرے علاقوں سے آتا ، اور اُن کے معاوضہ میں غلہ دیدیا جاتا ، علاوہ اس کے وہ مختلف ٹیکس رعایہ پر نہ تھے جو آج ہیں ،

اکبر شاہی عہد کا نرخنامہ بموجب تشریح آئین اکبری حسب ذیل ہے ۱

گندم[۵]	دال مونٹھ	چاول	دال مونگ	باجرہ	نمک	گھی	پیاز	دودھ
۲؍من	۱۱۱۱؍من	۸؍من	۲؍من	۵۰؍من	۱۲؍من	۱؍من	۲؍من	۱۰؍من

۱۰۰ سال قبل سرو نج کا نرخ اجناس مؤلف نے حسب ذیل دیکھا تھا ، گندم فی روپیہ ایک من پختہ

نخود	گھی	دودھ
فی روپیہ ایک من	فی روپیہ ۲ ۱۰ سیر	فی روپیہ ۲۰ سیر

آج موجودہ زمانہ میں

گندم	نخود	دودھ	گھی
فی روپیہ ۴ سیر	فی روپیہ ۱۰ سیر	فی روپیہ ۵ سیر	فی روپیہ چھٹانک

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

---

۵ اکبر شاہ کے عہد میں ہمبری سیر کے حساب سے ۲۰ ؍ ۱۱ ؍ کا من تھا ، آزن کے حساب سے جو نرخ بتایا گیا ہے وہ اصل موجودہ زمانہ کے چلن کے مطابق حساب لگا کر بتایا گیا ہے ورنہ اوس زمانہ کے دام کے مطابق نرخ درج ہے ۱۲ مؤلف ۱۲

کوتوال شہر میں دو مقامات کوتوالی کے تھے، جن کا نام شاہی اسناد میں چبوترہ کوتوالی درج ہے، یہی چبوترے مجرموں کے قید خانے بھی تھے، پرگنات کے مجرمین بھی یہیں آکر سزایاب ہوتے، آج کل کی طرح نہ قوانین و آئین تھے، نہ مثلیں مرتب ہوتیں، زبانی کارروائی پر اکثر دار و مدار تھا،

کوتوال، عامل کے ماتحت مقامی اعلیٰ افسر ہوتا، سزائے جرمانہ اور قید کی کوئی تعداد معین نہ تھی، نہ جرائم کی سماعت کی تخصیص تھی،

آئین اکبری میں کوتوال کے فرائض کی تشریح اس طرح پر درج ہے،

(۱) کوتوال نیک کردار متدین، ذی علم ہو، (۲) رات کو بیدار اور شہر میں پھرتا رہے، بدمعاش اور چوروں کو گرفتار کرے (۳) بدقماش آوارہ گرد اور چوروں کی فہرست ہر وقت مرتب رکھکر اُن کی نقل و حرکت کی نگرانی رکھے، (۴) ہر خاص و عام کو مطلع کرے کہ وہ لوگ بلا اجازت شادی و غمی کے مراسم نہ ادا کیا کریں، (۵) محلے میں ایک معزز و معتبر شخص کو میر محلہ مقرر کرکے اختیار دے کہ روزانہ حالات و واقعات کا روزنامچہ میں اندراج کرکے کوتوال کے سامنے پیش کرتا رہے۔ جدید مسافروں کو بلا اجازت مقیم نہ ہونے دے، محلہ میں سے کوئی شخص سفر کو جائے تو اُسکا نام بھی روزنامچہ میں درج کیا جائے (۶) مسافرین سوائے سرائے کے دوسری جگہ قیام نہ کرنے پائیں (۷) پیشہ ور لوگوں میں سرگروہ مقرر کئے جائیں جن سے بازاری واقعات کی اطلاع ملتی رہے، دلال بھی بازار میں رکھے جائیں، جن سے روزانہ ہر قسم کی اشیاء کا نرخ معلوم ہوتا رہے (۸) جن شہروں میں فصیل شہر اور کوچوں میں دروازے ہوں، رات کو بند کرادیئے جایا کریں (۹) خیال رکھا جائے کہ نرخ اجناس ارزاں رہے، تاکہ غربا کو تکلیف نہ ہو (۱۰) بازاری اوزان کا ماہواری معائنہ ہوا کرے تاکہ کمی و بیشی کا احتمال نہ رہے، سیر [1] ۳۰ ٹکوں سے زیادہ نہ ہونے پائے (۱۱) شراب و شی

[1] ایک پیسہ ۲۱ ماشہ کا تھا، اس حساب سے سیر ۸۰ تولہ کا ہوا جو اسوقت بعض ممالک میں رائج تھا ۱۲ مؤلف

اور شراب نوشی کی سختی کے ساتھ ممانعت کرے (۱۲) گذرگاہ و چاہات، عورتوں اور مردوں کے جدا جدا مقرر کئے جائیں، (۱۳) مستورات گھوڑے کی سواری سے باز رکھی جائیں۔ (۱۴) بردہ فروشی اور رسم ستی قطعاً مسدود رکھی جائے اور مرتکبوں کو سزا دیجائے (۱۵) ہندو و مسلمان فقرا اور عبادت گزاروں کو کوئی تکلیف نہ دے (۱۶) گورستان آبادی کے باہر مغرب کی طرف قائم کیا جائے، (۱۷) بیمار جانور نہ ستائے جائیں نہ شکار کئے جائیں (۱۸) اتوار کے دن کہ عبادت آفتاب[1] کا روز ہے گوشت فروخت نہ ہونے پائے نہ شکار کیا جائے، خلاف ورزی کرنے والوں پر کوتوال کو تعزیر کا اختیار رہے ؎

فوجدار

فوجدار چند پرگنوں پر ایک ہوتا، جو سپاہ سالار کی زیر سیادت امور رہکر باغیوں کی گوشمالی کرتا، زمینداروں کی سرکشی اور عدم ادائے حاصلات وغیرہ کی صورت میں فوجدار ہی سے کام لیا جاتا، جسکی ماتحتی میں معقول جمعیت ہر وقت موجود رہتی، لیکن یہ خاص ہدایت تھی کہ جب تک پیادوں سے کام چلے سواروں سے امداد نہ لیجائے، عامل کی عدم موجودگی میں فوجدار اور فوجدار کی غیر موجودگی میں عامل ایک دوسرے کے قائم مقام ہوتے ملحق الحدود پرگنوں میں سرونج بڑا پرگنہ ہے، اسلئے فوجدار کا صدر مقام بھی اُس وقت سرونج ہی تھا،،

سواروں کی تنخواہیں گھوڑوں کی نسل کے لحاظ سے مقرر تھیں، مثلاً عراقی [illegible] ماہانہ مع صرفہ اسپ، آختہ ۲۵ ماہوار،، مع صرفہ ترکی ۲۰ ماہوار مع صرفہ جنگلہ ۱۵ ماہوار مع صرفہ ـــ،،

اول درجہ پیادہ فوج،، درجہ اول ۱۲ ـ درجہ دوم ۱۰ درجہ سوم ۸ درجہ چہارم [illegible]

[1] اکبر کی آفتاب پرستی اس سے بھی ظاہر ہے، اسی بنا پر فقری کشمیری شاعر نے ذیل کا قطعہ لکھ کر اکبر شاہ کے سامنے پڑھا اور انعام میں ۲ ہزار روپیہ حاصل کیا قطعہ ہمت نگر کہ در غرور ہر جوہری عطاست ؛ آئینہ با سکندر و جہانگیر آفتاب ؛ اکبر داگر مشاہدۂ حق در آئینہ ؛ ایں میکند مشاہدۂ حق در آفتاب ـ شعر العجم جلد چہارم ۱۲
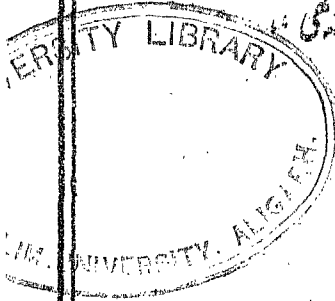
اور ۔۔۔ ماہوار، درجہ دوم پیادہ افواج کی حسب ذیل شرح ماہانہ تھی:

اول درجہ ۔۔۔ دوم ۔۔۔ سوم ۔۔۔ چہارم ۔۔۔ پنجم ۔۔۔

فوج درجہ سوم ۔۔۔ ، ۔۔۔ ، ۔۔۔

فوج درجہ چہارم ۔۔۔ ، ۔۔۔ ، ۔۔۔

فوج درجہ پنجم ۔۔۔ ، ۔۔۔ ، ۔۔۔ ماہوار

عدالت شیخ الاسلام کی صدارت کے ماتحت ہر سرکار (ضلع) صوبہ اور تمام پرگنات میں، قاضی مقرر تھے۔ سرونج میں بھی انگریزوں کے آغاز حکومت تک برابر قضاۃ مامور رہے، اور آج بھی ہیں۔

عہد اکبری میں قاضیوں کے متعلق فوجداری و دیوانی معاملات کی تحقیقات اور انکا انفصال تھا، اور ہدایت تھی کہ تحقیقات شرعی اصول کے مطابق کی جائے، فریقین سے وقت ادائے حلف گرم پیسے ہرگز نہ اٹھوائے جائیں، نہ اس قسم کے دیگر شنیع امور عمل میں آئیں، تحقیقات کا مواد کاغذی شکل میں جمع کیا جا کر فیصلہ کامل اطمینان کے بعد صادر کیا جائے، شاہی فیصلوں کے متعدد احکام مؤلف کی نظر سے گذرے ہیں، جن میں شریعت کے احکام کی پوری جھلک ہے۔

شرعی عدالتیں سرونج میں کب سے قائم ہیں، اسکی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہوسکی، سرونج میں قاضی مرتضیٰ صاحب کا ایک قدیم خاندان ہے۔ اسکا وجود سلطان شیر شاہ سوری کے عہد ۹۴۷ھ سے سرونج میں پایا جاتا ہے، شیر شاہی دور حکومت میں قاضی رکن الدین سرونج کے قاضی مقرر ہوئے، اسکے بعد عہد اکبری میں قاضی شیخ مبارک ہوئے، مابعد سلاطین کے عہد میں بھی برابر قضاۃ مقرر ہوتے رہے۔

دارالافتا محکمہ قضاۃ کا ایک شعبہ دارالافتا بھی تھا، تحریر و تکمیل فتاوی کے علاوہ مفتیوں کے متعلق ایک یہ کام بھی تھا کہ انتقال جائداد غیر منقولہ کی اطلاع رعایہ کی طرف سے جب مقامی عامل کو دیجاتی، اسوقت عامل مفتی کو اطلاع دیتا، مفتی جائداد کے موقع

جاکر معائنہ کرتا، حدود لکھتا، شریک و سہیم کی تحقیقات کرتا، پھر انتقال نامہ کا مسودہ کرتا اور مقر کے دستخط کرانے کے بعد اپنی مہر اُس پر ثبت کر کے قاضی کے پاس بھیجتا، جس پر قانون گویوں کی گواہی لازمی تھی، قاضی کی عدالت رجسٹری کا کام بھی انجام دیتی، یعنی متعاقدین معاہدہ سے تصدیق کرنے کے بعد اپنی مہر سرنامہ پر لگاتا، اور مقرلہ کے حوالہ کرتا،

انتقال نامہ کی نقل مفتی کے رجسٹر میں کی جاتی، کسی دستاویز کے تلف ہونے پر اُسی رجسٹر سے دوسری نقل دیدی جاتی اور اُس پر قاضی کی تصدیق ہوتی، فی دستاویز مفتی و قانون گو کے لئے ایک ایک روپیہ حق التحریر مقرر تھا،

۱۸۹۶ء تک موجودہ رئیس اعظم کے ابتدائے عہد حکومت میں بھی اس قسم کا عملدرآمد ہوتا پایا جاتا ہے[1]، اسکے بعد قانون انگریزی کی تقلید میں دفتر رجسٹری جداگانہ قائم ہوا،

قاضیوں اور مفتیوں کو اُن کی خدمات کے معاوضہ میں اراضیات معافی تھیں جو آجتک بھی اُنکے خاندان میں باوجود جہالت اور اُن سے کام نہ لینے کے شاہی اسناد کی اتباع میں ریاست کی طرف سے بحال ہیں، یہ دوسری بات ہے کہ خاندانی افراد نے ضرورتاً اپنی معافیات کا بڑا حصہ رہن و بیع کے ذریعہ سے منتقل کر دیا ہے، معافیات کے علاوہ عیدین پر نقد و پارچہ کا خلعت سرکار شاہی سے انکو ملتا رہا ہے، نقد تنخواہیں برائے نام تھیں، نکاح خوانی کے حقوق بھی مقرر تھے جنکا سلسلہ اب تک برابر قائم ہے، متفرقات عملے میں، سوانح نگار، وقائع نگار، مہتمم خیام شاہی کا بھی سررشتہ میں مامور رہنا ثابت ہے، سوانح نگاری کی اطلاع دہی پر دربار شاہی سے فقرا، علما، مشائخ وغیرہ کو معافیات ملتیں، انتظامی خرابیوں کی اصلاحات بھی کیجاتیں، مقامی حکام سے بازپرس بھی ہوتی

---

[1] یہاں مفتیوں کا قدیم خاندان موجود ہے، جسکے بڑے رکن مفتی حیدر بیگ سو سالہ عمر کے زندہ ہیں انکی زبانی اور دیگر کاغذات کے معائنہ سے یہ حال لکھا گیا ہے، ۱۹۰۳ء میں بعہد نظامت صاحبزادہ شیر علیخاں بہادر سررشتہ جنگ مفتی کے یہاں کی تمام بہیات قدیم منگا کر صیغہ رجسٹراری میں محفوظ کرادی گئی ہیں، ۱۲ مولف

ٹکسال [۱]

اس عہد میں پیسوں کی ٹکسال سرونج میں تھی، جو اکبر شاہی مشہور تھے، روپیہ مسکوک ہو کر جاری نہیں ہوا، آئین اکبری میں اُن ۲۸ بڑے مقامات کے نام درج ہیں، جہاں پیسوں کی ٹکسال تھی، اُن میں سرونج کا نام تیئسویں نمبر پر درج ہے، روپیہ ۱۱ ماشہ کا تھا، ۱۶ ٹکے ایک روپیہ کے ملتے تھے، اور ایک پیسہ ۱۶ ماشہ کا تھا، کلدار پیسہ کے مقابلہ میں ۱۰ ماشہ زیادہ سمجھنا چاہیئے، اسلئے کہ کلدار پیسہ ۶ ماشہ کا ہے۔

عہد جہانگیری [۲]

اس عہد میں اکثر سابقہ انتظام بحال رہا، البتہ یہ ایک نئی بات قابل یادگار ہوئی کہ شہنشاہ جہانگیر نے پہلے سال جلوس مطابق سنہ ۱۰۱۴ھ [۳] میں چودوازدہ احکام جاری کئے تھے، اُنمیں دوسرا حکم معافی محصولات چُنگی (سائر) کا تھا جو پتھر کی تختیوں پر نقش ہوا، پھر وہی لوحیں مقامات تجارتی پر نصب ہوئیں یہاں اس قسم کی لوحیں تین مقامات پر نظر سے گذری ہیں، (۱) سرونج کی کوتوالی، (۲) موضع بھونریہ (۳) موضع رُوسلی ہاٹ میں، سرونج کی لوح اب نظامت کے مکان میں محفوظ ہے، موضع رُوسلی و بھونریہ کی لوحیں نمایاں مقامات پر گڑی ہوئی ہیں، آخر الذکر دونوں مقامات بھی تجارتی ہیں کسی زمانہ میں بڑے مقامات تھے، اُسے تجارتی حیثیت سے دونوں جگہ قوم مہاجن اب بھی آباد ہے، معافی نامہ کی نقل تیسرے باب میں بسلسلۂ تذکرہ دارالضرب و کوتوالی درج کردی گئی ہے،

عہد شاہجہانی [۴]

عہد گذشتہ کے مقابلہ میں انتظامی امور نے بہت زیادہ رونق و ترقی پائی سوتی جریب جو رقبہ کی پیمایش کے لئے بنائی گئی تھی، وہی شاہجہانی

---

[۱] گزیٹیر، آئین اکبری، ۱۲ [۲] جہانگیر سنہ ۹۷۷ھ/۱۵۶۹ء میں پیدا ہوا، اور سنہ ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء میں تخت نشین ہو کر سنہ ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۷ء میں فوت ہوا، اگرچہ درج اکبر شاہی تاریخ ولادت، بجائے اکبر شہ بادشاہزادہ سلیم تاریخ جلوس اور جہانگیر از جہاں رفت، تاریخ وفات ہے، مفتاح التواریخ ۱۲ [۳] تزک جہانگیری جلوس اول ۱۲

[۴] شاہجہاں سنہ ۱۰۰۰ھ/۱۵۹۲ء میں پیدا ہو کر سنہ ۱۰۳۷ھ میں تخت نشین ہوا، سنہ ۱۰۶۸ھ میں عالمگیر نے نظر بند کیا، سنہ ۱۰۷۶ھ قید دنیا

(بقیہ صفحہ آئندہ)

جریب ظاہری تغیر کے ساتھ آجتک قائم ہے، شاہجہانی سوتی گز (۴۲) انگل یعنی (۳۳) انچہ انگریزی کے برابر تھا، اور جریب ۶۰ گز کی تھی، موجودہ دور انگریزی میں (۳۳) انچہ فی گز کی جگہ (۳۶) انچی گز اور ۵۵ گز کی آہنی جریب رکھی گئی ہے، لیکن نتیجتاً دونوں کا حاصل ایک ہے، یعنی ۵۵ گز کو (۳۶) انچہ میں ضرب دو تو (۱۹۸۰) انچہ حاصل ضرب ہوتا ہے، اسی طرح ۶۰ گز شاہجہانی کو (۳۳) انچہ میں ضرب دو تو نتیجہ وہی (۱۹۸۰) انچہ برآمد ہوتا ہے، ایک بیگہ (۳۶۰۰) شاہجہانی گز مربع کا تھا، عمارتی شاہجہانی گز بھی جاری ہوا، جو اب سے ۳۰ سال قبل عمارتی کام میں استعمال ہوتا رہا،، موجودہ زمانہ میں شاہجہانی عہد کی دو یادگاریں باقی ہیں (۱) بزازی گز جو (۳۶) انچہ انگریزی، کے برابر ہے، یعنی لمبری انگریزی گز سے تقریباً دو گرہ زیادہ ہے بھوپال میں بھی یہی گز ہے، اور اسی سے کپڑوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے (۲) اوزان یہاں کا سیر ۹۰ روپیہ کلدار کے برابر ہے، گز اور اوزان پر ریاست کے محکمے چنگی کے تیسرے چوتھے سال برابر مہریں لگائی جاتی ہیں، تاکہ کمی بیشی کا احتمال نہ رہے، در حقیقت شاہجہانی سیر ۳۶ ٹکوں کا تھا، فی پیسہ ۱۶ ماشہ کے حساب سے ۹۶ تولہ کا سمجھنا چاہیے۔ وہی سیر تقریباً ۹۰ روپے کلدار کے برابر آج بھی رائج ہے، کلدار روپیہ دو رتی کم ایک تولہ کا ہے نتیجہ وہی ۹۶ تولہ ہوا، عہد مذکور میں یہاں شاہی اصطبل بھی تھا، جسکے آثار محلہ ر کا گنج میں پائے

بند سے آزاد ہو گیا، تاریخ ولادت "ظل جاہ الٰہی" تاریخ جلوس، "وارث ملک سلیمان آمد"، تاریخ وفات، "رضی اللہ عنہ"، خفقا

مفتاح التواریخ نے اسطرح نظر بندی کی تاریخ نکالی ہے "

گرد محبوس پدر را چو شہ عالمگیر ٭ دل من گفت کہ حیف این چہ شر می بینم ٭ داد این حافظ شیرازی بشارت پدرم ٭ مشکل این است کہ بہر پدر شر می بینم ٭ گفتم این خواجہ بفرمال سپے تاریخش زانکہ ٭ ہمہ آفاق پر از فتنہ و شر می بینم ٭ ہیچ شفقت نہ برادر بہ برادر دارد ٭ ہیچ مہرے نہ پسر را بہ پدر می بینم ٭ بے تامل سر آہے بکشید و فرمود۔ پسران را ہمہ بد خواہ پدر می بینم ٭ ۱۰۸۴ اس سے تامل کے ۱۴۱۲ اور سر آہ کا عدد (۱) جملہ ۲۷۴۱ نکالدو تو ۱۰۶۸ باقی رہتے ہیں، یہی سال نظر بندی کا ہے،، مؤلف۔

جاتے ہیں، محلہ کی وجہ تسمیہ بھی غالبًا یہی ہے، اسلئے کہ رکاب، عربی میں سواری کے، اونٹ کو بھی کہتے ہیں، اور یہاں اُسوقت ہاتھی اونٹ شاہی رہتے تھے،

عہد عالمگیری

اس عہد کے آخری زمانہ میں تمام ممالک محروسہ ہند کی پیمائش[۱] باقاعدہ ہونا ثابت ہے، سرونج کی پیمائش بھی اس سلسلہ میں[۲] ہوئی جسکے مہتمم متصدی صاحب رام عامل تھے، ۴ دیہات جاگیر اور ۵۵۴ دیہات خالصہ کل ۵۹۴ میں سے ۱۲ مواضعات پرگنہ چاپیڑ میں منتقل ہوکر ۵۸۲ رہے، جنکا رقبہ شاہجہانی جریب کی روسے ۸ لاکھ ۹۵ ہزار ۹ سو - ۳۲ بیگہ اور آمدنی ۳ لاکھ ۱۲ ہزار ایک سو ۳۷ روپیہ تھی -

اکبری[۳] دور کا نظامِ مالی کسی قدر ترمیم کے ساتھ قائم رہا، اس عہد میں مزروعہ زمین کا حاصل ½ بحق سرکار وصول ہوتا رہا جزیہ (جسے اکبر شاہ نے معاف کردیا تھا) ہندؤں سے ۵ فیصدی اور مسلمانوں سے زکوٰۃ فیصدی ۲½ وصول ہوتی تھی، یہ بات دیکھنے کی ہے کہ آج پورے بندوبست مسٹر کین صاحب بہادر مہتمم بندوبست ریاست ٹونک پرگنہ سرونج کے کل رقبہ کی تعداد ۸ لاکھ ۹۳ ہزار ۷، ۳ بیگہ جو کاغذات میں درج ہے، وہ عہد عالمگیری کے بندوبست

---

[۱] مورخ راجپوتانہ لکھتے ہیں کہ وہ پرگنہ سانچور علاقہ مارواڑ کے دیرینہ کاغذات دیکھ رہے تھے اونمیں ایک بھی پرانا ہوئی اُسپر بخط ہندی ذیل کی عبارت بطور سرنامہ کے درج تھے (بادشاہ اورنگ زیب نے اپنی تخت نشینی کے بعد زمین، جمع، فوج کی تحقیقات کی تھی، تو اوسکا نتیجہ یہ نکلا) (۱) عرض و طول ہندوستان، طول ۰۰ ۲ کوس، عرض ۰۰ ۴ کوس، (۲) رقبہ زمین (الف) آباد گانوں اور رقبہ مزروعہ، ایک کھرب ۴ ارب ۵ کروڑ ۵۹ لاکھ بیگہ،،

(ب) پہاڑ، ندی، نالہ، شہر، جنگل، اوسر وغیرہ وغیر مزروعہ - ۱۰۰ ارب، ۳۳ کروڑ ۴۳ لاکھ ۴ ہزار بیگہ

(۳) صوبہ جات (۲۲) مقامات تھانہ داری (۴۴) سرکار یعنی ضلع (۲۱۱) پرگنات ۲۳، ۷، ۷ مواضعات ۳۰۲، ۹۷، ۱۴۰ -

(۴) آمدنی و پیداوار کل (بقیہ صفحہ آئندہ)

[۲] گزیٹیر ٹونک و سرونج ۱۲

[۳] تاریخ ہندوستان مؤلفہ مولانا ذکاءاللہ صاحب مرحوم جلد ہشتم صفحات ۹۴ و ۹۲ ۴ ۱۲ مولف

کے تقریباً برابر ہے، بظاہر صرف ۲ ہزار ۵۶۵ بیگہ کی موجودہ بندوبست میں کمی ہے اور یہ کمی محض کشتوار رقبہ کے استخراج عمل کا سبب ہے، جس سے کمی و بیشی کا امکان ہے بندوبست کے بعد ملی انتظام اعلیٰ پیمانہ پر رہا۔

عدالتی نظام عالمگیر چونکہ شہنشاہ اورنگ زیب خود متشرع بادشاہ تھا، اس لئے اس نے شرعی عدالت کا نظام بھی شرعی اصول پر مرتب کیا اور بہت زیادہ اسکو رونق دی ''

قاضی عبدالوہاب، قاضی سرکار چندیری کی شکایت پر سنہ جلوس مطابق سنہ ۱۰۷۶ھ میں عالمگیر نے جو فرمان جاری کیا تھا، اُس سے مذہبی احکام کی پابندی، شرعی عدالتوں کے اختیارات اور اُن کی وقعت پر کافی روشنی پڑتی ہے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) (الف) خالصہ بادشاہی مع خالصہ شریفیہ، و جاگیر ملازمان و منصبداران شاہی و رسالہ حضوری و متصدیان وغیرہ

(۱) حاصل زراعت و محصول سائر راہداری، ۸۸ کروڑ ۶۹ لاکھ، ۲۸ ہزار ۴۰۲، روپیہ ''

(۲) حاصل دریا و کان، از قسم جواہرات و سونا چاندی، ۷ کروڑ۔ ۲۶ لاکھ۔ ۷۱ ہزار۔ ۱۷۲ روپیہ ''

(۳) (میزان ۹۵ کروڑ۔ ۹۵ لاکھ۔ ۹۵ ہزار ۹۵۵ روپیہ)

ہے کا حرف (ب) پیداوار جاگیرات و ریاست و بھوم زمینداران و راجہ رانا وغیرہ، ۴۴ کروڑ ۸۰ لاکھ ۴۱ ہزار ۴۴ روپیہ

(ج) رعیت کی پیداوار مع دستور و لوازمہ وغیرہ ''

بعد حاصل سرکاری (د) ارب ۴۳ کروڑ۔ ۴۱ لاکھ۔ ۴۴ ہزار۔ ۴۱۱ روپیہ =

میزان ہر سہ قسم (۳) ارب ۱۳ کروڑ۔ ۳۵ لاکھ۔ ۱۸ ہزار ۷۷۵ روپیہ

(۵) افواج ہندوستان مع سوار و پیدل =

(الف) بادشاہی فوج مع منصبداران و ملازمان و رسالہ جات شاہی ۱۴ لاکھ، ۸ ہزار ۶۹۳ نفر ''

(ب) زمینداران و بھومیان و راجہ رانا وغیرہ کی افواج۔ ۱۳ لاکھ ۳۵ ہزار۔ ۷۳۵ نفر

میزان کل فوج۔ ۲۸ لاکھ ۲۳ ہزار ۲۳۰ نفر

انتخاب از روزانہ پیسہ اخبار لاہور، ۱۷ جنوری ۱۹۰۵ء ۱۲ مؤلف

جس کی پوری نقل فٹ نوٹ میں درج کردی گئی ہے، [1]

متفرق انتظامات عہد عالمگیری

ڈاک کی چوکیاں، مہمان سرائے، مسافر خانے، خام و پختہ شاہراہیں،

[1] دریں ولا شریعت پناہ فضیلت دستگاہ قاضی عبدالوہاب بعرض اشرف رسانیدکہ در پرگنات متعلقہ صوبہ مالوہ خلاف شرع شریف بعض امور از راہ بدعت مثل حبس مردم بحکم شرع در چبوترہ ہائے کوتوالی وغیرہ بمحض تہمت و تحریک ارباب غرض یا تقریبے خصوصیت کہ میان دوکس واقع شود، وگرفتن جرمانہ وشکرانہ، وطلب نذرانہ چہارم وغیرہ از کسانیکہ بعد تشخیص قضایا موافق شریعت بمقتضا بحق خود میرسند، در جد ملبغ بطریق طوعانہ، ومندوانہ، وبیگارانہ رعایا ومحترفہ ودیگر مردم وگرفتن گذربانان ومتحفظان شوارع چیزے بعلت راہداری، بردوی، بہل وعرابہ وغیرہ ہنگام تردد بوقوع می آید، وقضاۃ در منع ایں بدعات وانفاذ احکام شرعی مانند احضار ارباب معاملات باعلام شرع واسترداد حقوق تا قبل آں بعد فصل قضایا باعانت حکام محتاج اند از آنجا کہ ہمگی ہمت والا وتمامی توجہ علیا ہموارہ بر ترویج قوانین دین متین وتنفیذ احکام شرع مبین واحیاء مراسم عدل وداد وہدم بنیاد ظلم وفساد مصروف است، حکم جہاں مطاع لازم الاتباع بکرامت صدور عز نمود کہ حکام وعمال مناشر اشغال وجاگیرداران وفوجداران وکروڑیان حال واستقبال صوبہ مذکورہ در اجرائے احکام شرعیہ ومنع امور منہیہ لوازم امداد واعانت باقاضی آنجا بحق بر وجہ اتم بظہور رسانند تا احدے از جادۂ قویہ شریعت غرا، طریقہ مستقیمہ عدالت عالم .... آرا تجاوز وانحراف نورزد وحق دار عاید گردد ومظلومان از شر ظالمان ایمن باشند وہرکہ باعلام شرع شریف، بدار العدالۃ العالیہ حاضر نشود ویا بعد از تشخیص قضیہ در ادائے حقوق اغراض نماید او را تنبیہ سازند، ودر چبوترہ ہائے کوتوالی وغیرہ ہیچ یکے را بحکم شرع بعلل مستورہ فی الصدر محبوس نسازند، جرمانہ وشکرانہ نگیرند، وبعد فصل معاملات موافق شرع چیزے بوجہ چہارم حصہ وغیرہ از احدے طلب ننمایند ورعایا وسائر سکنہ آنجا بالصیغہ طوعانہ ومندوانہ وبیگارانہ چیزے نستانند ومحترفہ مسلمانان معاف نشناسند گذربانان ومتحفظان شوارع آنجا قدغن نمایند کہ در خروج ودخول امصار وبلاد ودر مسالک ومعابر بردوی وبہل وعرابہ وغیرہ بعلت راہداری طمع نکنند وتنبیہ وتادیب اہل ملاہی ومناہی ومنع مسکرات وسائر بدعات بر نحو مسلم دانند واگر احدے ارتکاب امور ممنوع نماید ومنع ممتنع نگردد واقعہ نگار ... بموجب مذکور ایں معنی را بسمع اقدس رسانند چہارم از ذیقعدہ سنہ ہشت جلوس مبارک نوشتہ شد فقط (بڑی سیاہ مہر عالمگیری ثبت ہے) فرمان منقولہ سید محمد علیشاہ محافظ دفتر منصفی سرونج کے پاس محفوظ ہے، مؤلف

دارالشفا، صیغہ اخبار وغیرہ کا وجود عہد گذشتہ میں بھی تھا لیکن عالمگیری عہد میں اور زیادہ ترقی ہوئی، خصوصاً محکمہ خبر رسانی کا نظام حیرت انگیز پیمانہ پر تھا، سرونج میں میر عبدالغنی، میر حشمت علی، میر امجد علی، وقائع نگاروں کے نام فرامین شاہی میں دیکھے گئے ہیں، ۵۰ سالہ عہد حکومت عالمگیری میں اور نہیں معلوم کتنے وقائع نگار گذرے ہوں، جنکا شمار آج ممکن نہیں ہے،

شہنشاہ عالمگیر کے بعد خانہ جنگیوں کا دروازہ کھل گیا، تمام انتظامات درہم و برہم تھے۔ اور جو کچھ نظام قائم تھا وہ عالمگیری نظام کے داغ بیل پر خفیف تغیر و ترمیم کے ساتھ باقی رہا یہاں تک کہ ۱۱۵۶ھ / ۱۷۴۳ء میں صوبۂ مالوہ کے ساتھ سرونج بھی پیشوا کی حکومت میں منتقل ہو گیا تاہم سلطان سراج الدین بہادر شاہ ثانی کے عہد تک شاہان مغلیہ کا گذشتہ اعزازی احترام سکوں اور فرامین میں نمایش کے طور پر قائم رہا،

عہد شاہ عالم ثانی و اکبر شاہ ثانی

اگرچہ یہ دونوں بادشاہ بھی انقراض سلطنت کی بنا پر ساقط الاختیار بادشاہ تھے، مگر وہی منقش سکہ ان کے شاہی ناموں کے زندہ رکھنے کا باعث رہا،

سرونج کے دارالضرب کو یہ فخر حاصل ہے کہ نقرہ سکہ سب سے پہلے اُس نے شاہ عالم ثانی[1] کا مسکوک کیا جسکے پہلے رخ پر یہ شعر تھا،

سکہ زد بر ہفت کشور سایۂ فضل الٰہ — حامیِ دین محمد شاہ عالم بادشاہ

اور دوسرے رخ پر یہ عبارت منقش تھی، "جلوس میمنت مانوس ضرب سرونج سنہ ۱۷۶۲ء" ۔ روپیہ ۱۰ ماشہ ۷ رتی کا تھا جسمیں ۸ رتی کھار تھی، کلدار کے مقابلہ میں ۳ ر کم میں چلتا رہا،

اس کے بعد دارالضرب، سرونج سے اکبر شاہ ثانی کا نقرہ سکہ مسکوک ہو کر جاری ہوا جسکے پہلے رخ پر (محمد اکبر بادشاہ صاحبقران ثانی) اور دوسری طرف سنہ جلوس میمنت

---

[1] گزیٹیر سرونج ۱۲

مالوس ضرب سرونج ۱۲۲۱ھ نقش تھا جو ۱۲۶۹ھ ؍ ۱۸۶۲ء عہد حکومت نواب وزیر الدولہ بہادر تک جاری رہا ،،

پیشوا اور ہلکروں کا عہدِ حکومت

جنگ و جدال کا زمانہ تھا ، طبائع بھی مرہٹوں کی پُر جوش اور رزم آگین تھیں ، نظام سلطنت کا شیرازہ بکھر رہا تھا ، بالاجی راؤ دوم پیشوا کو محمد شاہ اور اسکے ہوا خواہ صوبہ داروں کی طرف سے کامل اطمینان نہ تھا ، ایسی حالتوں میں صوبۂ مالوہ کا وسیع ملک اُن کے ہاتھ آیا ، آسامیوار تحصیل وصول کا انتظام ، مرہٹوں کے غیر متمدن طبائع کے بساط سے باہر تھا اسلئے انہوں نے پرگنہ کا شخصی اجارہ دیا ، اور جسکو اجارہ دیا جاتا ، اُسی کو مقامی حکومت کی سند بھی دیجاتی ، سیاست ، عدالت ، نظامت ، رعیت کے تمام اوصاف مستاجر کی تنہا ذات میں مدغم تھے ،

بجائے عامل کے کماسدار[1] کا لقب مقامی حاکم کے لئے تجویز کیا گیا ، اجارہ چند سال کیلئے میعادی دیا جاتا ، مستاجر پیداوار فصلوں کے زمانہ میں خرمنوں کی نگرانی کے لئے دیہات میں اجیر مقرر کردیتے جو شحنہ کے نام سے معروف ہوتے ،

یہ طریقہ ابتک جاری ہے ، اگرکچھ کمی کے ساتھ جن دیہات میں خالصہ کام کی زیادتی کے سبب سے حلقے کے چپراسی کا پہنچنا نہیں ہوتا وہاں کھلیانوں کی حفاظت کے لئے ، تا ادائے مالگذاری شحنہ مقرر کردیا جاتا ہے جسکی تنخواہ کاشتکاران دیہہ پر پھیلادی جاتی ہے اور وہ حسب حیثیت چندہ کرکے مہینے دو مہینے کی تنخواہ ادا کردیتے ہیں ،

۱۱۶۳ھ ؍ ۱۷۵۰ء[1] عہد پیشوا میں سرونج کی آمدنی ایک لاکھ ۹۰ ہزار ۳۲۵ روپیہ تھی ، دیوانی و فوجداری معاملات کا تعلق محکمہ قضا سے واپس لے کر کماسدار کے سپرد ہوا ، عدالت شرعیت میں صرف مذہبی و اسلامی خصومات کی سماعت مخصوص کردی گئی ،

نکاح خوانی کا تعلق بھی بدستور قاضیوں سے رہا ، اُن کے حقوق معافی میں کسی قسم کی دست اندازی نہیں کی گئی ، ۱۲۱۵ھ ؍ ۱۷۹۸ء میں ہلکروں کی حکومت کا اختتام اور نواب امیر الدولہ

---

[1] گزیٹیر سرونج و ٹونک ، ۱۲

بہادر کے عاملانہ قبض و دخل کا آغاز ہوا ۔

مقامی عاملوں کی جدول

عہدِ سلطان شیر شاہ سوری سے ہلکروں کے عہد تک جن لوگوں نے سرونج میں مقامی عاملانہ حیثیت سے حکومت کی ہے، اُن کی نیز قاضیوں، مفتیوں، اور دیگر ملکی عہدہ داران کی مکمل فہرست باوجود تلاش و کوشش کے دستیاب نہ ہو سکی، کاغذات نظامت، فرامین شاہی اور تاریخ کی امداد سے غیر مسلسل طور پر جن عہدہ داروں کا پتہ چلا اُن کے نام ذیل کی جدول میں درج کیے جاتے ہیں ،،

جدول عاملان و متفرق عہدہ داران سرونج شیر شاہی عہد سے ہلکروں کے عہد تک

عہد حکومت	سنہ	نام حاکم اعلیٰ	نام عہدہ دار ثانی	کیفیت
سلطان شیر شاہ سوری	سنہ [illegible]ھ	شہباز خاں	قاضی رکن الدین برخوردار محتسب	قاضیوں کا پہلا خاندان جو شیر شاہی حکم سے سرونج میں آباد ہوا، انہی بزرگوں کا ہے جنکی اولاد میں قاضی مرتضی صاحب اسوقت تک بقید حیات ہیں، دیکھو سلسلہ خاندان قدیم ۱ ،،
سلطان جلال الدین محمد اکبر شاہ	سنہ ۹۹۹ھ	بلند خاں خواجہ سرا	قاضی شیخ مبارک	بلند خان خواجہ سرا وہی مقامی امین و فوجدار ہے جسکی سخت گیری و جبر کی شکایت علامہ فیضی نے ۹۹۹ھ میں سرونج میں قیام کر کے اکبر شاہ کو لکھی تھی ،،
″	سنہ ۱۰۰۱ھ	خواجہ امین	″	حسب سفارش علامہ فیضی خواجہ امین شاہ ملبوس سے تبدیل ہو کر سرونج آئے تھے

عہد حکومت	سن	نام حاکم اعلیٰ	نام قاضیان	کیفیت
سلطان نورالدین جہانگیر	سنہ ۱۰۱۴ھ لغایت سنہ ۱۰۱۶ھ			پرگنہ سرونج میرزا بیگ کی جاگیر میں رہا باوجود سعی بلیغ ان کے خاندان کا کچھ پتہ نہ ملا
″	سنہ ۱۰۳۵ھ	خواجہ سید صدر جہاں		خواجہ سید عبدالہادی بانی محلہ حاجی پورہ میرے پنجہ کے والد تھے (دیکھو سلسلہ خاندان قدیم نمبر ۲)
شاہجہاں صاحبقران ثانی	سنہ ۱۰۳۷ھ	ایضاً	قاضی نظام الدین	خاندان قاضی رکن الدین سے تھے ،
	سنہ ۱۰۴۲ھ لغایت سنہ ۱۰۵۰ھ	خواجہ سید عبدالہادی	شیخ عثمان خطیب	خواجہ صاحب حضرت امام الاولیا خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے ،، چہارم جلوس شاہجہانی میں خانجہاں لودھی کی بغاوت کے وقت سرونج انہی کی جوانمردی سے محفوظ رہا ، محلہ حاجی پورہ کے بانی یہی ہیں ان کا مزار محلہ حاجی پورہ کے قریب ہے دیکھو سلسلہ مقابر ؏
″	سنہ ۱۰۵۶ھ لغایت سنہ ۱۰۵۸ھ	عادل خان		کوٹ کا حمام انہی کا بنوایا ہوا ہے ،،

[illegible]	سنہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	کیفیت
شاہجہاں	۱۰۵۹ھ لغایت ۱۰۶۸ھ	خواجہ محمد صالح صدیقی			ان کا مزار محلہ رکابگنج میں واقع ہے ،، اس سے پہلے ناظم صوبۂ مالوہ تھے دیکھو سلسلہ خاندان قدیم نمبر ۳)) انکا مزار بھی محلہ رکابگنج میں ہے دیکھو سلسلہ مقابر ۹
محی الدین اورنگزیب عالمگیر	۱۰۶۸ھ لغایت ۱۱۰۰ھ			۱. قاضی بیرم بیگ ۲. قاضی عبد الوہاب ۳. میر روشن ضمیر داروغہ بیت المال ۴. میر حشمت علی سوانح نگار ۵. میر عبد الغنی وقائع نگار	دیکھو سلسلہ خاندان قدیم ۲ پہلے سرونج کے قاضی تھے بعد میں چندیری کے قاضی اعلےٰ ہوئے ،
	۱۱۰۳ھ نظامت کے قدیم کاغذات کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۰۳ھ میں پرگنہ سرونج محمد اعظم شاہ کی جاگیر میں تھا ،، کچھ پتہ نہ چلا کہ کون صاحب تھے ،، سرونج میں کمانگروں کی ایک مسجد ہے جسکے حجرے میں کسی مسجد کا کتبہ لوح سنگین پر ذیل کا محفوظ رکھا ہوا ہے ، حامیِ دین متین خواجہ محمد آنکہ ؛؛ مسجدے کرد بنا دلکش و زیبا خورم چونکہ اندر عمل اعظم شاہ است ؛؛ سال آنرا طلب از نام محمد اعظم سنہ کی مطابقت سے تصدیق ہوتی ہے کہ محمد اعظم شاہ بھی بزرگ تھے ، آج اُن کی اولاد کا کچھ پتہ نہیں ہے نہ اُس مسجد کا وجود ہے جسکا کتبہ دوسری مسجد میں رکھا ہوا ہے ،،				
	۱۱۰۴ھ		قاضی صادق		
	۱۱۰۵ھ لغایت ۱۱۰۹ھ				ان سالوں میں پرگنہ سرونج بنام ملک محمد جاگیر میں درج ہے ،، ان کا بھی کچھ حال تحقیق نہ ہوا ،،
	۱۱۱۰ھ و ۱۱۱۱ھ	محمد فضیل الدین و فیض اللہ	قاضی ابو الفتح		کچھ پتہ نہیں

کیفیت	نام قاضی	نام حاکم	سن	عہد سلطنت
کچھ پتہ نہیں	قاضی ابو الفتح	میر محمد و میر خان	سنہ ۱۱۱۲ھ	
شیخ بایزید منصبدار شاہی کے بھائی تھے جنکی اولاد میں منشی شیخ رفیع اللہ صاحب سررشتہ دار فوجداری سرونج حیات ہیں دیکھو سلسلہ خاندان قدیم نمبر،	قاضی ابو الفتح	شیخ کالے	سنہ ۱۱۱۳ھ و سنہ ۱۱۱۴ھ	عالمگیر
عہد عالمگیری میں سرونج کی پیمایش انہی کے ذریعہ سے ہوئی تھی،	ایضاً	صاحب رائے متصدی	سنہ ۱۱۱۵ھ و سنہ ۱۱۱۶ھ	
کچھ پتہ نہیں۔	قاضی جلال الدین	میرزا الف بیگ	سنہ ۱۱۱۷ھ لغایت سنہ ۱۱۱۹ھ	
اس نام کا ایک شخص داروغہ فیل خانہ شاہی بھی تاریخ میں درج ہے، ممکن ہے کہ یہ وہی شخص ہو،	قاضی سید نجم الدین	خان عالیشان فضل علیخاں	سنہ ۱۱۱۹ھ و سنہ ۱۱۲۰ھ	شاہ عالم بہادر شاہ
رائے شنکر، رائے بیدل رائے بانی حویلی رائجی کی اولاد میں سے تھا۔	قاضی ابو الفتح	رائے شنکر	سنہ ۱۱۲۱ھ	
ان کا کچھ حال تحقیق نہ ہو سکا،		نواب برق انداز خاں	سنہ ۱۱۲۲ھ لغایت سنہ ۱۱۲۳ھ	
"	قاضی محمد صادق	افضل علیخاں	سنہ ۱۱۲۴ھ	جہاندار شاہ
بانی حویلی رائجی کی اولاد میں سے تھا	قاضی کریم اللہ قاضی فضل اللہ	رائے ہرجی شنکر	سنہ ۱۱۲۵ھ لغایت سنہ ۱۱۲۸ھ	فرخ سیر
طوائف الملوکی رہی،	شیخ عثمان خطیب		سنہ ۱۱۲۹ھ لغایت ۱۱۳۰ھ	ایضاً

نام بادشاہ	سنہ	نام ناظم	نام منصف قاضی زمان	کیفیت
ناصر الدین محمد شاہ	سنہ ۱۱۳۳ھ	نواب مرزا محمد خان	قاضی بدیع الدین	مہاراجہ سوائی جے سنگھ اس سال انتظاماً سرونج میں مقیم رہا، اُس نے محمد خان مرزا کو عامل مقرر کیا، انکے حالات معلوم نہ ہو سکے ،،
	سنہ ۱۱۳۴ھ و سنہ ۱۱۳۵ھ	مولراج		ایضاً
	سنہ ۱۱۳۶ھ و سنہ ۱۱۳۷ھ	سرمست علیخاں		ایضاً
	سنہ ۱۱۳۸ھ	نواب سعید محمد خاں بہادر غضنفر جنگ	قاضی کمال الدین	نواب سعید محمد خان بہادر عہد محمد شاہی میں نائب وزارت اور مالوہ کی صوبہ داری پر ممتاز تھے. خانہ نشینی کے بعد سرونج کی حکومت پر بھی ممتاز رہکر سرونج میں اُن کی حویلی اور اراضی معافی بھی ہے دیکھو سلسلہ ۱۲ خاندان قدیم باب ہشتم
ناصر الدین محمد شاہ	سنہ ۱۱۳۹ھ لغایت سنہ ۱۱۴۲ھ	اسلام خاں مظفر جنگ		ان کا حال معلوم نہ ہو سکا
	سنہ ۱۱۴۳ھ	نواب سعید محمد خان مذکور		

کیفیت	نام قاضیان و مفتیان	نام صوبہ دار	سنہ	نام پیشوا
یہی زمانہ ہے کہ باجی راؤ پیشوا نے صوبہ مالوہ پر تاخت کی ہے اور جا بجا اپنے عاملونکو مقرر کیا ہے ،		آپاجی راؤ	سنہ ۱۱۴۴ھ لغایت سنہ ۱۱۴۶ھ	
ایضاً سنہ ۱۱۴۸ھ میں دربار شاہی سے باجی راؤ کو صوبہ مالوہ کی سند عطا ہوئی ،	سید جلال الدین و قاضی سید جمال الدین	بھکاجی و نرنگ راؤ	سنہ ۱۱۴۷ھ و سنہ ۱۱۴۸ھ	باجی راؤ پیشوا
پنڈت لچھمن رائے شنکر کے عہد کا ایک کتبہ منڈوی دروازہ کا آج تک یادگار باقی ہے جس پر سنہ ۱۱۵۴ھ کندہ ہے ، اسکے بعد سنہ ۱۱۵۶ھ میں صوبہ مالوہ بذریعہ سند محمد شاہی بالاجی راؤ دوم کی حکومت میں منتقل ہوکر تخت دہلی سے جدا ہوا ، لیکن محمد شاہی سکہ برابر جاری رہا ،،	قاضی باب اللہ میر امجد علی مفتی قاضی سید محمد میر محمد علی وقائع نگار	پنڈت لچھمن شنکر	سنہ ۱۱۴۹ھ لغایت سنہ ۱۱۶۳ھ	
پیشوا کی طرف سے ان سالوں میں سرونج کا پرگنہ تکوجی راؤ ہلکر (مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر کے باپ) کی جاگیر میں رہا ، اسکے بعد سنہ ۱۲۱۵ھ ۱۷۹۹ع میں نواب امیر الدولہ بہادر کی حکومت میں آیا ،،			سنہ ۱۲۰۲ھ ۱۷۸۴ع سمت ۱۸۴۴ بکرمی لغایت سنہ ۱۲۱۴ھ ۱۷۹۶ع	تکوجی راؤ ہلکر

دوسرا دورِ انتظامیہ

۱۲۱۵ھ ۱۷۹۸ء سے ۱۳۴۵ھ ۱۹۲۶ء تک

نواب امیر الدولہ بہادر کا عہدِ حکومت

سال ولادت	سرونج پر قبضہ	بناءِ ریاست	وفات	مدت حکومت سرونج	بحیثیت امارت	بحیثیت ریاست
۱۱۸۲ھ ۱۷۶۸ء	۱۲۱۵ھ ۱۷۹۸ء	۱۲۳۲ھ ۱۸۱۷ء	۱۲۵۰ھ ۱۸۳۴ء	۳۵ سال	۱۷ سال	۱۸ سال

خدا خود میر سامان است اسبابِ توکل را

یہ مصرع، نواب امیر الدولہ امیر الملک بہادر شمشیر جنگ کی مہر پر نقش ہو کر خداداد ریاست کی حقیقی تفسیر تھا، اس میں خداوند ذو الجلال و لایزال کی حکومت کی شہادت ہے، توکل کی تعریف ہے، ریاست ملنے کا شکریہ بھی ہے، جس سے نواب امیر الدولہ بہادر کی روئداد عین مطابق ہے، قلعہ بھیسر (اندور) کے مفتوح ہونے کے بعد اُس عہد کے نفاذ میں (جو مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر سے مفتوحہ علاقوں کے بالمناصفہ تقسیم کی بابت مشارکت کے وقت ہو چکا تھا) سرونج ۱۲۱۵ھ ۱۷۹۸ء میں نواب امیر الدولہ بہادر کو ملا، عاملانہ قبضہ کے سلسلہ میں حکومت سرونج پر سب سے پہلا عامل جو مامور ہوا، وہ محمد یوسف خاں[۱] امیری عساکر کا ایک معتمد سردار تھا ایک سال کے بعد سرونج کی حکومت میاں منور محمد خان کی طرف منتقل ہوئی، جنکا عاملانہ قبضہ ۱۸۱۲ء تک مسلسل گیارہ سال رہا، فروری[۲] ۱۸۱۲ء میں کرنل کلوز صاحب کی مدد سے ناگپوری افواج نے

---

[۱] محمد یوسف خاں جلال آباد کے پٹھان تھے، ان کی اولاد میں محمد شیر خاں صاحب جاگیردار موضع چھیپوں وامپر گڈھ واقع پرگنہ سرونج بقید حیات ہیں، دیکھو سلسلہ خاندان جدید ملـ ۱۲

[۲] امیر نامہ ۱۲

سرونج پر عارضی قبضہ کر لیا تھا، لیکن نواب امیر الدولہ بہادر کی تخویف پر بہت جلد قبضہ اٹھا لیا،
اس سے قبل ہلکروں کے زمانہ میں چونکہ عامل اور متاجر ایک ہی شخص ہوا کرتا تھا اُسی عمل کی تقلید میں، میاں منور خاں کو ایک[1] لاکھ ۵۴ ہزار ۹ سو ۳۸ روپیہ میں سرونج کا اجارہ بھی دیدیا گیا، عدالتی و ملکی انتظامات بھی ہلکروں کے نظام کے داغ بیل پر قائم ہے، نواب امیر الدولہ ۱۸۰۵ء تک مہاراجہ جسونت راؤ کی رفاقت میں رہے، اُس نے جب کمپنی سے مصالحت کر لی تو پھر نواب امیر الدولہ تنہا اکتوبر ۱۸۱۷ء تک جنگی مشاغل میں مصروف رہے، ان وجوہ سے سرونج کے ملکی نظم ونسق کی طرف بذاتہ متوجہ نہ ہو سکے "،

سرونج پر قبضہ ہونیکے ۱۰ سال بعد ۱۲۳۲ھ ۱۸۱۷ء میں نواب امیر الدولہ بہادر کی ایسٹ انڈیا کمپنی سے مصالحت ہوئی، جس نے نواب بہادر ممدوح کو والی ملک کی حیثیت سے ٹونک کی سندِ ریاست پر جلوہ گر کیا "

ریاست کے پرگنات کی تنظیم کی فکر ہوئی، اس سلسلہ سے پہلا دورہ[2] سرونج میں ۱۲۳۴ھ ۱۸۱۸ء کو ہوا، دو سال بعد ۱۲۳۶ھ ۱۸۲۱ء میں دوبارہ وارد ہوئے مسلسل چھ مہینے تک مقیم رہکر اصلاح و انتظام میں مصروف رہے، تیسری مرتبہ ۱۲۴۳ھ ۱۸۲۸ء میں پرگنہ چھبڑہ ہوتے ہوئے پھر سرونج آئے اپنے ولیعہد صاحبزادہ محمد وزیر خاں (نواب وزیر الدولہ بہادر) کو سرونج کی حکومت حوالہ کر کے ٹونک واپس گئے "، نواب وزیر الدولہ بہادر نے چار سال تک سرونج میں قیام کر کے اپنی ذہانت علمی اور عملی قابلیت کی مدد سے داخلی و خارجی تمام نقائص کو دور کر کے باقاعدہ نظام کے ماتحت صورت نما کر دیا "،

چوتھی مرتبہ ۱۲۴۹ھ ۱۸۳۳ء میں سرونج کی انتظامی کشش نے نواب امیر الدولہ بہادر کو پھر اپنی طرف کھینچا اور اصلاحات میں کامیاب ہوئے، جب پرگنہ میں تسلط کامل ہو گیا، پرگنہ نے تہذیب و تنظیم، رعایہ نے امن و امان حاصل کر لیا، اُسوقت دربار خداوندی سے ممدوح

[1] گزیٹیر ریاست ٹونک ۱۲ [2] امیر نامہ فارسی ۱۲

کو معاودت کا فرمان پہنچا، جسکے آگے سر تسلیم خم کردینے کے سوا چارہ نہ رہا، جمادی الاخری سنہ ۱۲۵۰ھ کی ۲۵ / اور ستمبر سنہ ۱۸۳۴ء کی ۳۰ تاریخ تھی، کہ نواب بہادر ممدوح کی روح قید عناصر سے ہمیشہ کے لئے آزاد ہوگئی،[1]

عہد امیری کے متفرق واقعات

(۱) سنہ ۱۲۳۵ھ (۱۸۱۹ء) میں انگریزی ڈاکخانہ کی شاخ سرونج میں کھولی گئی، اسوقت بیرسیہ[3] ہوکر بھوپال کی طرف ڈاک جایا کرتی تھی،

(۲) سرونج کا خارجی تعلق ایجنسی سیہور سے ہوا،

(۳) ۴ ہزار ایک سو ۱ بیگہ کے ۲۹ دیہات متعلقہ محال قصبہ تال، سرونج کے علاقہ میں مزید شامل ہوئے، جو نواب محمد سعید خاں بہادر ظفر جنگ، اور نواب سرفراز الدولہ بہادر کو جاگیروں میں دیئے گئے، جن میں سے اکثر دیہات پر آج بھی اُن کی اولاد نسلاً بعد نسلٍ جاگیر قابض ہے جن کو ریاست کی طرف سے اسناد بازبحالی تحت قوانین ریاست ملتی رہتی ہیں

(۴) سرونج کے تالاب کا پختہ گھاٹ بھی امیری عہد حکومت کا یادگار رہے، جسکا سنہ اور اشت تحقیق نہ ہوسکا،

نواب وزیر الدولہ بہادر کا عہد حکومت

مدت حکومت	وفات	مسند نشینی	ولادت
۳۰ سال	۱۳ محرم سنہ ۱۲۸۱ھ ۲۸ جون ۱۸۶۴ء	۲۷ جمادی الثانی سنہ ۱۲۵۰ھ ۱۸۳۴ء	۲۹ جمادی الثانی سنہ ۱۲۲۲ھ ۱۸۰۷ء

---

[1] صاحب اقتدار التواریخ مستند لوگوں کی زبانی سنی ہوئی روایت کرتے ہیں کہ نواب امیر الدولہ بہادر کا جنازہ جسوقت مدفن کو روانہ ہوا ہے اوسوقت طائران کا پر اسایہ کئے ہوئے جنازہ کے ہمراہ تھا، گورستان تک جنازہ کو پہنچا کر غائب ہوگیا، اس قسم کی حکایات مقبول بندوں کی نسبت اور بھی سنی گئی ہیں، واللہ اعلم ۱۲

[2] گزیٹیر سرونج و تاریخ ٹونک ۱۲

[3] بیرسیہ، بھوپال کا ضلع، اور سرونج سے گوشہ جنوب و مشرق میں ۱۸ کوس کے فاصلہ سے ہے ۱۲ اقتدار

خداحسنت سلطان محمد وزیر

۲۹ رجادی الاخرے ۱۲۲۳ھ کو نواب امیر بیگم دختر اخوند محمد ایاز خاں[1] کے بطن سے پیدا ہوکر ۲۸ سال کی عمر میں ۲۷ جمادی الاخرے ۱۲۵۰ھ ہجری کو مسندنشین ہوئے، مصرع مندرجہ صدر سجع تھا جو نواب وزیر الدولہ بہادر کی مہر پر نقش ہوا،

۱۸۱۷ء میں جبکہ مابین کمپنی اور نواب امیر الدولہ بہادر مصالحتی عہدنامہ مرتب ہوا ممدوح الصدر اتحاد و اخلاص امیری کے اظہار اور اُسکے استقلال کے خیال سے تقریباً دو سال[2] تک دار السلطنت دہلی میں قیام پذیر رہے، ایسٹ انڈیا کمپنی نے نواب بہادر ممدوح کی حیات تک ۱۲ ہزار پانسو روپیہ ماہوار کے حساب سے ڈیڑھ لاکھ[3] روپیہ سالانہ کا

---

[1] صوات بنیر ملک افغانستان کے باشندہ تھے امیر عالم خاں و محمد عظیم خاں نامی دو بیٹے بھی تھے میر عالم خان کے تین بیٹے شاہ عالم خاں، شیر عالم خاں، امیر احمد خاں، اور محمد عظیم خاں کے دو فرزند علیم اللہ خاں اور حبیب اللہ خاں اُنکی اولاد کا وظیفہ ریاست سے اب بھی جاری ہے ۱۲

[2] واقعات ریاست ٹونک ۱۲

[3] ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے متعلق کتاب واقعات ریاست ٹونک کی یہ عبارت ہے (در سال یک ہزار و دو صد سی و سہ ہجری رفیق صاحبزادہ بلند اقبال وزیر الدولہ امیر الملک محمد وزیر خاں بہادر نصرت جنگ جہت مقرری پرگنہ سنبھل بجاگیر صاحبزادہ ممدوح کہ ایں پرگنہ کا دستور از شروط صحت و استواری مصالحت با سرکار کمپنی انگریزی مشروط بود، روئے نمود صاحبان انگریز بہادر بعوض سنبھل پرگنہ پلول مضاف ملک میوات میداوند وچوں آں سند تعلق کلکٹری اثر اسپا صاحب ماند، و قرضہ داری از سرکار انگریزی وپا شد، نواب امیر الدولہ این امر منظور نفرمودہ، لہذا بحالہ پرگنہ پلول مبلغ یکصد و پنجاہ ہزار روپیہ سالانہ حساب مبلغ دوازدہ ہزار پانصد روپیہ سکہ کلدار ماہانہ برائے مصارف صاحبزادہ وزیر الدولہ تا حین حیات از ابتدائے سال یک ہزار و دو صد سی و چہار ہجری مقرر شدہ و در سنہ یکہزار و دو صد سی و چہار ہجری صاحبزادہ موصوف از دہلی رخصت سرکار عالی شعار انگریزی شرف یاب ملازمت نواب عالیجناب الدولہ ماجد حرمین شدند — ۱۲

وظیفہ مقرر کر دیا، جو ممدوح کی زندگی تک برابر جاری رہا، نواب صاحب بہادر خود بھی ذی علم وسیع النظر، مہذب، خلیق، اور طباع تھے، دہلی کے قیام اور اکبر شاہی دربار کی شان و شوکت، وقار و تمکنت، تہذیب و عظمت اور مراسم شاہی کے نقش و نگار نے ممدوح کو قواعد جہانبانی علمی اور اخلاقی اوصاف کا مرقع بنا دیا تھا،

۲۷ جمادی الثانی ۱۲۵۹ھ (۱۸۴۳ء) میں ممدوح نے مسند امیری پر جلوس فرمایا، اسوقت دربار وزیری، رزم و بزم، علم و قلم، سیاست و حکمت، علم و عمل کا گہوارہ نظر آ رہا تھا،

مالگذاری کا انتظام

نواب صاحب نے سب سے پہلے صیغہ مال کی طرف توجہ کی، ٹھکروں کے نظام کی تقلید میں شخصی اجارہ کا جو طریقہ سرونج میں جاری تھا، اُسے قطعی مسدود فرما کر دیہات کو خالصۂ سرکاری کیا، ہر پندرہ بیس دیہات پر ایک محصل ضلعدار کے نام سے مقرر کر کے ہر گاؤں کا جداگانہ اجارہ دیا گیا، حلقہ کا ضلعدار مستاجروں سے مالگذاری سرکاری وصول کرنے کا ذمہ دار تھا، یہ طریق عمل ۱۲۶۱ھ فصلی (۱۸۵۴ء) تک جاری رہا، اس کے بعد باہتمام سید عبدالرحمن[۱] صاحب عامل ہفت سالہ میعاد کا دیہ وار لغایت ۱۲۶۷ف اجارہ دیا گیا، اس کے بعد تیسری مرتبہ دیوان شمس الدین صاحب مرحوم کے ذریعہ سے ۱۳ سالہ میعاد کا اجارہ لغایت ۱۲۷۹ فصلی دیہ وار زمینداران کو دیا گیا، اس آخری اجارہ کی آمدنی ایک لاکھ ۴۲ ہزار چھہتر روپیہ کی تھی،[۲]

نواب صاحب نے دورہ فرما کر محسوس کیا کہ رعایا کو تقاوی اور غلہ کی امداد کی ضرورت ہے اصلی

---

[۱] قطب الامرا مظفر جنگ ان کا خطاب تھا، بخشی الملک سید نورالہدیٰ کے چچا اور مولوی عبدالسبحان قطبی کے بیٹے تھے، چھوٹے میاں عرفیت تھی، قاعدہ میں چھوٹے میاں کا گھیرا ان کی عمارتی یادگار باقی ہے، پہلے [illegible] جہاں آباد [illegible] عہد میر مراد علیخاں والی خیرپور مصاحب خاص تھے، ۱۲۵۶ھ میں طلبیدہ ٹونک آ کر اہلکار اعلی ہوئے ۱۲ نفحہ

[۲] گزیٹیر سرونج سے یہ حالات اخذ کئے گئے ہیں ۱۲

ایک ہمدرد داعی کے فرائض کی حیثیت سے سرونج میں غلّہ کے ذخیرہ کا بڑے پیمانہ پر انتظام فرمایا جس کاشتکار کو تخم ریزی کے لئے غلّہ کی ضرورت ہوتی وہ ذخیرہ سے لے جاتا، اور فصل آنے پر واپسات کر دیتا، ہزاروں من غلّہ کا ذخیرہ تھا جسکی حفاظت کے انتظام کے علاوہ باقاعدہ عملہ مقرر کرنے کی بھی ضرورت ہوئی، غلّہ کا اعلیٰ افسر مقامی مہتمم غلّہ کے عہدہ سے منسوب کیا گیا، جسکی ماتحتی میں متعدد اہلکار تھے، اسکے بعد رعایہ کے نقصانات، آمد و رفت کی تکلیف اور بار برداری کی زحمت کو رفع کرنے کے خیال سے، پرگنہ کے بڑے بڑے دیہات میں غلّہ کے ذخیرہ کی شاخیں کھول دیں، اور وہاں ضلعدار مقرر کر دیئے، جو تخم ریزی کے زمانہ میں اراضی زیر کاشت کے مقدار کے مطابق اسامیوں کو غلّہ دیتے، اور پیداوار کے زمانہ میں واپس کر لیتے، یہ ایک ایسا مفید کام جاری کیا گیا تھا کہ جس سے نہ صرف رعایا کو زرعی کام میں امداد پہنچتی رہی، بلکہ پرگنہ کی آبادی اور مالگذاری میں بھی بہت زیادہ ترقی رونما رہی، یہ سلسلہ برابر موجودہ رئیس اعظم دام اقبالہ کے عہد میں ۱۹۰۸ء تک قائم رہا، لیکن افسوس ہے کہ بعض نگران اور ذمہ دار عہدہ داروں کی غفلت سے غلّہ کے ذخیرہ میں خیانت رونما ہونے سے اسکو ہمیشہ کے لئے بند کر دینا پڑا، تاہم غلّہ کا بدل نقد تقاوی سے قائم رہا جسکے ذریعہ کمزور کاشتکاروں کی برابر اعانت ہوتی رہتی ہے،،

عدالتی انتظام

چونکہ نواب وزیرالدولہ بہادر قولاً و عملاً متشرع، کتاب اللہ کے عامل، احادیث نبوی کے پیرو، فقہ حنفی کے مقلد تھے، اسلئے تمام شرعی عدالتوں کو از سر نو رونق اور ترقی دی، یہاں تک کہ حضرت محی الدین اورنگ زیب کا عدالتی زمانہ دوبارہ زندہ ہو گیا، دیوانی و عام مذہبی معاملات اور صیغہ فوجداری میں قتل عمد، قتل خطا، زنا کے عام قضیئے شریعت میں تحقیق ہو کر فیصل ہوتے،

عدل و داد، امن و امان کا دور دورہ رہا جس کی یاد ابتک موجودہ نسلوں کے دلوں میں باقی ہے،،

پولیس پرگنہ کی وسعت اور جنگل جھاڑی کی کثرت پر خیال کرتے ہوئے نواب صاحب نے رعایہ کی جانی و مالی حفاظت کی غرض سے بڑے بڑے اہم مقامات مثل پیڑی، اونارسی کلاں وغیرہ دیہات میں جدید تھانے مقرر کئے، جہاں کافی جمعیت موجود رہتی، اس علی انتظامی صورت سے امنِ عامہ کے لئے ایک کارآمد دیباچہ کا افتتاح کیا، لیکن اُسوقت تک باقاعدہ پولیس کا صیغہ نہ تھا، فوجی آدمیوں سے حفاظت کا کام لیا جاتا تھا،،

وفات حکومت کا تیسواں اور عمر کا ساٹھواں سال قریب الاختتام تھا کہ دستِ اجل نے محرم ۱۳۸۱ھ کی ۱۳ تاریخ کو عالمِ اسلام کی بہترین اور مقدس تر اسلامی تصویر کو صفحۂ دنیا سے ہمیشہ کے لئے محو کر دیا، لیکن عدالت، سیاست، فیاضی، ہنر پروری، عفو و رحم، اخلاق، تہذیب، علم و عمل، شعار اسلامی کی تعلیم، و تبلیغ کے نمونے بساط حکومت پر اس کثرت سے باقی رہے کہ جنکی جھلک ٹونک میں آج بھی نظر آتی ہے، رحمۃ اللہ تعالے علیہ

دولتِ جاوید یافت ہر کہ نکو نام زیست
کز عقبش ذکرِ خیر زندہ کند نام را (سعدی)

عہدِ وزیری کے متفرق واقعات

(۱) سرونج کے بعض معزز افغانی خاندان، اور دوسری مسلمان قومیں اگرچہ مذہباً سنی ہیں، لیکن اب سے تقریباً ۵۰ سال قبل اُن لوگوں نے تعزیہ داری کو اپنا مذہبی شعار بنا لیا تھا، اگرچہ اُن کا طریقِ عمل فاتحہ خوانی اور مساکین نوازی تک محدود رہتا تو کوئی قابلِ اعتراض بات نہ تھی، لیکن مستحسن رسم سے گذر کر نئی نئی بدعتیں شروع ہو گئیں، تعزیہ داری کے ساتھ براق کی تصویر، گھوڑوں کی تصویر، مختلف جانوروں کی تصویریں بنانا شروع کیں، اور جب اس شان سے دسویں تاریخ محرم کو تعزیے گشت کے لئے نکلتے تو پھری، اکدکا، پٹا، بنیٹی وغیرہ کے اکھاڑے بھی ساتھ ہوتے، اور ایک محلہ کی جماعت دوسرے محلہ کی جماعت سے اپنا جلوس

نکالنے میں سبقت کرتی، اس کشمکش کی صورت میں چند بار فسادات رونما ہوکر لوگ مجروح بھی ہوچکے تھے، اور آئندہ فساد کا قوی احتمال تھا، اس لیے مجبوراً سیاست وزیری نے نقض امن کے انسداد کی غرض سے فوجی مداخلت کی، سرونج کے افغانوں نے حکومت سے مقابلہ کیا، کچھ لوگ مجروح و مقتول ہوکر نتیجتاً مغلوب ہوئے، چونکہ آئندہ کے لئے قیام امن کی کوئی معتبر ضمانت نہ تھی، اور تعزیہ داریوں کے دلوں میں امن سوز جراثیم پرورش پا رہے تھے، اس لیے وزیری حکمت عملی نے فریقین کے سربرآوردہ لوگوں کو دارالحکومت میں جمع کراکے مصالحت کی کوشش کی اور جوش و خروش کے سرد ہونے تک تعزیہ داری کی رسم کو حکماً بند کردیا، اس کے بعد نہ آجتک تعزیہ داری ہوئی، نہ شورش پیدا ہوئی،

(۲) ۱۸۵۷ء کا منحوس سال بغاوت کی عام شر رباری کی بنا پر ہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رہے گا، جس نے اطراف ہند کی بیشتر آبادیوں کے پرامن قلعوں میں آگ لگادی تھی، خطۂ سرونج کا سبزہ زار بھی اسکی شعلہ افشانیوں کی لپیک سے نہ بچ سکا، عادل خاں[۱] جاگیردار گڈھی امبھاپانی (متعلقہ ریاست بھوپال) نے دیکھا کہ عام بغاوت کی وجہ سے ملک ہند کا نظام درہم برہم ہورہا ہے، اور دوسری طرف امراو رؤسائے ہند علیحدہ فکرمند ہوکر گورنمنٹ کی امداد اور اپنی وفاداریوں کے امتحانات میں مصروف ہیں، سرونج قریب تھا، تین چار سو جوانوں کو ہمراہ لے کر پہنچا اور پہنچکر سرکاری کوٹھ کو محصور کرلیا،

مولوی خیرالدین عامل، اور صاحبزادہ قطب الدین خاں نائب عامل تین روز تک محصور رہکر توپ و تفنگ سے مقابلہ کرتے رہے، چوتھے روز جاگیرداران سرونج آپ نمک کے تقاضوں سے شمشیر بکف ہوکر نکلے، نواب امتیاز الدولہ احمد علی سعید خاں[۲] بہادر مقیم جنگ عرف خاں میاں (نبیرہ نواب محمد سعید خاں بہادر ظفر جنگ جاگیردار حلقۂ اوناسی تال) بجلی کی طرح حملہ آور ہوئے... کے ناکے پر پہنچے، محاصرین کو تیغ امیری کی کاٹ دکھلاتے میں مصروف

[۱] گڈھی امبھاپانی سرونج سے ۔۱۰ کوس کے فاصلہ پر ایک ٹھکانہ ہے ۱۲ مولف، [۲] دیکھو سلسلہ خاندان جدید ۱۳ باب

تھے کہ دوسری طرف سے رسالہ[1] دار ولید داد خاں مشہور جنگ باز اپنی جمعیت کے ساتھ آئے اور آتے ہی حمامی دروازہ کے ناکے کو کاٹا،

سرکاری کوٹ کے جنوبی دروازہ پر غنیم کی دو توپیں برابر اپنے کام میں مصروف تھیں شیر دل صاحبزادہ قطب الدین خاں نائب عامل نے دیکھا کہ سپاہ محصوران توپوں کی آتش فشانیوں سے مضطرب الحال ہے، فوراً اپنے ایک رفیق کو ہمراہ لیئے ہوئے نکلے جنوبی دروازہ کھول کر توپوں کی طرف رخ کیا، توپچی نے چاہا تھا کہ حملہ آوروں پر فیر کرے، لیکن صاحبزادہ صاحب موصوف کی تلوار نے عین وقت پر اپنا جوہر دکھلایا، جس سے توپچی کا ہاتھ بیکار ہوگیا، دوسرے نے صاحبزادہ صاحب پر . . . قرابین کا فیر کرنا چاہا، ہنوز قرابین سیدھی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ صاحبزادہ صاحب کے ہمراہی جوان کی تلوار نے اُسکا کام تمام کردیا،،

امیری نمک خواروں کی تلواروں کی آنچ کے سامنے ٹھہرنا آسان کام نہ تھا، تیغ جوہر دار کی گرمیوں سے پناہ مانگتے ہوئے محاصرین فرار ہوگئے، ۱۱۰ آدمی غنیم کے قتل ہوئے اور بہت لوگ مجروح ہوئے[2]، عادل خاں کو شکست کی ندامت نے تا نتیا توپ کے پاؤں پر گرادیا، وہ ہزار افواج لیئے ہوئے سرونج کے شمالی میدان بجلی کونڈل میں آکر خیمہ زن ہوا، اور مولوی خیرالدین عامل کو بلوا کر نظر بند کرلیا، اس سوال پر کہ عادل خاں کے جوانوں کو کیوں ہلاک کیا گیا، مولوی صاحب نے اپنی فطری بیباکی اور حسن تقریر سے الزامی جواب دیتے

---

[1] دیکھو سلسلہ خاندان جدید لٹ باب ہشتم

[2] کچھ واقعات گزیٹیر سے لیئے گئے ہیں اور کچھ مؤلف نے ان لوگوں سے سنا ہے، جنہوں نے واقعات کو آنکھوں سے دیکھا ہے، قاضی عبدالرحمن خاں ۹۰ سالہ وہ بزرگ ہیں جو محصورین میں شامل رہکر مجروح بھی ہوئے اور اس صلہ میں معافی بھی پا رہے ہیں، انہوں نے تفصیلی واقعات بیان کرنے میں مؤلف کو قابل قدر امداد پہنچائی ہے دوسرے ذرائع سے بھی ان تمام واقعات کی تصدیق ہوچکی ہے،، ۱۲ مؤلف

ہوئے تانتیا پر ثابت کرادیا کہ قصور عادل خاں کا ہے تاہم عادل خاں کی دلجوئی کے خیال سے ۶۰ ہزار روپیہ بطور تاوان تانتیا نے عامل صاحب سے مانگا، صاف انکار میں خطرہ تھا، مصلحتاً متواتر وعدوں پر پندرہ دن ... گذارے، اور انتظار رہا کہ خفیہ طریقہ پر گونا اور سیہوار چھاؤنی سے جو انگریزی امداد طلب کی گئی ہے وہ جلد تر پہونچ جائے، سولھویں دن کرنل رکاروش صاحب بہادر اور مین صاحب بہادر توپخانہ اور پلٹن لئے ہوئے سرونج کے قریب پہنچ گئے، زبردست حریف کی آمد کی خبر سنکر سرکاری دو توپیں سرونج سے لیکر راؤ نذکور چندیری کے جنگل کی طرف بھاگ گیا، انگریزی افواج متعاقب گئی، لیکن وہ نکل چکا تھا، چونکہ باغیوں کے لئے سرونج اور راگھو گڈھ کی جھاڑیاں پناہ تھیں، اس لئے کامل امن وامان قائم ہونے تک موضع دیوپور[1] علاقہ سرونج کے مرتفع اور ہموار میدان میں انگریزی افواج نے قیام کیا جہاں مسلسل دو سال تک قیام کرنے کے بعد پھر گونا جا کر مستقل چھاؤنی کی بنیاد رکھی،

[1] کتاب واقعات ٹونک میں اس واقعہ کی بابت جو مضمون درج ہے، اسکا اقتباس "ذیل میں درج کیا جاتا ہے" باغیان از ناتھ دوارہ بعد شکست رخت ادبار خود در جھاڑی راگھو گڈھ، و مقصود نگڈھ و سرونج کشیدہ اول در سرونج رسیدہ عامل و عملہ و عمائد شہر را گرفتار ساختہ مصادرہ گرفتند چوں فوج انگریزی در ہر جا بہ تعاقب ایں مفسدان مامور بود، تانتیا ٹوپی و راؤ صاحب در جھاڑی ما دون گڈھ آمدہ بہ کیفر کردار رسیدند و عادل خاں جاگیردار بھوپال از آقائے خویش بغاوت اختیار کردہ بر سرونج یورش نمود قلعہ و کوٹ سرکاری کہ مامن و ملجائے عماں است محاصرہ کرد، تفنگ اندازی و توپ بازی از شہر تا شبہ برا اہالیان قلعہ مذکور آغاز نہاد و بعض نمک حرامان شہر با ایشان سازش نمود یا طمع و اخر بہ خورد نوش نہانی کردند و با ایشان معاون ہمراہ شدند مگر مولوی خیر الدین کہ عامل پرگنہ سرونج بود۔ مردمان ملازم فوج سرونج سرکاری را بانواع انواع انعام و اکرام امیدوار کردہ در کوشش و کشش و جاندہی وسامان حرب و ضرب دریغ نہ نمودہ مقابلہ آراستہ شد چوں حمایت حافظ حقیقی در کار ایشاں شامل بود بعونہ تعالے باغیان شکست فاش یافتہ دسر از پا نشناختہ فرار بر قرار خود غنیمت دانستند والحمد۔ از باغیان دریں گردش دہر زدہ بیجائی و پریشانی بجانب بلاد معاد خود ندیدہ دراں جھاڑی رفتہ بقیہ آمدند

دیوپور کے قیام کے زمانہ میں جات سارجنٹ انگریزی نے وفات بھی پائی ہے، جنکی پختہ قبریں مع لوح کتبہ دیوپور میں آجتک یادگار ہیں اور انکا سالانہ نقشہ نظامت سے بتوسط

---

(۱) کارپورل سارجنٹ ولیم اہرن، ۸ کمپنی ہزمجسٹی ہشتاد و نہم جس نے یکم نومبر ۱۸۵۹ء کو بعمر ۲۰ سال انتقال کیا۔

(۲) ہنری گلستان کہا کی کمپنی ہزمجسٹی ہشتاد و نہم رجمنٹ ۲ر اکتوبر ۱۸۵۹ء کو فوت ہوا۔

(۳) سارجنٹ ولیم سرونزی بعد پہرہ ہزمجسٹی کے ولیم رجمنٹ کے سارجنٹوں سے بطور نشان عزت بیادگار متوفی جس نے لشکر میں قریب سرونج کے ۲۰ر اکتوبر ۱۸۵۹ء کو بعمر ۲۵ سال انتقال کیا، اقرار کیا گیا ہے کہ اُسکے سپاہیانہ اوصاف نے اوسکو اسکی جانب سے دونوں میں معزز بنا دیا تھا۔

(۴) ویل ایکارک ۱۰ کمپنی ہزمجسٹی ہشتاد و نہم رجمنٹ جس نے ۲۲ اکتوبر ۱۸۵۹ء بعمر ۲۵ سال انتقال کیا۔

(۵) بایٹ ویٹنگ جنرل۔ ۶ کمپنی ہزمجسٹی ہشتاد و نہم رجمنٹ جس نے ۲۲ ستمبر ۱۸۵۹ء بعمر ۲۵ سال انتقال کیا۔

(۶) کارپورل جان کہنگام۔ ہزمجسٹی ہشتاد و نہم رجمنٹ اکتوبر ۱۸۵۹ء میں مرا۔

(۷) فیلٹ بارنس ۸ کمپنی ہزمجسٹی ہشتاد و نہم رجمنٹ جس نے ۳ر ستمبر ۱۸۵۹ء کو بعمر ۲۹ سال انتقال کیا۔

(منقول از کاغذات سرکاری میونسپل کمیٹی سرونج)

(بقیہ صفحہ گذشتہ) تا دو سال مسکن پذیر ماندند بنابراین برائے دارد گیرہ آنان یک چھاؤنی انگریزی بمقام للت پور و دوم در دیوپور در سرونج بافسری میجر ڈرین صاحب بہادر کمانڈنگ و کپتان برارفورڈ صاحب وغیرہ افسران فوج مقرر شد، صاحبان ممدوح جائیکہ خبر قیام و مقام باغیان می یافتند تعاقب می فرمودند، مگر بباعث کثرت اشجار درختان و جھاڑی کہ در گرد و نواح سرونج واقع است باغیان قابو نمی یافتند و اکثر از باغیان چوں از فوج راؤ صاحب منتشر می شدند۔ در جھاڑی مذکور می آمدند (آگے باغیوں کی پرگنہ علیگڈھہ کی طرف آمد اور اس کے انسداد کا حال درج کر چکنے کے بعد لکھا ہے) وہر گاہ کہ از سرکار انگریزی احکام معافی قصورات باغیان شہرت صدور یافت باغیان پناہ پذیر جھاڑی، سرونج مقصود نگڈھہ و راگھوگڈھہ وغیرہ یا از سر شناختہ یہ جان بخشی، روح تازہ در قالب انداختہ بمساکن و اماکن خود رخت ادبار کشیدند و جھاڑی سرونج از خس و خاشاک این مفسدین پاک و صاف شد و چھاؤنی انگریزی از دیوپور و عمل سرونج نیز برخاست گردید، ۱۲

محتشمہ کونسل ایجنٹی متعلقہ میں بھیجا جاتا ہے ،،

(۴) میاں منور محمد خاں سرونج کی حکومت پر تقریباً ۲۵ سال ۱۲۵۰ھ ۱۸۳۴ء تک قائم رہے ، اسی سال نواب صاحب وزیر الدولہ بہادر مسند نشین ہوئے ، یہ سال میاں منور محمد خاں کو مبارک نہ ہوا ، عاملانہ قبضہ کے استحقاق سے گذر کر غاصبانہ[1] روش اختیار کی ، اور ایک سال تک پرگنہ کی آمدنی دارالحکومت کو روانہ کی ، نیت بُری ، اور ارادہ باغیانہ تھا ، ان حالات کو دیکھکر رسالدار ولی داد خاں[2] اور محب اللہ خاں قوم متی خیل رفیقانِ خاص ، میاں منور محمد خان سے کنارہ کش ہوکر ٹونک چلے گئے ، نواب وزیر الدولہ بہادر نے حالات معلوم کرکے ماہ ذی الحجہ ۱۲۵۱ھ میں مختار الدولہ محمود خاں بہادر کو ، چھبڑہ اور سرونج روانہ کیا ، صاحبزادہ عبدالکریم[3] خاں بہادر (نواب وزیر الدولہ بہادر کے علاتی بھائی) منور محمد خاں کے داماد تھے ،

[1] کتاب واقعات بست سالہ عہد وزیری کی عبارت یہ ہے (محمد منور خاں بہ نیت بدخواہی و ارادہ فتنہ پردازی تا یک سال مال واجبی سرکار بسبب کارروائی ملکی بذمہ او بود بلطایف الحیل گزرانیدہ داخل خزانہ ننمود و مرکوز باطن داشت کہ چوں خزینہ کم خواہد شد لامحالہ سپاہ ما حیب خود نیافتہ فتنہ وفساد برپا خواہند کرد بدیں واسطہ کار من ترقی خواہد گرفت) اسکے بعد مختار الدولہ بہادر کی روانگی کا تذکرہ درج ہوکر ذیل کی عبارت درج ہے (محمود خاں عاقل ودانا آنوقت جنگ مناسب ندیدہ ، بعون معین عزاسمہ تدبیر دلپذیر بار سال دانشمندان ہوشیار صرف بفہمائش عقلی وتخویف وانائی پرگنہ سرونج از دستش متخلص نمود و تاشش ماہ در سرونج ماندہ انتظام آنجا کرد ، ولیداد خاں ومحب اللہ خاں وغیرہ نمک حلالان وخیرخواہاں در سرونج بپیش محمود خان بہادر حاضر شدند ۱۲

[2] ترکیشدہ پرگنہ سرونج کی جاگیرداران انہی کی اولاد سے ہیں ، (دیکھو سلسلہ خاندان جدید ملک) ۱۲

[3] صاحبزدہ محمد عبدالکریم خاں بہادر نے ۱۸۵۶ء میں دوبارہ چھبڑہ پر تاخت کی ، ریاست کی طرف سے مدافعت ہوئی ، احمد قلیخاں ، ومحب اللہ خاں رسالدار مقتول ہوئے ، رسالدار محمد امان خاں اور رسالدار غلام حیدر خاں قلعہ بند ہوئے اور پھر قلعہ سے نکلکر داد مردانگی دی ، صاحبزادہ موصوف مفرور ہوکر رزیڈنٹ راجپتان کے پاس پہنچکر ریاست کے مدعی ہوئے ، دعویٰ خارج ہوا ، اور حسب سفارش کرنیل جان صدر لیستن بہادر رزیڈنٹ راجپوتانہ

اس انتساب سے وہ بھی اپنے خسر کے رفیق کار بنے، مختارالدولہ کی فہمائش جب بے اثر ہوئی تو مجبوراً انہوں نے صف آرائی کی، میاں منور محمد خاں بھی قلعہ بند ہوکر آمادہ جنگ ہوئے بالآخر تاب مقابلہ نہ دیکھ کر قلعہ سے باہر نکلے اور ۷ رمضان المبارک ۱۲۵۲ھ کو راہ فرار اختیار کی، مختارالدولہ بہادر پرگنہ چھبڑہ کی مکدر فضا کو صاف کرکے سرونج آئے، اور چھ مہینے تک سرونج کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر اور مالک ریاست کا اثر سیاست بحال کرکے ٹونک واپس گئے،

(۵) دارالضرب سرونج سے چنور شاہی سکہ مسکوک ہوکر جاری ہوا جسمیں ۱۱ ماشہ چاندی اور نصف ماشہ کھار تھی، یہ سکہ ۱۹۰۲ء تک سرونج میں چلتا رہا، اس کے بعد کلدار روپیہ کا چلن ہوگیا،

نواب وزیرالدولہ بہادر کی علمی، تہذیبی، مذہبی، اخلاقی اور انتظامی صفات پر ایک نظر

سرونج کے انتظامی مختصر حالات درج ہو چکے ہیں ریاست کے باقی اضلاع کے تنظیمی اوراق، علمی مجالس کے صفات، عملی نقوش، علمی و ادبی مرقع، سیاسی کارنامے، شریعت پرستی کے افسانے، اخلاقی اعمالنامے، ہنرمندی و قدردانی کے تذکروں پر نگاہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس جامعیت کا بے نظیر پیکر نادرِ روزگار کو بہت کم نصیب ہوا ہوگا جسکی عالمگیر تنویر نے آسمانِ حکومت کے تمام ثوابت و سیاروں کو ماند کردیا تھا،

نواب وزیرالدولہ بہادر کا دربار مہذب و عالمانہ دربار تھا جسکی شان یہ تھی کہ ایک طرف ناظمان و مدبرانِ ملک اُن سے درس آئینِ جہانبانی حاصل کرنے میں مصروف ہیں

۱؎ دو ہزار روپیہ ماہوار ریاست سے مقرر ہوگیا، صاحبزادہ محمد خاں بہادر و حامد خاں دو بیٹے یادگار رہے تھے اب انکا بھی انتقال ہو چکا ہے۱۲ (تاریخ ٹونک)

تو دوسری طرف افسرانِ عساکر جنگی سبق لے رہے ہیں، کبھی فقہی مسائل میں فقہا سے سرگرم مباحثہ ہیں، اور کبھی محدثین و مفسرین سے اصول روایت و درایت پر گفتگو ہے، حکمانے کوئی سوال اٹھایا تو فلسفۂ قدیم وجدید کے دفاتر کھول کر رکھدیے، اطبا نے اگر اخلاط کی بحث چھیڑی تو علل واسباب پر گھنٹوں تقریر کی۔

مورخین نے استفادہ چاہا تو قوتِ حافظہ نے مصر، بابل، نینوا، یونان اور عرب قدیم کی پارینہ داستانیں بیان کردیں۔

تقریر کے جملے کانِ ادب کے جواہر ریزے تھے، بیان میں صداقت اور صداقت میں اثر تھا، دہلی اور لکھنؤ کے اہلِ علم وکمال قدردانی کی کشش سے ٹونک میں اسقدر جمع تھے کہ دارالاسلام ٹونک اسوقت ہندوستان کا شیراز نظر آرہا تھا،

شجاعت، بسالت، اور استقلال نسلی جواہر تھے، سپہگری کے تمام فنون کے اکتساب نے ان جوہروں کو اور زیادہ چمکادیا، یہانتک کہ اساتذۂ فن خود ان سے کسب کمالات کرتے رہے علمی مجلس میں جب کبھی شاہنامہ کی رزمیہ داستانیں پڑھی جاتیں تو شجاعانہ لہجہ میں ارشاد ہوتا۔

ہر آنکس کہ خود تیغ رانی کند
چہ حاجت کہ شہنامہ خوانی کند

دارالحکومت ٹونک سے سوائے پرگنہ علی گڈھ کے باقی پرگنات نمبا ہیڑہ، پڑاوہ، سرونج، چھبڑہ سینکڑوں میل کے فاصلہ پر ہیں، جن کے مابین غیر ریاستوں کے علاقے حائل ہیں آج کی طرح اسوقت آمدورفت کے وسائل میں آسانیاں نہ تھیں، فوراً خبررسانی کے ذرائع مفقود تھے، ان حالتوں میں نظام اور اسکا استحکام قائم رکھنا دشوار تر امر تھا، لیکن تمام موانع کے باوجود، غیر متمدن علاقوں کو متمدن، اور غیر مہذب ہستیوں کو مہذب بنانا، قواعد جہانداری کو شرعی اصول پر چلانا، رعایہ کو مانوس کرنا، اور خود راعی کا رعایہ سے مانوس ہونا تاریکی میں روشنی، کثافت میں لطافت پیدا کرنا، مظالم و بدعات سے سرزمین کو صاف کرکے عدل و

انصاف کی تخم ریزی کرنا، اصولِ جہانبانی، اور قوتِ انتظامیہ کی حیرت انگیز کامیابی ہے،
نواب وزیر الدولہ کا قلب، اعمالِ حسنہ کا مظہر، سینہ عفو و رحم، اخلاص و محبت کا مصدر
تھا، متانت، شرافت و وقار، تمکنت، معدلت، سخاوت، تہذیب، اخلاق وغیرہ اوصاف
وہ جواہر تھے جنکی آب و تاب نے معاصرینِ ہند میں انکو ممتاز تر بنادیا تھا، پیرایۂ شریعت اور
اتباع سنت میں صحابہ کے نمونہ تھے جس کی روشنی دار الملک اور اسکے تمام پرگنات میں
چاندنی صفت چٹکی ہوئی تھی، شرک و بدعات کی تاریکی کا نام و نشان تک نہ تھا، یہ ہی
افضل ترین وہ صفت تھی کہ جسکی طرف مرزا اسد اللہ خاں غالب مرحوم نے ایک مدحیہ قصیدہ
میں ان کو اس طرح مخاطب کیا ہے

حقا کہ زنامِ تو عیان است کہ در شرع   فرزانہ وزیری شہ بطحی و حرم را

اسطرح شان و شوکت، آداب و تہذیب کے لحاظ سے دربار وزیری کو خاص امتیاز
حاصل تھا جسکو بالکل شاہانہ تیموریہ کے دربار کے نمونے پر آراستہ و پیراستہ کیا تھا، وجہ یہ تھی کہ
خود نواب وزیر الدولہ بہادر زمانہ ولیعہدی میں تقریبًا دو سال تک دہلی میں قیام پذیر رہے،
ہر قسم کے اہلِ علم و کمال سے صحبت رہی، اکبر شاہ ثانی[1] سے قرابت بھی تھی، اس سلسلہ سے قلعہ
معلے اور دربار شاہی کے نقش و نگار دیکھنے کا اکثر اتفاق ہوا، مہذب طبیعت نے پسندیدہ
طریقوں کو کثرت سے اقتباس کیا، یہاں تک کہ جب ممدوح الصدر مسند آرائے ریاست
ہوئے تو وہی شاہی مناظر ٹونک میں بھی نظر آنے لگے، آج بھی تہذیب و آداب کے گلدستے
ٹونک کے دربار میں اسقدر باقی ہیں کہ حیدر آباد کے سوا، دوسری ریاستیں انکا جواب
پیش نہیں کرسکتیں۔

زپائے تا بسرش ہر کجا کہ می نگرم   کرشمہ دامنِ دل میکشد کہ جا اینجا است (نظیری)

---

[1] اکبر شاہ ثانی نواب وزیر الدولہ کی والدہ امیر بیگم کے حقیقی خالو تھے، اور اسی بادشاہ نے بذریعہ فرمان
۲۵ شوال ۱۲۴۲ھ وزیر الدولہ امیر الملک بہادر نصرت جنگ کا خطاب عنایت کیا تھا۔ ۱۲ تاریخ ٹونک

نواب یمین الدولہ وزیر الملک محمد علی خان بہادر صولت جنگ

کا عہد حکومت

پیدائش[1]	مسند نشینی	معزولی	مدت حکومت	وفات
۲۵ رجب ۱۲۴۸ھ	۱۵ محرم ۱۲۸۱ھ	۲۳ شعبان ۱۲۸۳ھ	۳ سال	۱۶ صفر ۱۳۱۳ھ
۱۸۳۲ء	جنوری ۱۸۶۵ء	۲۰ دسمبر ۱۸۶۷ء	۳ ماہ	۸ اگست ۱۸۹۵ء

بآفاق و افلاک ایں منجلی ست
کہ منقادِ حکم محمد علی ست

یہ شعر یمین الدولہ بہادر کا سجع تھا، جو خطِ طغرا میں سرخ روشنائی سے فرامین پر سیاہ مہر کے ساتھ نقش ہوتا رہا، شعر میں جس طرح پُرشکوہ الفاظ ہیں، اسیطرح شان و شوکت جلال و عظمت کے ساتھ ۱۵ محرم ۱۲۸۱ھ مطابق جنوری ۱۸۶۵ء میں مسندِ ریاست کو زینت بخشی، اولوالعزم، بلند خیال، صاحبِ حوصلہ، پُرجوش شجاع، دلیر، متبحر عالم، اور روشن خیال رئیس تھے،

یہ سب کچھ تھا، لیکن قسمت میں ریاست و حکومت کا حصہ بہت کم مقدر تھا، تاہم ریاست کی اصلاح کی طرف خاص توجہ رہی، فوجی نظام کو جس اعلیٰ پیمانہ پر مرتب کیا تھا، وہ اُن کے اولوالعزمانہ ارادوں کا ایک دیباچہ تھا، اصلاحات کے سلسلہ میں پہلی اصلاح یہ کی کہ دفاتر میں فارسی کی جگہ اردوئے معلّٰے کو بخشی، دوسری اصلاح یہ فرمائی کہ سادہ کاغذ کے بجائے اسٹامپ جاری کیا، جس سے ایک گونہ آمدنی میں توفیر ہوئی، دارالضرب

[1] باغ مراد مادہ سال ولادت ہے اور سال وفات، حاکم باغ ارم
۱۲۴۸ھ ۱۳۱۳ھ
} حدیقۂ راجستان عرف تاریخ ٹونک

سرونج سے محمد خانی سکہ بھی جاری ہوا جو ۱۹۰۲ء تک برابر چلتا رہا ،،

۱۸۶۶ء کے دور میں کستور کُنڈ کے قریب سے کیتھن ندی کا رُخ شمال کی طرف ۲۰۰ گز پھیر کر بوہروں کے باغ کے متصل اسی ندی میں ملایا ، کام اچھا تھا اس ترکیب سے تقریباً دو سو بیگہ اراضی کا ہموار قطعہ مکانات کی آبادی کے لئے نکلتا تھا لیکن جو بند باندھا گیا تھا وہ مستحکم نہ تھا اوّل ہی مرتبہ ندی کی طغیانی نے اُسے بہا دیا ، اور بدستور قدیم اپنے سابقہ راستہ پر جاری رہی ۱۸۶۷ء کے آخر میں لاوہ کے ٹھاکروں کے قتل کا واقعہ پیش آیا ، اوس واقعہ کے اشتباہ میں ۲۴ شعبان ۱۲۸۴ھ مطابق ۲۰ دسمبر ۱۸۶۷ء کو اپنے بڑے صاحبزادہ کے حق میں ریاست سے دست بردار ہو کر بنارس جانا پڑا ، جہاں ۲۸ سال تک مقیم رہنے کے بعد ۱۶ صفر ۱۳۱۳ھ مطابق ۲۸ اگست ۱۸۹۵ء میں دنیا سے نہفت کی ، مرحوم کی بنا کردہ مسجد اور ایک مدرسہ عربیہ بنارس میں یادگار آثار ہیں ، جنکی حفاظت و آبادی کا انتظام ریاست کے ذمہ ہے ، موذن ، جاروبکش ، معلم ، ملازم ہیں ، جنکو ماہوار تنخواہیں دیجاتی ہیں ،

علمی مشاغل اور تصانیف کے سلسلہ میں انہوں نے ہر فن کی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کیا تھا ، جسکا زیادہ حصہ اُن کے منجھلے صاحبزادہ ، صاحبزادہ قاری حافظ محمد عبدالرحیم خاں بہادر مظفر جنگ مرحوم کے کتبخانہ میں محفوظ ہے ،،

نواب امین الدولہ وزیر الملک حافظ محمد ابراہیم علی خاں بہادر صولت جنگ !

جی ، سی ، ایس ، آئی ، جی ، سی ، آئی ، ای ، موجودہ رئیس اعظم ٹونک دام اقبالہ

کا عہد حکومت

مبارک سکہ زد از فضل یزداں ۔۔۔ رئیس ٹونک ابراہیم علی خاں

ولادت[1]	مسند نشینی	اختیارات	مدت حکومت اس کتاب کی ترتیب تک
۲۲ ذی الحجہ ۱۲۶۵ھ	۲۳ شعبان ۱۲۸۴ھ	۱۲۸۶ھ	۶۱ سال
مطابق ۱۸۴۹ء	۲۰ دسمبر ۱۸۶۷ء	۱۸۷۰ء	

نواب امین الدولہ بہادر کی اقبال مندی وارجمندی کی دلیل اس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتی ہے کہ آپ کو آپ کے والد ماجد نواب یمین الدولہ بہادر نے اپنے مبارک ہاتھوں سے مسند نشین فرمایا، اور تبسم آمیز لہجہ میں یہ فرماتے ہوئے توپوں کی سلامی کا حکم دیا،،

کہ شہباز من صید دام تو شد
مرا بود دولت بنام تو شد (سعدی)

چونکہ آپ کی عمر اسوقت ۲۰ سال کی تھی، اسلئے مہمات ملکی پنچایت (کونسل) کے ذریعے مسٹر بلیر بہادر پولٹیکل ایجنٹ کی نگرانی میں انجام پاتے رہے جسمیں ممبران ذیل شامل تھے،

(۱) عالیجناب صاحبزادہ حافظ محمد عباد اللہ خاں بہادر، ابن نواب امیر الدولہ بہادر رکن اعلیٰ
(۲) عالیجناب افتخار الامرا فخر الملک صاحبزادہ محمد عبید اللہ خاں بہادر فیروز جنگ۔
سی، ایس، آئی ابن نواب وزیر الدولہ بہادر افسر مال
(۳) عالی جناب صاحبزادہ وزیر محمد خاں بہادر، معتمد الامرا منتظم الملک ابن محمد مستقیم خاں بہادر، داماد نواب وزیر الدولہ بہادر، افسر کرائی، (فوجداری)
(۴) مدبر الملک منشی سید ظہور علی، اہلکار اعلیٰ (اٹاوہ ملک آئین کے باشندہ تھے)

دو سال کے بعد جب نواب امین الدولہ بہادر قانونی عمر کو پہنچے اسوقت ۱۲۸۶ھ (۱۸۷۰ء) میں انکو حکمرانی کے کامل اختیارات ملے، اس کے بعد آپ نے صاحبزادہ محمد عبید اللہ خاں[2] بہادر کو اپنا

---

[1] مبارک بخت، مادہ تاریخ ولادت ہے۔ ۱۲ (تاریخ ٹونک)

[2] ۲۳ شوال ۱۲۶۱ھ میں پیدا ہوئے، آپ کے بڑے بھائی نواب محمد علی خاں بہادر نے ۱۲۸۱ھ میں آپ کو مختار ریاست کا عہدہ دے کر مختار المہام افتخار الامرا بہادر فیروز جنگ کا خطاب دیا، بعد میں ریاست کا کام واپس لیکر ۲۳

دستور اعظم مقرر کیا، سرونج کے سابقہ انتظامات اس وقت تک بدستور بحال تھے ۱۸۸۰ء میں اصلاحات کا نفاذ شروع ہو کر نائب الریاست بہادر کے ذریعہ سے دیہات سرونج کا اجارہ از سر نو دیا گیا، سال کر ختم ہونے پر دوسری مرتبہ ہفت سالہ میعادی اجارہ حکیم شیخ احمد صاحب عامل سرونج کی نگرانی میں للعہ ایک لاکھ ہزار (۱۶۴۱۲۵) روپیہ سالانہ آمدنی پر دیا گیا جو ۱۲۹۴ھ / ۱۸۸۷ء تک قائم رہا۔

ملکی اصلاحات کا پہلا دور

ابتدائے ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۵ء لغایت ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۶ء

سال ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۵ء ... اس یادگاری انتساب سے مبارک سال ہے کہ سرونج کے دار الضرب میں ذیل کا نقرئی سکہ حضور نواب امین الدولہ بہادر کے نام کا مسکوک ہو کر جاری ہوا

---

۴۴ مختار المہام کے بجائے فخر الملک کا خطاب دیا یکم جنوری ۱۸۶۸ء میں نائب الریاست ہوئے ۲۳ جولائی ۱۸۷۳ء تک اسی عہدہ پر قائم رہے، پھر کنارہ کش ہو گئے۔ اسی اثنا میں گورنمنٹ کی طرف سے امیر شیر علیخاں والی کابل کے پاس جو کمیشن روانہ ہوا، اسمیں آپ کا بھی انتخاب ہوا، گورنمنٹ نے سی، ایس، آئی کا تمغہ ۲ ستمبر ۱۸۷۸ء کو عنایت کیا اور ۸ ستمبر ۱۸۷۸ء کو آپ کابل کے ارادہ سے روانہ ہو گئے، امیر شیر علیخاں نے مشن کو علی مسجد سے آگے بڑھنے کی اجازت نہ دی، اسلئے آپ ۸ اکتوبر ۱۸۷۸ء کو شملہ واپس آ گئے اور ۱۳ ستمبر ۱۸۷۹ء کو دوبارہ آپ ٹونک کی وزارت پر بحال ہوئے، منتظم بارعب اور ذی اثر سردار تھے بحالت وزارت چند ماہ علیل رہ کر ۲۵ جمادی الاولی ۱۳۱۸ھ مطابق ۲۰ ستمبر ۱۹۰۰ء پنجشنبہ کے روز انتقال کیا، فخر الامراء افتخار الملک صاحبزادہ عبدالعلیم خاں بہادر فیروز جنگ مرحوم کے بڑے صاحبزادہ ہیں، دوسری زوجہ سے صاحبزادہ امانت اللہ خاں ہیں، مؤلف نے مرحوم کے انتقال کیوقت حسب ذیل تاریخ موزوں کی ہے ؎ ہائے افسوس وہ عبید اللہ ؛ عاقل و ہوشیار و فرزانہ ؛ ٹونک کا کل جو صدر اعظم تھا ؛ مانتے تھے جسے ہر ایک دانا ؛ فخر کرتا تھا جس پہ دولت جنگ ؛ قدر کرتے تھے جسکی فرمانروا ؛ ذات جسکی تھی مصدر الطاف ؛ مرجع عام جسکا کاشانہ ؛ پاتے تھے جسکے گھر سے گوہر جود ؛ یار و اغیار و خویش و بیگانہ ؛

مبارک سکہ زد از فضل یزداں ۔۔ رئیس ٹونک ابراہیم علیخاں

یہ شعر سکہ کے پہلے رخ پر تھا اور ذیل کی عبارت دوسرے رخ پر نقش تھی ۔

عہد سلطنت ملکہ معظمہ انگلستان و قیصر ہند، ضرب سرونج ۱۸۸۵ء

۱۸۸۵ء کا سال سرونج میں صاحب زادہ نظام علیخاں صاحب کی حکومت کا سال تھا جو امیرانہ شان و شوکت کے ساتھ مدبر اور منتظم سردار تھے، انھوں نے والی ملک کا مشورہ حاصل کرنے کے بعد حسب ذیل اصلاحات کا نفاذ کیا ،

(۱) صیغہ پولیس کا جدید مستقل انتظام جسکی رو سے ۱۳ تھانے ذیل کے مقامات پر قائم ہوئے کوتوالی سرونج ، دیوپور، انندپور، لیٹری ، علیگڈھ، ٹوکرہ ، اونارسی کلان ، اونارسی تال ، امیرگڈھ ، وپینا نکھیڑہ ، جھنڈوہ ، مہولی ، بھگونت پور، سات چوکیاں علاوہ تھیں ،

ہر پولیس اسٹیشن میں ایک تھانہ دار، ایک جمعدار (ہیڈ محرر) ایک حوالدار اور پانچ کنسٹبل رکھے گئے ، اس انتظام سے پرگنہ سرونج کا وسیع رقبہ تقریباً محصور ہو گیا ، جس سے انسدادی کارروائی میں اچھی کامیابی رہی ، اُسوقت مقامی عامل ہی پولیس کا اعلیٰ افسر قرار دیا گیا ،

(۲) دار الشفاء کا وجود جسکی نگرانی کا تعلق اُس زمانہ میں ایجنسی سیہور کے سول سرجن سے تھا

(۳) میونسپل کمیٹی کا انعقاد جس نے راستوں کی صفائی اور روشنی کے انتظام میں نمایاں کام کیا

(۴) محکمہ سائر کی آمدنی میں افزونی کے خیال سے ملی گنج کے مشہور میلے کا انعقاد ، یہ میلہ پندرہ

ص ۲۴۲ آج دنیا سے کرگیا رحلت ، ہو رہ گیا نام اور افسانہ ، گل ہوا آہ وہ چراغ کہ تھا ، مہر اقبال جسکا پروانہ ، فکر سال وفات میں ہا کمر ، تھا نظر غمزدہ کو دیوانہ ، ہاتف غیب نے کہی تاریخ ، تھا گہر زیب راجپوتانہ

[1] گزیٹیر سرونج ۔ ۱۲ [2] نواب امیر الدولہ بہادر کے نواسے اور قاسم علیخاں قلعدار کے بیٹے تھے ۱۲

[3] حضرت مولا علی کی درگاہ کے شمال میں جو میدان ہے اسی میلہ کی جگہ تھی اس جگہ کولیوں کی آبادی بھی ہو گئی تھی

روز مسلسل قائم رہتا ، بیرونی علاقوں سے بھی تجار بکثرت آتے اور انتفاع حاصل کرتے حفاظت کے لئے پولیس کا ضابطہ سرکاری رسالہ کے سوار اور جاگیرداران صرونج مامور رہتے۔ مالی وعدالتی نظم ونسق میں کوئی اہم تبدیلی نہیں ہوئی ، بدستور پرگنہ زیر اجارہ رہا ،

ملکی اصلاحات کا دوسرا دور

ابتدائے ۱۸۸۶ء ۱۳۰۴ھ لغایت ۱۹۰۲ء ۱۳۲۰ھ

دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ جب نظام عالم ، اور اسکا تمدن قدیم ہوجاتا ہے اور اسکی خوبیوں پر خرابیاں غالب آجاتی ہیں تو ایک جدید دور کا افتتاح ہوتا ہے جو جدت و اختراعات کے لحاظ سے گذشتہ تمدنی نقش ونگار سے بہتر اور مہذب اشکال میں جلوہ گر ہوتا ہے جسکی طرف افرادِ عالم ذوق وشوق سے متوجہ ہوتے ہیں اور زمانہ خود بھی اپنی ضرورتوں سے مجبور ہوکر نئی روشنی اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے ۔

قیام عالم سے آج تک پیکرِ تمدن ہزاروں رنگ بدل چکا ہے ، نہیں معلوم کہ آئندہ اور کیا کیا اس میں تبدیلیاں واقع ہوں ،

نواب امیر الدولہ امیر الملک بہادر بانیِ ریاست کا عہدِ حکومت عام جنگی نظام کے ماتحت رہا اسلئے کہ وہ خود میدانِ رزم کے اولوالعزم جنرل اور اُن کے تمام رفقا وندما جنگی آدمی تھے جو بزم سے زیادہ تر بساطِ رزم کے سنوارنے والے تھے ، تاہم اُنہوں نے ۳۶ سال شمشیرِ علم کی طرح عرصۂ جہانبانی میں قلم کا بھی زور دکھلا کر حریفوں پر ثابت کردیا کہ وہ اُس زمانہ کے تمدنی ضرورتوں کے مطابق نظم آرائی میں بھی دوسروں سے پیچھے نہ تھے ،،

اسکے بعد جب نواب وزیر الدولہ بہادر کا عہدِ حکومت آیا تو خداداد ریاست کے تمام انتظامی گلدستے احکام شریعت کی آبیاری سے سراپا طرب خیز وشاداب نظر آنے لگے ، حکمرانی کا تیسرا

حاشیہ بقیہ صفحہ گذشتہ ۔ علی گنج محلہ مشہور ہے ۱۹۰۵ء تک ۔ مولف نے میلہ کو آباد دیکھا تھا ، حاکموں کی عدم دلچسپی سے میلہ موقوف ہوگیا

ہمبر نواب یمین الدولہ بہادر کا تھا، لیکن ریاست کی قسمت میں اُس جوہر قابل کے عاقلانہ تدبر کا استفادہ مقدر نہ تھا تین سال کے اندر ہی ریاست کو اُس سے محروم ہونا پڑا،

بہر حال گذشتہ دور اور خود نواب امین الدولہ بہادر صولت جنگ کی ابتدائی حکومت میں جسقدر بھی اصلاحات ہوئیں وہ ضرورت کے لحاظ سے کافی تھیں، چونکہ اب تمدن نئے لباس کا خواہشمند تھا، اس لئے حضور انور نے بذاتِ خود اس طرف توجہ فرمائی جسکا آغاز ۱۸۹۱ء میں انعقاد مجلس شوریٰ (کونسل) سے اسطرح پر ہوا

(۱) امین الدولہ وزیر الملک نواب حافظ محمد ابراہیم علی خاں بہادر صولت جنگ فرمانروائے ریاست ٹونک .... پریسیڈنٹ،

(۲) افتخار الامرا فخر الملک صاحبزادہ عبید اللہ خاں بہادر فیروز جنگ نائب الریاست وائس پریسیڈنٹ ۱۹۱۰ء میں جبکہ ان کا انتقال ہوا تو نجم الامرا، احتشام الملک صاحبزادہ محمد عبد الوہاب خاں بہادر صفدر جنگ نائب الریاست مقرر ہوئے،

(۳) شمس الامرا عمدۃ الملک صاحبزادہ احمد یار خاں بہادر فتح جنگ جنرل افواج ریاست ممبر فوج،

(۴) خانصاحب محمد نجف خاں صاحب پنشنر جج گورنمنٹ ساکن کرنال جوڈیشل ممبر۔

(۵) خانصاحب میرزا محمد علیخاں صاحب اعتماد جنگ ممبر اضلاع غیر۔

(۶) بابو وِنایک راؤ[1] (راؤ بہادر) فنانشل ممبر، ہر ایک ممبر کے تعلق مختلف صیغے تھے جو محکمہ نیابت کے ماتحت رکھے گئے۔

عدالتی انتظام

عدالتوں کی ترتیب گنات میں اس طرح پر ہوئی،

(۱) عدالۃ العالیہ شریعت، مذہبی خصومات کی رجوعات اور انکا فیصلہ

(۲) عدالت منصفی، دو ہزار روپیہ تک کی نالشات کی سماعت،

---

[1] ۸ مئی ۱۹۴۲ء کو آگ میں جلکر اسی صدمہ سے فوت ہوئے - ۱۲۰ تاریخ ٹونک

(۳) عدالت فوجداری، مقامی ناظم کو ایک سال تک کی قید اور دو سو روپیہ تک کے جرمانہ کا اختیار۔

(۴) صیغہ رجسٹری، مقامی ناظم کو سب رجسٹراری کے اختیارات،

عدالت عالیہ شریعت کی تجویز کا اپیل، جلسۂ علماء شریعت صدر سے رکھا گیا اور انتظامی معاملات نظامت شریعت ٹونک سے متعلق ہوا، باقی آخر الذکر تینوں صیغوں کا اپیل جوڈیشل ممبر سے رکھا گیا،

اپیل ثانی کونسل اور صدر مرافعہ خاص اجلاس حضوری میں سماعت ہونا قرار پایا ساتھ ہی عدالتوں کی رہنمائی کے لئے حسب ذیل قوانین مرتب اور مطبوع ہو کر جاری ہوئے ضابطہ صیغہ اجرائے ڈگری،، ضابطہ فوجداری ریاست،، ضابطہ دیوانی،، قانون کورٹ فیس قانون رجسٹری،، قانون مال لاوارث،، قانون اسٹامپ،، قانون حد سماعت،، قانون تحصیل چنگی،، ان کے علاوہ مقامی رسم و رواج کو زیر نظر رکھتے ہوئے عدالتوں کی رہبری کے لئے وقتاً فوقتاً پچاسوں سرکلرات جاری ہوئے جنکی پابندیوں سے عدالتیں ایک سیدھے راستے پر آ گئیں "

اضلاع غیر سے ملزمان کی داد و ستد میں بڑی دقتیں پیش آتی رہیں، انکے سلجھاؤ کے لئے سرکلر کرنل وائیلی صاحب بہادر[1] کا اجرا ۱۸۹۵ء میں منظور کیا گیا جسکے عملدرآمد سے اتحاد آمیز نتائج برآمد ہوئے، آج بھی سرکلر مذکور کی پابندی عدالتوں کیلئے بہت کچھ مفید

صیغہ پولیس

پولیس کا صیغہ اس وقت تک مقامی ناظم صاحبان کے زیر نگرانی تھا،، اس دور میں اسکو نظامت سے علیحدہ کر کے

---

[1] کرنل وائیلی صاحب بہادر سپروائزر (سنٹرل انڈیا) ایجنسی پر بعہدہ پولیٹیکل ایجنٹ مامور تھے ۱۸۹۵ء میں انہوں نے سرکلر مذکور مرتب کر کے گورنمنٹ آف انڈیا کی منظوری سے جاری کیا جسکو راجپوتانہ کی بھی اکثر ریاستوں نے منظور کر کے اپنے اپنے قلمرو میں قابل نفاذ قرار دیکر اجرا کی منظوری دی ۱۲

سپرنٹنڈنٹ پولیس کے ماتحت کیا، جبکا مستقر دارالریاست ٹونک قرار پایا صاحب سپرنٹنڈنٹ کی عملی اعانت کے لئے ہر پرگنہ میں ایک ایک انسپکٹر رکھے گئے اور انسپکٹروں کی نگرانی میں تھانجات دیئے گئے،،

چونکہ عہد گذشتہ کے مقابلہ میں اب امن وامان کا دور دورہ تھا، اور انسداد جرائم میں عہدہ داران پولیس کی کوششیں بہت کچھ نتیجہ خیز ثابت ہو چکی تھیں، اسلئے سابقہ ۱۳ تھانوں کے بجائے ذیل کے ۹ تھانے قائم رکھے گئے،

کوتوالی سرونج، لٹیری، ٹوکرہ گگراج کوٹرہ، اونارسی نال، بامورہی سالہ، جھنڈوہ بھگونت پور، اونارسی کلاں، مناسب ناکوں پر سات چوکیاں علاوہ مقرر ہیں،

موگیہ قوم ایک مشہور جرائم پیشہ قوم ہے، اُسکے افراد کو سرونج کے دیہات سے جمع کرکے موضع یوسف پور میں آباد کیا، ریاست سے انکو کاشتکاری کا سامان اور نقد روپیہ سے امداد دی گئی، مہتمم موگیان کے نام سے ایک نگران افسر پولیس کی زیر سیادت مامور کیا گیا، خاص اُن کے مستقر پر ضابطہ پولیس، اُنکی نقل وحرکت کی نگرانی کے لئے بھی مقرر ہوا، غیر حاضری کی صورت میں تعزیر کے لئے قانون بنایا گیا، جسکی پابندی سے موگیہ قوم کی مجرمانہ افعال کی طرف سے خاطر خواہ اطمینان ہو گیا،

سائر | یہ صیغہ شاہی زمانہ سے ہے، ۱۹۰۵ء تک سائر کی آمدنی زیر اجارہ رہی جسکی مجموعی تعداد ۸ ہزار ۶ سو ۵۰ روپیہ تھی، جدید انتظام کے سلسلہ میں آمدنی اسکی خالصہ کیجاکر مقامی افسر مہتمم سائر مع کافی عملہ کے مقرر ہوا، جسکی رہبری کے لئے قانون محصولات سائر مرتب ہو کر نافذ ہوا،،

جنگلات | اس صیغہ کا وجود بھی اصلاحات کے برکات کا نتیجہ ہے جسکی آمدنی، خودش

---

[1] صاحبزادہ محمد خان صاحب بہادر، ابن صاحبزادہ عبدالکریم خان بہادر اس عہدہ پر مامور رہتے ہوئے، افسر اعلٰی کارخانہ جات ہوگئے ۱۲۰ [2] گزیٹیر سرونج ۱۲۰

انتظامی کی بدولت سینکڑوں سے ہزاروں تک پہنچ گئی ہے، جنگلات کا مقامی عہدہدار فارسٹر کے نام سے مامور ہوا، جسکی ماتحتی میں عملہ کافی دیا گیا،،

صیغہ مال

اس سے قبل دیہات پرگنہ عام طور پر زیر اجارہ تھے، سرکار عالی نے پرگنہ کی باقاعدہ پیمایش کی طرف توجہ کی، کپتان ٹی، سی پیرسن صاحب بہادر کو اُن کی خدمات گورنمنٹ سے مستعار طور پر منتقل کرا کے ریاست کا مہتمم بندوبست ۱۸۸۵ء میں مقرر کیا، جنہوں نے ریاست کے پرگنات کی جدا جدا سالوں میں پیمایش کرائی، سرونج کا نمبر ۱۸۸۶ء میں آیا تقریبًا دو سال کے اندر کام ختم ہو کر ۱۸۸۹ء (۱۲۹۹ ف) میں مالگذاری مشخصہ سنادی گئی، جسکی رو سے ایک لاکھ چھپن ہزار اسّی روپیہ کی جمع آئی اور پرگنہ کا کل رقبہ ۹ لاکھ ۴۲ ہزار ۵ سو ۵۲ بیگہ برآمد ہوا،،

بندوبست نے مستقل عملہ کی ضرورت پیدا کی، پٹواری پہلے بھی تھے، مگر اب تعلیم یافتہ تنخواہ دار رکھے گئے، قدیم حقوق موقوف ہوئے، چند پٹواریوں پر اُن کے کام کی نگرانی کے لئے تین گرداور قانون گو نظامت کے ماتحت رکھے گئے، کاغذات دیہی کی ترتیب و تکمیل کے لئے نمونے انتخاب ہو کر مطبوع و شائع ہوئے، جسکا تعلق صدر قانونگوئے سرونج سے رکھا گیا،،

۱۸۹۲ء میرزا اکبر علیخاں دہلوی کی نظامت کا سال تھا، انہوں نے بمشورہ دربار ٹونک، سرونج کو ذیل کی چار تحصیلات پر تقسیم کیا، لیٹری، انند پور، دیوپور، وپینا نکھیڑہ ہر تحصیل میں ایک تحصیلدار اور اُسکے تحت میں ذیل کا عملہ مقرر ہوا،

واصلباقی نویس، سیاہہ نویس، محرر پیشی اور بعض تحصیل میں ایک اور بعض میں دو گرداور قانونگوئے ان کے علاوہ چپراسیوں کی معقول تعداد مقرر ہوئی،

چپراسیوں کے تعلق چند دیہات کی تحصیل رکھی گئی، اور چپراسیوں پر ایک جمعدار مامور ہوا،،

اسی عہد میں مقامی حاکم کو عامل[1] کے بجائے ناظم کا لقب دیا گیا ۔۔

اسکول (جسمیں انگریزی ، فارسی ، کلام مجید اور اردو کی تعلیم دیجاتی ہے) اسی زمانہ میں قائم ہوا ۔۔

سرونج کی ٹکسال بھی اسی زمانہ ۱۸۹۲ء میں بحکم گورنمنٹ آف انڈیا مسدود ہوئی ، ۱۸۹۵ء میں ٹیکر صاحب بہادر بخشی دیولی ، پر مامور ہوئے جنہوں نے کاغذی ترمیم کرکے کمال نقشہ طیار کیا ، ساتھ ہی حکامان کی رہنمائی کیلئے بمشورہ دربار عالی دقار دستور العمل اور ہدایات انتظام مال کے نام سے قوانین مرتب کرکے جاری کئے ، جو ترتیب کاغذات اور تصفیہ مقدمات مالی میں بہت کچھ کارآمد ثابت ہوئے جن پر آجتک عملدرآمد ہے ،

۱۸۹۴ء سے اپریل ۱۸۹۸ء تک معتمد الملک ، معتمد خاص بخشی حافظ سید محمد خاں بہادر ظفر جنگ سرونج کی نظامت پر مامور رہے ، انہوں نے ایک تحصیل تخفیف کرکے ذیل کی تین تحصیلات قائم کیں ، تحصیل صدر ، تحصیل غربی ، تحصیل شرقی ، آجتک یہ تحصیلات قائم ہیں ، جدید تعمیرات بھی اس عہد میں زیادہ ہوئیں ،

متفرقات بخشی سید محمد خاں بہادر ظفر جنگ کو خاص طور پر دربار عالی وقار نے سڑک اور شہر کی صفائی کی طرف توجہ دلائی ، اس عہد میں میونسپل کمیٹی کو بہت زیادہ فروغ ہوا ، پامورہ اسٹیشن سے مال اور مسافروں کی آمد ورفت میں ترقی تھی ، اس لئے گھٹوار[2] تک ۱۵ میل سڑک پختہ ہزاروں روپیہ کے صرف سے تعمیر کرائی گئی ، جو آبتک مخلوق خدا کے لئے فائدہ بخش ہے ،

مطبع محمدی بھی اسی عہد میں قائم ہوا جس نے سرکاری کاغذات کی طباعت

---

[1] شاہی عہد میں پرگنہ کے حاکم کو شقہ دار عامل کہتے تھے ، نواب امیر الدولہ بہادر بانی ریاست نے بھی یہی لقب جاری رکھا ، ہلکروں کے زمانہ میں کماسدار لقب مشہور تھا ، ۱۲ مؤلف

[2] گھٹوار سرونج پرگنہ کا سرحدی موضع ہے جو سرونج سے مشرق میں ۱۵ میل کے فاصلہ پر ہے ۱۲ مؤلف

میں آسانی پیدا کی،

دیوان عام

اور متعدد عمارات کی تجدید اور ترمیمیں بھی اسی عہد میں زیادہ ہوئیں چونکہ امین الدولہ بہادر کو ملکی انتظامی دلچسپیوں کے ساتھ شعار اسلامی اور دیگر اوامر و نواہی کی پابندی کا ہمیشہ سے خیال رہا ہے، اس سلسلہ میں ریاست نے جرائم زنا، بے نقابی، اور آزاد جوان عورتوں کا بازار میں پھرنا، اور اس قسم کے دیگر افعال کے انسداد کے لئے ۱۸۹۵ء میں خاص سرکلرات جاری کئے جن نے انسدادی اچھا اثر پیدا کیا، اور پرگنات میں فواحش کا کافی انسداد ہوگیا، اور آجتک ہے ۱۹۱۶ء میں (جبکہ مسٹر ہالینس صاحب بہادر انسپکٹر جنرل پولیس ریاست تھے) انہوں نے دفعہ ۴۹۷ تعزیرات ہند کو غیر قابل دست اندازی بتاکر اور سمجھا کر بلا استغاثہ عام عدم دست اندازی و عدم گرفتاری کے احکام جاری کرادیئے، لیکن بعد میں جب فواحش کی شکایات سماعت میں آئیں جدید حکم منسوخ کر کے سابقہ سرکلر کی پابندی کے لئے از سر نو احکام جاری کردیئے گئے جس پر مثل سابق کامیابی کے ساتھ عمل ہے،

ممتاز الامراء معظم الملک صاحبزادہ محمد صدیق خانصاحب[۱] بہادر دلیر جنگ نے مئی ۱۸۹۸ء میں سرونج کی نظامت کا چارج لیا، انہوں نے ۱۹۰۰ء میں بمنظوری دربار ٹونک ناظم پرگنہ کو مجسٹریٹ اول، اور پیشکار فوجداری کو مجسٹریٹ دوم کے تفریقی اختیارات دلاکر سرونج کی عدالتوں کو انگریزی عدالتوں کے قاعدہ کے مطابق لانا چاہا۔ پولیس کا تعلق مقامی حکومت سے اسوقت علیحدہ تھا، انہوں نے اپنے لئے مقامی سپرنٹنڈنٹی کے بھی اختیارات حاصل کئے جس سے پولیس پر نگرانی کا اچھا اثر مرتب ہوا،،

ملکی اصلاحات کا تیسرا دور!

ابتدائے ۱۹۰۲ء ۱۳۲۰ھ لغایت ۱۹۰۸ء ۱۳۲۶ھ

---

[۱] حضور انور نواب امین الدولہ بہادر والیٔ ٹونک کے علاتی بھائی تھے ۱۲

زمانہ تدریجا ترقی پذیر تھا، اُسی مناسبت سے نظام ملکی نے بھی پیرایہ اصلاحات میں مزید تبدیلی چاہی،

حضور معلی القاب نواب امین الدولہ بہادر کی بیدار مغزی، وسیع النظری اور زمانہ شناسی نے اسکا احساس فرماتے ہوئے ۱۸۷۸ء میں مجلس شوریٰ (کونسل) کی ازسرنو تنظیم فرماکر قابل ترین دل ودماغ کے ارکان سے اُسکو رونق دی، جسمیں حسب ذیل اعلیٰ عہدہ دار نظر آنے لگے ؛

(۱) افضل الامرا منتظم الملک صاحبزادہ محمد عبدالرحیم خانصاحب بہادر مظفر جنگ ریونیو ممبر۔
(۲) ممتاز الامرا معظم الملک صاحبزادہ محمد صدیق خانصاحب بہادر دلیر جنگ، ہوم ممبر
(۳) مرزا محمد علیخاں صاحب بہادر اعتماد جنگ، جوڈیشل ممبر،
(۴) رائے بہادر بابو دامودر راؤ . . . . فنانشل ممبر۔

دو تین سال کے بعد اور بہتر انتخاب ہوا، فقیر سید افتخار الدین مرحوم اکسٹرا اسسٹنٹ پنجاب کی خدمات سرکار عالی نے ریاست میں منتقل کر کے ریونیو ممبر کیا، اور صاحبزادہ صاحب بہادر مظفر جنگ کو ہوم ممبر۔

ایک سال بعد جب فقیر صاحب گورنمنٹ کی طرف سے سفیر ہوکر کابل چلے گئے تو منشی محبوب عالم خاں اکسٹرا اسسٹنٹ پنجاب کا انتخاب اُن کی جگہ ہوا، اور بابو دامودر راؤ کے ریٹائر ہونے کے بعد، رائے بہادر بابو موتی لال جی اکسٹرا اسسٹنٹ پنجاب ممبر فنانشل ہوئے ۱۹۰۱ء میں جب منشی محبوب عالم خانصاحب اپنی خدمات پر پنجاب واپس گئے تو بابو موتی لال جی ریونیو ممبر ہوئے، فنانشل کا صیغہ بھی ان ہی سے متعلق رہا، اس دور میں صیغہ مال نے بہت زیادہ ترقی حاصل کی اور تمام شعبے منظم ہوکر صیغہ مال کے ماتحت صفائی کے ساتھ نظر آنے لگے ؛

(۱و۲) دونوں موجودہ رئیس ٹونک کے چھوٹے بھائی تھے جنکا انتقال ہو چکا، ۱۲،

اس عہد میں ایوان نظامت کے اندر خزانہ کی عمارت قائم ہوکر پہرہ مقرر ہوا، کورٹ آف وارڈس کا وجود، اور کلدار روپیہ کا اجرا بھی اسی دور کا یادگار ہے، جو ہر صیغہ کی آمدنی میں آجتک وصول ہورہا ہے جسکی ابتدا ۱۳۱۲ فصلی (۱۹۰۴ء) میں ہوئی ہے، پولیس کا تعلق نظامت سے ہٹالیا گیا، اور کل پرگنات کا پولیس فورس ایک سپرنٹنڈنٹ پولیس کے ماتحت کیا گیا، اس خدمت پر خانصاحب محمد خاں اجمیری، خاں بہادر سید جلال الدین حیدر، پنشنر گورنمنٹ، خان بہادر منشی غلام قادر خاں، مولوی انوار الحق صاحب حال وکیل دربار ٹونک، ماموره ایجنسی دیولی ایکے بعد دیگرے مامور ہوتے رہے۔ جنکا تعلق ہوم ممبر سے رہا۔

متفرقات

ہر دو نج کے ملکی معاملات کے متعلق اضلاع غیر کا نظام اسوقت تک ایجنسی سیہور... سے تھا سنہ ۱۹۰۸ء میں سیہور سے علیحدہ ہوکر ایجنسی ہاڑوتی ٹونک سے رکھا گیا، اسی طرح شفاخانہ کا تعلق سول سرجن سیہور سے جدا ہوکر دیولی کے سول سرجن سے اور پھر اسسٹنٹ سرجن ٹونک سے متعلق کیا گیا۔

چوتھا اصلاحی دور

ابتدائے سنہ ۱۹۰۹ء (۱۳۲۶ھ) لغایت سنہ ۱۹۱۵ء (۱۳۳۳ھ)

اس دور میں میر سید حسین صاحب خاں بہادر اکسٹرا اسسٹنٹ اجمیر کی خدمت گورنمنٹ سے ریاست کی جوڈیشل ممبری کے لئے منتقل کرائی گئی، عدالتیں اسوقت تک ریاست کے مجوزہ قوانین پر عمل پیرا تھیں، چونکہ قوانین گورنمنٹ کی روشنی نے ریاست کی عدالتوں میں بہت کچھ ضیا پیدا کردی تھی، اس لئے میر صاحب بہادر نے سرکار عالی وقار ٹونک کا استمزاج لے کر ذیل کے قوانین انگریزی سے ترجمہ کرکے شائع کئے، لیکن وہ متعدد امور جو علاقہ کے رسم ورواج قدیم کے مخالف تھے قوانین ریاست میں شامل نہیں کئے گئے، قانون میعاد سماعت، قانون اسٹامپ، قانون رجسٹری، قانون سرٹیفکٹ جانشینی، قانون انتخاص

قانون پیشہ ، قواعد طلب نامہ ، اسکے علاوہ ضابطہ ہائے دیوانی و فوجداری ، اور تعزیرات ہند مجریہ گورنمنٹ سے امداد لیئے جانے کی بھی ہدایات جاری ہوئیں ۔

اس عہد میں عدالتیں بالکل انگریزی عدالتوں کے نمونہ پر قائم ہوگئیں ، جنکی پابندیوں سے رعایہ کے معاملات میں آسانیاں پیدا ہوکر حصول انصاف میں مزید اعانت حاصل ہوئی وکلاء کا سالانہ باقاعدہ امتحان بھی اسی عہد میں جاری ہوا ،

میر سید حسین مرحوم کے انتقال پر نجم الامرا احتشام الملک صاحبزادہ محمد عبد الوہاب خان بہادر صفدر جنگ جوڈیشل ممبر ہوکر ۴ر نومبر ۱۹۲۱ء تک مامور رہے ، انکے عہد میں عدالتی نظام کو مزید ترقی ہوئی ،،

صیغہ مال

چونکہ گذشتہ بندوبست میعادی بیس سالہ تھا اور وہ میعاد ختم ہو چکی تھی اس لئے جدید ترمیمی بندوبست کا افتتاح بھی اسی دور میں ہوا ،

۱۹۱۱ء میں کام کا آغاز ہوکر ۱۹۱۵ء میں سرو تحصیل کی مشخصہ جمع سنائی گئی جسکی رو سے یک لاکھ ۲۲ ۱۳۳ روپے ... کی خالصہ زرعی آمدنی تھی ، آج دس سال بعد موجودہ فرمانروائے ۹۱۱۲۲ ریاست ٹونک دام اقبالہ کے حسن انتظام سے آمدنی زرعی میں ایک لاکھ روپیہ کا اضافہ ہوکر دو لاکھ ۹۳۰۰۰ تک جمع پہنچ گئی ہے ، کل رقبہ ۸ لاکھ ۹۳ ہزار ۷۶۳ بیگھہ ۱۳ بسوہ برآمد ہوا ، سابق بندوبست کے مقابلہ میں ۹۴ ہزار ۱۷۵ بیگہ ۷ بسوہ کی کمی ہے ، یہ کمی محض رقبہ برآری کے طریق عمل کا سبب ہے ، سابق میں جریبٹے سے رقبہ نکالا گیا تھا ، اور اب گنگھی سے برآمد کیا گیا ،

اس بندوبست کے مہتمم مسٹر ایم کین صاحب بہادر تھے جنکی خدمت ریاست نے گورنمنٹ سے حاصل کرلی تھی ، اختتام بندوبست کے بعد اہلکاران مال کی رہنمائی کے لیئے قواعد پٹواریان قواعد گرداوران ، دو کتابیں مسٹر ایم کین صاحب بہادر نے بمنظوری دربار مرتب کرکے شائع کیں ، داخل خارج اور ہبہ دخلی کے بھی قوانین جاری ہوئے ،،

اصلاحات کا پانچواں دور

ابتدائے ۱۹۱۶ء لغایت ۱۹۲۶ء

صیغہ پولیس

دربار عالی وقار امین الدولہ بہادر نے پولیس میں مزید اصلاحات کی ضرورت محسوس فرماتے ہوئے اپنی ریاست میں مسٹر ایس، ٹی ہالینس صاحب بہادر کی خدمت ۱۹۱۵ء میں گورنمنٹ سے منتقل کرائیں، جنہوں نے سب سے پہلے پرگنات کا دورہ کیا، اصلاح طلب امور کو زیر نظر رکھکر یادداشت میں درج کرتے رہے، پرگنہ کی وسعت، طرز معاشرت، اقوام کی آبادی اور ان کی سوسائٹی وغیرہ حالات پر مبصرانہ نگاہ ڈالکر منظوری سرکار عالی ۱۹۱۶ء میں از سر نو تنظیم پولیس کا سلسلہ شروع کیا، رفتہ رفتہ سرونج پولیس نے قواعد اور قانون دانی میں بہت زیادہ ترقی کی وردیاں اور دیگر لوازم سرکاری خاص امتیازی نشان کے ساتھ بنوائے گئے، عہدہ داران پولیس کی تنخواہوں میں تقریباً المضاعف اضافہ منظور ہوا، اضلاع ٹونک بماتحتی انسپکٹر جنرل پولیس دو ذیل کے سرکلوں میں تقسیم ہوئے، (۱) ٹونک (۲) چھبڑہ اور ہر سرکل کے تحت میں تین اضلاع رکھے گئے، سرکلوں میں انچارج دو سپرنٹنڈنٹ پولیس ہوئے جنکی خدمات یو پی علاقہ گورنمنٹ سے مستعار منتقل کرائی گئیں، سرونج، چھبڑہ سرکل کے نگرانی میں رکھا گیا، جہاں خانصاحب مولوی انوار الحق پنشنر ریلوے انسپکٹر سپرنٹنڈنٹ پولیس مامور ہوئے، جنہوں نے قانونی اور انسدادی روشنی پہنچانے میں قابل تعریف حصہ لیا تھانہ داروں کے لئے بلحاظ قابلیت اول، دوم، سوم تین درجے ۵ سے ۱۵ تک کی تنخواہ کے قائم ہوئے، اسیطرح ہر ایک عہدہ داران کے مابین کارگذاری کے لحاظ سے مدارج قرار دیے گئے، پولیس کی عام رہبری کے لئے مینول پولیس ریاست ٹونک کے نام سے نہایت کارآمد کتاب انسپکٹر جنرل بہادر نے مرتب کر کے دربار کی منظوری سے شائع کی

اور اکثر وہ رجسٹر کھولے گئے جو یو پی میں زیر عمل ہیں نیز مزید استعانت کیلئے پولیس ایکٹ و دیگر قوانین ، مرتبہ ٹریننگ اسکول مرادآباد کا اجرا منظور ہوا ، خلاصہ یہ ہے کہ پولیس سرونج اصلاحات کے بعد جس پیمانہ پر پہنچا ، اُسکا اندازہ ذیل کے نقشہ سے ہوگا ، جو کتاب عملہ پولیس مرتبہ مسٹر ہالنیس صاحب بہادر سابق انسپکٹر پولیس سے نقل کیا جاتا ہے "

نام تھانہ	رقبہ مربع میل	آبادی	تعداد مواضعات	سب انسپکٹر	ہیڈ کانسٹیبل	کانسٹیبل	کل میزان	چوکیات	کیفیت
کوتوالی سرونج	۹ر۷۵	۱۶۲۵۴	۴۷	۲	۲	۳۵	۳۹	سیول کہڑی یوسف پور	
سیلپور	۸۸ر۷۹	۱۰۳۹۸	۶۰	۱	۱	۱۱	۱۳	۰	قصبہ سے جانب شرقی ۱۰ میل
سگنا کھیڑی حال ٹونکرہ	۹۵ر۴۶	۶۹۶۰	۶۲	۱	۱	۱۱	۱۳	۰	قصبہ سے جنوب و مغرب میں ۱۴ میل
دیپناکھیڑہ	۱۲۰ر۸۷	۱۵۴۰	۷۳	۱	۱	۱۲	۱۴	امیر گڈھ کھرہیاٹ	قصبہ سے ۱۴ میل جانب شمال
پپلیا	۹۱ر۶	۶۷۶۰	۶۶	۱	۱	۸	۱۰	۰	قصبہ سے ۱۴ میل گوشہ شمال و مغرب
انندپور	۹۷ر۲۵	۱۱۱۸۴	۶۱	۱	۱	۱۱	۱۳	نینواس	قصبہ سے ۱۶ میل جانب مغرب
اونارسی کلاں	۳۳ر۷۵	۳۲۱۳	۳۱	۱	۱	۱۱	۱۳	۰	۲۵ میل گوشہ جنوب و مغرب
نینواس کلاں	۱۰۵ر۶	۶۹۶۰	۴۰	۱	۱	۸	۱۰		۱۷ میل جانب جنوب و مغرب
لٹیری	۹۹ر۷۵	۳۷۴۳ خاص لٹیری ۱۸۵۷	۵۳	۱	۱	۲۰	۲۲	تنسیا	۲۰ میل مغرب

تکمرج کوٹرہ	۴٬٬/۵۴	۲۶۲۳	۳۶	۱	۱	۸	۱۰	۰	قصبہ سے ۴ ۲ میل جانب مغرب
۱۰ میزانکل	۰	۰	۵۲۹ مع مزارع دخلی	۱۱	۱۱	۱۳۵	۱۵۷	۶	

نوٹ :۔ اصل کتاب میں اطراف غلط شائع ہوگئے ہیں مؤلف نے صحیح سمت درج کردی ہے ۱۲

پولیس کی ترقی کا صحیح اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اصلاحات سے قبل سرونج پولیس کا بجٹ ؎ ۱۵ ہزار روپیہ سالانہ تھا، اصلاحات کے بعد ؎ ۱۹ ہزار ۹ سو ۴ روپیہ سالانہ صرفہ دربار نے منظور فرمایا، اور اب ۱۹۲۶ء میں ؎ کا بجٹ ہے،

گو مسٹر ہالینس صاحب بہادر اخیر ۱۹۱۸ء میں واپس گئے، لیکن انتظام آجتک کسیقدر ترمیم کے ساتھ بدستور بحال ہے، موجودہ زمانہ میں سرونج میں مستقل سپرنٹنڈنٹی کا دفتر ہے اور دو انسپکٹر ہیں، پانچ چھ سال قبل سرونج اور اطراف علاقہ سرونج میں بدمعاشوں کی بہت زیادہ یورش ہوگئی تھی، اس واسطے ایک انسپکٹر کا اضافہ اور ہوکر چھبڑہ سے سرونج میں صاحب سپرنٹنڈنٹ کا ہیڈ کوارٹر منتقل ہوگیا، جہاں اسوقت تک قائم ہے،،

عدالتی نظام

باوجودیکہ عدالتوں کا نظام ممالک آئین کے طریقہ پر قائم ہوچکا تھا تاہم دربار عالی وقار نواب امین الدولہ بہادر کی بیدار مغزی اور مہمات جہانبانی کی دلچسپیوں نے مسٹر الیشورتھ صاحب بہادر مشہور سشن جج ممالک متحدہ جیسے قابل ترین قانون دان ہستی کے انسان کو اپنی ریاست کے جوڈیشیل عدالت کیلئے انتخاب فرماکر مزید رونق بخشی، جب مسٹر الیشورتھ صاحب بہادر واپس گئے تو مسٹر ہالینس صاحب بہادر (سابق انسپکٹر جنرل پولیس ریاست) کو جناب معلی القاب دربار ٹونک نے جوڈیشیل ممبری کے لئے نامزد فرماکر گورنمنٹ سے مستعار لے لیا،،

مسٹر موصوف ۵ نومبر ۱۹۲۱ء سے اخیر مارچ ۱۹۲۵ء تک جوڈیشل ممبر رہے اپنے زمانہ میں انہوں نے اور زیادہ اصلاحات کیں، جوڈیشل مینول مرتب کر کے شائع کیا، قوانین داد رسی، حق آسائش، انتقال جائیداد، انگریزی کا اجرا منظور کرایا، علاوہ اُن کے حسب ذیل قوانین مرتب اور دربار سے پاس کرا کے نافذ کئے جنکی پابندیوں نے رعایہ کی اخلاقی حالت پر اچھا اثر پیدا کیا، قانون قمار بازی، سونا واجب الانسداد بائیکاٹ، جرائم پیشہ، اور گزٹ ریاست کا بھی اجرا اسی دور میں ہوا، جسمیں ہر صیغہ کی ہدایتی، انتظامی، تقرری، تبدیلی، برطرفی، ملازمان وغیرہ کے احکام مہینہ میں دوبارہ درج ہو کر شائع ہوتے رہتے ہیں،

صیغہ مال

اس صیغہ میں کپتان ڈبلیو، ایف دیپ صاحب بہادر کی خدمات ریونیو ممبری پر حاصل کی گئیں، جنہوں نے اجارہ دیہات مفید سمجھکر بمنظوری دربار عالی وقار سرونج کے دیہات کو مطبوعہ شرائط کے تحت میں اجارہ دینے کا عمل جاری کیا، تقریباً ایک ثلث دیہات پرگنہ اسوقت زیر اجارہ ہیں، یہ طریقہ آبادی پرگنہ کے لئے مفید ہے اسلئے کہ مستاجرین اپنے انتفاع کی غرض سے غیر آباد قابل زراعت رقبہ کو بہت زیادہ آباد کریں گے، اور اس آباد رقبہ کی آمدنی اختتام اجارہ کے بعد ریاست کے حق میں عود کرے گی،

متفرقات

رعایہ کی فلاح و بہبود کے لئے اس دور میں ایک مجلس نام نہاد (کمیٹی شوری) منعقد ہوئی اور رعایہ کو اختیار دیا گیا کہ سرونج پرگنہ سے ۳ ممبر اپنی مرضی کے منتخب کرلیں، اور وہ منتخب بھی ہوگئے، جو سالانہ ریاست کے مصارف سے ٹونک آتے جاتے ہیں۔ مالی صیغہ میں ان کے مشوروں کو قبول کیا جا کر اُسی کے مطابق احکام جاری ہوتے ہیں، رعایہ کی فلاح و بہبود کا اس سے بڑھکر اور کیا انتظام ہو سکتا ہے، جسکو دربار عالی وقار کی رعایہ نواز طبیعت نے ایجاد کیا۔

ریڈ کراس (عمل جرّاحی کی تعلیمی کمیٹی)، کا بھی انعقاد اسی دور کی برکات میں سے ہے، مقامی اسسٹنٹ سرجن کی زیر نگرانی تعلیم کا سلسلہ ہے، جسمیں ملازم اور غیر ملازم شوق سے

شریک ہوتے ہیں، گو ہدایات انتظام مال میں شکار کے مختصر احکام درج تھے، لیکن مستقل شکارگاہ کا قانون بھی اسی عہد میں جاری ہوا، اہل خاندان کی اصلاح اور اُن کے دیوانی معاملات کے تصفیہ کے لئے پنچایت کا جداگانہ صیغہ کھولا گیا جسمیں خاندان ریاست کے معزز اصحاب ممبر بنائے گئے،

جدید وضع کا دارالشفا، ڈاک بنگلہ بھی اسی دور کے یادگار ہیں، جنکی تعمیر پر ریاست نے کثیر روپیہ صرف کیا ہے، تعمیر بھی سنگین اور خوبصورت ہے، جوڈیشل افسران، پٹواریان، گرداوران، تحصیلداران، نائب ناظمان کے امتحانات کا بھی سلسلہ اس دور میں مستقل طور سے قائم ہوا، جو حوصلہ افزائی اور تحصیل علم قانونی کے لئے مفید ہے،

ہز ہائینس امین الدولہ وزیر الملک بہادر صولت جنگ

بجمیع القابہ کی انتظامی قابلیت اور عام صفات پر مورخانہ تبصرہ

محتاج بود ملک بہ پیرایۂ چنیں آخر مراد ملک روا کرد روزگار

قوت انتظامیہ حضور معلٰے القابہ امین الدولہ وزیر الملک صولت جنگ بہادر دام ملکہ فرمانروائے ریاست ٹونک، کو مسند حکومت پر جلوہ فرماتے ہوئے پورے ۶۰ سال ہوئے اس مدت میں حضور ممدوح نے ریاست کے دیگر اضلاع کے انتظامات و اصلاح پر اپنی جدت طراز طبیعت اور نکتہ رس دماغی طاقت سے جسقدر توجہ صرف کی ہے اور انکو جس مہذب لباس میں آراستہ کرکے نظام عالم کے سامنے جلوہ گر کیا ہے (جو اس کتاب کا موضوع نہیں ہے) اگر انکو نظر انداز کرکے صرف سرونج کی اُن ساٹھ سالہ اصلاحات کو دیکھا جائے، جنکی اجمالی تفصیل پانچ اصلاحی دور کے عنوانات میں اوپر گذر چکی ہے) تو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ہز ہائینس نے زمانہ کی رفتار اور تمدن کی تبدیلیوں کے

ساتھ ساتھ پرگنہ سرونج کے تمام سرکاری محکمہ جات اور ان کے شعبوں کو آراستہ و پیراستہ کرنے
عدالتوں کو قوانین کے ماتحت بام ترقی پر پہنچانے، زرعی آمدنی کو ترقی دینے میں حیرت انگیز
دلچسپی کا اظہار فرمایا ہے، تاہم یہ دعوے نہیں کیا جا سکتا کہ نظام ٹونک میں اصلاح کی
گنجائش نہیں رہی اور اسکا داخلی و خارجی نظام عیوب سے پاک ہے، اسی طرح کسی
بڑی سے بڑی سلطنت کو بھی اپنے کمال تنظیم کا دعوے نہیں ہو سکتا، ضرورت پر ہر
حکومت میں اصلاحات کا نفاذ ہوتا رہا ہے، اس اصول سے ٹونک کا محکمہ تنظیم بھی غافل
نہیں رہا، آج سرونج میں عدالت ہائے مجسٹریٹی درجہ اول، درجہ دوم، منصفی، رجسٹری
صیغہ پولیس، میں ایک مستقل سپرنٹنڈنٹ، دو انسپکٹران، ۱۲ پولیس اسٹیشن اور متعدد چوکیات
کا وجود، صیغہ مال میں تین تحصیلات کا تقرر، جنگلات کا شعبہ، نائب نظامت کا عہدہ،
بندوبست کا اجرا، لینڈ ریکارڈس، دفتر رجسٹرار قانون گوئی، باقاعدہ گرداوران،
پٹواریان کا تقرر، صیغہ تعلیم پٹواریان، خزانہ کا انتظام، اسکا مکان، متفرقات میں،
میونسپل کمیٹی کا وجود، کورٹ آف وارڈس، صیغہ انسداد اشخاص جرائم پیشہ، مدرسہ،
دار الشفاء، مہمان سرائے، ڈاک بنگلہ، کسٹم ہاوس، وغیرہ اور ان تمام صیغوں اور
عدالتوں کے لیے قوانین کی ترتیب اور ان کی اشاعت، وکلاء کا تقرر، اور انکا باقاعدہ امتحان
پختہ شاہراؤں، سڑکوں اور پلوں کی تعمیر، ان کے لئے، اور سیری کا مستقل عملہ،
جیلخانہ اور دیگر بے شمار رفاہیہ و انتظامیہ امور جو آج نظر آ رہے ہیں، یہ سب ہز ہائینس
ہی کے مبارک عہد حکومت کے خوشنما یادگاری نقش و نگار ہیں، جو گذشتہ دور کو نصیب نہیں
ہوئے، یہ اسی بیدار مغزی کے برکات ہیں کہ سرونج پرگنہ آج تمدن سے متمدن اور آئینی
ضلع کے ہم پہلو نظر آتا ہے، توجہ اور حسن انتظام سے پرگنہ کی آمدنی میں بھی اسقدر توفیر ہوئی ہے
کہ شاہان تیموریہ کے عہد سے لے کر گذشتہ دور میں کبھی نہیں ہوئی، دیکھو اعداد مندرجہ
نقشہ نمبر (۱)

فرائض جہانبانی

قانونِ الٰہی کی رو سے، راعی پر رعایہ کے جو حقوق عائد کئے گئے ہیں اون کے سمجھنے اور ادا کرنے میں نواب امین الدولہ بہادر نے جس مستعدی کا اظہار فرمایا ہے، اسکا اندازہ اس سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ حضور ممدوح نے دار الحکومت ٹونک سے ۲۵۰ میل کا سفر بلا لحاظ موسم اختیار کر کے گیارہ مرتبہ ذیل کے سالوں میں سرونج کا دورہ فرمایا، ۱۸۷۳ء، ۱۸۸۶ء، ۱۸۹۰ء، ۱۸۹۳ء، ۱۸۹۹ء، ۱۹۰۱ء، ۱۹۱۰ء، ۱۹۱۲ء، ۱۹۱۵ء، ۱۹۱۸ء، ۱۹۲۰ء اور ہر مرتبہ کبھی تنہا اور کبھی لشکر کے ساتھ دیہات پرگنہ میں تشریف لیجا کر رعایہ سے بلا واسطہ اور با لواسطہ اُن کے حالات ضروریات، اور شکایات دریافت فرماتے رہے، رعایہ کے اکثر معروضات کا فی الوقت اور بعض کا تحقیقات کے بعد انتظام فرمایا، جو جو خرابیاں گذشتہ انتظامات میں نظر آئیں اُن کو دور کر کے اوس سے بہتر اُس کی جگہ دوسرا عملی نمونہ قائم فرمایا، رعایہ کی خاطر اہلکاروں کے تبادلہ کرنے، قصور پر سزا دینے میں کبھی دریغ نہیں فرمایا، جن ابواب اور محصولات کا بار رعایہ سے اُٹھ نہ سکا انکو بلا لحاظ نقصان ریاست قطعی مرفوع القلم فرمایا، اس سے بڑھکر دلجوئی اور رعایہ نوازی کی اور کیا مثال پیش کیجا سکتی ہے (جو مؤلف کے مشاہدات ہیں) کہ ادنی سے ادنی، اور غریب سے غریب، رعایہ نے دورۂ دیہات کے سلسلہ میں جب رعیتانہ اور محکومانہ اخلاص کے ساتھ جوار اور مکا کی سوکھی روٹی اور صحرائی ترکاری بھنی ہوئی آپکے سامنے پیش کی ہے تو آپ نے خوش ہو کر قبول فرماتے ہوئے اُن ہی کے سامنے دو چار لقمے بھی تناول فرمائے،

ز قدرِ شوکتِ سلطاں نہ گشت چیزے کم　　از التفات بہ مہمانسرائے دہقانے
کلاہ گوشۂ دہقاں بآفتاب رسید　　کہ سایہ بر سرش انداخت چوں تو سلطانے

اس پر مستزاد یہ کہ رعایہ کی اصلاح و فلاح ۔۔۔۔ کی خاطر ریاست کے مداخل و مخارج کا پاس نفرماتے ہوئے بڑے بڑے مشاہروں کے یورپین افسر ریاست کے محکمہ جات میں مقرر

فرمائے، جو آج بھی موجود ہیں ،،

ان تمام محبت آمیز باتوں کا رعایہ کے قلوب پر گہرا نقش ہے ، تین سال ہوئے جب نواب امین الدولہ کی علالت زیادہ ترقی پذیر ہوگئی تھی تو مؤلف نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ شہری اور دیہاتی رعایا اپنے اپنے مذہبی اعتقادات کے مطابق اپنے معابد کے سامنے جھکی ہوئی دعائے صحت میں تر زبان تھی ، ملحق الحدود علاقہ جات میں بھی یہی اثر دیکھا گیا ، اور جب خداوند کریم نے آپ کو صحت یاب فرمایا اور غسل صحت کی خبر سرونج پہنچی ہے تو اس رات سرونج کا کوچہ و بازار اظہار مسرت میں چراغان تھا ، مدارس کے طلبہ اور محتاجوں کو رعایا نے حسب حیثیت شیرینی تقسیم کی ، کھانا کھلایا اور سیکڑوں کی تعداد میں مبارکبادی کے تار دربار میں بھیجے گئے ، اکثر جگہ دیکھا گیا ہے کہ دورہ کی کشاکش سے رعایہ بہت زیادہ گھبراتی ہے زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتی تو دل ضرور تکالیف کا احساس کرتے ہوئے خدمت گذاری سے بچنا چاہتا ہے ، لیکن حضور ممدوح دام اقبالہ کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی رعایہ کے دلوں میں اس درجہ جاگزیں ہے کہ وہ مقامی حکام سے ہر موسم سرما میں سرکاری آمد کی خبر معلوم کرتی ہے ، اور جب سرکاری تشریف آوری کی صحیح اطلاع اُن کو ہو جاتی ہے ، تو عملی طور پر اپنے عمیق مسرت کا اظہار کرتے ہوئے متعلقہ انتظام میں مصروف ہو جاتی ہے ،

سخاوت اس صفت میں آپ کا دستِ کرم اپنے پیشروؤں سے بلند تر ہے ، کبھی اور کسی وقت دوسروں کی طرح اخباروں کے ذریعہ سے اپنے جود و کرم کی تشہیر گوارا نہیں فرمائی ، نمایشی فیاضی سے ہمیشہ دلی نفرت رہی ، مستحقین اور اہل حاجات کی ضروریات پورا کرنے سے حضور بے حد خوش ہوتے ہیں ، اور اسمیں ثواب بھی مضمر ہے ، تاہم سحاب کرم کی بارانی سطحاتِ ارضی پر اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہ سکتی ،،

نہ ذکر جمیلش نہاں میرود   کہ صیتِ کرم در جہاں میرود   (سعدی)

مؤلف کا مشاہدہ ہے کہ ہر روز آپ کا آستانہ مرجع خلائق بنا رہتا ہے ، مقامی اہل حاجات

کے سوا بیرونی دنیا کے مسافر اور غربا کثرت سے موجود رہتے ہیں، بابِ خلیل اور خوانِ خلیل ہر ایک کے لئے کھلا ہوا، اور بچھا ہوا رہتا ہے؛ ع

بریں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

رزاق مطلق نے خوانِ خلیل میں وہ برکت عطا فرمائی ہے کہ کوئی سائل بھی بھوکا اور بے نیل مرام واپس نہیں جاتا، سیکڑوں روپیہ کی بخشش اگر اخلاص کے ساتھ ہو تو وہ لاکھوں اور کروڑوں روپیہ کی نمایش سے بدرجہا افضل ہے،

آپ کے بحرِ نوال طبیعت کے آگے کروڑوں روپیہ کا ملک ہیچ ہے ۶۰ سالہ دورِ حکومت میں ممدوح کے ابرِ کرم نے فیاضی کے جو دریا بہائے ہیں، اور دستِ عطا نے جس قدر گہرافشانیاں کی ہیں اُس سے نہ صرف ملک راجپوتانہ، بلکہ ارضِ ہند کا چپہ چپہ سیراب و مالا مال ہے اور اکثر بلاد عرب بھی مستفیض ہیں،

منقولہ مال کی بخششوں کا تو شمار نہیں ہو سکتا، لیکن ٹونک اور اضلاع ٹونک میں غیر منقولہ جائداد کی آج جس قدر جاگیریں، اور انعامی و معافی اراضیات لوگوں کے قبض و تصرف میں موجود ہیں، وہ آپ ہی کی فیاضی اور دریا دلی کا تحریری ثبوت ہے، شعر

دریوزہ گرِ رشحۂ او بیند حریفان | الحق رگ ابرِ قلمش بحرِ نوال است (حزیں)

خاص سرونج میں معافی اراضیات کا بیشتر حصہ اور جاگیرات کا کمتر حصہ (جو نقشہ نمبر ۲) میں درج ہوا یہ آپ ہی کے رشحات کرم کا نتیجہ ہے، کوئی سال خالی نہیں جاتا کہ جسمیں ہزار پانسو بیگہ قطعات آراضی کے معافی کے کاغذات آپ کے دستخطوں سے جاری نہوتے ہوں،

اللہ کرے حسنِ رقم اور زیادہ

رحم و مروت حلم عفو آپ کے صحیفہ اخلاق کے روشن ترین الواب ہیں، ان تمام اخلاقی اوصاف میں ہندوستان آج ممدح کا حریف پیش نہیں کر سکتا، رعایہ اور ملازمین نے تقصیرات کے پاداش میں گو قوانین کے

ماتحت سزائیں پائی ہیں، لیکن ہزاروں مثالیں موجود ہیں کہ جب بالواسطہ یا بلا واسطہ ہزہائینس سے عفو رحم کی درخواست کی گئی ہے تو آپ نے اصول قوانین کو نظر انداز فرماتے ہوئے بڑے بڑے خاطیوں کو معاف فرمایا ہے، یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جس نے خدا اور رسول کے واسطوں سے عفو کی درخواست کی ہے، ممدوح کا دل کانپ اٹھا ہے اور جب تک سائل کی درخواست منظور نہیں فرمائی، دوسرے کاموں کی طرف توجہ نہیں فرمائی، مشہور مصرع ہے، "در عفو لذتیست کہ در انتقام نیست"، حق یہ کہ عفو کی لذات سے جس قدر حضور کا ضمیر آشنا ہے، اور اس بات میں جتنی قوت ذالقدر رب العزت نے آپ کو بخشی ہے، دوسروں کو نصیب نہیں ہوئی، یہ وہ صفات حسنہ ہیں جنکی جلوہ ریزیوں نے ٹونک کا نام پرگنات میں دار العفو مشہور کر رکھا ہے۔"

فریادی، دردمند، اور خطاکاروں کا گروہ جب دار الاسلام ٹونک پہنچکر نظر باغ[لہ] کی چار دیواری کے سایہ میں پناہ گیر ہوتا ہے تو قطعی اسکو کامیابی ہوتی ہے، خود مؤلف کے ایام ملازمت کے اعمالنامے شاہد ہیں کہ دردو تکلیف کے زمانہ میں تین مرتبہ چمنستان خلیل کی صحت بار آب وہوا میں ٹونک پہنچا اور ہر مرتبہ نسیم عفو نے نئی زندگی بخشی، گل مقصود سے دامن بھر گئے ہوئے نسیم مسرت کے جھونکوں میں یہ کہتا ہوا کامیاب واپس آیا،

جب تک کہ بوستاں میں رہے آمد بہار
جب تک کہ فرش گل پہ صبا خوشخرام ہو
تیرے چمن میں پھول کھلیں نت نئے خلیل
گلشن پہ تیرے بارش رحمت مدام ہو

(از مؤلف)

ان تمام حالات اور مشاہدات کی بنا پر یہ کہنا بیجا نہیں ہے کہ

امروز کس نشاں ندہد در بسیط خاک
مانند آستان درت مامن رضا
بر تست پاس خاطر بیچارگان و شکر
بر ما و بر خدائے جہاں آفریں جزا
(سعدی رحمۃ اللہ علیہ)

لہ نظر باغ، اس باغ میں سرکاری محلات ہیں، دیوان خانہ خاص وعام بھی اسی میں ہے ۱۲

عدالت

جہاں بانی اور حکمرانی کے فرائض میں انصاف اعلیٰ جوہر ہے اس میں بھی ہز ہائنیس کامل اور اسکے صحیح استعمال پر قادر ہیں، عدالتی نتیجہ نکالتے ہیں آج ۸۰ سال کی عمر میں بھی آپ کا دماغ اسقدر صحیح ہے کہ جس کی نظیر نہیں مل سکتی، سوائے یوم جمعہ کے کوئی دن بھی اجلاس فرمانے اور عدالتی احکام صادر کرنے سے خالی نہیں رہتا، دو یوم کونسل کے اجلاس کے لئے مخصوص ہیں اور باقی چار یوم چاروں ممبری کے کاغذات کے اجلاس کے لئے معین ہیں، یہ تمام محنتِ شاقہ محض اصول جہانداری اور انصاف رسانی کے اتباع میں ہے، آپ کی میزانِ عدالت میں رعایہ اور فرزند برابر ہیں، اسکی مثالیں متعدد موجود ہیں، آپ گذشتہ شاہانِ عادل کی طرح راتوں کو اکثر بھیس بدل کر شہر اور دیہات میں پھرتے رہے ہیں، محکمہ خبر رسانی کے ذریعہ سے بھی واقعات و حالات سے آگاہ ہو کر کمزوروں کی اعانت فرمائی ہے،

حقوق العباد کے متعلق انصافانہ احکام نافذ فرمانے میں ہمیشہ عمیق دلچسپی لیتے رہے ہیں بار ہا ریاست کے نقصانات کو برداشت فرمایا، ذاتی معاملات میں درگذر کی، لاکھوں مرتبہ قصورات کی معافی بخشی، لیکن حقوق العباد معاملات میں اندرونی و بیرونی مداخلت کے باوجود کبھی جادۂ عدالت سے بال برابر بھی آگے پیچھے نہیں سرکے، اگر کبھی کوئی غلط واقعہ حلفیہ کے ذریعہ سے صحیح اور راست ثابت کرادیا گیا ہو تو یہ امر آخر ہے اور اس قسم کی غلطیاں سلاطین عادل کے کارناموں میں بھی نظر آتی ہیں،،

زہے دین و دانش زہے عدل وداد ۔۔۔ زہے ملک و دولت کہ پاینده باد (سعدی)

علوم و فنون کی قدر دانی

یہ وصف نواب امین الدولہ بہادر نے اپنے نامور اہل علم اسلاف سے وراثت میں پایا ہے، جسکا نفاذ جوہر شناسی کے ساتھ ہمیشہ فرماتے رہے ہیں، دار الحکومت ٹونک ہنر پروری، علمی قدر دانی، جوہر پرستی، کی کشش سے آج دار العلوم، و دار الفنون کے درجہ پر نظر آتا ہے،،

ممدوح کو غزوات اور سیر صحابہ کی کتابوں سے دلچسپی ہے، شعر و سخن سے بھی شوق ہے، خلیل تخلّص فرماتے ہیں، نعتیہ اور عاشقانہ کلام کے دو دیوان بھی ترتیب کے ساتھ مکمل ہیں، مصنفین و مؤلفین کے سرپرست ہیں، تاریخی اور اخلاقی تصانیف کی اشاعت، مذہبی کتابوں کے تراجم اور ان کی طباعت پر خاص توجہ ہے، ماہرین علوم اور واقفین فنون کو علیٰ قدر مراتب، جاگیرات، نقد انعامات اور خطابات سے سرفراز فرماکر حوصلہ افزائی کی اعلیٰ مثال قائم فرماتے رہے ہیں،

مولوی افتخار حسین خاں صاحب مضطرؔ خیرآبادی نے علم ادب کی ترقی کے صلہ میں افتخار الشعراء اعتبار الملک خان بہادر اقتدار جنگ کا خطاب حاصل کیا،

کپتان سید نور الدین احمد صاحب مرحوم فصیح الملک کے خطاب سے معزز ہوئے،

مولانا مولوی حکیم برکات احمد صاحب طبّ یونانی کی ترقی کے صلہ میں افسر الاطباء ہوئے، مولوی منشی سید علی اصغر صاحب (ناظم شاہپڑہ) نے تاریخ علیگڈھ اور تاریخ شاہپڑہ کو مرتب فرماکر اردو انشا پردازی کے ساتھ تاریخی تحقیقات کا جو عالمانہ و محققانہ نمونہ پیش کیا ہے اُسکا موزون اور واجبی صلہ یہی ہوسکتا تھا کہ سرکار عالی دام اقبالہ کے دقیقہ رس دماغ نے عطائے جاگیر کے علاوہ امیر الانشاء دبیر الملک کے معزز خطاب سے آپ کو ممتاز فرمایا،

مولوی منشی سید محمد اسمٰعیل صاحب (موجودہ میر منشی دربار ٹونک) فن نعلبی، گویائی اور انشاپردازی نیز سرکاری ہر قسم کے مسوّدات کے تراجم اور اُن کے ترتیب کے صلہ میں افتخار الانشاء مشیر الملک کے اعلیٰ خطاب سے ممتاز فرمائے گئے،،

ان بیجا قدردانیوں سے علوم و فنون کی ترقیوں کی شاہراہیں ہر طرف کشادہ نظر آتی ہیں، جن کا مستقبل حوصلہ افزا ہے،،

ہنر ہر کجا یافت قدرے تمام | بدولت خدائی برآورد نام (نظامی)

مذہبی حیثیت | نواب امین الدولہ بہادر تقلید کے لحاظ سے حنفی المذہب، صوم و صلوٰۃ

اورا دو وظائف کے بے حد پابند اور تہجد گذار رہیں ہیں آغاز جوانی سے اسوقت تک بلا موانع و عذر شرعی کے کبھی نماز تہجد ناغہ نہیں فرمائی، عبادات کے تمام ارکان خشوع و خضوع اور عمیق اخلاص عبودیت کے ساتھ ادا کرنے میں صادق الایمان عابدین کے نمونہ ہیں، امور جہانبانی کی ذمہ دارانہ مصروفیتوں کے باوجود شب بیداری کے کیف و سرور سے آپکا قلب اسقدر آشنا ہے کہ صرف ڈیڑھ دو گھنٹہ ابتدائی راتوں میں ظاہری صحت کے خیال سے آرام فرمانے کے عادی ہیں،

یہ کوئی سنی سنائی بات نہیں ہے، بلکہ مؤلف کا مشاہدہ ہے کہ ایک ایک گھنٹہ کامل آپکے ہاتھ، اظہار شکر، اظہار منت، اظہار عجز، اظہار انکسار، اظہار عبودیت، طلب حسنات، طلب مغفرت میں شہنشاہ حقیقی کے سامنے بلند، اور اسی طرح گھنٹوں مسجود حقیقی کے آگے سر بسجود رہتے ہیں، ہز ہائینس کا وقار و انکسار بالکل اس شعر کے مطابق ہے،

گلہ گوشہ بر آسمان بریں ہنوز از تواضع سرش بر زمین (سعدی)

حسن عقیدت اور جوش اخلاص کا ایک بصیرت افروز منظر

محمد عربی کابروے ہر دو سرا ست
کسیکہ خاک درش نیست خاک بر سر او (شیخ احمد سرہندی)

حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی ذات مبارک ہستی مقدس سے آپ کو جسقدر خلوص، جسقدر حسن عقیدت، جس حد تک عشق و محبت ہے اسکا اندازہ تو صرف وہی روشن ضمیر اور کیف آگین ہستیاں کر سکتی ہیں، جو اپنے درد آشنا قلوب، لذات کش سینوں میں اسی درجہ کی کھٹک، اسی درجہ کا درد، اور اسی درجہ کی تڑپ اور اسی درجہ کا ولولہ ذوق و شوق پنہاں رکھتی ہیں، مگران گنہگار آنکھوں سے بھی چند بار ایسے دل افروز و بصیرت افزا مناظر گذرے ہیں کہ جنکی تمنائے بازدید آج بھی بجلی کی طرح قلب مشتاق میں تڑپ جاتی ہے

چشم عاشق ز تماشائے تو چون سیر شود
ہر نگہ سلسلہ جنبان نگاہ دگر است
(صائب)

وہ مناظر کیا ہیں، وہ مظاہرہ ہے، آپ کے جذبات خلوص کا جو ہر پنجشنبہ کو ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو اور بالتخصیص ماہ ربیع الاول کی ۹ تاریخ سے ۱۲ تاریخ تک جو ایک سعادت طراز منزلت افزا دربار کی صورت میں رحمۃ للعالمین کی مجلس مولود کے درخشندہ نام سے روح افروزیوں کے ساتھ منظر عام پر آتا ہے، ان ایام میں آداب و عبادت کے لحاظ سے دفاتر میں تعطیل بھی رہتی ہے، اس محفل نور و سرور کی کیف بار جلوہ ریزیاں، اور اس چمنستان معطر کی فرحت افزا شمیم انگیزیاں کیا عرض کروں،

ایک زرنگار ایوان شاہی ہے، جو مختلف اقسام کی ضیا بار شمعوں سے جگمگا رہا ہے، بیش قیمت قالین، مصفا و منقش فروش، دیدہ زیب آلات شیشہ، قنادیل، فانوس، نقرئی و طلائی شمعدانوں سے سجا ہوا ہے، تہذیب و سلیقہ کے ساتھ چھوٹی چھوٹی میزوں پر حسین گلدان معطر گلدستوں سے آراستہ ہیں، وسط ایوان میں نقرہ استادوں پر زردوزی، مختصر شامیانہ نگیرہ کی صورت میں قائم ہے، اس میں بلوری نقرئی جالیدار ہانڈیاں، قمقمے اور دیگر مختلف گنگا جمنی آرایشی سامان آویزاں ہے جنکی ضوفشانیاں، شامیانہ کو بقعۂ نور بنا رہی ہیں، اسکے نیچے پھولوں کی معطر چادر تنی ہوئی ہے، پھولوں کی بوقلمونی، اور اُن کی نکہت بیزیوں سے شامیانہ چمن زار نظر آتا ہے، پھولوں کی تبسم ریز لڑیاں شامیانہ کے چاروں طرف حواشی میں لپٹی ہوئیں، وفور مسرت میں فرش کی طرف مائل، اور شوق نظارگی میں ہمہ تن محو تماشا ہیں، ان تمام زیبا لیشی نگاریوں میں شامیانہ مسہری کا جواب بنا ہوا ہے نیچے سبز مخمل کی زرنگار مسند بچھی ہوئی ہے، جس پر ایک خوبصورت، جاذب نظر اسپغاوی نقرئی میز رکھی ہوئی ہے اور اس میز پر صحیفہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (جو محدثین و مفسرین متاخر علماء کا ترتیب دیا ہوا ہے) رکھا ہے جسکو ایک سعادت نشان، خوش الحان قاری بلند آواز کے ساتھ پڑھ رہا ہے، اور نثر

خواں قاری کے گرد نعت خوانوں کا حلقہ ہے جو دف کے ساتھ نواب امین الدولہ بہادر کی کہی ہوئی منظوم نعتیہ غزلیں سوز و گداز لہجہ میں پڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں جنکی جاذبانہ تاثیر سے خادمان رسالت پر محویت کا عالم، اور عاشقان محمدی پر کیفیت و سرور غالب ہو رہا ہے، ارباب نظر ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے

فتاد سامعہ در موج کوثر و تسنیم (عرفی)

کا لطف سرمدی اٹھا رہے ہیں، اور جو ہوشیار ہیں وہ با آداب آہستہ آہستہ شغل درود میں مشغول ہیں،

درود ملک بر روان تو باد بر اصحاب و پیروان تو باد (سعدی)

گو ہجوم خلائق ہے، مگر ہر طرف سکوت، تمام پہلوئے آداب ملحوظ، فضائے ایوان منور و معطر، اس عام مگر خاص اور مقدس دربار میں ایک ایسی درخشندہ ہستی بھی ہے جو اپنی مخصوص ترین خصوصیت کی بدولت محفل مبارک میں ممتاز نظر آرہی ہے گو وہ دنیاوی لحاظ سے ایک بلند قربت رئیس، ایک باعظمت فرمانروا، ایک اقبالمند تاجدار کی حیثیت رکھتی ہے لیکن اسوقت سراپا عجز سراپا انکسار، سراپا نیاز، سراپا شوق، سراپا ذوق، ہمہ تن گوش، ہمہ تن سوز، ہمہ تن گداز، یکسر کیفیت، یکسر محو، پیکر تہذیب، مرقع تادیب، مجسمہ اخلاص و عقیدت کی صورت میں اپنی تمام تر تقوعات، کیفیات کے ساتھ صلوٰۃ و تسبیح میں مشغول ہے،

یہی تاجدار حاضرین دربار کو تبرکاً کبھی مشروبات پیش کرتا ہوا نظر آتا ہے، اور کبھی لوگوں کے ملبوسات کو دست خاص سے معطر کرتا ہوا،

اس اخلاص آگین طریق عمل سے اسکا دامن نیاز، سعادت کی کلیوں، رحمت کے پھولوں سے، رشک دامن گلچیں، اور اسکی فروتنی دربار رسالت میں رفعت آفریں نظر آرہی ہے جس دربار رحمت بار کی شان یہ ہے

در جوار حرمش عرش مشرف بسجود در دیار کرمش جود موظف بہ نیاز (عرفی)

مجموعی حیثیت سے اس پُر کیف منظر کا اثر ایک ایسے شخص کی طبیعت پر جو شاعرانہ مذاق بھی رکھتا ہو، ضرور پہنچنا چاہیئے تھا، بالآخر پہنچا، اور اُس کے جذبات ان موزون و عائیہ منظوم فقروں میں منتقل ہو گئے ،،

٭ بند ٭

دلِ مومن میں ہو توحید ربّ العالمیں جبتک — کریں اہل سنن پابندیِ شرع متیں جبتک
عزیزا زجاں رہے ارشاد ختم المرسلیں جبتک — گزر اعمالِ صالح کا ہوتا عرش بریں جبتک

تری محفل میں دائم ذکرِ میلادِ پیمبر ہو
ترا آئینۂ دل حسن اعمالوں کا منظر ہو

(از مؤلف)

حضور معلی القاب امین الدولہ وزیر الملک بہادر صولت جنگ جی، سی، ایس، آئی جی، سی، آئی، اے دام ملکہٗ کے حسن انتظام نے پرگنہ کی آمدنی کو جس ترقی پر پہنچایا ہے، وہ ذیل کے حکومت وار اندراج سے واضح ہے،

نقشہ ۱

سال	عہد حکومت	تعداد آمدنی پرگنہ	کیفیت
سنہ ۹۸۳ھ	عہد جلال الدین اکبر شاہ	[illegible] دو لاکھ ہزار	سکۂ اکبر شاہی
سنہ ۱۰۹۰ف ۱۶۸۳ء	عہد شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر	[illegible] لاکھ	سکہ عالمگیری
سنہ ۱۱۴۲ فصلی ۱۷۳۴ء	ناصر الدین محمد شاہ روشن اختر	[illegible] یک لاکھ	سکہ محمد شاہی
سنہ ۱۱۴۷ فصلی ۱۷۴۱ء	بالاجی راؤ دوم پیشوا	[illegible] یک لاکھ	ایضاً

سنہ	عہد	جمع	سکہ
سنہ ۱۱۶۱ف ۱۷۵۴ء	عہد ملہار راؤ ہلکر	[illegible] یک لاکھ	سکہ محمد شاہی
سنہ ۱۸۰۹ء	عہد نواب امیر الدولہ بہادر	[illegible] یک لاکھ	ایضاً
سنہ ۱۲۷۹ف ۱۸۶۳ء	عہد نواب وزیر الدولہ بہادر نصرت جنگ	[illegible] یک لاکھ	سکہ چتور شاہی
سنہ ۱۲۹۴ف ۱۸۸۶ء	عہد نواب امین الدولہ بہادر صولت جنگ	[illegible] یک لاکھ	سکہ محمد خالی و چتور شاہی
سنہ ۱۲۹۹ف ۱۸۸۹ء	ایضاً	[illegible] یک لاکھ	سکہ ایضاً بروئے بندوبست پیرس صاحب بہادر مہتمم بندوبست
سنہ ۱۳۰۷ف ۱۸۹۵ء	ایضاً	[illegible] یک لاکھ	سکہ ایضاً بروئے تر میم شیکر صاحب بہادر سابق پولیٹکل ایجنٹ دیولی
سنہ ۱۳۲۲ف ۱۸۱۵ء	ایضاً	[illegible] یک لاکھ	بروئے بندوبست کین صاحب بہادر مہتمم بندوبست سکہ ایضاً
سنہ ۱۳۳۳ف ۱۸۲۲ء	ایضاً	[illegible] لاکھ	سکہ ایضاً
	عین المال [illegible] دو لاکھ	سائر دو لاکھ	جنگلات [illegible] سوائے متفرقات [illegible]

نقشہ نمبر ۲

پرگنہ سرونج کے دیہات اور اُن کے رقبہ کی تعداد نقشہ ذیل سے واضح ہوگی ؎

بروئے بندوبست مسٹر ایم کین صاحب بہادر مہتمم بندوبست سنہ ۱۹۱۱ء

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	[illegible]	مختصر کیفیات
۱	محمد یوسف خان	سنہ ۱۲۱۴ھ ۱۷۹۸ء	یک سال	فتح مہیسر قلعہ اندور کے بعد جبکہ سرونج مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر کی طرف سے نواب امیر الدولہ بہادر کو دیا گیا اُسوقت پہلا عامل سرونج پر محمد یوسف خاں مامور ہوا جلال آباد لوہاری وطن تھا، چھیپوں اور امیر گڈھ دیہات جاگیر میں ملے انکے پرپوتے محمد شیر خانصاحب حیات اور جاگیر پر قابض ہیں ،
۲	میاں منور محمد خاں	سنہ ۱۲۱۶ھ ۱۷۹۹ء	۱۱ سال	نواب امیر الدولہ بہادر کے سالے اور موتی بیگم کے بھائی تھے انکے عہد میں داؤد خاں رامپوری پٹھان کو بڑا دخل رہا سنہ ۱۲۲۴ھ ۱۸۱۰ء میں جبکہ نواب امیر الدولہ بہادر ناگپوری افواج سے برسر پیکار تھے ، اسوقت انگریزی فوج کی امداد سے راجہ ناگپور نے سرونج پر قبضہ کر لیا تھا ، میاں منور محمد خاں مقابلہ کی طاقت نہ دیکھکر ٹیری کی طرف چلے گئے تھے ، لیکن نواب امیر الدولہ بہادر کی بروقت مداخلت سے قبضہ بحال ہو گیا ، . . . . تاریخ امیر نامہ
۳	شمس الدولہ نواب محمد سعید خاں بہادر اور سرفراز الدولہ نواب سرور خاں بہادر	سنہ ۱۲۲۷ھ لغایت سنہ ۱۲۳۰ھ ۱۸۱۲ء	۳ سال	دونوں حقیقی بھائی تھے ، حکومت پر بھی مشترکاً مامور ہوئے وسعت حقوق کے لحاظ سے ۴۲ گاؤں ان کی جاگیر میں دیے گئے جو بیالیسی مشہور ہے انکے مفصل حالات سلسلہ خاندان جدید ۲ میں درج ہیں

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	مدت	مختصر کیفیات
دوبارہ	میاں منور محمد خاں دوسری بار	سنہ ۱۲۳۰ھ ۱۸۱۲ء لغایت سنہ ۱۲۴۳ھ ۱۸۲۶ء	۱۴ سال	دوبارہ مامور ہوئے ان سالوں میں سرونج پرگنہ ان کے اجارہ میں بھی رہا مشہور نئی حویلی کی تعمیر بھی اسی زمانہ میں ہوئی
۴	نواب وزیرالدولہ بہادر بزمانہ ولیعہدی	سنہ ۱۲۴۳ھ ۱۸۲۷ء لغایت سنہ ۱۲۴۶ھ ۱۸۳۰ء	۴ سال	ان کے عہد میں ملکی اصلاحات کا نفاذ ہوا سنہ ۱۲۲۲ھ میں مقام شیر گڈھ علاقہ کوٹہ اخوند زادہ محمد ایاز خاں کی دختر کے بطن سے پیدا ہو کر سنہ ۱۲۵۰ھ میں مسند نشین ہوئے اور سنہ ۱۲۸۱ھ میں وفات پائی ،
سہ بارہ	میاں منور محمد خاں	سنہ ۱۲۴۷ھ ۱۸۳۱ء لغایت سنہ ۱۲۵۱ھ ۱۸۳۴ء	۵ سال	پرگنہ سرونج و چھبڑہ دونوں زیر حکومت اور زیر اجارہ رہے نواب وزیرالدولہ کے مسند نشینی کے بعد پرگنات پر غاصبانہ عمل کیا ، مختارالدولہ بہادر نے ٹونک سے آکر ان کو نکلنے پر مجبور کیا ، جس سے دوبارہ پرگنات ریاست کے قبضہ میں آئے ،،
۵	مختارالدولہ محمود خاں بہادر ثابت جنگ	سنہ ۱۲۵۲ھ ۱۸۳۵ء	یک سال	لوہاری جلال آباد کے نجیب الطرفین افغان تھے ان کے کارنامے مشہور ہیں ، ابتداءً مختارالدولہ محمد شاہ خاں کی نیابت میں فوجی افسر رہے ، اس کے بعد سنہ ۱۲۵۱ھ میں جنرل افواج ہوئے ، مختارالدولہ ثابت جنگ کا خطاب ملا سنہ ۱۲۵۹ھ میں بمقام ٹونک انتقال کیا ، ان کے تعویذ قبر پر یہ شعر کندہ ہے

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	زمانہ ملازمت	مختصر کیفیات
				وفاتِ خان والاشان محمود ؛ ہزار و دو صد و پنجاہ و نہ بود انکا جدی وطن خیبر ملک افغانستان ہے ، انکے والد احمد خان پٹیالہ میں غارتگروں کے ہاتھ سے شہید ہوئے اسوقت مختار الدولہ کی عمر ۱۴ سال کی تھی ؛ تلاش روزگار میں نکلکر امیری فوج میں داخل ہوئے ، مختار الدولہ محمد شاہ خاں نے سرپرستی کی ، ۱۲۳۳ھ میں نواب محمد شاہ خاں کا انتقال اجمیر میں ہوا ، وہیں قبر ہے ، اپنے محسن کی یادگار میں انہوں نے اپنے ذاتی مصارف سے مزار جسکا سنہ تعمیر ۱۲۳۹ھ ہے جسکے اشعار یہ ہیں بنا کردہ محمود عالی نگاہ مزار محمد شہ دین پناہ ز تاریخ تعمیر گوید لطیف زہے مقبرہ مسجد و خانقاہ افتخار التواریخ صفحہ ۳۲۷
۶	نواب ہمت خاں بہادر	۱۲۵۳ھ ۱۸۳۶ء لغایت ۱۲۵۷ھ ۱۸۴۰ء	۵ سال	ان کا مولد و مسکن موضع کوٹرہ پرگنہ پڑاوہ علاقہ ٹونک ہے ، نواب امیر الدولہ بہادر نے ان کو اپنا اضافی فرزند بنایا تھا انکے پوتے صاحبزادہ گوہر علیخاں مواضعات ، ہمت گڈھ ، اوساڑا ، بوبندکے معزز جاگیردار ہیں ۔
۷	صاحبزادہ نادر شاہ	۱۲۵۸ھ ۱۸۴۱ء لغایت	۴ سال	گلشن بیگم صاحبہ دختر نواب امیر الدولہ بہادر ان کو منسوب

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	[illegible]	مختصر کیفیات
		سنہ ١٨٤٤ء ١٢٦١ھ		تھیں ، اُن کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی دوسری زوجہ سے حیدر شاہ خاں ہوئے جنکے بیٹے حضرت شاہ خاں سرونج میں بقید حیات ہیں ، نادر شاہ خاں کا انتقال سنہ ١٢٧٩ھ میں ہوا
٨	سید عبد العلیم مرحوم	سنہ ١٨٤٥ء ١٢٦٢ھ لغایت سنہ ١٨٤٦ء ١٢٦٣ھ	٢ سال	قصبہ سہسوان ضلع بدایوں کے رہنے والے تھے ،
٩	مولوی خیر الدین مرحوم	سنہ ١٨٤٧ء ١٢٦٤ھ لغایت سنہ ١٨٥٠ء ١٢٦٧ھ	٤ سال	قصبہ شیرکوٹ ضلع بجنور، یوپی کے رہنے والے ، تبحر عالم مقرر ، شجاع ، اور حضرت امیر المومنین مولانا سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا اور معتمدین جنرلوں میں سے تھے آپ کے مختصر کارنامے باب پنجم عہد وزیری کے متفرق ، واقعات کے سلسلہ میں گذر چکے ہیں ، آپ ہی کی شجاعت وتدبر کا نتیجہ تھا کہ اسوقت سرونج عادل خاں ، اور تانتیا ٹوپ کے حملوں سے محفوظ رہا ، حضرت سید صاحب کے جہادی مشغلہ کے سلسلہ میں آپ نے نمایاں خدمات انجام دی ہیں ، مہاراجہ رنجیت سنگھ والی لاہور اور اسکے مشہور فرانسیسی جنرل ونٹورہ صاحب کے دربار میں حضرت سید صاحب کی طرف سے آپ ہی سفارت پر مامور ہوکر گئے تھے ، فضیلت جہاد جس بیباکی کے ساتھ

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	سنہ علیحدگی	مختصر کیفیات
				عالمانہ تقریر کی ہے وہ تاریخ سوانح احمدی میں درج ہے جس نے دونوں کو مرعوب کردیا تھا، ٹونک آنے کے مختصر واقعات یہ ہیں کہ جب ۲۴ ذیقعدہ سنہ ۱۲۴۶ھ کو جنگ بالاکوٹ (پنجاب) میں حضرت سید صاحب کی شہادت یا غیبوبیت کی خبریں مشہور ہوئیں، تو مجاہدین کا لشکر منتشر ہوگیا، جو لوگ غیبوبیت کے قائل تھے وہ دریائے اباسین پر مقیم رہے، اور جو اصحاب درجۂ شہادت کا غالب گمان رکھتے تھے وہ اپنے اپنے وطن کو واپس آئے، نواب وزیرالدولہ بہادر نے اولاد و ناموس حضرت سید صاحب کو طلب کرکے ٹونک میں آباد کیا، اور وظائف و جاگیریں اونکو دیکر معاش کی طرف سے بے فکر کردیا، سنہ ۱۲۵۲ھ میں نواب وزیرالدولہ بہادر نے مولوی خیرالدین، شیخ ولی محمد، شیخ حافظ حاجی وجیہ الدین رحمۃ اللہ علیہم کو نہایت اخلاص مندانہ خط لکھکر ٹونک بلوایا، اور حسب مراتب تعظیم و تکریم کی، مولوی خیرالدین صاحب مرحوم نے چند سال ٹونک میں قیام کرکے اعلےٰ خدمات انجام دیں سنہ ۱۲۶۴ھ میں سرونج کی نظامت پر مامور رہوئے، حافظ شیخ وجیہ الدین صاحب مرحوم سرکاری

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	تنخواہ	مختصر کیفیات
				خزانہ اور دیگر کارخانجات کے افسر مقرر ہوئے، مولوی خیر الدین صاحب مرحوم کے بیٹے مولانا مولوی نور الحق صاحب حسنا خستہ مشہور عالم و فقیہ گذرے ہیں، جنکے بیٹے منشی بہاؤ الدین صاحب موجودہ زمانہ میں ٹپرانور ریاست ٹونک کے پرگنہ میں مجسٹریٹ ہیں، حافظ وجیہ الدین صاحب مرحوم کے بیٹے داروغہ حافظ محمد یعقوب صاحب مرحوم عہد نواب امین الدولہ بہادر میں معتمد و مخصوص شخصیت کے انسان تھے، فارسی کے منتہی اور مورخ و ادیب بھی تھے، مولف سے تاریخ و شعر و سخن پر اکثر گفتگو رہی ہے، ان[1] کے بیٹے مسٹر محمد یوسف صاحب بی اے، نوجوان، صالح، اور سرکار سعید الدولہ بہادر کے معتمدین خاص سے ہیں، مہتمم خاص سرکاری ان کا عہدہ ہے وفاداری اور حسن خدمات کے صلہ میں نواب سعید الدولہ بہادر کی طرف سے، معتمد الملک، منتظم الریاست، سعید جنگ کے خطاب سے مخاطب ہیں، شیخ ولی محمد صاحب مرحوم مرتاض ہستی کے انسان تھے ان کی اولاد میں حکیم ظہیر الدین احمد صاحب طبیب خاص بقید حیات ہیں، جس خط کے ذریعہ سے یہ تینوں حضرات

[1] یہاں سے حالات خاندانیہ تک ۱۹۳۶ء میں اضافہ کیے گئے ہیں ۱۲ مولف

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	[illegible]	مختصر کیفیات
				ٹونک آئے، اُس کی نقل بجنسہٖ ذیل میں درج کیجاتی ہے اور اصل خط خاندان شیخ وجیہ الدین صاحب مرحوم میں محفوظ ہے، بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ بخدمت اصحاب امام زماں وارباب صدق وایقاں، ساعدان معارج حزب اللہ وساعدان سراج انصاری الی اللہ، رہ نوردان صراط مستقیم حضرت رؤف رحیم، وتاجران مایہ تجارت، تنجیکم من عذاب الیم، شیخ ولی محمد صاحب پھلتی امام قافلہ مجاہدان وشیخ حافظ حاجی وجیہ الدین صاحب پانپتی سالار غازیاں ومولوی خیر الدین صاحب شیر کوٹی پیشوائے موحدان، سلمہم اللہ تعالےٰ، از در ماندۂ نفس شیطاں ونادم از ناخدمتی حق کیشان محمد وزیر خاں المخاطب بوزیر الدولہ والی ٹونک بر برادران کرم ومعظم کہ این تعلق ناشی (از خواجہ تاشی) حضرت امام زمان ست، بعد از مراسم دعاگوئے اسلامی کہ عبارت از افشائے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٖ باشد مدعائے دعوت برادران دینی وآئینی را زبانی خامۂ ادب طراز بامید منظوری بعرض میرسانم کہ از بدو ابتدائے شعور وفور اشتیاق جہد وسعی باعلائے کلمۃ اللہ درون این دل گرفتہ ودیعت نہادہ اند، از اینجا است کہ ہنگام رونق

مختصر کیفیات	[illegible]	سنہ تقرر	نام	نمبر شمار
افروزی امامِ زماں حضرت سید احمد صاحب بہ ٹونک درحیاتِ جناب والد بزرگوار مرحوم بشوقِ ذاتی خود دستِ بیعت بذیلِ آن پاک داماں زدم ، چوں بسن شعور رسیدم ، بوجہ انقیاد و اطاعت پدر مہرباں بحضور امام زمان ، نتوانم رسید ، اکنوں دردآں حرمان لاعلاج است کہ خلوتِ ذاتِ مقدسِ آنحضرت از جلوتِ زیں عالم بالا تم جاگزید ، مگر بہ توجہ شما برادرانِ طریقت امید دارم کہ طریقِ محبت و مودت را بقدوم امتنان و احسان پیموده ایں سنگلاخ ویران را بشادابی گلزار جناں رسانند تا از حصول سعادت حضوری دوائے دردِ دوری جویم اگر از خدمت امامِ زماں بے نصیب ماندم ، از زیارتِ جانشینان آں سرکار عالی سعادت دارین اندوزم ؛ یقین کہ باتباع سنتِ سَنَیّہ و شریعت مرضیہ دعوتم را (درویش) رد نخواہند فرمود و بعد از رسید تحریر سعید زود ہر قدر کہ باشد (قاصد) دریں سرزمین تشریف آوردہ ما از کلفت سفر خواہند آسود ، بست و یکم صفر المظفر سنہ ۱۲۵۲ھ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دستخط محمد وزیر ، (نواب وزیر الدولہ بہادر)				

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	مدت کار	مختصر کیفیات
+	مولوی خیرالدین مرحوم	سنہ ۱۸۵۱ء ۱۲۶۸ھ	۶ ماہ ۲۰ یوم	بشرح صدر
۱۰	رسالہ دار غلام حیدر خاں مرحوم	ایضاً	۵ ماہ ۱۰ یوم	بندیل کھنڈ کے اضلاع کے رہنے والے اور فن سپاہ گری میں کامل تھے۔ ان کی اولاد سرونج میں جاگیر دار ہیں (دیکھو سلسلہ خاندان جدید ۹)
۱۱	رسالہ دار محمد دستگیر خاں مرحوم	سنہ ۱۸۵۲ء ۱۲۶۹ھ	یک سال	رسالہ دار غلام حیدر خاں کے بیٹے تھے، ان کی اولاد سرونج کے دیہات سنوٹی، اوسیا، مسوری، احمد پور کے جاگیرداروں میں سے آج بھی موجود ہے۔
دوبارہ	مولوی خیرالدین مرحوم	سنہ ۱۸۵۳ء ۱۲۷۰ھ	۱ سال	بشرح صدر ۹
+	مولوی خیرالدین	سنہ ۱۸۵۴ء ۱۲۷۰ھ	۷ ماہ ۲۴ یوم	//
۱۲	سید عبدالرحمٰن مرحوم المخاطب بہ قطب الامرا مظفر جنگ بہادر	ایضاً	۴ ماہ ۶ یوم	مولوی سید عبدالسبحان مرحوم قطبی کے بیٹے اور بخشی سید نورالہدیٰ بہادر ہیبت جنگ کے چچا تھے، ابتدا میں خیرپور سندھ کا سفر اختیار کیا، اور وہاں پہنچکر میر نواب مراد علی خاں بہادر کے ندیم خاص مقرر ہوئے، اس کے بعد بذریعہ خط مورخہ یکم صفر سنہ ۱۲۵۲ھ نواب وزیرالدولہ بہادر

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	علیحدگی	مختصر کیفیات
				نے انکو بلوایا، پہلے ریاست کے اہلکارانِ علیٰ (مشیر اعظم) مقرر ہوئے، اس کے بعد عارضی طور پر انتظامی سلسلہ میں سرونج کی حکومت پر بھی مامور رہے، چھوٹے میاں عرفیت تھی، محلہ قافلہ میں (چھوٹے میاں کے نگیہ سے انکی حویلی یادگار باقی ہے) نرینہ اولاد کا سلسلہ منقطع ہو گیا، نواب وزیر الدولہ بہادر نے آپ کی طلبی میں جو خط بھیجا تھا اُسکی نقل ذیل میں درج کیجاتی ہے، اس کے مضمون سے اُس کمال حسن عقیدت وارادات کا اظہار ہوتا ہے جو حضرت پیر و مرشد سید احمد صاحب شہید بریلوی کی اولاد و خاندان سے نواب وزیر الدولہ بہادر کو تھی اسی عقیدت کا سبب تھا کہ حضرت سید صاحب کی شہادت کے بعد اُنکے ازواج واحفاد اور عام رفیقان وخادمان صداقت کیشان کو بلوا کر ٹونک میں آباد کیا، اور محلہ کا نام قافلہ رکھا جاگیریں دیں اور نقد وظائف مقرر کئے، سید صاحب کی دختری اولاد سے میاں سید اسمٰعیل وغیرہ اسوقت بقید حیات ہیں پرتو نیر امامت، فروغ مشکوٰۃ ہدایت، اعتضاد دین الٰہی، و اعتماد اسلام پناہی مرشد زادۂ صاحب ارشاد و ایقان، سید عبد الرحمن صاحب

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	سنہ ختم	مختصر کیفیات
				حفظکم اللہ تعالےٰ من جمیع الآفات والفتن - بعد ازادائے مراسم سلام مسنون الاسلام کہ ادعیۂ عام خیرالانام است ، ایں نیازمند آن خاندان کہ برگزیدۂ دودمان مرتضوی ، و منتخبۂ سلالۂ مصطفوی نسبت مدعائے خویش را باظہار خادمیت مخدوم غائبا واستبشارِ حصول رغائب ، بہ بارگاہ آں مسند نشین ورع واتقار ، وزینت چار بالش رفاضت واجتبا میرساند کہ از زمانۂ ورود مسعود حضرت مقبول بارگاہ خداوندی کہ اکنوں جمالِ جان نوازش از چشمِ مشتاقان دیدہ سیاہ کردہ چشم روشنی دیدار در استتار است ، ایں ہمہ ہیچ بحصولِ نعمت بیعت امام زمانہ ہمگی رسیدہ بود تا ایں گاہ کہ پردگیان قضا و قدر سیر اوقات نہانی را بر عیانیش افگندہ اند ، ازروئے حصول مامول کہ قدم بوس آن پیشوائے شرعِ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بود درخفا است ، چوں کہ بہ نویدِ عزم ایں صوب تشریفِ بہجت و ابہتِ بمن بخشند ، تا کہ گلشن آرزوہائے دیرینۂ خویشتن را برسیدن نوئے بہار مبارکباد گویم ، و بہ اطاعتِ

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	مدت خدمت	مختصر کیفیات
				طاعتِ الٰہی کہ ہر یکے ازاں گروہ پر شکوہ بہ ایں حلیہ گراں بہا محلّے وہم ازیں جواہر برترین اوج مجلّے است ، ہر قدم کہ توانم بجہد وکوشش آباد خوانم ، عرضداشت متوسلِ دیرینہ راہنمائے تقویم پارینہ بشمردہ تحریک شوق استقبال راکہ خامہ وخامہ ازاں بیگانہ بہتر است ، سگالیدہ راہِ نورد ایں دیار شوند ، والسلام علیکم وعلیٰ من لدیکم عاقبت بخیر باد معروضہ بست ویکم از صفر المظفر سنہ ۱۲۵۲ھ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (محمد وزیر) دستخط نواب وزیر الدولہ
	سید عبد الرحمن خان بہادر قطب الامرا مظفر جنگ	سنہ ۱۸۵۵ء ۱۲۷۲ھ	۱ سال	بشرح صدر
	سید عبد الرحمن خان موصوف	سنہ ۱۸۵۶ء ۱۲۷۳ھ	۹ ماہ ۳ یوم	"
سہ بارہ	مولوی خیر الدین مرحوم	ایضاً	۲ ماہ ۲۷ یوم	شرح ملـ ۹

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	[illegible]	مختصر کیفیات
۱۲	مولوی خیرالدین مرحوم	سنہ ۱۸۵۷ء / ۱۲۷۴ھ	۱۰ ماہ ۲۱ یوم	بشرح ۹
۱۳	فیض احمد خاں مرحوم	ایضاً	۱ ماہ ۹ یوم	شاہجہاں پور کے رہنے والے تھے۔ انکے دو فرزند ممتاز احمد خاں، رؤف احمد خاں ہوئے، رؤف احمد خاں پیشکار مال رہے تینوں باپ بیٹوں کا سرونج ہی میں انتقال ہوا جنکے مزارات بیرونِ حمامی دروازہ قادر شاہ کے تکیہ میں ہیں ،،
+	فیض احمد خاں مرحوم	سنہ ۱۸۵۸ء / ۱۲۷۵ھ	۹ ماہ ۲۶ یوم	بشرح ۱۳
	و			
چوتھی بار	مولوی خیرالدین مرحوم	″	۲ ماہ ۳ یوم	بشرح ۹
+	مولوی خیرالدین مرحوم	سنہ ۱۸۵۹ء / ۱۲۷۶ھ	۱ سال	″
+	مولوی خیرالدین مرحوم	سنہ ۱۸۶۰ء / ۱۲۷۷ھ	۲ ماہ ۱۵ یوم	″
	و			
دوبارہ	فیض احمد خاں مرحوم	″	۹ ماہ ۱۵ یوم	بشرح ۱۳
+	فیض احمد خاں	سنہ ۱۸۶۱ء لغایت سنہ ۱۸۶۳ء / ۱۲۸۰ھ		شرح ۱۳

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	مدت ملازمت	مختصر کیفیات
+	فیض احمد خاں و	سنہ ۱۸۶۴ء ۱۲۸۱ھ	۴ ماہ ۲۴ یوم	شرح ۱۳
۱۴	صاحبزادہ قطب الدین خاں و	″	۴ ماہ ۱۲ یوم	نبیرۂ مولوی غلام جیلانی خاں بہادر رامپوری انکی اولاد
۱۵	کپتان سعادت علیخاں	″	۲ ماہ ۲۴ یوم	پامان کھٹری علاقہ سرونج کی جاگیر دار ہے ،
+	کپتان سعادت علیخاں	سنہ ۱۸۶۵ء ۱۲۸۲ھ	۱ سال	مختار الدولہ محمود خاں بہادر کے پوتے محمد علیخاں کے بیٹے تھے اُنکے دو بیٹے امجد علیخاں و عبد العلی خاں ہوئے۔ امجد علیخاں زندہ اور ریاست کے وظیفہ خوار ہیں ،،
+	کپتان سعادت علیخاں	سنہ ۱۸۶۶ء ۱۲۸۳ھ	۳ ماہ ۲۶ یوم	لوہاری کے نجیب الطرفین افغان اور صاحب جائداد تھے
۱۶	فیض اللّٰہ خاں و	....	۵ ماہ ۲۹ یوم	مدتوں رسالہ دار بھی رہے ، انکے دو بیٹے ، عنایت اللّٰہ خاں عطا اللّٰہ خاں ہوئے ، عطا اللّٰہ خاں جودھپور کے علاقہ ڈیڈوان میں عرصہ تک حاکم رہے ، عنایت اللّٰہ خانصاحب کا سنہ ۱۹۲۵ء میں انتقال ہوا ، انکے دو بیٹے محمد علی خاں و اسد اللّٰہ خاں یادگار ہیں ، عطا اللّٰہ خاں مرحوم کی اولاد جودھپور میں وثیقہ دار ہے ،
دوبارہ	محمد دستگیر خاں رسالدار		۲ ماہ ۵ یوم	بشرح ۱۱
+	رسالدار محمد دستگیر خاں		۷ ماہ ۱۳ یوم	بشرح ۱۱
۱۷	حکیم شیخ احمد مرحوم	سنہ ۱۸۶۷ء ۱۲۸۴ھ	۴ ماہ ۱۶ یوم	قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے ، ناظمان سابق میں مدبر اور ذی علم تسلیم کیے گئے ہیں انکے بڑے بھائی مولوی شیخ محمد صاحب مشہور علامہ گذرے ہیں ،،

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	مدت	مختصر کیفیات
۱۸ ۱۹ ۲۰	۱ شیخ تہور حسین مرحوم ۲ مرزا حسین بیگ مرحوم ۳ سید محمد سعید مرحوم	سنہ ۱۸۶۸ء ۱۲۸۵ھ	۱ ماہ ۲۷ یوم ۴ ماہ ۱۴ یوم ۶ ماہ ۲ یوم	بدایوں کے رہنے والے تھے۔ مرزا حسین بیگ ایرانی تھے اسید احمد شہید بریلوی کے ساتھ جہاد کیا، عہد وزیری میں ٹونک اور وہاں سے سرونج آئے بذریعہ مستاجری دیہات گذارتے رہے مہتمم غلہ بھی رہے انچارج ناظم بھی ہوئے ایک کان لڑائی میں کٹ گیا تھا اسلئے مرزا کنکٹ مشہور تھے انکی حویلی مولوی سخاوت علی صاحب وکیل مرحوم کے پاس بیعنامہ کے ذریعہ سے منتقل ہوچکی ہے۔
+	سید محمد سعید مرحوم	سنہ ۱۸۶۹ء ۱۲۸۶ھ	۱ سال	
+ دوبارہ	سید محمد سعید مرحوم حکیم شیخ احمد مرحوم مندرجہ ۱۷	سنہ ۱۸۷۰ء ۱۲۸۷ھ	۶ ماہ ۲۹ یوم ۵ ماہ ۱۰ یوم	سادات قذا میں سے تھے بعہد نظامت انکی ایک زوجہ کا یہیں انتقال ہوا جنکے تعویذ قبر پر ۱۲۵۶ھ کندہ ہے جسکا شعر یہ ہے روشن جہاں چو زینت خلد بریں فزود سال ہزار و دوصد و پنجاہ و شش بود
+	حکیم شیخ احمد مرحوم مندرجہ ۱۷	سنہ ۱۸۷۱ء ۱۲۸۸ھ لغایت سنہ ۱۸۷۳ء ۱۲۹۲ھ	۵ سال	بشرح مندرجہ ۱۷
+ دوبارہ	حکیم شیخ احمد مرحوم کپتان سعادت علی خاں مرحوم	سنہ ۱۸۷۵ء ۱۲۹۳ھ	۹ ماہ ۲۷ یوم ۲ ماہ ۳ یوم	" بشرح ۱۵

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	[illegible]	مختصر کیفیات
+	کپتان سعادت علیخاں مرحوم	سنہ ۱۸۷۵ء لغایت سنہ ۱۸۷۷ء ۱۲۹۴ھ	۲ دوسال	بشرح ۱۵
۲۱	کپتان سعادت علیخاں مرحوم و مولوی خادم حسین خاں مرحوم	سنہ ۱۸۷۸ء ۱۲۹۶ھ	۳ ماہ ۲۰ یوم ..... ۸ ماہ ۹ یوم	"
+ سہ بار	مولوی خادم حسین خاں مرحوم و حکیم شیخ احمد مرحوم مندرجہ ۱۷	سنہ ۱۸۷۹ء ۱۲۹۷ھ	۱۰ ماہ ۱۱ یوم ..... ۱ ماہ ۱۹ یوم	مولوی خادم حسین خاں گوپامئو ضلع ہردوئی کے باشندے تھے، ریاست میں بڑی عزت تھی، ان کے پسر مولوی سخاوت حسین خانصاحب سابق وکیل دربار ٹونک حیات، اور سرونج میں مقیم ہیں، جنکو ریاست کی طرف سے اراضی معافی ملی ہوئی ہے، ان کا مزار سرونج میں رب تالاب چار دیواری کے اندر ہے،
+	حکیم شیخ احمد مرحوم ۱۷	سنہ ۱۸۸۰ء لغایت سنہ ۱۸۸۱ء ۱۲۹۹ھ	۲ سال	
+	حکیم شیخ احمد مرحوم	سنہ ۱۸۸۲ء ۱۳۰۰ھ	۷ ماہ ۶ یوم	بشرح ۱۷
سہ بارہ	و کپتان سعادت علیخاں مرحوم		۴ ماہ ۲۴ یوم	بشرح ۱۵

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	مدت نظامت	مختصر کیفیات
چوتھی بار	حکیم شیخ احمد مرحوم مندرجہ ۱۷	سنہ ۱۸۹۳ء ۱۳۰۱ھ	۱ سال	
+ ۲۲	حکیم شیخ احمد مرحوم و صاحبزادہ نظام علی خاں مرحوم	سنہ ۱۸۸۴ء ۱۳۰۲ھ	۵ ماہ ۲۴ یوم ۶ ماہ ۶ یوم	بشرح ۱۷ ریاست کے خاندان میں ان کا شمار تھا،
×	صاحبزادہ نظام علیخاں مرحوم	سنہ ۱۸۸۵ء ۱۳۰۳ھ	۱ سال	صاحبزادہ محمد قاسم علیخاں صاحب قلعہ دار کے بیٹے تھے جنکو رحمت بیگم صاحبہ دختر نواب امیر الدولہ بہادر منسوب تھیں،
۲۳	صاحبزادہ نظام علیخاں منشی لالہ چُنّی لعل جی	سنہ ۱۸۸۶ء ۱۳۰۴ھ	۱۰ ماہ ۸ یوم ۱ ماہ ۲ یوم	قصبہ کندرکی ضلع مراد آباد کے رہنے والے تھے ادنی درجہ سے ترقی کرتے ہوئے ناظم سرونج اور اس کے بعد اسسٹنٹ مال، ازاں بعد اسسٹنٹ مہتمم بندوبست رہے، اختتام بندوبست کے بعد پھر اسسٹنٹ مال ہوئے اسکے بعد پنشن حاصل کی پھر بھی ریاست نے سرحدی معاملات میں انکو معتمد رکھا سنہ ۱۹۱۵ء میں وفات پائی، خیرخواہ نیکنام حاکم رہے، لالہ مدن گوپال اسسٹنٹ مال اور لالہ رام لال نائب ناظم انہی کے صاحبزادے ہیں
	منشی لالہ چُنّی لعل جی	سنہ ۱۸۸۷ء ۱۳۰۵ھ	۱ سال	

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	مدت قیام	مختصر کیفیات
۲۳	منشی لالہ چُنی لال جی	سنہ ۱۸۸۸ء	ایکسال پہلے بعد دیگرے	بشرح ۲۳
۲۴	سید حیدر علی مرحوم قائم مقام	سنہ ۱۸۸۸ء ۱۳۰۹ھ		سید احمد علی صاحب موجودہ ناظم کے چچا تھے اصلی وطن قصبہ جایس تھا، ضلع رائے بریلی اودھ
۲۵	مرزا اکبر علی خاں مرحوم	سنہ ۱۳۰۶ھ یکم مئی سنہ ۱۸۸۸ء		مرزا اکبر علی خاں دہلی کے رہنے والے تھے پہلے ناظم سائرات ہوئے پھر سرونج کی نظامت پر مامور ہوئے انہیں کے عہد میں عامل کے بجائے ناظم پرگنہ کا لفظی لقب تبدیل ہوا، خانصاحب مرزا محمد علیخاں سابق ممبر کونسل ریاست کے بڑے بھائی تھے
x	مرزا اکبر علیخاں مرحوم	سنہ ۱۸۸۹ء ۱۳۰۶ھ لغایت جون سنہ ۱۸۹۲ء ۱۳۰۹ھ	۴ سال	بشرح صدر
x	مرزا اکبر علی خاں و	سنہ ۱۸۹۳ء ۱۳۰۹ھ	۴ سال ۵ ماہ	بشرح صدر
۲۶	صاحبزادہ احمد یار خاں جنرل افواج قائم مقام		۱ سال ۳ ماہ	
۲۷	صاحبزادہ عبدالرحیم خانصاحب افضل الامرا منتظم الملک بہادر مظفر جنگ	ستمبر سنہ ۱۸۹۳ء	۳ سال ۴ ماہ	شمس الامرا عمدة الملک بہادر فتح جنگ المتوفی سنہ ۱۳۱۹ھ مرحوم کو فیض بیگم صاحبہ دختر نواب امیر الدولہ بہادر منسوب تھیں، دوسری زوجہ سے مرحوم کے فرزند صاحبزادہ حافظ عبدالرحمن خانصاحب بقید حیات ہیں ،،
	افضل الامرا منتظم الملک صاحبزادہ عبدالرحیم خاں بہادر مظفر جنگ	سنہ ۱۸۹۴ء ۱۳۱۰ھ	۱ سال	مرحوم موجودہ فرمانروائے ریاست ٹونک کے منجھلے بھائی تھے عدالت فوجداری صدر کی نظامت سے تبدیل ہوکر سرونج آئے اسکے بعد ہوم ممبر کونسل رہ کر سنہ ۱۳۳۹ھ میں

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	مدت ملازمت	مختصر کیفیات
				انتقال کیا نہایت حلیم، خیر منتظم، اشرف پرور سردار تھے،
۲۸	کپتان سید محمد خاں بہادر ظفر جنگ معتمد الملک معتمد خاص	سنہ ۱۸۹۵ء ۱۳۱۱ھ لغایت سنہ ۱۸۹۷ء ۱۳۱۴ھ	۳ سال	بخشی سید نور الہدے خاں بہادر ہیبت جنگ کے منجھلے بیٹے تھے اوّل نائب بخشی الملک رہے سنہ ۱۸۹۵ء میں سرونج کے ناظم ہوئے یہاں سے مئی سنہ ۱۸۹۸ء پڑاوہ کی نظامت اور وہاں سے ٹونک کی نظامت اور وہاں سے نیماہیڑہ پر تبدیل ہوکر اسی پرگنہ میں سنہ ۱۳۲۵ھ میں بمرض طاعون وفات پائی نیماہیڑہ میں مرحوم کی قبر ہے منتظم اور خیر خواہ ریاست مشہور تھے
×	ایضاً	سنہ ۱۸۹۸ء ۱۳۱۵ھ	۵ ماہ	بشرح صدر
۲۹	ممتاز الامرا معظم الملک صاحبزادہ محمد صدیق خاں بہادر دلیر جنگ	مئی سنہ ۱۸۹۸ء سنہ ۱۳۱۶ھ	۷ ماہ	موجودہ فرمانروائے ریاست ٹونک کے علاتی برادر نہایت درجہ مدبر و ذی ہوش سردار تھے نظامت ٹونک سے تبدیل ہوکر یہاں آئے سنہ ۱۹۰۳ء میں ہوم ممبر ہوئے سنہ ۱۹۱۲ء میں انتقال ہوا،
+	ایضاً	سنہ ۱۸۹۹ء ۱۳۱۶ھ لغایت سنہ ۱۹۰۲ء ۱۳۱۹ھ	۳ سال	بشرح صدر
+	ایضاً	سنہ ۱۹۰۳ء ۱۳۲۰ھ	۸ ماہ ۲۰ یوم	بشرح صدر

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	مدت حکومت	مختصر کیفیات
۳۰	مولوی عبد القوی قائم مقام ناظم	سنہ ۱۹۰۳ء ۱۳۲۰ھ	۳ ماہ ۱۰ یوم	بدایوں کے رہنے والے تھے، ابتدا میں بندوبست کے امین ہوئے، بعد ختم بندوبست گرداور مال اُسکے بعد تحصیلدار، پھر نائب ناظم مستقل ہوئے سنہ ۱۹۰۶ء میں انتقال ہوا،
×	مولوی عبد القوی قائمقام	سنہ ۱۹۰۴ء ۱۳۲۱ھ	۴ ماہ ۱۳ یوم	بشرح صدر
	و			
۳۱	بدالامرا ضیار الملک صاحبزادہ شبیر علیخاں بہادر سرور جنگ		۷ ماہ ۱۷ یوم	ابن صاحبزادہ عبدالرحیم خاں بن صاحبزادہ محمد جلال خاں بن نواب امیر الدولہ بہادر بانی ریاست، نہایت شاندار، وجیہ، خوش اخلاق، مہذب اور بیدار مغز سردار تھے، ابتداً علیگڈھ کے ناظم ہوئے وہاں سے تبدیل ہوکر چھبڑہ اور چھبڑہ سے سرونج آئے سنہ ۱۹۰۸ء میں نیماہیڑہ کی نظامت پر تبدیل ہوکر وہاں سے مجسٹریٹ اول صدر ٹونک کے ہوئے، جہاں سنہ ۱۹۲۴ء میں انتقال کیا،،
+	بشرح صدر	سنہ ۱۹۰۵ء ۱۳۲۲ھ لغایت سنہ ۱۹۰۸ء ۱۳۲۶ھ	۴ سال	بشرح صدر
+	بشرح صدر	سنہ ۱۹۰۹ء ۱۳۲۷ھ	۲ ماہ ۱۳ یوم	بشرح صدر

مختصر کیفیات	مدت	سنہ تقرر	نام	نمبر شمار
پنجاب کے رہنے والے اور نقیر سید افتخار الدین مرحوم سابق ریونیو ممبر ٹونک کے آوردہ تھے ،،	۷ ماہ ۲ یوم		سید اقبال علی شاہ	۳۲
ضلع میرٹھ کے باشندہ اور حافظ محمد یعقوب صاحب ضیا داروغہ کے عزیزوں میں تھے، ۱۹۱۵ء میں بمقام سرونج وفات پائی،	۲ ماہ ۱۵ یوم		قاضی نظام الحق	۳۳
بشرح صدر	۵ سال	سنہ ۱۹۱۰ء ۱۳۲۸ھ لغایت سنہ ۱۹۱۴ء ۱۳۳۲ھ	بشرح صدر	x
دیکھو صفحہ آئندہ	۱۰ ماہ	سنہ ۱۹۱۵ء ۱۳۳۳ھ	سید سعید الدین احمد قائمقام	۳۴
قصبہ مہم ضلع رہتک کے رہنے والے تھے ابتدا میں مہتمم سائر رہے، پھر تحصیلدار، اسکے بعد نائب ناظم اور بعدازاں چھبڑہ کوگوربڑاوہ و ٹونک کے ناظم رہے، تقریبًا سنہ ۱۸۲ء میں بمقام قصبہ مہم اپنے وطن میں انتقال کیا	۲ ماہ	"	شیخ سعید الدین احمد قائمقام	۳۵
ابن کپتان سید نور الدین فصیح الملک ابن سید مسعود الدین مرحوم المتوفی سنہ ۱۲۷۶ھ سید مسعود الدین مرحوم اہلکار اسٹیٹ تھے، لاوہ کی جنگ میں شریک ہوئے فصیح الملک	۷ سال	سنہ ۱۹۱۶ء ۱۳۳۴ھ لغایت سنہ ۱۹۲۲ء ۱۳۴۰ھ	سید سعید الدین احمد مرحوم	x

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	زمانۂ خدمت	مختصر کیفیات
				رسالہ کے کپتان اور سرکاری مشیر سخن تھے، سعید الدین سب سے بڑے فرزند تھے، ابتداءً سرکاری مصاحبت میں رہے ۱۸۹۵ء میں لیٹری پرگنہ سرونج کے تحصیلدار ہوئے، یہاں سے نیماہیڑہ تبدیل ہو کر اسی ضلع میں پولیس سپرنٹنڈنٹ ہوئے، ازاں بعد افسر کارخانہ جات رہے اسکے بعد سنہ ۱۹۱۲ء میں نائب ناظم اور سنہ ۱۹۱۳ء میں چھبڑہ کے ناظم ہو کر سنہ ۱۹۱۶ء میں سرونج تبدیل ہوئے، یہاں سے جنوری سنہ ۱۹۲۴ء میں ٹونک کی نظامت پر تبدیل ہو کر اسی سال ٹونک میں انتقال کیا، خوش تدبیر اور بارعب حاکم تھے،
۳۲	منشی سید محمد اسمٰعیل نگینوی افتخار الانشا و مشیر الملک سابق میر منشی	سنہ ۱۹۲۳ء لغایت سنہ ۱۹۲۴ء ۱۳۴۱ھ	دو سال	سید صاحب مشہور عابد و زاہد و صوفی مولوی سید زین العابدین مرحوم سابق میر منشی دربار کے پوتے اور مولوی فضل حق مرحوم سابق میر منشی کے چھوٹے فرزند ارجمند ہیں انکے پردادا سید نذر علی مرحوم نواب امیر الدولہ بہادر کے ہمراہ قصبہ نگینہ ضلع بجنور سے آئے تھے، وفادار و خیرخواہ ریاست رہے مولوی فضل حق کے وصال کے بعد انکے بڑے بھائی منشی سید محمد ابراہیم میر منشی ہوئے جنہوں نے نہایت قابلیت کے ساتھ سرکاری منشا کے مطابق کام کیا، منشی سید محمد اسمٰعیل صاحب ابتداء میں نائب میر منشی رہے سنہ ۱۹۲۰ء میں پرگنہ چھبڑہ کے

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	[illegible]	مختصر کیفیات
				مجسٹریٹ ومنصف ہوئے ۱۹۲۲ء میں سرونج تبدیل ہوئے اسی سال سرونج کی نائب نظامت پر تبدیل ہوکر مستقل ناظم ہوئے ۔جنوری ۱۹۲۵ء میں میر منشی ہوکر خطاب وجاگیر سے ممتاز ہوئے ،نہایت محتاط دیندار ،صاف گو متقی ہمدرد رعایہ اور خیر خواہ ریاست اہلکار ہیں
۳۷	منشی شیخ غلام محمد بہاءالدین اجمیری	دسمبر ۱۹۲۲ء لغایت ترتیب جدول ہذا ۱۹۲۶ء ۱۳۴۵ھ		شیخ حافظ محمد سلام الدین اجمیری کے بیٹے اور محی الدولہ[له] معین الملک نواب مرزا حاجی محمد خاں بہادر تخت یاور جنگ کے حقیقی نواسہ ہیں (جو بزمانہ غدر ۱۸۵۷ء مشہور ایجنٹ گورنر جنرل لارڈ لارنس کی پیشی میں ایک زوردار اور با اثر میر منشی راجپوتانہ گذرے ہیں) انہوں نے اجمیر میں انگریزی تعلیم حاصل کرکے ۱۸۹۹ء میں الہ آباد یونیورسٹی کا انٹرنس پاس کیا ،ملازمت کے سلسلہ میں ترقی کرتے ہوئے ۱۹۱۳ء میں بعد امتحانات تحصیلداری وغیرہ مستقل نائب تحصیلدار صوبۂ اجمیر کے ہوئے ۔آنریبل نواب گورنر جنرل

له بعد میں نواب حاجی محمد خاں ،خان بہادر مرحوم جودھپور میں مدار المہام ہوگئے تھے ،خطاب مذکور مہاراجہ تخت سنگھ جی کا عطا کیا ہوا ہے جو اس وقت جودھپور کے رئیس تھے ،مرزا محی الدولہ ۱۸۶۷ء میں بمقام پشکر مخالفین کی سازش سے شہید ہوئے ،ان کی کوٹھی جو تاریخی کوٹھی اکسٹرلونی جنرل افواج چھاؤنی نصیر آباد کی تھی ایک مشہور عمارت وسط شہر میں قابل دید ہے ۱۲ مؤلف

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	سنہ علیحدگی	مختصر کیفیات
				بہادر راجپوتانہ کے انتخاب کی روسے سنہ ۱۹۲۳ء میں ٹونک کی نظامت سائرات پر انکی خدمات منتقل ہوئیں عمدہ خدمات کے صلہ میں بہ ترقی تنخواہ وعہدہ دسمبر سنہ ۱۹۲۳ء سے سرونج کی نظامت پر انکا تقرر ہوا، جہاں ابتک مامور ہیں سنہ ۱۹۱۷ء میں بزمانہ نائب تحصیلداری حضور گورنر جنرل بہادر لارڈ چلیمسفورڈ سے بصلہ انتظام کیمپ ایک چودستی گھری والسرائے بہادر صاحب انکو انعام میں ملی اور سنہ ۱۹۲۱ء میں فوجی بھرتی کے صلہ میں دربار اجمیر کے موقع پر تمغہ (رکروٹنگ بیج) گورنمنٹ سے عطا ہوا ،، محتاط، منصف، روشن خیال، قانون دان، خوش اخلاق اور مدبر حاکم ہیں ،،

جدول ۴ - پیشکاران مال ونائب ناظمان سرونج

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	مختصر کیفیات
۱	صاحبزادہ رطب الدین خاں پیشکار مال	سنہ ۱۸۵۷ء لغایت سنہ ۱۸۶۴ء	اسی سال یہ جدید عہدہ بماتحتی عامل سرونج قائم ہوا، موصوف مولوی غلام جیلانی خاں بہادر کے پوتے اور صاحبزادہ غلام حیدر خاں جاگیردار چاٹھولی پرگنہ سرونج کے بھتیجے تھے ، غدر کے زمانہ کی انکی کارگذاریاں مشہور ہیں، انکو پہلے موضع چوکی پرگنہ چھبرہ جاگیر میں ملا پھر سیلپور

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	مختصر کیفیات
			سے تبادلہ ہوا اسکے بعد پاما نکھیڑی ملا جس پران کی اولاد قابض ہے ۱۳ر فروری سنہ ۱۹۰۷ء کو آپ نے انتقال کیا ،،
۲	منشی بشیر الدین	سنہ ۱۸۶۵ء و سنہ ۱۸۶۶ء	پیر امین الدین مرحوم کے بیٹے اور منشی محمد یوسف سابق میر منشی دربار ٹونک کے بھائی تھے ،
۳	شیخ تہور حسین	سنہ ۱۸۶۷ء لغایت سنہ ۱۸۷۰ء	بدایوں کے رہنے والے محمد حسین خاں عامل پرگنہ نیما ہیڑہ کے بہنوئی تھے ،،
۴	سید حیدر علی	سنہ ۱۸۷۱ء لغایت سنہ ۱۸۷۵ء	منشی سید احمد علی صاحب ناظم ٹپراوہ کے چچا تھے، قدیم وطن انکا جائس ضلع رائے بریلی تھا بعد میں سرونج و چھبڑہ کے ناظم بھی رہے ۔
۵	پنڈت جگناتھ پرشاد	سنہ ۱۸۷۶ء ۱۸۷۷ء	کشمیری برہمن تھے ،
۶	رؤف احمد خاں	سنہ ۱۸۷۸ء	شاہجہانپور کے رہنے والے، اور فیض احمد خاں عامل پرگنہ سرونج کے بیٹے تھے ، انکے بیٹے مشتاق احمد خاں ہوئے، جنہوں نے سنہ ۱۹۱۰ء میں بزمانہ سب انسپکٹری سرونج ڈاکوؤں کے ہاتھ سے گولی کھا کر انتقال کیا، فیض احمد خاں اور انکے دونوں بیٹوں رؤف احمد خاں و ممتاز احمد خاں، اور پوتے احمد خاں کی قبریں سرونج ہی میں ہیں ،

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	مختصر کیفیات
دوبارہ	سید حیدر علی	سنہ ۱۸۷۹ء لغایت سنہ ۱۸۸۳ء	بشرح ۴
۷	لالہ ہر سہائے	سنہ ۱۸۸۴ء ۱۸۸۵ء	قصبہ گلاوٹی ضلع بلند شہر کے رہنے والے تھے ،
دوبارہ	پنڈت جگناتھ پرشاد	سنہ ۱۸۹۶ء لغایت سنہ ۱۸۹۹ء	بشرح ۵
۸	شیخ محمد فاروق	سنہ ۱۸۹۰ء لغایت سنہ ۱۸۹۷ء	قصبہ جائس ضلع رائے بریلی کے رہنے والے تھے ، ملک محمد جائسی کی اولاد سے تھے ، بعد میں چھبڑہ اینا ہیڑہ کے ناظم بھی رہے سنہ ۱۹۱۸ء مقام جائس وفات پائی ، بندوبست کے کارکردہ تھے ، ٹونک میں جب پہلا بندوبست ہوا ہے ، اوسمیں صدر منصرم رہ چکے تھے ، اسی سلسلہ سے انکو ریاست میں مستقل جگہ ملی
۹	شیخ امجد علی مرحوم	سنہ ۱۸۹۹ء	سندیگی ہماں کی اینٹی ضلع لکھنؤ کے باشندہ اور بندوبست کے کارکردہ تھے ، بعد میں ٹونک کے ناظم ہوئے ، اور وہیں انتقال کیا ،
۱۰	حاجی منشی فیض احمد	سنہ ۱۸۹۹ء لغایت سنہ ۱۹۰۲ء	شیخ نصیر الدین مرحوم سابق کوتوال ٹونک کے بھتیجے ہیں اس عہدہ سے ترقی پاکر اسسٹنٹ ، ال عرصہ تک رہے اب اسسٹنٹ ممبری فنانشل کے عہدہ پر مامور ہیں ، معاملہ فہمی و حساب دانی انکا خاص حصہ ہے ، انگریزی میں بھی اچھی قابلیت ہے ، ریاست کے

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	مختصر کیفیات
			انشا پرداز اہلکاروں میں ممتاز ترین اہل قلم ہیں ۔
۱۱	مولوی عبدالقوی	۱۹۰۳ء	بدایوں کے رہنے والے تھے، بندوبست ٹونک کی کارگزاری کے صلہ میں گرداور مال ہوکر تحصیلدار پھر پیشکار مال ہوئے قائمقام ناظم بھی رہے ،
۱۲	شیخ سعیدالدین	۱۹۰۴ء	قصبہ مہم ضلع رہتک کے رہنے والے تھے بعد میں ترقی کرتے ہوئے ناظم بھی ہوئے ،
۱۳	میر مجاہد حسین نائب ناظم	۱۹۰۵ء لغایت ۱۹۰۸ء	اس سال پیشکار مال کے بجائے نائب ناظم کا لقب ہوا قصبہ امروہہ ضلع مرادآباد کے رہنے والے تھے پڑاوہ میں وفات پائی مسٹر حامد حسین بی اے، ایل ایل بی انکے فرزند ہیں اور دوسرے صاحبزادہ مسٹر اختر حسین ملازم کونسل ہیں ،
۱۴	مولوی سید علی اصغر صاحب موجودہ ناظم نیماہیڑہ	۱۹۰۶ء	۱۹۰۶ء میں نیماہیڑہ سے تبدیل ہوکر آئے، ذی علم، ادیب، مدبر اور مقرر ہونیکے علاوہ صاحب تصانیف بھی ہیں، امیرالانشاء، دبیرالملک، مصاحب خاص سرکار عالی کیطرف سے آپ کو خطابات ہیں تقریباً ۲ ماہ سرونج میں نائب ناظم رہے تھے ۔
۱۵	لالہ بھگوتی سہائے	۱۹۰۹ء	

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	مختصر کیفیات
۱۶	مولوی اصلح الدین	سنہ ۱۹۰۹ء	قصبہ ڈبائی ضلع بلند شہر کے رہنے والے تھے بعد میں ناظم بھی ہوئے لیکن چھپرہ اور علیگڑھ میں رہے متقی اور دیانت دار تھے ،
× دوبارہ ۱۷	مولوی اصلح الدین میر مجاہد حسین سید سعید الدین احمد	سنہ ۱۹۱۰ء لغایت سنہ ۱۹۱۵ء	بشرح صدر بشرح مندرجہ ۱۳ ابن فصیح الملک کپتان سید نور الدین احمد مرحوم ٹونکی
۱۸	محمد شریف اللہ خاں		رامپور کے رہنے والے میاں کمال شاہ کے داماد تھے پہلے گرداور مال تھے ، پھر تحصیلدار ، پھر نائب ناظم پرگنات میں عرصہ تک رہے آخر میں موقوف ہوکر رامپور چلے گئے ،
×	محمد شریف اللہ خاں	سنہ ۱۹۱۶ء لغایت سنہ ۱۹۲۱ء	بشرح صدر
۱۹	منشی سید محمد اسمعیل موجودہ میر منشی	سنہ ۱۹۲۲ء	انکا تذکرہ نظامت کی جدول میں کیا جاچکا ہے ، ،
۲۰	مولوی سید محمد باقر نگینوی	سنہ ۱۹۲۳ء	مولوی عبد الرحمن مرحوم سابق ناظم سائرات کے بیٹے اور مولوی سید علی اصغر صاحب امیر الانشا و دبیر الملک کے چھوٹے بھائی تھے سنہ ۱۹۲۳ء میں بمقام چھپرہ وفات پائی ، ،
۲۱	منشی نذیر احمد خاں رامپوری	سنہ ۱۹۲۳ء ۱۹۲۴ء	رامپور کے رہنے والے ہیں ، ادنی عہدہ سے ترقی کرتے ہوئے

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	مختصر کیفیات
			اب پڑاوہ کے ناظم ہیں اور روشن خیال اہلکار ہیں ،
۲۲	منشی محمد مسعود ٹونکی	سنہ ۱۹۲۳ء ۱۹۲۴ء	ٹونک کے رہنے والے محنتی اور زود فہم اہلکار ہیں ، ادنیٰ درجہ سے ترقی یاب ہوئے ،
۲۳	صاحبزادہ عبدالقدوس خاں صاحب ٹونکی	سنہ ۱۹۲۵ء لغایت سنہ ۱۹۲۶ء اس جدول کے مرتب ہونے تک	بن اعتبار الامرا مدبر الملک صاحبزادہ ہدایت اللہ خاں صاحب بہادر افسر جنگ ایڈیکانگ حضوری ، انگریزی تعلیم یافتہ ، ذہین اور معاملہ فہم افسر ہیں ،

جدول پیشکاران فوجداری مجسٹریٹ درجہ دوم مع عہدہ منصفی

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	مختصر کیفیات
۱	مولوی سخاوت حسین خاں پیشکار فوجداری (نوٹ) اس کتاب کے شائع ہونے سے قبل ۳ رمضان سنہ ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۴ فروری سنہ ۱۹۲۹ء کو سرونج میں آپ کا انتقال ہوا ،	سنہ ۱۸۸۴ء ۱۸۸۵ء	اس سال ناظم صاحبان کے ماتحت صیغہ فوجداری میں پیشکار فوجداری کا نیا عہدہ قائم ہوا ، موصوف مولوی خادم حسین خاں مرحوم سابق عامل سرونج کے فرزند ہیں ، بعد میں عرصہ تک آبو اور دیولی کے وکیل منجانب دربار ٹونک مامور رہے ہیں اب عرصہ سے بوجہ ضعیفی خانہ نشین ہوکر سرونج میں اقامت گزیں ہیں ، ریاست سے بطور وظیفہ اراضی معافی بھی انکو حاصل ہے قصبہ گوپامئو ضلع ہردوئی انکا وطن ہے ،
۲	منشی سید حسن احمد	سنہ ۱۸۸۶ء [illegible]	قصبہ پالی ضلع ہردوئی کے رہنے والے ہیں نائب وکیل

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	مختصر کیفیات
			بھی رہے، موجودہ زمانہ میں میونسپل کمیٹی سرونج کے مہتمم ہیں،،
۳	منشی پنڈت جگناتھ پرشاد	سنہ ۱۸۹۳ء	کشمیری برہمن تھے،،
۴	منشی حسام الدین	سنہ ۱۸۹۴ء	تحصیل باغپت ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے ابتداءً عدالت فوجداری ٹونک میں سررشتہ دار رہے، پھر پیشکار فوجداری ہوئے سنہ ۱۹۰۶ء میں منیجر کورٹ ہوئے، عرصہ ہوا انتقال ہو چکا ہے،
دوبارہ	منشی سید حسن احمد	سنہ ۱۸۹۵ء لغایت سنہ ۱۸۹۹ء	بشرح ۲
۵	صاحبزادہ صابر علی خاں مجسٹریٹ درجہ دوم اور منصف	سنہ ۱۹۰۰ء	رامپور کے رہنے والے صاحبزادہ محمد صدیق خاں بہادر دلیر جنگ کے نسبتی برادر ہیں، جیپور کی وکالت سے آکر مجسٹریٹ دوم ہوئے، اسی سال یہ عہدہ بھی قائم ہوا، ایک سال بعد جیپور کی وکالت پر واپس گئے، پھر دہلی کے وکیل ہوئے آجکل بیکار ہیں،
۶	مولوی سید قطب الدین احمد قطبی	سنہ ۱۹۰۱ء لغایت سنہ ۱۹۰۷ء	سادات قافلہ کے بخشی نور الہدیٰ مرحوم کے داماد ہیں پہلے نیماہیڑہ پرگنہ میں تھے وہاں سے تبدیل ہو کر سرونج آئے۔

لہ مؤلف نے حسب ذیل قطعہ تاریخی لکھا ہے، حیف باشد قطب دین احمدی٭ سید عالی نسب والا تبار٭ افتخار خاندان قطبیہ٭ قافلہ سالار و قطب نامدار٭ بست آخر زیں جہاں رخت سفر٭ دیدۂ سادات گشتہ اشکبار٭ شد چو روحش داخل خلد بریں٭ حور و غلماں شاد گشتند و نثار٭ گفت تاریخش نظر بر روح او٭ بادش ہم رحمت پروردگار٭
۱۳۲۵ھ

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	مختصر کیفیات
دوبارہ	منشی حسام الدین	سنہ ۱۹۰۷ء	بشرح سدست
دوبارہ	سید قطب الدین	سنہ ۱۹۰۷ء و سنہ ۱۹۰۹ء	بشرح ملٹ سنہ ۱۹۰۹ کے بعد اپنی جگہ اپنے بیٹے سید عبدالشکور کو مقرر کرا کے خود پنشن لے لی سنہ ۱۳۴۵ھ میں وفات پائی ،،
۷	منشی سید نصیر الدین احمد	سنہ ۱۹۱۰ء لغایت سنہ ۱۹۱۳ء	فصیح الملک کپتان سید نورالدین مرحوم کے منجھلے صاحبزادہ ہیں، آجکل پرگنہ چھبڑہ میں مجسٹریٹی اور منصفی کا کام کر رہے ہیں
۸	منشی سید وحید الدین احمد	سنہ ۱۹۱۴ء لغایت سنہ ۱۹۱۹ء	مولانا سید حیدر علی ٹونکی کے خاندان سے تھے، سرونج میں رحلت کی
۹	سید احمد	سنہ ۱۹۱۹ء و سنہ ۱۹۲۰ء	سادات قافلہ میں انکا ننہال ہے، مولوی محمد باقر مرحوم کے بھتیجے ہیں
۱۰	منشی سید اسمعیل نگینوی حال میر منشی دربار ٹونک	سنہ ۱۹۲۱ء	انکا مختصر حال نظامت کی جدول میں درج ہے ،،
۱۱	حافظ داؤد خاں	سنہ ۱۹۲۲ء و سنہ ۱۹۲۳ء	منشی محمود خاں کے چھوٹے بھائی تھے، اس سے پہلے نیناہیڑہ و پڑاوہ میں نائب ناظم رہے تھے، اور علیگڈھ میں ناظم رہے، یہاں سے تبدیل ہوکر نیناہیڑہ گئے۔ سنہ ۱۹۲۶ء میں بمقام ٹونک انتقال ہوا ۔

نمبر شمار	نام	سنہ تقرر	مختصر کیفیات
۱۲	صاحبزادہ محمد توفیق خاں	سنہ ۱۹۲۴ء	ابن جناب صاحبزادہ محمد رفیق خانصاحب خلف اصغر نواب محمد علی خانصاحب بہادر صولت جنگ ، اسوقت آپ پڑاوہ کے مجسٹریٹ ہیں ، ذہین و متین سردار ہیں ، مروت اور تہذیب میں انکا خاص حصہ ہے ۱۱
۱۳	منشی نذیر احمد خاں قائمقام	سنہ ۱۹۲۴ء	رامپور کے رہنے والے ادنیٰ عہدہ سے ترقی کرتے ہوئے اسوقت چھبڑہ کے ناظم ہیں ،
۱۴	حافظ نعمت اللہ خاں	سنہ ۱۹۲۵ء	الہام الدین خاں رسالہ دار کے خاندان سے ہیں اور اسوقت علیگڈھ کے مجسٹریٹ ہیں پہلے پولیس میں سپرنٹنڈنٹ تھے ،
۱۵	صاحبزادہ عبد الصبور خاں	سنہ ۱۹۲۵ء تا ترتیب جدول ہذا	ابن صاحبزادہ عبد الغفور خانصاحب بن صاحبزادہ محمد اکرم خانصاحب بہادر مرحوم بن نواب امیر الدولہ بہادر بانی ریاست ٹونک ، صاحبزادہ صاحب موصوف ایک قانون داں نکات فہم ، ذکی الطبع اور منصف افسر ہیں ، (نوٹ) جن لوگوں کا سرونج کی حکومت پر مکرر اور سہ کرر تبادلہ ہوا تکرار کے خیال سے اُن کے ناموں پر سلسلہ کا نمبر اس نقشہ میں درج نہیں کیا گیا ۱۲ مؤلف

چھٹا باب

آثار قدیمہ

از نقش و نگار در و دیوارِ شکستہ
آثار پدید است صنادید عجم را
(عرفی)

مؤلف نے اپنے ۳۳ سالہ زمانۂ قیام سرونج میں بارہا آثار قدیمہ کی سیر کی ہے اور ہر ایک قدیم یادگار کو کم سے کم دس دس مرتبہ دیکھا ہے، لیکن اُسوقت کا دیکھنا محض ایک تفریحی نظارہ تھا، اب سرونج کی تاریخ کی ترتیب کے سلسلہ میں اُن ہی آثار قدیمہ کو مؤلف نے محققانہ و مبصرانہ نظر سے دیکھا ہے، بانیان عمارات و منازل کے پتہ لگانے میں بڑی عرق ریزی و جگر کاوی کی گئی ہے، زبانی روایتیں ایک مورخ کی نگاہ میں قابل استناد نہ تھیں، اسلئے پرانے کاغذات دیکھنے اور اُن کے بہم پہنچانے میں زیادہ وقت صرف ہوا، تاہم پورے طور پر کامیابی نہیں ہوئی، جسکا افسوس کے ساتھ اعتراف ہے،

قابل ذکر عمارات میں، مساجد، مقابر، منادر، باولیان، چھتریان، اور ایوانات بکثرت تھا ہیں، لیکن اکثر عمارات آج منہدم ہوکر زمین کے برابر ہیں، قدیم عمارات گو اکثر کتبوں سے خالی نہیں ہیں، مگر بیسیوں کتبوں کا آج پتہ نہیں ملتا، بیشتر کتبوں کا سراغ چونے کی تہہ کو کھرچ کر لگایا ہے، جو نظروں سے پوشیدہ تھے،

قبروں کے بے شمار نشانات قدیم، شہر اور سواد شہر میں مساجد کی کثرت سے پتہ چلتا ہے کہ گذشتہ دور میں مسلمانوں کی آبادی یہاں زیادہ تھی، سنگین پختہ چبوتروں، سُرخ پتھروں کے اعلےٰ منقش تعویذوں اور اُن کے مصارف پر اندازہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگلے لوگوں کو

(جو معزز خاندانوں سے تعلق رکھنے والے تھے) یادگاری عمارات بنانے کا بہت زیادہ شوق رہا ہے، اسکے علاوہ شہر کی عام عمارات پر نظر کرنے سے اُس زمانہ کے تمول اور اعلےٰ تمدن پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے، کمی جو کچھ محسوس ہوئی وہ یہ ہے کہ گو فراخدلی سے عام تعمیرات پر روپیہ صرف کیا گیا ہے، لیکن بانیان عمارات نے باستثنائے چند آثار کے عموماً کتبہ ایسا نہیں لگایا جس سے اُن بزرگوں کے صحیح نام و نشان کا پتہ چلتا، یہی حال مقابر کا ہے،

نہیں معلوم کیسی کیسی برگزیدہ اور اولوالعزم ہستیاں اس طرح گمنامی کے ساتھ خواب استراحت میں ہیں، جنکی اولاد و احفاد کا آج پتہ تک نہیں ہے اور ان کی روحیں محتاج فاتحہ ہیں، جن کی اہل بصیرت سے یہ شکایت بیجا نہیں ہے،

برمزارِ ما غریباں نے چراغے نے گلے ‏ ‏ ‏ نے پرِ پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

ہر ایک عمارت کی اگر تفصیل لکھی جائے تو اس کے لئے دفتر چاہیئے، اسلئے چند ایسے آثار کا تذکرہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے کہ جنمیں کتبے وصل ہیں یا جو لغیر کتبوں کے مشہور تر ہیں،

کالا محل، ناتھو ملا کا محل، ہتیا پول وغیرہ بھی عالیشان اور مشہور عمارات ہیں، مگر چونکہ اُن کا اکثر حصہ منہدم ہو چکا ہے، اسلئے اُن کا مستقل تذکرہ جداگانہ بے کار سمجھ کر اُن کو نظر انداز کر دیا ہے۔

سلسلہ مساجد

مومنوں کی مسجد

یہ چھوٹی سی خوبصورت اکہری مسجد شہر پناہ کی فصیل کے اندر شمالی ومغربی گوشہ میں ظریف خان کی کھڑکی کے متصل، لب دریائے کیتھن واقع ہے، جسکا اندرونی عرض ۱۱ فٹ طول ½ ۲۵ فٹ اور صحن کا طول ½ ۲۵ عرض ½ ۱۳ فٹ ہے، پتھر کے ہشت پہلو ہم ستون، اور ۵ محرابی در ہیں، شمال وجنوب کی سمت چار چار فٹ طول وعرض میں کھڑکیاں ہیں، جن کے آگے شہ نشین ہیں، اور دروں کے اوپر ۵ فٹ عریض چھجے سرخ پتھر کے اور چھجے کے اوپر چھوٹے چھوٹے کنگورے اور سہ چہار گوشوں پر بلند مینار مخروطی اور دو مینار

وسطی محراب کے محاذ پر قائم ہیں، پتھر کے شہتیر اور پٹیوں سے مسجد کا درجہ مسقف ہے، حاشیوں پر نہایت حسین پھول بوٹے سنگی لوح پر تراش کر ابھارے گئے ہیں، سطح زمین سے ½۶ فٹ بلند سطح مسجد کرسی ہے، جو دور سے نہایت شاندار اور خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ مسجد کی دیواریں سیاہ پتھر کی ہیں جن میں چھنکاریاں دو ڈیڑھ فٹ لانبی صاف اور ہموار تراش کر ڈھل کی گئی ہیں، وسطی محراب میں ایک مستطیل شکل کی سنگی لوح نصب ہے جس پر بخط عربی ذیل کی عبارت درج ہے، جہاں جہاں بیاض چھوٹی ہوئی ہے، وہاں کے حروف ابھرے ہوئے ٹوٹ گئے ہیں، اسلئے پڑھنے میں نہیں آسکے،

عمرؓ	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	ابوبکرؓ

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ کَلَامُ الدُّنْیَا فِیْ خَمْسَۃِ مَوْضِعَۃٍ
وَالثَّالِثُ فِیْ تِلَاوَتِ الْقُرْاٰنِ وَالرَّابِعُ فِیْ وَقْتِ الْاَذَانِ وَالْخَامِسُ فِیْ مَوْضِعِ الْقَبْرِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی۔
تعمیر عہد خلافت صاحبقران ثانی شاہجہاں بادشاہ غازی
فی شہر صفر سنہ ۱۰۰۱ ہجری بانی مسجد حسن دین
بن فتح محمد۔

علیؓ		عثمانؓ

چاروں گوشوں پر چاروں خلفائے راشدین کے اسمائے مبارک نقش ہیں، پیش صحن چاہ بھی ہے، اور تکیہ بھی ہے، جسمیں قبروں کی علامتیں پائی جاتی ہیں کتبہ کے اعتبار سے شاہجہانی عہد میں اس مسجد کی تاسیس ثابت ہوتی ہے، لیکن سنہ ۱۰۰۱ھ ہجری غلط کندہ ہوا ہے۔ غالبا سنہ ۱۰۵۱ھ ہی سنگ تراش کی لاعلمی کی بنا پر بجائے ۵ کے عدد کے صفر کندہ ہوگیا ہے، کیونکہ سنہ ۱۰۰۱ھ شاہجہاں کی پیدائش کا سال ہے اور سنہ ۱۰۳۷ھ تخت نشینی اور سنہ ۱۰۶۸ھ معزولی و نظربندی کا سال ہے، سنہ ۱۰۰۱ھ جو شہنشاہ اکبر کے اڑتیسویں ۳۸ جلوس کا سال ہے، وہ عہد خلافت شاہجہانی

کیسے قرار پاسکتا ہے ،،

بانی مسجد حسن دین کی اولاد کا پتہ باوجود تلاش وجستجو کے نہ یہاں ملا، نہ چندیری وغیرہ میں، مگر مومنوں کی نسبتی شہرت اور مومنوں کے محلہ کے قریب واقع ہونے سے قیاس اغلب یہی ہے کہ حسن دین مرحوم نوربافوں میں سے تھے، اُس زمانہ میں اُس قوم کا تمدن ترقی پذیر تھا، اور اسلام کی طرف بھی خاص توجہ تھی، سرونج میں اُن کی آبادی سات محلوں میں تھی، اور جب اُن کے عروج کا زمانہ تھا تو پانسو گھر اُن کے یہاں معمور اور آباد تھے جسکی تصدیق معمر لوگوں سے ہوئی ہے، بعض شاہی اسناد سے (جو پیر محمد نورباف نے مجھے دکھلائی ہیں) اس امر کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ سرونج کے نوربافوں میں سے خاص خاص لوگ چیرۂ شاہی بنانے پر مامور تھے، اور اُن کو اسناد میں سفید باف کے پیشہ سے منسوب کیا گیا ہے ،،

اگر مؤلف کے قیاس کے مطابق ۱۰۵۰ھ ہجری تکمیل وتعمیر مسجد کا سال قرار دیا جائے تو ۱۳۴۴ھ تک (جو اس کتاب کی ترتیب کا سال ہے) ۲۹۴ سال ہوتے ہیں، سالم اور آباد مساجد میں سے کوئی مسجد اس سے زیادہ قدیم شہر کے اندر یا باہر مولف نے نہیں دیکھی، اس مسجد میں پنجگانہ نماز بھی ہوتی ہے، اور ماہ رمضان المبارک میں کبھی کبھی کلام مجید کا ختم بھی ہوتا ہے ،،

۸۹ محلہ کاب گنج کی مسجد

کاب گنج سرونج کے ایک محلہ کا نام ہے، جو شہر کی شرقی سمت واقع ہے، پہلے اس محلہ میں مشائخ کے مکانات تھے، اب قوم گدّی مسلمان زراعت پیشہ زیادہ آباد ہے، اس نئی آبادی کی وجہ سے اُسے نیاپورہ بھی کہتے ہیں، اس میں ایک اکہری مسجد لدائو کی ہے جسمیں تین محرابی در اور تین گنبد ہیں اندرونی درجہ کا طول ۳۴ اور عرض ۱۰ فٹ، صحن کا طول ۳۴ اور عرض ۲۳ فٹ ہے، مسجد کی دیوار اینٹ اور چونے کی ہے، اندر اور باہر چونے کی استرکاری ہے، بظاہر تعمیر نہایت پختہ اور سنگین ہے اور ہنوز اپنی قدیم حالت پر قائم ہے، درمیانی محرابی دروازہ پر ابھرے ہوئے

حروف میں سنگین کتبہ بھی وصل ہے، جسکی عبارت یہ ہے،
بحکم حدیث نبوی مِنَ الصَّلوٰۃِ اَفْضَلُھَا مَنْ بَنیٰ لِلّٰہِ مَسْجِدًا فِی الدُّنْیَا بَنیٰ اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ ۔

درعہد خلافت شہاب الدین صاحبقران ثانی شاہجہاں[1] بادشاہ غازی بندۂ
محمد صالح صدیقی کہ خدمت صوبہ مالوہ داشت، در سنہ ۱۰۶۷ھ ایں بقعہ
فیض بنیا نہاد۔ بحساب جُمَّل[2] ایں دو تاریخ گفتہ شد

تاریخ اول		تاریخ دوم
بقعہ فیض		معبد مشائخ
۱۰۶۷ھ		۱۰۶۷ھ

تکمیل مسجد کو باعتبارِ شہادت مکتوبی، سال تالیف ۱۳۴۲ھ تک ۲۷۵ سال ہوتے ہیں،
اسی مسجد کے متصل جنوبی سمت بانی مسجد کا مقبرہ بھی ہے، جسکا تذکرہ آثار مقابر کے سلسلہ میں آئیگا،

مسجد جامع[3] قصبہ کے وسط میں لب سڑک بڑے بازار کے متصل دو درجہ کی واقع ہے جسکے دو دروازہ ہیں، ایک جنوبی، دوسرا شمالی، سطح زمین سے ۶½ فٹ بلند کرسی ہے جسکے نیچے دو دو کانیں ہیں، صحن مسجد کا طول ۸۵ اور عرض ۳۸ فٹ ہے،
صحن سے ایک فٹ بلند کرسی پر مسجد کا اندرونی حصہ واقع ہے، جسمیں مسقف دوہرے دو درجے اور ہر درجے میں ۷ در محرابی ہیں، ہر ایک درجہ کا طول ۹۴ اور عرض ۱۴½ فٹ ہے، اگلے درجے میں ۵ ستون پتھر کے دوہرے، اور دوسرے حصہ میں ۵ ستون اکہرے ہشت پہلو ہیں، بغلی نیم ستون علیحدہ ہیں، جو ایک ایک فٹ کی بلند کرسیوں پر رکھے ہوئے ہیں، مسجد

---

[1] سنہ ۱۰۶۷ھ شاہجہاں کے جلوس کا تیسواں سال تھا، ایک سال بعد سنہ ۱۰۶۸ھ میں بیمار رہا، اسی سال عالمگیر نے ملکی مصلحت سے نظربند کیا، ۳۱ سال دو ماہ ۲۳ یوم سلطنت کی، ۸ سال نظر بند رہکر ۷۶ برس کی عمر میں سنہ ۱۰۷۶ھ میں رحلت کی رضی اللہ[۱۰۷۶] مادہ تاریخ ہے، ۱۲

[2] جُمَّل بضم جیم و تشدید و فتح میم بمعنے حساب اعداد حروفِ ابجد و بہ تخفیف میم نیز آمدہ (از غیاث) ۱۲

پتھر کے شہتیر اور پٹیوں سے مسقف ہے، دیواریں سیاہ چنکھاریوں[1] کی ہیں، محرابوں اور محرابوں کے اُوپر اور اُن کے حاشیوں میں خوشنا نقش ونگار ہیں، اندرونی محرابوں کے اُوپر مستطیل شکل کی متعدد سنگی لوحیں نصب ہیں دو لوح پر اشعار کندہ ہیں، باقیوں میں سورۂ یٰسین شریف کی چند آیات، اور سورۂ الم نشرح پوری لکھی ہوئی کندہ ہیں جنکے حروف اُبھرے ہوئے عربی خط میں ہیں، چاروں گوشوں میں چار منار مخروطی شکل کے دس دس فٹ بلند اور مغربی دیوار میں وسطی محراب کے اوپر دو منار دو فٹ کے فاصلہ سے قائم ہیں، غربی سمت چھوڑکر باقی تین اطراف ہیں، ٹوریوں پر پانچ پانچ فٹ عریض سرخ پتھر کی پٹیاں بطور چھجے کے خوبصورتی کے ساتھ نصب ہیں، چھجے کے اُوپر ایک فٹ اونچی فصیل ہے، جس پر خوشنا سنگی کنگورے ہیں، جنوبی دروازہ کے متصل کنواں ہے اور شمالی سمت صحن سے ملا ہوا شرعی پیمایش کا پختہ حوض ہے، جسکے وسط میں ہشت پہلو فوارہ ہے، حوض میں پانی اسی فوارہ کے ذریعہ سے آتا ہے، حوض کے قریب غسلخانہ اور حمام بھی ہے، مسجد کے شمال میں ایک حُجرہ اور حجرہ سے متصل دو کوٹھریاں بھی ہیں جن میں مسجد کا سامان ضروری محفوظ رہتا ہے

مسجد کا اندرونی وبیرونی فرش ہموار اور مصفّا پتھر کے پٹیوں کا ہے، اور صحن کے خاتمہ پر لب سڑک دو فٹ بلند فصیل اسلئے ہے کہ نمازی شب تاریک میں گرنے سے محفوظ رہیں،

جنوبی دروازہ پر جو چھت ہے وہ ہی مکبّر بھی ہے، مؤذن اسی چھت پر سے پنجگانہ اہل اسلام کو تسبیح وتشہد کے ساتھ صلوۃ اور فلاح کے لئے بلاتا ہے، درمیانی محراب کے اوپر کتبہ بھی ہے جسکی نقل بجنسہ حسب ذیل ہے،

لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ

مسجد کش چشمۂ خضر و راو پاکیش | ہر کہ بنید یاد آرد حکم واسجد واقترب

سنہ ۱۰۷۱ھ

---

[1] پتھر کے مصفا ٹکڑوں کو یہاں کی زبان میں چنکھاری کہتے ہیں، ۱۲ مؤلف

لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ مصرع ثانی یا اُس کے کسی جملہ سے تاریخ نکلتی ہے، شعر کے نیچے بطور اظہار تکمیل مسجد ۱۰۷۱ھ کندہ کردیا گیا ہے، دوسرے شمالی محراب میں حسب ذیل تین ۳ اشعار کا فارسی قطعہ ایک پتھر کی مربع لوح پر کندہ ہے۔

عہد اورنگ زیب عالمگیر — یافت توفیق خضر از سبحان

الف و ہفتاد و یک ز ہجر رسول — شد مرتب چو روضۂ رضوان

عالمے در نظارہ او گویاں — شہر خالی مباد از نیکاں

ان اشعار سے بھی تاریخ برآمد نہیں ہوتی، دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں ۱۰۷۱ کے اعداد عربی و فارسی میں تبادیئے گئے ہیں اور عہد عالمگیری بھی تبا دیا گیا ہے، شہنشاہ اورنگ زیب ۱۰۶۸ھ میں تخت نشین ہوا ہے، ۵۰ سال سلطنت کرنے کے بعد ۱۱۱۸ھ میں وفات پائی ہے، اس حساب سے عالمگیری جلوس کے چوتھے سال مسجد کا مکمل ہونا ثابت ہوتا ہے، جسکو آجتک ۲۷۳ سال ہوئے۔

پہلے شعر کے دوسرے مصرع سے بانی مسجد کا نام خضر ثابت ہوتا ہے ایک ہفتہ کی مسلسل تجسس و تلاش کے بعد پیر محمد نامی ایک ۴۰ سالہ نوجوان نوربافوں میں سے ملے، مؤلف کے سوالات کے جوابات کافی اور اطمینان بخش زبانی نہ دے سکے، بالآخر مؤلف کی استدعا پر اپنے پرانے کاغذات مؤلف کے سامنے لاکر رکھدیئے، اُن کاغذات میں نقل راضی نامہ مصدقہ عدالت شریعت نظر سے گذری، جس کے ذریعہ مابین سرگروہ دلالان مسمی خضر اور دیگر اہل برادری کے ایک خانگی معاملہ میں راضی نامہ ہوکر تصفیہ ہوا تھا، دوسرا کاغذ نقل رہن نامہ مصدقہ عدالت شریعت ہے، جو بہادر ولد جبو کی طرف سے لکھا گیا ہے، اس سے خضر کا مکان پختہ جامع مسجد سے متصل، اور شمال جانب بازار کی دو دکانوں کا مملوکہ خضر ہونا ثابت ہوا ہے، اور یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ مسجد کی پشت پر جانب گوشہ شمال نوربافوں کی آبادی تھی، اور وہ لوگ دلالی کا پیشہ کرتے تھے، اسی مناسبت سے اُس حصہ آبادی کا نام دلال پورہ تھا، اب تمام پختہ مکانات

منہدم ہیں اور اُن کے بجائے جدید خام مکانات سفالہ پوش نظر آتے ہیں، چونکہ اب اس محلہ میں مالیوں کے مکانات متعدد ہیں، اسلیے بجائے دلاّل پورہ کے مالی پورہ مشہور ہے، دلاّل پورہ کا نام صرف قدیم کاغذات میں باقی رہ گیا ہے، خضر صاحب کی حویلی جس زمین پر بتائی جاتی ہے اُس زمین پر پیر محمد کا اب تک قبضہ ہے جنکا سلسلہ نسب اسطرح پر ہے پیر محمد ابن منیر محمد ابن حسن محمد ابن امام بخش ابن حیو ابن بہادر ابن گھانسی ابن چاند ابن خضر بانیِ مسجد جامع

بانی مسجد یہی خضر ہیں، جنہوں نے دنیا میں مسجد تعمیر کرا کے جنت میں اپنے لئے قصر عالی حاصل کر لیا ہے، رحمۃ اللہ تعالے علیہ

مسجد کا اگلا اندرونی درجہ پانچ در کا قدیم ہے ۱۳۲۱ھ میں بدر الامرا اضیار الملک جناب صاحبزادہ محمد شیر علیخاں صاحب بہادر سرور جنگ ناظم سرونج کے مشورہ سے تقدس مآب مولوی مفتی و قاضی احمد جان خانصاحب مرحوم۔

(موجودہ قاضی حافظ عبد المجید خانصاحب کے والد نے) باداد اہل اسلام مسجد کا پچھلا اندرونی درجہ تمام و کمال اور جانب شمال، دو دروں کا اضافہ کر دیا ہے، جس سے مسجد کی وسعت اور اُس کی شان بہت بڑھ گئی ہے،

توسیع و تکمیل مسجد کے زمانہ میں، مؤلف سرونج کی فوجداری عدالت میں سررشتہ دار تھا بعض احباب کی فرمایش سے یا مؤلف نے بطیب خاطر (یہ یاد نہیں رہا) قطعہ تاریخ توسیع و تجدید مسجد موزوں کیا تھا، جو پتھر پر کندہ ہو کر مسجد کی تیسری شمالی محراب پر لگا ہوا ہے، جس کے اشعار یہ ہیں،

حالتِ تعمیر ایں بیت الشرف	نیست مخفی بر ہمہ اہل زمین
الف و سبعین و احد بود است سال	تا بنا فرمود خضر راہِ دین
سرورم شیر علی خاں ناظمے	از خیال تنگیش گفتہ چنیں

لہ مراد از بدر الامرا اضیار الملک صاحبزادہ محمد شیر علیخاں بہادر سرور جنگ ناظم سرونج ہیں۔

کین عبادت گاہ راوسعت بہند | جملہ ارباب یقین و مسلمین
از عنایات خدائے لم یزل | آمدہ آخر بپایاں ہم چنیں
یادگارے باد تاریخ از نظر | یافت وسعت سجدہ گاہ مومنین

ھٰذا بیتُ اللہِ الحمیدُ الوھّابُ

یہ عربی مادہ بھی صدر دروازہ کے لئے مولف نے استخراج کیا تھا لیکن کسی وجہ سے کندہ نہ ہو سکا مولوی غلام جیلانی تحصیلدار پنجابی نے ذیل کا مادہ نکالا تھا وہ درمیانی محراب کے اوپر نقش ہو کر چل ہے

ھٰذا مسجدُ اللہِ الکریمِ العالی

کوٹ کی مسجد

یہ مسجد سادہ طرز کی اکہری پانچ دروں کی ہے، ہنگین شہتیر اور ٹیپوں سے مسقف ہے، قدیم مسجد تین در کی تھی ۱۸۹۲ء میں مرزا اکبر علی خاں دہلوی ناظم متولی نے شمال جانب دو دروں کا اور اضافہ کر دیا ہے جس سے اب مسجد کا طول ۴۵ اور عرض ۱۳ فٹ ہو گیا ہے، اور ہر در کی چوڑائی ۵ ½ فٹ ہے، صحن ۱۲ فٹ عریض اور ۴۵ فٹ طویل ہے۔

صحن سے ملا ہوا جانب شرق ۲۰ فٹ قطر کا ایک حوض ہے، قدیم حوض محرابی طرز کا نہایت خوشنما بنا ہوا تھا، جس کے وسط میں فوارہ بھی تھا، چاہ حمامی سے (جو کوٹ کے چھوٹے دروازہ کے باہر جنوب میں ہے) اس حوض میں پانی کی آمد تھی، مسجد کے گوشہ شمالی میں مولسری کا درخت تھا جس کی جڑوں سے سطح حوض شق ہو کر اسمیں پانی جذب ہو جاتا تھا، اس لئے ۱۹۱۲ء میں درخت مولسری کاٹ کر اس کی جڑیں نکال لی گئیں اور از سر نو حوض سادہ شرعی پیمانہ پر تعمیر ہوا جسمیں پانی باولی واقع کوٹ سے مہینہ میں دو بار پختہ نالی کے ذریعہ سے لایا جاتا ہے، مسجد کے درمیانی محراب کے اوپر کتبہ لگا ہوا ہے جسکے اشعار یہ ہیں،

در زمانے شہ جہاں داور | کز ظلالش بنائے دین است بپائے
شاہ اورنگ ستان و عالمگیر | زیب شرع متین و کفر زدائے

یکے از بندگان ذوالقدرے | کہ عدلیش بدہر نیست بجائے
رکن السلطنت برائے قوی | یعنی آرام دین امیر الامرائے
شیخ عبدالغفار[1] نورالدین | کرد این مشعر عظیم بنائے
سالِ تاریخ او ازین دریاب | سجدہ گاہے رسیدہ گان خدائے

۱۰۷۳ھ

۱۰۷۳ھ کے حساب سے آجتک ۲۷۱ سالِ ہوتے ہیں ،

بانی مسجد کو شاعر نے امیر الامرا لکھا ہے ، اس دھوکے میں پڑکر مؤلف نے ماثرالامراء وغیرہ کتابیں دیکھیں، لیکن اس نام کے کسی صاحب کا عہد عالمگیری میں سلطنت کے مشہور ارکان میں ہونا پایا نہیں گیا ، نہ مسجد اسقدر وسیع وعالیشان ہے ، اور نہ اُسمیں ایسے نقش ونگار ہیں ، جو ایک امیر الامرا کے شایان شان ہوسکیں ، قیاس غالب یہ ہے کہ عہد عالمگیری میں شیخ نورالدین صاحب کسی خدمت پر ممتاز ہوں گے ، خواہ وہ سررشتۂ خاص کی حکومت ہو یا ضلع کی ، شاعر کے دل میں بانی مسجد کی جو عظمت تھی ، اُس نے رکن السلطنت اور امیر الامرا بنا دیا ہے ، ممکن ہے کہ کسی شاہی قدیم مسجد شہید شدہ کا کتبہ ہو جو اس جگہ پہلے قائم رہی ہو ، یا کسی اور شہید شدہ مسجد کا کتبہ ہو جو اس مسجد میں لاکر لگا دیا ہو ،

مسجد آستانہ بازار آستانہ بازار ایک محلہ کا نام ہے یہاں ایک مسجد تھی جسکا صرف نشان باقی رہ گیا ہے ، اس مسجد میں ایک کتبہ بھی لگا ہوا تھا ، مسجد کے شہید ہوجانے کے بعد ، پیرو کار منشی بشیرالدین کے والد محمد دین مرحوم اٹھا کر لے آئے ، اور سیت خاں والی مسجد کے وسطی محراب کے اوپر نصب کردیا ، لوح مذکور میں آیۃ الکرسی کے بعد ذیل کا شعر اور عبارت اُبھرے ہوئے عربی حروف میں کندہ ہیں ۔

چراغ و مسجد و محراب و منبر
ابوبکر و عمر عثمان و حیدر

---

[1] عبدِ غفار شیخ نورالدین) مصرع ہوتا تو زیادہ موزوں تھا ، ۱۲ مؤلف

ایں مسجد و آستانہ حضرت عادل شاہ قریشی رحمۃ اللہ علیہ

عہد شاہ باد شاہ سنہ

بادشاہ کا نام اور سنہ کے حروف تقریبًا مسخ ہو چکے ہیں بالکل پڑھنے میں نہیں آتے قیاس سے محمد شاہ یا احمد شاہ معلوم ہوتا ہے ،

حضرت عادل شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اسقدر معلوم ہو سکا ہے کہ وہ ایک مرتاض بزرگ تھے ، اپنے قیام کے لئے ایک چھوٹا سا حجرہ تعمیر کرا لیا تھا ، جو آستانہ کے نام سے مشہور ہوا ، حجرہ کے متصل مسجد بھی تھی ، اور اسی جگہ شاہ صاحب کا مزار بھی ہے ، عام لوگ بادل شاہ میاں کا آستانہ کہتے ہیں ، آستانہ کے سامنے دو رویہ پختہ دکانات بھی ہیں ، یہ جگہ آستانہ کے انتساب سے آستانہ بازار مشہور ہے ،

مسجد واقع باغ بوہران شہر سے نصف میل کے فاصلہ پر شمال و مغرب کے گوشہ میں کتھن ندی کے کنارے بوہروں کا ایک باغ ہے جسمیں یہ مسجد واقع ہے ، وہی باغ بوہرہ قوم کا مدفن بھی ہے ، مسجد ایک درجہ کی چھوٹی خوبصورت تین محرابی دروں کی ہے ، اور پیش خام صحن ہے ، جس کا طول ۳۹ اور عرض ½ ۱۲ فٹ ہے ، ستون ہشت پہلو پتھر کے نہایت حسین نقش و نگار کے نصب ہیں ، مسجد کا درجہ و بیز پتھر کی پٹیوں سے مسقف ہے . مغربی ، شمالی ، اور جنوبی دیواریں مصفے پتھروں کی ہیں ، تینوں محرابوں پر ذیل کے تین اشعار کندہ ہیں ،

چو فتح اللہ از فضل پروردگار	بیاراستہ خانۂ چوں بہار
یہ بانی و معمار و کل کار او	فلک کرد آباد[1] ہا بے شمار
چو سال بنایش بدل باز جستم	خرد گفت تاریخ وی فیض بار

۱۰۹۳ھ

ان اشعار سے ثابت ہے کہ فتح اللہ صاحب مسلمانوں میں سے کوئی باہمت بزرگ گذرے

[1] آباد بمعنے آفریں و ستایش کے فارسی میں مستعمل ہے ۱۲ مؤلف

ہیں، جنہوں نے اورنگ زیب عالمگیر کے چھبیسویں سال جلوس ۱۰۹۲ھ میں مسجد کو بنایا ہے جسکو آجتک ۲۵۱ سال ہوئے،

مسجد جامع بناکردہ امان اللہ رنگریز

یہ مسجد آبادی کے اندر لوہر باڑہ محلہ کے متصل واقع ہے، جسکا اندراج شاہی فہرست میں بھی ہے، منبر کی تنصیب اور شاہی فہرست کی رو سے اسکا مسجد جامع ہونا ثابت ہے،

مسجد کا موجودہ احاطہ جنوباً وشمالاً ۳۰ گز اور شرقاً و غرباً ۳۵ گز ہے، احاطہ کے غربی حصّہ میں مسجد ہے، صحن مسجد سے ایک فٹ کی کرسی دیکرہ ۵ محرابی دروں کا اکہرا دالان ۶، انچہ کی موٹی پٹیوں سے مسقف ہے، درمیان میں کوئی شہتیر سنگین نہیں ہے، چار ستون سنگین بارہ پہلو کے منقش کرسیوں پر قائم ہیں، عرض مسجد کا ۱۳ فٹ اور طول ۴۵ فٹ ہے، ٹوڑیوں، کنگوروں اور محرابوں کے اوپر چھ چھ انچہ کے عریض پتھر کے ٹکڑے نہایت حسین نقش ونگار کے وصل ہیں، مسجد کا اندرونی فرش چار چار فٹ مربع کے سیاہ و سرخ سنگین قطعات سے بنایا گیا ہے، جو چوپڑ کی صورت میں نہایت حسین معلوم ہوتا ہے، موجودہ جامع مسجد واقع بازار کے مقابلہ میں اس مسجد کو خاص اس ایک جدید تعمیر سے افضلیت ہے کہ غربی دیوار میں وسطی محراب کے محاذ پر چھپت سے ۲ فٹ بلند کرسی دیکر گنبد نما خوبصورت چھتری بنادی گئی ہے، جسکے ستون اور ٹوڑیوں پر نہایت باریک کام ہے، جو دور سے نہایت درجہ خوشنما معلوم ہوتی ہے، احاطہ مسجد میں چاہ اور صحن مسجد سے متصل پختہ حوض بھی ہے، صحن مسجد کے شمال میں چار فٹ مرتفع سیاہ پتھروں کا چبوترہ ہے، اس چبوترہ پر تین قبریں ہیں، دو قبروں کے تعویذوں پر سنگتراش نے صناعی کا کمال دکھلایا ہے، چار فٹ طویل اور دو فٹ مرتفع سنگین تعویذوں میں بیسوں درجے، بیسوں پہلو نکال کر باریک قلم سے لاجواب نقش ونگار ابھارے ہیں، اس سے زیادہ حسین تعویذ یہاں نہیں دیکھے گئے افسوس اسکا ہے کہ قبروں پر کوئی کتبہ نہیں ہے، جس سے صاحبان قبروں کا پتہ چلتا، غالب

قیاس یہ ہے کہ بانی مسجد اور اُن کے متعلقین کی قبریں ہیں، آج بانی مسجد کی اولاد سے کوئی بھی نہیں ہے، مسجد آباد اور ریاست کی طرف سے موذن بھی مامور ہے، لیکن محلہ میں مسلمانوں کی آبادی نہیں رہی، دو چار مسلمان مسجد میں نماز ادا کرتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں، آثار قدیمہ کے بقا کے سلسلہ میں یہ مسجد قابل حفاظت اور لائق آبادی ہے،

پُرانے کٹڑہ کی مسجد

شہر سے باہر جانب شمال متصل کٹڑی محلہ میں یہ مسجد واقع ہے تین دروں کی اکہری اور بالکل سادہ ہے، مسجد کے قریب موجودہ زمانہ میں صرف دو مسلمانوں کے گھر ہیں، مسجد شکستہ اور غیر آباد ہے،

محرابوں پر فارسی خط نستعلیق میں ذیل کا قطعہ درج ہے،

مسجد خوش بنا نمود حمید　　سجدۂ شکر کرد ہر کہ بدید

سال تاریخ از خرد جستم　　خروش یافتم بفضل مجید

کسی جملہ کے تحت میں سنہ کندہ نہیں ہے، مولف حدیقہ راجستان مولوی آبرو صاحب صفحہ ۵۵ میں لکھتے ہیں کہ ۸۰۴ھ عہد امیر تیمور یہ گورکان میں یہ مسجد تعمیر ہوئی ہے، اس حساب سے مسجد کی تعمیر کو آجتک ۱۴۱۵ سال ہوتے ہیں، لیکن مؤلف تاریخ سرونج مولوی آبرو صاحب کے بیان سے متفق نہیں ہے، اس کے دو سبب ہیں،

(۱) مولوی آبرو صاحب نے یقیناً "خرد" کے اعداد (۸۰۴) سے تاریخ کا استخراج کیا ہے، حالانکہ خرد مخاطب ہے اور "خروش" حاصلِ تلاش، اس لئے اگر تاریخی جملہ ہو سکتا ہے تو یہی "خروش" ہے جسکے اعداد ۱۱۰۴ ہیں، مسجد کی تعمیر بھی بظاہر دوڈھائی سو سال سے زیادہ کی معلوم نہیں ہوتی

(۲) ایک قدیم کاغذ (جو رہن نامہ ہے) اور جس پر حمید بوریا باف کی گواہی درج ہے، قاضی مرتضےٰ صاحب کے کاغذات میں نظر سے گذرا ہے، جسکی تاریخ تسوید ۱۱۱۲ھ تعمیر مسجد سے ۸ سال بعد کی ہے، اس وقت حمید بوریا باف زندہ تھے، ایسی صورت میں ۸۰۴ھ کی تعمیر کیونکر تسلیم کی جا سکتی ہے،

شاہی فہرست مساجد میں ایک مسجد کی نسبت لکھا ہے "بناکردہ حمید بوریاباف" غالباً یہ مسجد وہی ہے، آج اُن کی اولاد کا پتہ تک نہیں ہے اُنکی یہ یادگار باقی ہے،

گٹّو شاہ والی مسجد

دارالحکومت کے متصل گٹّو شاہ کے تکیہ کے اندر واقع ہے، تین دروں کی اکہری مسجد نہایت پختہ و سنگین بنی ہوئی ہے، مگر سادہ ہے، کتبہ جو مسجد کے وسطِ محراب کے اوپر نقش ہے وہ یہ ہے،

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ○
سنہ عہد اکبر شاہ بادشاہ غازی

مغلیہ سلاطین میں دو اکبر گذرے ہیں، اس میں کوئی تشریح نہیں ہے، لیکن چونکہ تکیہ کے بانی دیدار علی شاہ نواب امیرالدولہ بہادر کے عہد میں گذرے ہیں، اور نواب بہادر موصوف سے ان کو خیرات میں ایک گاؤں روسلی گھاٹ ملا تھا آجتک اُن کے خاندان میں بحال و برقرار ہے، اسلئے عہد مذکور اکبر ثانی کا عہد ہے جسکی تخت نشینی کا سنہ ۱۲۲۱ھ اور سنہ وفات ۱۲۵۳ھ[1] ہے نواب امیرالدولہ بہادر کا سرونج پر قبضہ ۱۲۱۵ھ میں ہوا، اور ریاست کی بنا ۱۲۳۲ھ میں قائم ہوئی، اس حساب سے اس مسجد کی تعمیر قبضۂ سرونج کے بعد اور بنائے ریاست سے قبل کی سمجھنی چاہیئے، دیدار علی شاہ بانی مسجد کے چیلے محبوب شاہ ہوئے، اور محبوب شاہ کے چیلے گٹّو شاہ ہوئے، انہی کے نام سے تکیہ مشہور ہے، جو ایک بیگہ رقبہ کے اندر ہے، گٹّو شاہ نے بخلاف اپنے مرشدوں کے شادی کی

---

[1] اکبر ثانی کی وفات کی تاریخ سر سید احمد خاں مرحوم بانیِ مدرسۃ العلوم علی گڑھ نے بزمانہ منصفی اس طرح پر استخراج کی ہے۔

چوں برفت از جہان شہ اکبر — شد سیہ آسمان ز دود جگر
پائے شادی شکستہ احمد گفت — سال تاریخ از غم اکبر ۱۲۵۳ھ

غم اکبر کے ۱۲۶۳ اعداد ہیں شادی کے حرف ی کے عدد ۱۰ انکال دو تو ۱۲۵۳ رہتے ہیں ۱۲ مؤلف

جن سے امام شاہ اور امام شاہ کے اب قائم شاہ موجود ہیں، سال جلوس عہد اکبر ثانی ۱۲۲۱ھ ہے، اس حساب سے مسجد کی عمارت کو ۱۲۳ سال ہوئے،

پرانی عیدگاہ قصبہ سے تقریباً نصف میل مغرب میں ہموار سطح زمین پر واقع ہے، الف دروازہ سے ہو کر راستہ ہے کیتھن ندی درمیان میں پڑتی ہے، صحن مسجد کا طول ۱۱۰، اور عرض ۱۰۰ فٹ ہے، مغربی دیوار بلند جسمیں ۱۱ خوبصورت محرابیں ہیں، اور ہر محراب کے درمیان ایک طاق ہے، منبر کے چبوترہ پر چاروں گوشوں میں چار سنگین خوشنما ستون اور ستونوں پر چھوٹا سا گنبد ہے، جو ایک حسین چھوٹی سی چھتری کی شکل میں نظر آتا ہے،

فرش پر جھاڑی بکثرت ہے، کہیں کہیں سفید چونا بھی فرش پر نظر آتا ہے، جو اس بات کی شہادت ہے کہ پہلے صحن پختہ تھا،

موجودہ زمانہ میں عیدگاہ کے تین اطراف میں کروندوں کے درخت بکثرت ہیں، مسجد کے شمال میں عام راستہ دیہات کے آنے جانے کا ہے،

صحن کے جنوبی سمت فرش سے ملا ہوا ۴۰ فٹ مربع ایک چبوترہ سیاہ پتھروں کا ہے، چبوترہ پر قبروں کے تین تعویذ سرخ پتھر کے نقش و نگار کئے ہوئے نصب ہیں، ایک تعویذ ۱½ فٹ طول میں، اور ایک فٹ مرتفع کسی بچہ کا ہے، باقی دو معمولی ہیں، تلاش و تحقیقات کے باوجود اس کا کچھ پتہ نہ چلا، کہ کن لوگوں کی قبریں ہیں، البتہ قرائن پتہ دیتے ہیں کہ یہ مدفن کسی معزز خاندان کا ہے،

قبروں کے متصل ایک باولی پختہ ہے، جسکا دہانہ جھاڑیوں کے دامنوں سے چھپا ہوا ہے اس عیدگاہ میں برسوں سے عیدین کی نماز ادا نہیں ہوتی، یہی سبب اس مسجد کی غیر آبادی کا ہے،

چونکہ عیدگاہ کے راستہ میں بازار نہیں ہے، ایوان نظامت سے نکلتے ہی مقامی حکام کی سواری الف دروازہ سے ہو کر عیدگاہ کو پہنچ جایا کرتی تھی، اس لئے سواری کے جلوس اور اسلامی تجمّل کے نمود کے خیال سے بعد کے حکّام نے بڑے بازار سے گذرنا مناسب سمجھ کر شہر سے باہر جنوبی و مغربی گوشہ

بن ایک پہاڑی پر جدید عیدگاہ تعمیر کرادی ہے، جہاں اب نماز دوگانہ ادا ہوتی ہے،
اس مسجد میں کوئی کتبہ نہیں ہے، جس سے سال تعمیر دریافت ہو سکتا مسجد کی غربی دیوار اب تک
سالم ہے، دیوار کی پختگی اور کہنگی پتہ دیتی ہے کہ سرونج میں مسلمانوں کی آبادی کے ساتھ ساتھ
یہ مسجد بھی تعمیر ہوئی ہے،،

مشہور یہ ہے کہ نواب امیر الدولہ امیر الملک بہادر شمشیر جنگ کے عہد میں مقامی حاکموں
نے جلوس اسلامی کی شان و عظمت کے نمائش کے خیال سے پرانی عیدگاہ کے بجائے نئی عیدگاہ
تعمیر کرائی ہے،

یہ خیال عام لوگوں کا شاید اس کتبہ کے مضمون سے پیدا ہوا ہے، جو نئی عیدگاہ
کے وسطی محراب کے اوپر ایک سنگین لوح پر کندہ ہے جسمیں ۱۲۲۳ھ کے ساتھ نواب امیر الدولہ
بہادر اور مختار الدولہ بہادر کے اسمائے مبارک نقش ہیں، لیکن مؤلف کی تحقیقات کا نتیجہ یہ
ہے کہ نواب امیر الدولہ امیر الملک بہادر کے قبضۂ سرونج سے تقریباً ۱۲۵ سال پہلے پرانی
عیدگاہ غیر آباد ہو چکی تھی، قاضی ابو الفتح عہد عالمگیری میں سرونج کے قاضی تھے، انہوں نے
عہد عالمگیری میں اس عیدگاہ کو غیر آباد دیکھا تھا، اور جب عہد سلطنت شاہ عالم محمد معظم شاہ
۱۱۲۱ھ ہجری میں دوبارہ سرونج کی خدمت قضاۃ پر واپس آئے تو یہ دیکھا کہ شاہ اسد الدین
رحمۃ اللہ علیہ (نبیرہ قطب الاقطاب امام الاولیا حضرت شاہ بہاؤ الدین نقشبند ملتانی رحمۃ اللہ
علیہ) نے مسجد کے قریب قیام فرما کر اُسکو نجاست سے پاک کیا ہے، ایک محضر نامہ مورخہ غرۂ
ربیع الثانی ۱۱۲۱ھ کے ذریعہ سے قاضی صاحب موصوف نے عام مسلمانوں کو عام ہدایت کی ہے
کہ عیدگاہ کے متصل جسقدر درخت ہیں وہ سب وقف ہو چکے ہیں، شاہ صاحب کا ارادہ
خانقاہ تعمیر کرنے اور پورہ آباد کرنے کا ہے، کوئی مزاحمت نہ کرے اس محضر نامہ[1] سے اس بات

[1] نقل سند مہری شریعت پناہ قاضی ابو الفتح و سید محمد خاں دیوان و مہری اصالت و صدارت پناہ (کاغذ
پھٹ گیا ہے) صدر صوبہ و بہر رفعت و عوالی مرتبت مرزا الف بیگ امین و فوجدار پرگنہ سرونج و میر

عبدالغنی سوانح نگار و میر حشمت اللہ خاں وقائع نگار و میر روشن ضمیر داروغہ بیت المال بدستخط چودھری و قانون گویان
سرکاری پرگنہ مذکور آنکہ برائے حکام ذوی الاحترام و جماعۂ خاص و عام واضح و ہویدا باد - کہ راہ عیدگاہ
کہنہ قصبہ سرونج از قلعہ حاکم نشین کوچہ ہائے تنگ و تاریک بود، روز عید تجمل رکوب حکامان و اہل اسلام بجماعت
و عام می نمود و عبور از کوچہ ہائے بسبب اژدحام برلشکر اسلام و کافۂ انام نیز خالی از ہرج نبود، بنا بریں حکام
صاحب رائے قضاۃ شرع بیمائے از برائے رونق دین و دفع ہرج مسلمین صلوٰۃ عیدین از عیدگاہ کہنہ
موقوف ساختہ در عیدگاہ نو قرار دادند، تا روز عید حکام عالی مقام و جمیع خاص و عام و تجمل و آرام از
بازار و شارع عام عبور نمودہ دوگانہ عیدین در آنجا ادا نمایند،

دریں صورت عیدگاہ کہنہ رو بہ ویرانی آوردہ مسکن وحوش و طیور شدہ بود، چنانچہ قبل ازیں کہ خادم شرع
بتقریب خدمت قضاۃ در اینجا بود اکثر اوقات در عالم سیر مشاہدہ می نمود کہ راعیان مواشی ایں محل شریف آرامگاہ
دواب و چارہ قرار دادہ، جابجا مزابل و انبار پاچک و سرگین میکردند و از نجاسات دیگر نیز ملوث می نمودند، دریں
کثرت کہ باز بہ تقریب خدمت مذکور ورود افتادہ معائنہ کرد کہ حقائق و معارف آگاہ فضیلت و کمالات
دستگاہ زبدۃ العارفین شاہ اسدالدین نبیرہ قطب الاقطاب غوث العالم و امام الاولیاء مسجد مذکور را از لوث
سرگین و جمیع کسافات و نجاسات پاک و صاف کنانیدہ و چاہ و باؤلی متعلق ایں مسجد را کہ از خاک و سنگ ملو شدہ
برابر زمین گشتہ بود، نیز از سر نو تحفیر نمودہ با جمیع از عرفائے حق اندیش و سلکائے حقیقت کیش ازنرو اگزیدہ شب و روز
بعبادت حق مشغول اند و خمس اوقات فریضۃ اللہ بجماعت ادا می نمایند از قدوم ہدایت لزوم ایشاں ایں مقام بہترین
معبد اسلام بلکہ خوشترین ماوائے صوفیائے عظام شدہ باپس بحکم الاعانۃ علی العبادۃ عبادۃ بجمیع حکام و کافۂ انام
واجب آمد کہ ہمیشہ خدمت درویشاں و خادمان ایشاں بخلوص اتحاد و رجوع اعتقاد بجا می آورند کہ سعادت و اجر است
و آنچہ از اشجار مثمرہ و غیر مثمرہ کہ تعلق مسجد دارد و زمین حوالی مسجد کہ جلوخانہ عیدگاہ و عرصہ تفرس و زمین سہام مسلمین است
ہمہ را داخل وقف آنرا علی الاستحقاق بخادمان حقائق آگاہ مذکور بجہت صرف تعمیر و حوائج سکنہ ایں مکان مقرر و مسلم داشتہ
آید تا احداث خانقاہ نمودہ در زمین گرد اگرد باغچہ طرح نمایند و پورہ آباد سازند کہ اہل رباط و مترددین انتفاع گیرند
کسے مانع و مزاحم نشود کہ از بودن ایشاں تنظیف ایں مقام و تعدی فیض خاص و عام است لہذا ایں چند کلمہ باتفاق جمیع

پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ پرانی عیدگاہ کا راستہ دار الحکومت سے تنگ کوچوں میں ہو کر تھا، علماء سے اجازت لے کر اسلامی شان و شوکت کے اظہار کے خیال سے نئی عیدگاہ تعمیر کرائی جسکا راستہ بازار ہو کر ہے، صحن مسجد کے قریب خانقاہ کے آثار پائے جاتے ہیں، مصارف خانقاہ کیلئے پندرہ آنے[1] یومیہ کا وظیفہ بھی سرونج کے خزانہ سے مقرر تھا۔

نئی عیدگاہ

سرونج کی آبادی سے نصف میل کے فاصلہ پر گوشہ شمال و مغرب میں واقع ہے، جسکا طول ۱۱۵ فٹ اور عرض ۱۱۰ فٹ ہے، قدیم مسجد صرف تین محرابوں کی تھی، اب نو محرابوں کی ہے، قدیم تین محرابوں کا ثبوت اس سے ہوتا ہے کہ دیوار کے شمالی و جنوبی سمت پیوند کی علامات صاف نظر آتی ہیں، صحن خام البتہ وسیع تھا،

تصدیاں بطریق سند بہ ثبت دستخط و مہر کہ عند الحاجت حجت باشد نوشتہ شد بتاریخ غرہ ربیع الثانی سنہ ۱۲۱۱ھ سنہ ۳۳ جلوس شاہ عالم بہادر شاہ، اصل تحریرات قاضی مرتضی اور سید اصغر علی نبیرہ خواجہ عبد الہادی کے پاس محفوظ ہیں ۱۲) مؤلف

[1] پروانہ مہری معتمد الملک میر جملہ معظم خاں خانخانان بہادر مظفر جنگ، عہد محمد شاہی بست و پنج، شہر شوال سنہ ۶ جلوس مطابق ۱۱۳۶ھ گماشتہ ہائے جاگیرداران وکروریان پرگنہ سرونج سرکار چندیری مضاف صوبہ مالوہ را اعلام آنکہ بموجب یادداشت واقع عہد...... مرقوم ہشت و چہارم جمادی الاول سنہ ۶ جلوس کہ بتاریخ ہشت دہم رجب سنہ ۵ جلوس بغرض مکرر رسید پانزدہ آنہ یومیہ بلا قصور از تحویل فوطہ دار رال پرگنہ مسطور از تاریخ ورود روز آنہ در وجہ مدد معاش متعلقان حقائق و معارف آگاہ شیخ اسد الدین درویش ولد شیخ محمد اشرف بلا قید دیدہ و دانستہ حسب الضمن مقرر گشتہ باید کہ برطبق یادداشت واقعہ بعمل نمودہ یومیہ مسطور را آنہا رسانیدہ باشند کہ آنرا صرف معیشت نمودہ بدعائے دوام دولت ابد مدت استقلال می نمودہ باشند اگر در محل چیزے واشتہ باشند آنرا اعتبار نکنند درین باب قدغن دانستہ حسب المستور بعمل آرند، اسی مضمون کے تین فرامین اور بھی ہیں، ایک مہری تیسر جملہ مذکور، دوسرا مہری نظام الملک ۱۱ رمضان المبارک ۱۱۳۵ھ، تیسرا مہری نظام الملک غرہ ذیقعدہ سنہ ۶ جلوس یہ سب اسناد نظام الدین شاہ درویش کے پاس محفوظ ہیں۔ مؤلف

بعد میں وسیع تر ہوگیا، وسط محراب میں کتبہ کی سنگین تختی وصل ہے، لیکن سالانہ چونہ کی چپائی سے حروف بالکل معدوم ہو چکے تھے، گھنٹوں چھیلنے کے بعد اسکے پڑھنے میں کامیابی ہو سکی ہے دو شعر حسب ذیل اُس پر کندہ ہیں۔

چو باقی بیگ ایں مسجد بنا کرد   بجنت بہر خود قصرے بپا کرد

زفیض عام او بر اہل ایماں   بصدق دل بحق او دعا کرد

تاریخ و سنہ تعمیر درج نہیں ہے، بانی مسجد کا نام باقی بیگ ضرور ثابت ہے۔ اس نام کے ایک بزرگ میرزا قدرت اللہ بیگ موجودہ گردآور سائرات کے مورث اعلےٰ ضرور گذرے ہیں، جو دہلی محلہ کھاری باؤلی سے نقل سکونت کر کے مع اپنے ایک بھائی مرزا ساقی بیگ کے عہد عالمگیری میں سرونج آئے۔ میرزا قدرت بیگ کا بیان ہے کہ مرزا ساقی بیگ سرونج کے عامل بھی تھے، لیکن مقامی عاملوں کی جدول میں اُن کا نام درج نہیں ہے، ممکن ہے کہ کسی اور معزز عہدہ پر ممتاز رہے ہوں میرزا صاحب مذکور اپنی خاندانی روایت کی رو سے تصدیق کرتے ہیں کہ بانی مسجد اُن ہی کے جد امجد تھے لیکن مؤلف کو تحریری سند کوئی نہیں ملی۔

قاضی ابو الفتح مرحوم کے اُس محضر نامہ سے (جسکی پوری نقل پرانی عیدگاہ کے بیان کے سلسلہ میں کر دی گئی ہے) یہ بات ضرور ثابت ہے کہ عہد عالمگیری میں مقامی حکام کی خواہش پر نئی عیدگاہ کی تعمیر کا فتویٰ صادر ہو چکا تھا، اس حساب سے مسجد کی تعمیر بارہویں صدی کے آغاز میں سمجھنی چاہیے اس لیے کہ بقول قاضی ابو الفتح مرحوم ۱۱۲۱ھ سے قبل پرانی عیدگاہ غیر آباد ہو چکی تھی۔

بہر حال نئی عیدگاہ کی تعمیر کا سبب جلوس اسلامی کا تجمل اور اسکا نمود ہے، اس سے قبل پرانی عیدگاہ کو مقامی حکام کی سواری کوچہ سے ہو کر گذرتی تھی، اور اب نئی عیدگاہ کے راستہ میں تقریباً پون میل تک بازار اور شہر کی آبادی کا سلسلہ ہے۔

حقیقت میں عیدین پر دار الحکومت سے جس وقت مقامی عہدہ داران کی سواری، جاگیرداران فوج، پولیس، اور رسالہ کے ساتھ نئی عیدگاہ کی طرف بازار سے گذرتی ہے تو شان و شوکت کے

ساتھ ایمانی تجلی کا نظارہ نہایت درجہ دیدہ زیب و دلفریب معلوم ہوتا ہے،
جس کتبہ کے دو شعر نقل کئے گئے ہیں، اُسکے نیچے ذیل کی عبارت اور ایک مصرع بھی کندہ ہے

ازیں بیت تاریخ مسجد می برآید، مرتب شد ایں مسجد عیدگہ
در ۱۲۲۳ھ محمد اکبر شاہ بادشاہ از عمل نواب امیر الدولہ، محمد امیر خاں و نواب مختار الدولہ محمد شاہ خاں،

تاریخی مصرع سے ثابت ہے کہ ۱۲۲۳ھ عہد اکبر شاہ ثانی المتوفی ۱۲۵۳ھ میں نواب امیر الدولہ بہادر نے الیسٹ انڈیا کمپنی کی مصالحت سے قبل اور سرونج پر قبضہ ہونے کے بعد عید گاہ کو وسعت دی ہے،

یہ وہ زمانہ ہے کہ نواب امیر الدولہ بہادر بانی ریاست ٹونک نے راجہ ناگپور سے جنگ کی تھی، اور ساگر سے لوٹ کر اندور جاتے ہوئے سرونج میں کچھ روز قیام کیا تھا،

محمد شاہ خاں نواب مختار الدولہ بہادر، نواب امیر الدولہ بہادر کے معتمد علیہ جنرل تھے، مؤلف افتخار التواریخ کا بیان ہے کہ ۱۲۳۰ھ میں انہوں نے اجمیر میں وفات پائی، اور وہیں ان کی قبر بھی ہے، لیکن اسکے خلاف صاحب امیر نامہ لکھتے ہیں کہ ۱۲۲۷ھ میں جودھپور کے علاقہ میرٹھ میں انتقال کیا، اور وہیں دفن ہوئے، لیکن مؤلف کی تحقیقات کی رو سے اجمیر میں ان کا مدفن ہونا صحیح ہے،

سلسلۂ مقابر!

خاک سرونج کو سب سے زیادہ اس بات کا شرف حاصل ہے کہ اس کے آغوش لحد میں

---

[1] ۱۲۳۹ھ میں انکا مزار ان کے عقیدتمند اور لائق ماتحت محمود خاں مختار الدولہ نے اپنے صرف سے بنوایا ہے جس پر حسب ذیل اشعار کندہ ہیں،

بنا کرد محمود عالی مقام ⁂ مزار بہ محمد شہ دیں پناہ
ز تاریخ تعمیر گو ید لطیف ⁂ زہے مقبرہ مسجد و خانقاہ
۱۲ ۵۵ ۳۹

عظیم المرتبت اور جلیل القدر اولیاء اللہ کی مقدس ہستیاں آرام پذیر ہیں، بعض کے مزارات پختہ تعویذوں اور عالیشان گنبد عمارات کے ساتھ آج بھی قائم ہیں، اور بعض کے مزارات سادہ اور بعض کے زمین کے برابر ہیں، چند بزرگوں کے نام صرف کاغذات قدیم میں درج ہیں، جستجو اور تلاش کے باوجود ان کے مزارات کا پتہ مؤلف کو نہ مل سکا، ان بزرگوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں
شاہ عبدالحق[1]، حضرت عبداللہ شاہ درویش، شاہ محمد یعقوب[3]، میاں ظہور اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہم

شاہ اسد الدین[5] ولد شاہ محمد اشرف نبیرۂ امام الاولیا، حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کا مزار پرانی عیدگاہ کے مغرب میں مخدوم پورہ ویران کے متصل جھاڑیوں میں ہے، وہ اگرچہ پختہ ہے، لیکن اس پر کوئی عمارت نہیں ہے نہ کوئی کتبہ ہے، مولف کو ایک شاہ صاحب نے آپ کے مزار کا پتہ دیا، جنکے خاندانی افراد آپ کے معتقد رہے ہیں، اور اسی خاندان میں چند اسناد دستیاب ہوئیں، جن کی نقلیں مناسب مقام پر درج کیجائیں گی، اور بعض سندوں کی نقلیں عیدگاہ کے تذکرہ میں درج کردی گئی ہیں۔

(۶) شاہ فخر الدین چشتی (۷) حضرت مرزا جانی رومی (۸) شاہ مجنون شہید (۹) شاہ ولایت (۱۰) شاہ محمد یٰسین (۱۱) شاہ متاع الدین (۱۲) حضرت غوری شاہ (۱۳) حضرت مظفر شاہ (۱۴) شاہ شہباز (۱۵) پیر سید محمود شاہ (۱۶) پیر سید مسعود شاہ رحمۃ اللہ تعالے علیہم اجمعین یہ وہ بزرگان دین ہیں جنکی قبروں پر قدیم وضع کے پختہ اور پلاسٹر کئے ہوئے گنبد بنے ہوئے ہیں، جنکا تذکرہ آگے آتا ہے۔

(۱۷) حضرت مصطفے[2] شاہ رحمۃ اللہ علیہ، ان کی سادہ قبر شہر سے گوشۂ جنوب و مشرق میں ایک

---

[1] یہ وہی بزرگ ہیں جنکی قدمبوسی کیلئے سنہ ۱۲۱۰ھ میں نواب امیر الدولہ بہادر حضرت مولا علی کی درگاہ پر تشریف لائے اور مشرف بہ زیارت ہو کر فتح و نصرت کی دعاؤں سے مالا مال ہوئے ۱۲ امیرنامہ

[2] انکے فرزند شاہ عبدالحق تھے، سند مہری محمد خاں مظفر جنگ ناظم مالوہ (عہد محمد شاہ) ۱۱۳۹ فصلی کے دیکھنے سے واضح ہے کہ شاہ عبدالحق کے نام دو سو بیگہ زمین موضع نور پور سواد سرونج میں مصارف عرس حضرت شاہ مصطفے صاحب

بقیہ صفحہ آئندہ

میل کے فاصلہ سے ایک پہاڑی پر واقع ہے، جس پر چمیلی ہمیشہ پھول برسایا کرتی ہے (۱۸) شاہ عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ، انکا خام مزار شہر سے باہر تالاب کے اندر ایک بلند خام ٹیکری پر ہے جس پر درختان بیر ہمیشہ سایہ فگن رہتے ہیں،

(۱۹) شاہ حق پرست رحمۃ اللہ علیہ، انکا مزار شہر سے دو میل کے فاصلہ پر گوشہ شمال و مغرب میں موضع قاضی کھیڑی کے متصل بلند ٹیکری پر واقع ہے، یہ مقام نہایت پر فضا ہے، انکی ایک مہر کا نقش مؤلف نے دیکھا ہے، جس پر ۱۲۰۹ھ کندہ ہے، اس کے بعد انکا سنہ وصال سمجھنا چاہیئے۔

(۲۰) حضرت خاکی شاہ ان کا مزار مولا علی کی درگاہ کے اندر ہے،

(۲۱) میاں گھوڑا شاہ مجذوب، آخر الذکر دونوں بزرگ نواب وزیر الدولہ کے عہد میں گذرے ہیں، اور ان دونوں کا مفصل حال کتاب تذکرۃ الاولیا اردو کی جلد سوئم اور پنجم میں درج ہے

ان تمام مزارات میں باستثنائے مزار اقدس مرزا جانی رحمۃ اللہ علیہ کے کسی پر کوئی کتبہ نہیں ہے، جس سے سنہ وصال معلوم ہو سکتا نہ ان بزرگوں کا آج سلسلۂ خلافت قائم ہے، جہاں سے اجمالی یا تفصیلی زندگی کے حالات بہم پہنچ سکتے، گو ظاہری حالات تاریکی میں ہیں، لیکن اہل دل تصدیق کرتے ہیں کہ روحی انوار فیض ان بزرگوں کے مزارات سے نکلکر عارفین کے قلوب کو منور کرتے رہتے ہیں، علاوہ بزرگان دین کے دیگر اکابر اور نامور لوگوں کے بھی یہاں متعدد مزارات آثار قدیمہ کے طور پر موجود ہیں، جنکے حالات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) مقبرۂ حضرت شاہ فخر الدین چشتی

شہر سے شمال میں ایک میل کے فاصلہ سے پہاڑی پر پختہ مزار آپکا بنا ہوا ہے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) دربار شاہی سے عطا کی گئی ہے، یہ اراضی موجودہ زمانہ مصطفی خانصاحب سر رشتہ دار کے قبضہ میں ہے اور وہ اپنے کو شاہ صاحب کے خاندان سے بتاتے ہیں، مؤلف کے نزدیک کوئی تحریری ثبوت نہیں، واللہ اعلم، سند مذکور اکبر خاں کے پاس مؤلف نے دیکھی ہے ۱۲ مؤلف۔

گنبد اُسکا ۳۲ فٹ بلند اور محیط ۶۴ فٹ ہے، گنبد کا اندرونی و بیرونی پلاسٹر امتداد ایام کے سبب سے نکل گیا ہے، صرف انٹیں نظر آتی ہیں، جنوب رویہ صدر دروازہ ہے، باقی تین اطراف میں پتھر کی جالیاں کٹی ہوئی وصل ہیں، تعویذ قبر سادہ ہے، مقبرہ کے متصل سیدھی چھوٹی سی مسجد بھی ہے، مقبرہ کے شرق میں دوہرے درجہ کا سہ درہ پختہ دالان بھی ہے، مخلوق اکثر زیارت اور فاتحہ خوانی کو جاتی ہے، صوفیہ طبقہ کے حضرات کبھی کبھی مزار اقدس پر مراقبہ بھی کرتے ہیں، حقیقت میں مقام پر فضا اور مرغوب ہے، دلوں کو اسقدر فرحت ہوتی ہے، کہ لوگ بلا قید موسم دو، دو تین تین راتیں وہاں قیام کرتے ہیں۔

مزار مبارک کے سامنے جنوب میں اور بھی چند پختہ قبریں ہیں، غالباً حضرت شاہ صاحب کے خادموں کی ہونگی۔

آپ کا سلسلہ خاندانی حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی[1] رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا جاتا ہے، لیکن کوئی تاریخی یا دیگر کاغذی سند نہیں ملی جسکے ذریعہ سے تصدیق کیجا سکتی۔

آپ کے وصال اور سرونج آنے کا کوئی سال و سنہ بھی معلوم نہ ہو سکا، مساجد کی ایک فہرست عہد فرخ سیر کی جو ہاتھ آئی ہے، اسمیں مسجد متصل مقبرہ کا ان الفاظ میں تذکرہ ضرور درج ہے، (بنا کردہ شاہ فخر الدین) چونکہ فہرست مذکور ۱۱۲۹ھ کی مرتبہ ہے جسکو آجتک ۲۱۵ سال ہوئے) اسلئے قیاس ہوتا ہے کہ آپ ۱۱۲۹ھ سے قبل سرونج تشریف لائے اور مسجد بھی تعمیر کرائی، اور چونکہ مسجد اسوقت آباد تھی جسکے خادموں کیلئے خزانہ شاہی سے دیگر مساجد کے ساتھ وظیفہ بھی مقرر ہو گیا تھا اسلئے غالب قیاس یہ ہے کہ آپ یا آپکے خدام اسوقت حیات تھے، کیونکہ تارک الدنیا گروہ کے سوا جنگل میں آبادی کے دور فاصلہ پر شہری مخلوق کا پنجگانہ نماز ادا کرنے کی غرض سے جانا اور مسجد کا آباد رکھنا خلاف قیاس واقعہ ہے۔

---

[1] بزرگانِ دین جو دور سے کبھی کبھی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ خوانی کو جاتے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ شاہ صاحب خواجہ صاحب کے بھانجے تھے، جو بچپن میں مفقود الخبر ہو گئے تھے باوجود تلاش مؤلف کو تحریری سند ہاتھ نہ آئی ۱۲ / /

(۲) **مزار حضرت مرزا جانی رومیؒ**

آپ کا مزار مبارک شہر کے اندر ظریف خاں کی کھڑکی کے متصل آبادی سے شمال میں کیتھن ندی کے کنارے ایک قدیم تکیہ میں واقع ہے، جہاں چند قبریں اور بھی ہیں، آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مزار پختہ چار دیواری سے کسی زمانہ میں محیط تھا، قبر شریف کے شرقی پہلو میں پختہ دیوار بھی قائم ہے جسمیں ایک لوح سنگین مستطیل شکل کی وصل ہے، جس پر نستعلیق فارسی حروف میں خواجہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی حسب ذیل پوری غزل کندہ اور غزل کے نیچے تاریخ وفات کی ایک فارسی رباعی بھی درج ہے؛

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تا ز میخانہ و مئی نام و نشاں خواہد بود — سرِ ما خاکِ رہِ پیرِ مغاں خواہد بود

حلقۂ پیرِ مغانم ز ازل در گوش است — ما ہمانیم کہ بودیم و ہماں خواہد بود

بر سرِ تربتِ ما چوں گذری ہمت خواہ — کہ زیارتگہِ رندانِ جہاں خواہد بود

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود — سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

برو اے زاہد خود بیں کہ ز چشمِ من و تو — راز ایں پردہ نہان است و نہاں خواہد بود

ترکِ عاشق کُش من مست بروں رفت امروز — تا کرا خون دل امروز رواں خواہد بود

عیبِ مستان مکن اے خواجہ درین کہنہ رباط — کس ندانست کہ رحلت بچساں خواہد بود

چشمم آندم کہ ز شوق تو نہد سر بہ لحد — تا دم صبح قیامت نگراں خواہد بود

بختِ حافظ گر ازیں گونہ مدد خواہد کرد — زلفِ معشوق بدستِ دگراں خواہد بود

مطابق امر حضرت مرشدی رومی!

مغفور مرزا جانی قدس سرہ فقیر محمد ولد کنانید

بر زد باغ عشق و عرفاں عارف باللہ خورد — واصلِ حق زیں جہاں جان و دلِ آگاہ برد

جستم از پیر خرد تاریخ وصل او بگفت   میرزا جانی زدنیا دولت اللہ برد

تاریخی اشعار سے آپ کا عارف باللہ ہونا ثابت ہے، یہاں آپ کے خاندان سے آج ایک فرد بھی نہیں ہے، نہ اس کا کچھ پتہ چلتا ہے کہ کہاں سے اور کس سنہ میں تشریف لائے، قدیم کاغذات جو جگہ جگہ دیکھنے میں آئے ہیں، اُس سلسلہ میں محضر نامہ مرتبہ دلدار بیگ، مہری قاضی جمال الدین مرحوم ۱۱۳۸ھ مؤلف کی نظر سے گذرا ہے، یہ محضر نامہ اس مکان کی ملکیت کے استشہاد میں ہے جس میں حضرت مرزا جانی صاحب نے چلہ کشی کی تھی جس سے صرف اسقدر معلوم ہو سکا کہ آپ کا اصلی نام شاہ ظہور اللہ، اور عرفیت مرزا جانی تھی،

رومی کی نسبت سے پایا جاتا ہے کہ آپ اطراف ملک روم کے رہنے والے تھے، واللہ اعلم ۱۱۰۶ھ سال وفات کو آجتک ۲۳۰ سال ہوئے، یہ سنہ شہنشاہ عالمگیر کے جلوس کا انتالیسواں ۳۹ سال تھا،

(۳) مقبرہ غوری شاہ شہر سے مغرب میں متاع پور کی طرف، کیتھن ندی کے ساحل پر واقع ہے، مقبرہ کے متصل مختصر پختہ مسجد بھی ہے، مقبرہ کا گنبد بلند اندر اور باہر چونہ سے ریختہ ہے، ایک سمت دروازہ، باقی اطراف میں جالیاں ہیں، گنبد کے اندر چار قبریں ہیں، جنکے تعویذ سادہ پتھر کے ہیں،

مقبرہ کے متصل خاندان مذکور کے افراد سکونت پذیر ہیں، جنکے نام قلندر شاہ اور ننھے شاہ ہیں، مؤلف کو بتایا گیا ہے کہ چار قبروں میں سے ایک غوری شاہ، دوسری منظفر شاہ، تیسری شہباز رحمۃ اللہ علیہم کی ہیں، چوتھی قبر خود موجودہ میران خاندانی کے علم سے باہر ہے، کتبہ نہیں ہے جس سے سال وفات معلوم ہو سکتا، محمد شاہی سند مورخہ ۱۵ جلوس مطابق ۱۱۴۵ھ کے دیکھنے سے واضح ہے کہ نواب محمد خاں بہادر مظفر جنگ ناظم صوبہ مالوہ کی سفارش پر بنام شاہ جمشید جانشین حضرات زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین حقائق آگاہ شاہ مظفر اور شاہ شہباز رحمۃ اللہ علیہما کو بطور مدد معاش موضع چوندا کھیڑی دربار شاہی سے عطا فرمایا گیا تھا، جو آجتک خاندان مذکور کے قبضہ و تصرف میں ہے،

ایک اور سند شاہی مہری محمد معظم شاہ عالم بہادر شاہ مورخہ ۴ سنہ جلوس مطابق ۱۱۲۴ھ اس خاندان میں محفوظ ہے جسکی رو سے بیگہ اراضی معافی غوری شاہ کو ملی تھی، اس سے واضح ہے کہ خاندان مذکور میں غوری شاہ سب سے پہلے یہاں آئے اور ۱۱۲۴ھ کے بعد اُن کا وصال ہوا ہے، انکے بعد شاہ مظفر اور شاہ شہباز ہوئے اور ان دونوں بزرگوں کے بعد شاہ جمشید عالم وجود میں آئے، انہی کی اولاد میں قلندر شاہ و ننھے شاہ بقید حیات ہیں۔

قلندر شاہ کا بیان ہے کہ غوری شاہ پنجاب سے آئے اور نرسل کی جھاڑی کا ٹکر مقبرہ کے متصل قیام فرمایا، جب سے بدستور اسی جگہ خاندان کی سکونت ہے، بہر حال غوری شاہ کی یہاں آمد ۲۲۵ سال سے قبل کی معلوم ہوتی ہے، اس سے زیادہ ان بزرگوں کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔

(۴) مقبرہ مجنون شہید[1]

مشہور اور قدیم مقبرہ ہے، تعویذ قبر سادہ اور اس پر گنبدی عالیشان پختہ عمارت اور دروازہ پر دو منزلہ درجہ مسقف ہے، اوپر کے درجہ نقارخانہ بھی ہے، جہاں اب بھی نقارے رکھے ہوئے ہیں، گنبد پر سنہری کلس چڑھا ہوا ہے، باوجود تحقیقات کے پتہ نہیں چلا، کس نے آپ کا مزار بنوایا، اور کب بنا، مقبرہ کے غرب میں لداؤ کی چھوٹی سی مسجد بھی ہے، جو نہایت قدیم معلوم ہوتی ہے، غالبًا صاحب مزار کی حیات میں تعمیر ہوئی ہوگی، آپ کا مقبرہ مجنون شہید کے نام سے معروف ہے، مگر شہادت کا واقعہ سننے میں نہیں آیا اور سوائے نام نامی کے اور کوئی محقق حالات بھی معلوم نہ ہوسکے، عوام مدد شہید کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

ایک رسم مؤلف نے البتہ دیکھی ہے کہ جب مسلمانوں میں سے کوئی صاحب دولہا بنتے ہیں تو گھوڑے پر سوار ہوکر مزار پر سلام کرنے کی غرض سے ضرور تشریف لاتے ہیں، دلمیں اگر فاتحہ پڑھ لیتے ہوں تو

---

[1] یہ وہی بزرگ ہیں جنکی نسبت یہاں زبانی روایت مشہور ہے کہ سلطان شیر شاہ سوری کو آپ ہی نے سرونج کی آبادی کا حکم دیا، اور شہر تین روز میں آباد ہوگیا، تین روز کی مناسبت سے سہ روز نام رکھا گیا، کثرت استعمال سے سرونج ہوگیا، اسکی بحث سرونج کی وجہ تسمیہ کے عنوان میں دیکھو۔ ۱۲ مؤلف

علم نہیں، قبر شریف پر کوئی کتبہ نہیں ہے، جس سے صحیح نام اور سال وفات دریافت ہو سکتا، آثار و قرائن سے یہ مزار تمام دیگر مزارات سے قدیم معلوم ہوتا ہے ۔۔

(۵) **مقبرۂ حضرت شاہ ولایت رح** آبادی قصبہ سے مغرب میں نصف میل کے فاصلہ پر کیتھن ندی کے ساحل پر واقع ہے، جہاں مزار ہے، وہ جگہ متاع پور کے نام سے معروف ہے، لیکن عوام لب ولہجہ کی خرابی سے مکتا پور، کہتے ہیں میاں متاع الدین شاہ کا آباد کیا ہوا پورہ ہے، متاع پور کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے، سطح آب سے ۵۰ فٹ بلند ہموار زمین پر آباد ہے، مزار کے اوپر ۳۰ فٹ مرتفع گنبد اور گنبد کے اندر متعدد قبریں ہیں جو اسی خاندان کے بزرگوں کی بیان کی جاتی ہیں، گنبد کے متصل پانچ دروں کی پختہ مسقف مسجد اور سامنے کنواں ہے، گنبد کے اندر شاہ محمد لیسین، شاہ وجیہ الدین، شاہ سراج الدین اور ایک بی بی صاحبہ کی قبریں ہیں، اس خاندان میں اسوقت سید قطب الدین صاحب بقید حیات ہیں جنھوں نے اپنا سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے، سید قطب الدین، بن اکرام الدین بن ولی الدین، بن شاہ متاع الدین بن محمد لیسین شاہ ابن وجیہ الدین، بن سراج الدین، بن سید شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہم اجمعین،

ان بزرگوں میں سے شاہ ولایت، شاہ محمد لیسین، شاہ وجیہ الدین، شاہ متاع الدین مشہور ہستی کے درویش گذرے ہیں، سید قطب الدین صاحب کے پاس کوئی قدیم کاغذات باقی نہیں رہے، نہ وہ زبانی اپنے بزرگوں کے حالات بیان کر سکے، اراضی معافی ضرور قدیم سے اُن کے قبضہ میں ہے، جس سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ دربار شاہی سے اُن بزرگوں کو بطور مدد معاش معافیات ملی تھیں، شاہ ولایت نے مولا علی کی درگاہ کے نیچے قیام کیا تھا، جہاں آجتک ان کی بناکردہ مسجد قائم ہے، شاہ ولایت وغیرہ کا سنہ آمد، سنہ وصال اور مولد کا کچھ پتہ نہ چلا، زبانی حکایت کشف وکرامات کی مشہور ہیں، شاہ متاع الدین رحمۃ اللہ علیہ نے نقل سکونت فرما کر متاع پور میں سکونت اختیار کی، مسجد سے شمال و مشرق کے گوشہ میں، اُسی مسجد سے ۲۵ قدم

کے فاصلہ سے شاہ متاع الدین کا پختہ مزار ہے، اور اس مزار سے اسی گوشہ میں ۲۰ قدم کے فاصلہ سے شاہ ولی الدین کی قبر ہے، جنکی عرفیت ننھے میاں مشہور ہے، اُن کا وصال غدر کے بعد ۱۸۵۹ء میں ہوا ہے، متاع پور میں اسلئے سکونت اختیار کی گئی کہ شاہ متاع الدین کے اسلاف پہلے سے یہاں مدفون تھے،

(۶) مقبرۂ علی رضا بیگ

آبادی شہر سے شمال میں ایک میل کے فاصلہ پر کیتھن ندی کے کنارے واقع ہے ۲۵ فٹ طول میں ایک قلندری مسجد ہے صحن مسجد سے ملا ہوا ۱۰ فٹ مربع ایک پختہ چبوترہ سیاہ پتھروں کا خوبصورت بنا ہوا ہے جسکی کرسی زمین سے دو فٹ بلند ہے، مرمت نہ ہونے سے چبوترہ کئی جگہ سے شق ہوگیا ہے، اس چبوترہ پر متعدد قبریں ہیں بعض قبروں کے تعویذ بیرونی صدمات سے اوندھے ہوگئے ہیں بعض اپنی جگہ قائم ہیں، اکثر تعویذوں پر اعلےٰ نقش و نگار بھی ہیں، ایک قبر کے تعویذ کے حاشیہ پر آیۃ الکرسی عربی خط میں کندہ ہے اور برابر کے دوسرے تعویذ کے بالین پر، کلمہ شریف اور آیۃ الکرسی عربی خط میں نقش ہے، یہ سب کچھ ہے مگر صاحبان مزارات کا نام ونشان اور سال ارتحال کچھ بھی درج نہیں ہے لیکن اس وجہ سے کہ جس جگہ چبوترۂ مذکور واقع ہے، وہ جگہ علی رضا والا باغ کے نام سے مشہور ہے، قیاس ہوتا ہے کہ بانی باغ اور انکے متعلقین کے مزارات ہونگے۔ دیگر خاندانی افراد کو غیر موقوفہ زمین میں دفن ہونے کا شرعی حق بھی نہیں تھا، علی رضا بیگ مرزا مراد ترکمان بن راجہ خاں ترکمان کے بیٹے تھے، جنکا مفصل تذکرہ خاندان قدیم کے ... عنوان میں آگے آتا ہے۔

مقبرۂ لامعلوم

آبادی سے شمال میں کڑی محلہ کے گورستان مذکور کے قریب جھنکو والی الی کے نیچے دو چبوترے ایک خطہ میں پندرہ فٹ کے فاصلہ سے واقع ہیں جنکی کرسیاں سطح زمین سے آٹھ فٹ بلند ہیں۔ چبوترے سیاہ پتھروں کے ہیں۔ ہر چبوترہ ۱۴ فٹ مربع ہے۔ چبوترے کے کنارے ۸ فٹ و بیز سرخ پتھروں کا حاشیہ ہے جن میں اعلےٰ درجہ کے نقش و نگار ہیں۔ چبوترہ کے وسط میں قبر کا تعویذ ہے جس پر قسم قسم کے پھول بوٹے تراشکر کاریگروں نے

اور بھارے ہیں، غربی چبوترے پر جو تعویذ ہے اُسکے سرہانے کا کتبہ یہ ہے۔

اللہ باقی

سنہ ۱۹۹ھ

اور کوئی نام و نشان درج نہیں ہے۔ بظاہر کسی معزز ہستی کی قبر ہے۔ اور چونکہ گورستان گوجر پٹھانوں کا ہے جو مقتدر و متمول قوم تھی۔ اسلئے قیاس یہی ہے کہ انہی میں سے کسی کی قبر ہے واللہ اعلم سنہ ۱۹۹ھ غلط کندہ ہوا ہے یا تو ۹۹۹ھ ہے جسکے صدی کے ہندسہ ۹ کو ہندسہ ۱ کندہ کر دیا ہے، یا سنہ ۹۹۰ھ ہے جسکی صدی کا صفر سنگ تراش کی غلطی سے کندہ ہونے سے رہ گیا ہے اسکی مفصل بحث کتاب کے دوسرے باب میں گذر چکی ہے۔

مقبرۂ خواجہ عبدالہادی

شہر کی آبادی سے گوشہ جنوب و مشرق میں منڈوی دروازہ سے باہر واقع ہے۔ مقبرہ پختہ بیضاوی شکل کا پلاسٹر کیا ہوا نہایت درجہ سنگین آج بھی بدستور قائم ہے۔ جسکا ارتفاع ۵۳ فٹ اور دور ۸۸ فٹ ہے جنوب رویہ مقبرہ کا دروازہ ہے، باقی تین اطراف میں ۹ فٹ طویل اور ۶ فٹ عریض سرخ پتھر کی باریک باریک جالیاں ہیں، تعویذ قبر سادہ ہے، مقبرہ کے متصل املی کے متعدد قدیم درخت ہیں جنکی شاخیں گنبد پر ہمیشہ سایہ کئے ہوئے رہتی ہیں۔ مزار پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ جس زمین پر قبر ہے وہ اور اسکے نواح میں جسقدر اراضی ہے خواجہ صاحب کی معافی میں تھی جس کے کچھ حصہ پر مرزا مسیح اللہ بیگ اور سید اصغر علی اس بنا پر قابض ہیں کہ یہ دونوں خواجہ صاحب کی دختری اولاد سے ہیں مزار کے متصل شہر پناہ کے اندر سرائے پختہ اور محلہ ہادی پور واقع ہیں۔ یہ دونوں یادگاریں خواجہ صاحب کی ہیں، ان تمام وجوہ سے اس خاندانی روایت کے تسلیم کرنے میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ مزار مذکور خواجہ صاحب کا ہے۔ خواجہ صاحب کی وفات کی صحیح تاریخ نہیں ملی۔ تاریخ اور کاغذات قدیم سے اسقدر پتہ ضرور چلتا ہے کہ خواجہ صاحب سنہ ۱۰۴۰ھ[1] میں زندہ تھے

[1] سیر المتاخرین چہارم جلوس شاہجہانی ۱۲۔

اور سنہ ۱۰۶۲ھ[1] سے قبل وفات پاچکے تھے۔

خواجہ صاحب حضرت قطب الاقطاب خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے اور سنہ ۱۰۴۰ھ عہد شاہجہانی میں سرونج کی حکومت اُن کے سپرد تھی۔ مفصل تذکرہ خاندان قدیم کے سلسلہ میں آگے آتا ہے،،

خواجہ صاحب کے مقبرہ کے متصل شرق میں دو نہایت درجہ حسین چبوترے اور بھی ہیں۔ ۴۸ × ۴۸ فٹ اُن کا مربع ہے، ان چبوتروں پر جو تعویذات ہیں وہ صناعی کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ کتبہ کوئی نہیں ہے، لیکن اس قرینہ سے کہ یہ قبریں بھی خواجہ صاحب کی اراضی معافی میں ہیں۔ خواجہ صاحب ہی کے خاندانی لوگوں کی معلوم ہوتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۹) مقبرہ خواجہ شیخ محمد صالح صدیقی

آبادی کے اندر محلہ رکا بگنج میں واقع ہے جہاں خواجہ صاحب کی بنا کردہ ایک مسجد بھی ہے (دیکھو سلسلہ مساجد نمبر ۳) مقبرہ ۳۰ فٹ بلند اور ۳۵ فٹ محیط ہے۔ جنوب رویہ دروازہ ہے۔ باقی تین طرف سرخ پتھروں کی باریک باریک جالیاں ہیں، تعویذ قبر سادہ ہے۔ البتہ تعویذ کے حاشیہ پر پوری آیۃ الکرسی اور کلمہ طیبہ منقش ہے۔ دروازہ کے اوپر مستطیل شکل کی لوح سنگین وصل ہے، جس پر فارسی نستعلیق خط میں ذیل کے اشعار کندہ ہیں۔

همان شیخ صالح کہ پیشش فلک ۔۔۔ فرو داشتے گردن از انقیاد
وزیر خرد مند کامل کہ داشت ۔۔۔ بر پادشاہِ جہان اعتماد
بروز دوم از[2] وفاتِ رسول ۔۔۔ چو اندر نماز عشا جان بداد
پژوهش نمودم بتاریخ آں ۔۔۔ بگفتا خرد، منزلش خلد باد
۱۰۶۸ھ

قائلہ راقمہ نظامی

---

[1] حکمنامہ عالمگیری ۵ ربیع الثانی سنہ ۵ جلوس مطابق سنہ ۱۰۷۲ھ ۔ یہ حکمنامہ سید اصغر علی صاحب کے پاس محفوظ ہے ۱۲

[2] کتبہ میں (در) کندہ ہے۔ یہ سنگ تراش کی غلطی معلوم ہوتی ہے "در" یہاں کوئی معنی نہیں دیتا صحیح (از) بامعنی ہے ۱۲

۱۰۶۸ھ جو خواجہ صاحب کی رحلت کا سال ہے۔ اس حساب سے یہی سال شاہجہاں، صاحبقران ثانی کی علالت اور نظر بندی کا سال ہے۔ اس حساب سے خواجہ صاحب کے انتقال کو ۷۲ برس کا زمانہ ہوا۔ خواجہ صاحب درحقیقت شاہجہانی وزراء میں سے تھے یا نہیں۔ اسکی بحث خواجہ صاحب کے خاندانی تذکرہ کے سلسلہ میں آگے آتی ہے۔ مقبرہ فی الجملہ اپنی اصلی حالت پر ہے۔ اندر اور باہر سے پلاسٹر ہے، محلہ کے مسلمان باشندے حتی المقدور اسکی حفاظت کرتے ہیں، اسوقت نظامی کوئی شاعر گذرے ہیں جنہوں نے مذکور الصدر تاریخ کہی ہے۔

مقبرہ (۱۰) شجاع خاں عرف سوجے خاں

آبادی شہر سے شمال میں پرانے پل کے قریب کیتھن ندی کے کنارے واقع ہے، مقبرہ کی چوٹی سطح زمین سے ۳۵ فٹ بلند اور اسکا دور ۴۸ فٹ ہے۔ استرکاری چونے کی بیرونی و اندرونی حصوں میں بدستور قائم ہے، جنوب رویہ دروازہ ہے باقی تین اطراف میں سرخ پتھر کی منقش جالیاں کاٹکر وصل کی گئی ہیں۔ وسط میں تعویذ قبر سادہ ہے یہی قبر شجاع خاں کی بیان کیجاتی ہے، پہلو میں دو قبریں اور بھی ہیں جو اسی خاندان کے لوگوں کی ہیں۔

مقبرہ سے شرقی سمت ۱۰ فٹ کے فاصلہ سے ایک پختہ چبوترہ ½۲۲ فٹ طول اور ۲۱ فٹ عرض میں سیاہ پتھروں کا اور بھی ہے، جس کی کرسی زمین سے ۲ فٹ بلند ہے۔ وسط چبوترہ پر قبر کا ایک تعویذ ہے، جو نقش ونگار کا ایک گلدستہ ہے، سب سے زیادہ کمال سیاہ پتھروں کے ہموار اور صاف کرنے میں دکھایا گیا ہے، جو چبوترے میں خوشنمائی کے ساتھ وصل ہیں۔ پتھروں پر ہاتھ پھیرنے سے سیاہ کانچ کا گمان ہوتا ہے، بعض اوقات ترکپڑہ پتھروں پر پھیرنے سے کسی قدر انسانی عکس بھی نظر آتا ہے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس چبوترہ پر جو قبر ہے یہی شجاع خاں کی ہے۔ لیکن کتبہ نہونے سے کوئی صحیح رائے قائم نہیں کیجا سکتی۔ بہرحال گورستان

۴۴ اسلئے میں نے بجائے درکے از نقل کردیا ہے، اس سے پایا جاتا ہے کہ خواجہ صاحب کا وصال ۱۴ ربیع الاول کو ہوا ہے۔ مولف

گوجر پٹھانوں کا ہے، انہی لوگوں میں سے کسی کی قبر ہے، دس بارہ سال کا زمانہ گذرا کہ امتیاز علیخاں نامی ایک خاندانی ناخلف نے تمام اسلاف کی جائداد کو بیع کرنے کے بعد اخیر میں اس چبوترہ کے چند پتھروں کو بھی غیر مسلموں کے ہاتھ فروخت کردیا۔ نظامت کے ذریعہ سے جب سرکار عالی کو اطلاع ہوئی تو اُسکی مرمت کا حکم دیا۔ گو سنگ تراشوں نے ضائع شدہ پتھروں کی جگہ دوسرے پتھر نہایت محنت سے صاف کرکے وصل کئے ہیں، لیکن نہ وہ صفائی آئی، نہ ویسا سیاہ پتھر میسر ہوا۔ بہرحال آثار قدیمہ کی گونہ حفاظت ہوگئی۔

شجاع خاں کے باپ کا نام خاں بیگ خان تھا اور یہ کئی بھائی تھے، فرخ سیر کے عہد میں مالوہ کی طرف آئے۔ دوندے خاں برادر شجاع خاں بھی بڑے نامی شخص گذرے ہیں۔ نواب دلیر محمد خاں بہادر بانی ریاست کوروائی اور اُن کے جانشینوں کے عہد میں اعلیٰ لنعلے خدمات انجام دی ہیں۔

کوروائی ریاست کے معزز رکن اور منصبدار تھے، قلعہ کے متصل اُن کا مزار ہے، شجاع خاں بھی اولوالعزم اور بہادر تھے، نواب دوست محمد خاں بہادر بانی ریاست بھوپال کی رفاقت میں بھی رہے ہے، بھوپال میں (سوجے خاں کا اٹا) اُن کی ایک عمارتی یادگار آج بھی قائم ہے۔ شاہی منصبدار بھی تھے، لیکن ان کی اولاد سے آج ایک بھی سرونج میں نہیں ہے قومی خاندان کے دو چار گھر ضرور باقی ہیں، لیکن اُن کے پاس بھی کوئی سند نہیں ہے، گوجر پٹھانوں[1] کے باغات متعدد ہیں، معافی کی زمینیں بھی ہیں۔

شجاع خاں کے دیگر بھائیوں کی اولاد ریاست کوٹہ (راجپوتانہ) میں آج بھی معزز جاگیردار کی حیثیت سے باقی ہیں، اُن میں احمد مرتضیٰ خاں، جاگیردار چھبندہ تعظیمی جاگیردار مشہور رہیں۔ بدورا۔ ریاست مذکور میں بھی ایک جاگیردار اسی خاندان سے ہیں، سرونج کا کٹری محلہ گوجر

[1] گوجر پٹھان۔ افغانی تاریخ میں کوئی شاخ نہیں ہے، بعض واقف کار لوگوں نے بیان کیا ہے کہ یہ قوم افغانستان میں دودھ دہی بیچنے کا پیشہ کرتی تھی، اسی انتساب سے گوجر پٹھان مشہور ہوئی، واللہ اعلم، مولف

پٹھانوں سے معمور تھا، بہادر اور متمول قوم تھی۔ اور اغلباً خاں بیگ خاں اور شجاع خاں کی وجہ سے سرونج آکر آباد ہوئی،،

چار دیواری ؀ شہر کے باہر آبادی اور ایوانِ حکومت کے جنوب میں لب تالاب ایک مختصر رقبہ چار دیواری سے محیط ہے، دیوار ۱½ گز بلند ہے جس میں چھوٹے چھوٹے طاق بکثرت ہیں۔ احاطہ کے اندر متعدد قبریں خام و پختہ ہیں، ایک گوشہ میں قلندری مسجد بھی ہے مسجد اور دروازہ کے متصل ایک قبر کے سرہانے دیوار میں پتھر کی تختی پر ایک کتبہ ذیل کا نقش کیا ہوا وصل ہے۔

روشن جہاں چو زینتِ خلدِ بریں فزود　　سالِ ہزار و دو صد و پنجاہ و ہشت بود

۱۲۵۸ھ

روشن جہاں مولوی سید محمد سعید صاحب[1] مرحوم عامل سرونج کی اُس منکوحہ بیوی کا نام ہے جو چھبڑہ کی رہنے والی نومسلمہ تھیں، چار دیواری کی بنائی تعمیر کی وجہ اس طرح پر تحقیق ہوئی ہے۔ کہ جب نواب امیر الدولہ بہادر ٹونک کی مسندِ ریاست پر متمکن ہوئے تو اُن کے ہم وطن اور ہم جلیس سید نجف علی اور سید جعفر علی برادران حقیقی قصبہ سنبھل سے ٹونک پہونچے جنکی خاطرخواہ مہمانداری ہوئی، چند روز کے بعد سرونج میں جاگیر عطا فرماکر میاں منور محمد خاں عامل سرونج کے پاس روانہ کردیا، دونوں بھائی بیباک، غیور طبع، اور بیحد شجاع تھے، ایک روز اثنائے گفتگو میں عامل صاحب نے کوئی کلمہ سخت اور رکیک کہدیا، دونوں بھائی آگ ہو گئے بات نے اسقدر طول کھینچا کہ دونوں طرف سے تلواریں کھچ گئیں۔ حکومت کا مقابلہ مشکل ہے تاہم دونوں بھائی بہادری سے لڑے اور مارے گئے۔

[1] سید محمد سعید صاحب مرحوم سادات نا قلہ سے تھے ان کے بیٹے اصلی زوجہ سے سید احمد سعید مورخ (ابو سعید) سید حمید الدین رعنا مولوی سید عبد الرزاق کلامی تھے یہ سب وفات پاچکے، دوسری زوجہ سے حکیم محمد فضل سید نور الدین متخلص نور بقیدِ حیات ہیں، اور روشن جہاں کے بطن سے وحید الدین ایک پسر تھے جو وفات پاچکے ۱۲

نواب محمد سعید خاں اور نواب سرور خاں جاگیرداران محال تال نے مطلع ہوکر اپنے مصارف سے تجہیز و تکفین کی، اور لب تالاب دونوں بھائیوں کی پختہ قبریں بنواکر احاطہ کھچوادیا۔ اس کے بعد عام وخاص لوگ اس میں مدفون ہوتے رہے۔

یہودیوں اور فرانسیسیوں کی قبریں[۱۲]

دہلی دروازہ کے باہر مدنگڑھ کے تکیہ کے قریب ایک قبر پختہ ہے۔ جسکا تعویذ شرقاً و غرباً قائم ہے۔ تعویذ پر کتبہ بھی ہے جس کے تمام حروف مسخ ہوچکے ہیں پُرانے لوگوں نے اپنے بزرگوں سے سُنی ہوئی یہ روایت بیان کی ہے کہ تجارت کے سلسلہ میں یہودیوں کی مختصر جماعت سرونج میں مقیم تھی، ایک یہودی نے یہاں وفات پائی، اور مدفون ہوا جس کی یہ قبر ہے، تالاب کے کنارے عام گورستان ہے، یہاں دو قبریں ایسی نظر سے گذری ہیں جن کے تعویذ قبر ۴۔ ۴ فٹ طویل اور ایک ایک فٹ عریض سیاہ پتھر کے شرقاً و غرباً نصب ہیں دونوں تعویذوں پر نشان صلیب کے ساتھ کئی سطروں میں کچھ فرانسیسی خط میں لکھا ہوا ہے، لیکن حروف تقریباً مٹ چکے ہیں، ایک جملہ بھی پڑھا نہیں جاتا۔ نہ سنہ معلوم ہوسکا، مولف کا قیاس ہے کہ یہ اُن فرانسیسی فوجی افسروں کی قبریں ہیں، جو مرہٹوں کے راج میں ملازم تھے، اور جن کا اطراف مالوہ میں جنگ و جدال کرنا تاریخ سے ثابت ہے، واللہ اعلم، موجودہ سرکاری کاغذات میں ان کا کچھ پتہ درج نہیں ہے،

سلسلہ منادر

گردھاری جی کا مندر[۱]

آبادی شہر کے اندر سرکاری کوٹ سے جنوب و مغرب کے گوشہ میں واقع ہے، عمارت مندر کی وسیع اور مستحکم ہے۔ ایک فٹ کی کرسی دیکر پانچ چشموں کا دالان بنایا گیا ہے، جس کی چھت سنگین ستونوں پر قائم ہے، ہر چشمہ ۸ فٹ عریض اور ۲۰ فٹ طویل ہے، دالان کے غرب میں ایک چھوٹا سا درجہ ہے، جسمیں گردھاری جی کی مورت سیاہ پتھر کی تراش کر نصب کی گئی ہے، اسی درجہ پر

۵۳ فٹ بلند گنبد ہے جسکو یہاں کی زبان میں شکری کہتے ہیں چوٹی پر کلس بھی ہے جس پر طلائی ورق چڑھا ہوا ہے،

علاوہ اس درمیانی درجہ کے شمال وجنوب اور مغرب میں بھی کئی درجے ہیں، سامنے چاہ بھی ہے، اور صحن بھی، بعض حصہ عمارت کا جدید ہے، اور جس چھتے میں ۳۰ ستون ہیں اُس کے استحکام اور بھدے پن پر نظر کرنے سے زیادہ سے زیادہ تین ساڑھے تین سو سال کی عمارت معلوم ہوتی ہے موجودہ زمانہ میں قوم اگروال مہاجن اس مندر کی مہتمم ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ اس مندر کی مورت سینگر راجپوتوں کی بنوائی ہوئی ہے جو اس کے قدیم پرستار تھے، سینگر قوم (جو پرگنہ کے بعض دیہات میں سکونت پذیر ہے) اس قول کی تصدیق کرتی ہے، مندر کے پوجاری کا بھی یہی قول ہے جو قوم کا برہمن ہے، اور کئی پشت سے اس کے خاندان میں مندر کی خدمت منتقل ہوتی چلی آرہی ہے، مورت کے پاؤں کے نیچے کچھ ہندی میں حروف ضرور کندہ ہیں، لیکن ابتداء زمانہ سے حروف کی شکلیں تقریباً مسخ ہو چکی ہیں، مؤلف خود ہندی رسم الخط سے واقف ہے بہت کچھ کوشش کے بعد کاغذ پر اس کا عکس لیا گیا تو ذیل کی عبارت پڑھنے میں آئی،

(سری سینگر بنس سمت ۱۱۶۰ بکرمی)

سری سینگر بنس کے معنی معزز خاندان کے ہیں، چونکہ راجپوت قوم کی کل شاخ معزز مانی جاتی ہے اسلئے بلحاظ اعزاز خاندانی مذکورالصدر جملہ درج ہوا ہے، گزیٹیر میں بھی غالباً اسی کتبہ کے اعتبار پر سرونج کی آبادی سمت ۱۱۶۰ بکرمی کی ظاہر کی گئی ہے، جسکو آجتک ۸۲۳ سال کا زمانہ ہوا،

اس کا ثبوت نہیں ہے کہ ۸۲۳ سال سے مورت اسی جگہ قائم ہے، اس لئے کہ مورت منتقل بھی ہوتی رہتی ہے، بہر حال مورت جہاں اب قائم ہے، اور جو عمارت اس پر بنائی گئی ہے چار سو سال سے زائد کی نہیں ہے، بقول بعض روایت کے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مورت کے ساتھ کی موجودہ عمارت بھی ہے، اس لئے کہ نہ تو قدیم طرز تعمیر کی اس میں علامت ہے، نہ قدامت کے

اُس میں کوئی آثار ہیں، مؤلف کا قیاس ہے کہ شیر شاہی دورہ مالوہ ۹۴۹ھ کے بعد جب بیدل رائے چودھری قوم اگروال نے سرونج میں سکونت اختیار کی ہے۔ اس وقت اس مندر کی عمارت بنوائی گئی ہے، جسکو ۳۵۹ سال ہوئے، یہی وجہ ہے کہ قوم اگروال آجتک اس مندر کی مہتمم ہے۔

(۲) جینیوں کا مندر

محلہ ٹوری میں واقع ہے اور دوسو مربع فٹ میں اسکی عمارت ہے شمال و جنوب اور مغرب میں تین دالان ہیں، شمالی دالان دوہرہ تین دروں کا ہے، کل ۲۰ سنگین ستون ہیں۔ اور تینوں دالان پتھر کے شہتیر اور پٹیوں سے مسقف ہیں، ستون ویسے ہی بھدّے تراشے ہوئے نصب ہیں، جس طرح گردھاری جی کے مندر میں، جس درجہ میں مورت ہے اوس پر کوئی گنبد نہیں ہے، عمارت مستحکم اور سادہ ہے۔

مندر کی شرقی دیوار میں ایک پتھر کی تختی وصل ہے جس پر کئی سطریں کندہ ہیں، لیکن ذیل کی عبارت کے سوا اور کچھ پڑھا نہیں جاتا۔

سمت ۱۶۳۱ بکرمی ماگہ سودی پانچ سومبار

پنڈت ٹوڈر نرسنگھ

اس عبارت سے مندر کی تعمیر کو سمت ۱۹۸۳ تک ۳۵۲ سال ہوتے ہیں یہ وہ زمانہ ہے کہ ہندوستان اکبری حکومت کی برکات سے گلزار آباد تھا

(۳) جینیوں کی چھتری

آبادی سے جانب گوشہ شمال و مغرب دامن کوہ میں ایک میل کے فاصلہ پر قوم پرواہ جین مت کی نسیوں کا چبوترہ ہے جس پر شمال و جنوب اور مغرب میں دالان بنے ہوئے ہیں۔ چبوترہ کے وسط اور چبوترہ کے شمالی پہلو میں متعدد چھتریاں قدیم ہیں، چبوترہ کی وسعت شمالاً و جنوباً ۹۰ فٹ شرقاً و غرباً ۵۷ فٹ ہے جسکا پختہ فرش، اور زمین سے ۳ فٹ بلند کرسی ہے، غربی دالان دوہیا ایک اکہرہ پانچ دروں کا ۵۳ فٹ طول۔ اور ۱۰ فٹ عرض میں، دوسرا دوہرہ دالان ۳۰ فٹ طویل اور ۲۰ فٹ عریض

ل دیکھو سلسلہ ۷۶ آثار قدیمہ عام عمارات ۱۲ مؤلف

ہے، تینوں دالان سنگین شہتیر اور پٹیوں سے مسقف ہیں، دوسرے دالان کے وسطی دروازہ پر ذیل کا کتبہ کندہ ہو کر وصل ہے، جسکے حروف ہندی میں ہیں (سمت ۱۸۰۰ اتی بیساک بدی، ڑاچند مانکچند بہلا) اس اعتبار سے عمارت ۱۸۴ سال کی معلوم ہوتی ہے، ڈاچند مانکچند بانیان عمارت کے نام ہیں، اس چبوترہ سے شمال میں ۴ سنگین ستونوں کا ایک قدیم دالان ہے، جسکی وسعت جنوباً و شمالاً ۷۰ اور شرقاً و غرباً ۴۰ فٹ ہے، جنوباً و شمالاً ایک لائن میں آٹھ ستون ہیں، ۱۰ فٹ کا فاصلہ دیکر پانچ لائن قائم کی گئی ہیں، غربی دیوار میں ایک کوٹھری ہے، جس کے دروازہ پر ذیل کا ہندی کتبہ وصل ہے۔

(متی چیت بدی ۵ سمت ۱۷۵۶ چمن ساہ پرسو بھگنی)

اس حساب سے عمارت ۲۰۸ سال کی ثابت ہوتی ہے، خود طرز عمارت بھی قدامت کی شہادت ہے۔ مقام پر فضا ہے، چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں چاروں طرف ہیں، بارش میں دلچسپی زیادہ بڑھ جاتی ہے، ہنود اکثر اس مقام پر جمع ہو کر جلسے کرتے ہیں، اگہن کا مہینہ جین مت قوم کے خاص جلسہ کا مہینہ ہے، پارس ناتھ نہنگ ناتھ کی مورتیں جلوس کے ساتھ شہر سے نکلکر مقام مذکور پر جمع ہوتی ہیں، پانچ روز قیام رہتا ہے، مذہبی کتابیں پڑھی جاتی ہیں، اور ریاست کی طرف سے حفاظت کا کافی انتظام ہوتا ہے ''

(۴) مدنموہن جی کا مندر

قصبہ کے اندر محلہ چھیپٹی پیتی میں واقع ہے، اسکی تعمیر جینیوں کے مندر کے طرز پر ہے اور کل عمارت ۱۵۰ فٹ مربع میں ہے شرق رویہ تین چشمے تین دروں کے ۲۰ فٹ عریض اور ۴۰ فٹ طویل ہیں، ہر چشمے میں بغلی ستونوں کے علاوہ سامنے دو دو ستون پتھر کے نصب ہیں سنگین شہتیروں اور پٹیوں سے دالان مسقف ہے، فرش پر پتھر کے ہموار ٹکڑے چونے سے وصل ہیں، سامنے ایک چھوٹا سا دروازہ کوٹھری کا ہے، جسکے اندر مدنموہن جی کی تصویر رکھی ہوئی ہے، جسکی پرستش کی جاتی ہے، متعدد کوٹھریاں بھی ہیں، تصویر کے پاؤں کے نیچے ذیل کی عبارت پڑھنے میں آتی ہے،

سوتر دہار مکرند الوکلان کرن

سوتر دہار سنسکرت میں رچنے والے کو کہتے ہیں، اسلئے یہ مرکب لفظ خالق کی ذات پر بھی مستعمل ہو سکتا ہے، یہاں تصویر پر کندہ ہونے سے مراد بظاہر معمار یا بانی سے ہے جس نے اُسے بنوایا، یا بنایا، مکرند غالباً بانی کا نام ہے، اور الوکلان کرن سے خاندانی نسبت (گوت) معلوم ہوتی ہے، واللہ اعلم۔

چھت کے ایک سنگین شہتیر پر بھی ہندی میں کچھ لکھا ہوا ہے، کوشش کے بعد صرف اس قدر پڑھا جا سکا،

وسمت ۱۶۳۷ ماسے مادھو،

ماسے مادھو سنسکرت زبان میں بیساکھ کو کہتے ہیں، اس سے صرف اسقدر پتہ چلا کہ بیساکھ سمت ۱۶۳۷ بکرمی میں مندر کی تعمیر مکمل ہوئی ہے، جسکو آجتک بمقابلہ سمت ۱۹۸۳ ۳۴۶ سال کا زمانہ ہوا اس حساب سے جینیوں کے مندر کے مقابلہ میں ۶ سال کے بعد اسکی تعمیر ثابت ہوتی ہے۔

یہ مندر چھیپوں کا بنوایا ہوا مشہور ہے، محلہ بھی انہی کا ہے، جہاں دو ڈھائی سو چھیپوں کے مکانات تھے، آج اس قوم کا ایک فرد بھی اس محلہ میں آباد نہیں ہے، ہندو مسلمانوں کی مختلف قومیں البتہ آباد ہیں

جینیوں کی مورت

قصبہ کی آبادی سے جنوب میں ایک میل کے فاصلہ سے متصل دھرمپور ویران ایک مکمل تصویر سیاہ پتھر کی گھٹنوں تک زمین میں گڑی ہوئی ہے، باقی تمام جسم نمایاں ہے، اس جگہ پختہ عمارت اور کنوئیں کے بھی آثار پائے جاتے ہیں، جس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ مورت قدیم زمانہ میں عمارت کے اندر رہی ہوگی تصویر کے سیدھے بازو پر کئی سطروں میں ہندی رسم خط میں کچھ لکھا ہوا ہے، سمت ۱۱۱۲ تو صاف پڑھنے میں آتا ہے، باقی عبارت یہاں کے پنڈتوں سے بھی نہیں پڑھی گئی، حروف مسخ ہو چکے ہیں۔ یہاں کے لوگ اس مورت کو کالی تیلن کے نام سے یاد کرتے ہیں، مؤلف نے تصویر کی نشانیوں

کو دیکھکر جب یہاں کے جینیوں سے تذکرہ کیا تو انہوں نے اول تو لاعلمی ظاہر کی، اور جب
لے جاکر انکو تصویر دکھائی تو انہوں نے اپنی مذہبی تصویر تسلیم کر کے مؤلف کی تلاش کا شکریہ ادا
کیا، تصویر مسطور الصدر کی تکمیل کو آج سمت ۱۹۸۳ تک ۱۰۸ سال کا زمانہ گذرا گردھاری جی کے مندر کی
مورت سے بھی ۸۴ سال پہلے کی یہ مورت ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ۱۰۸ سال پہلے
سرونج میں جینیوں کی آبادی تھی -

عام عمارات

درگاہ حضرت مولا علیؓ عوام اسکو مولا علی کی ٹیکری کہتے ہیں شہر سے شمال ومغرب کے
گوشہ میں پاؤ میل کے فاصلہ سے ایک پہاڑی پر واقع ہے
جو سطح زمین سے تین سو گز بلند ہے، جانے والے جب پہاڑی پر چڑھینگے تو ان کو ۳۰۰ گز
پہاڑی کا راستہ ناہموار طے کرنے کے بعد صدر دروازہ تک پہونچنے کیلئے ۲۶ سیڑھیاں طے
کرنی پڑیں گی، پھر اون کو دروازہ میں داخل ہونا پڑے گا، جو ۱۲ فٹ چوڑا اور ۲۸ فٹ بلند ہے
جسمیں چوبی کیواڑ لگے ہوئے ہیں، دروازہ سے صحن تک پہنچنے کے لئے پھر ۶ سیڑھیوں سے
گذرنا ہوگا، صحن ۹۰ گز مربع کا ایک ہموار سطح ہے، جو چار دیواری سے محدود ہے، صحن
کے مغربی سمت متعدد پختہ قبریں نظر آئیں گی، مغربی اور جنوبی دالان منہدم اور اسکے سنگین ستون
اپنی کرسیوں پر قائم نظر آئیں گے، صدر دروازہ پر خوشنما بنگلہ مسقف ہے، اور اوس بنگلہ کے
شمالی وجنوبی پہلو میں جو دالان ہیں، وہ البتہ سالم اور مسقف دکھائی دیں گے، صحن میں داخل
ہونے کے بعد جب جنوب کی طرف زائرین رخ کریں گے تو ایک سہ درہ نقار خانہ اونکو ملیگا -
جہاں متعدد بڑے اور چھوٹے نقارے آہنی احتیاط سے رکھے ہوئے ہیں، نقارخانہ سے
پھر جنوب کو گذر ہوگا تو پختہ فرش کا صحن ملے گا، جس کے غرب میں تین دروں کی اکہری اور
مسقف مسجد ہے، اور صحن کے وسط میں ۳ فٹ بلند اور ۴۰ فٹ کا مربع پختہ چبوترہ نظر آئیگا

جس پر پہلے ایک درخت برگد کا تھا، جو گر گیا ہے، اوسکی جگہ دوسرا درخت نیب کا نصب ہی، درخت کی جڑ میں چنبیلی کا بھی درخت ہے، جو برسات میں کثرت سے پھول دیتا ہے، اسی چبوترہ کے وسط میں زائرین کے لئے ۹ انچی طویل پتھر کا ایک ٹکڑا نصب کیا ہوا ملیگا، جس پر نقش پا ہے، یہی وہ نقش پا ہے، جسکو عوام حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا نقش پا بتاتے ہیں، اور نہایت حسن عقیدت سے زیارت کرکے لوبان، بخور، سلگاتے اور چرونجی دانے تقسیم کرتے ہیں، جمعرات کے دن ہندوؤں اور مسلمانوں کے مخصوص اصحا عموماً زیارت اور فاتحہ خوانی کو جاتے ہیں،

اساڑھ کا مہینہ ٹیکری کی آبادی اور رونق کا خاص مہینہ ہے، اس مہینہ کی چاروں جمعرات کو میلہ ہوتا ہے کیتھن ندی سے لیکر دامن کوہچہ تک دوکانیں ہوتی ہیں، زائرین اور شائقین کا ہجوم ہوتا ہے، عقیدت مند حضرات نقش پا تک پہنچکر زیارت کرتے، اور مٹھائی تقسیم کرتے ہیں، مجاوروں کے لئے حقوق کا دروازہ کھل جاتا ہے، کشتی، بنیٹی، پٹا، پھری، گدکا، کی علیحدہ نمائش ہوتی ہے، تماشائیوں سے اُستادانِ فن کو داد ملتی ہے جسکے شکریہ میں جھک کر مسرت آمیز سلام کرتے ہیں، غرض ہندو اور مسلمانوں کے تمام فرقے خوش پوشاکی میں نظر آتے ہیں، عورتوں کا جھرمٹ الگ نظر آتا ہے، اس مہینہ کی آخری جمعرات کو بہت زیادہ مجمع ہوتا ہے،

مؤلف نے بھی ۲۵ سال بیشتر سیر و تفریح کا خوب لطف اٹھایا ہے، جسکا نقشہ اتبک آنکھوں کے سامنے ہے، ع

ساکنانِ سر کوئے تو نباشند بہوش ۔۔۔ کان زمینیست کہ آنجا ہمہ مجنوں باشد

اب جبکہ ہوش آیا، اور اس نقش پا کی نسبت تحقیقات کی تو صرف اتنی بات ثابت ہوئی کہ شہنشاہ عالمگیر کے عہد سلطنت میں عادل خاں اور رسول خاں[1] ساکنان سرونج بیت اللہ شریف

---

[1] حکمنامہ مہری و دستخطی شیخ مخدوم صدر الصدور عالمگیری مرقوم ۱۱۳۱ھ (جو محمد رفیق خاں ابن منگل خاں پہاڑی مجاور کے پاس محفوظ ہے) عاملان و متصدیان حال و استقبال پرگنہ سرونج سرکار چندیری مضاف صوبہ مالوہ بدانند، عادل خان ساکن سرونج از حج بیت اللہ شریف فارغ شدہ نجف اشرف رسیدو از آنجا یک خشت (باقی صفحہ آئندہ)

ہوتے ہوئے نجف اشرف پہنچے، اور وہاں کے مجاوروں سے تبرکاً دو اینٹیں حاصل کرتے ہوئے سرونج واپس آ گئے، موجودہ پہاڑی پر دونوں اینٹیں نصب کر دیں فرط عقیدت کے خیال سے وہاں مسجد اور دالان کی عمارت بھی بنوائی، جاروب کشی کی خدمت بھی انجام دینے لگے، دربار شاہی سے سنہ ۱۰۹۲ھ[1] میں ۲۰ بیگہ زمین معافی بھی حاصل کی، رفتہ رفتہ مجاوروں کے تصرفات سے وہی اینٹیں سنگین نقش پا کی صورت میں جلوہ گر ہو گئیں، جنکی طرف مخلوق پہلے سے زیادہ تر رجوع ہونے لگی، اب اُن متبرک اینٹوں کا پتہ تک نہیں، ایک پتھر کے ٹکڑے پر کسی عقیدت مند نے نقش پا کندہ کرا کے نصب کر دیا ہے، عوام کو تحقیق کی ضرورت نہیں اور خواص شرک و بدعت سمجھ کر احتراز کرتے ہیں، یہی سبب ہے کہ نواب یمین الدولہ محمد علیخاں بہادر

مبارک گرفتہ سرونج معاودت نمود، وآں خشت را بر سر کوہ شرق رویہ داشتہ دالان و مسجد بنا ساخت لواحقان عادل خاں جاروب کشی می نمایند، بست بیگہ اراضی معافی تابع زیارت گردانیدہ، شد باید کہ کسے مزاحم نشود، فقط

دیگر

محضر نامہ مہری قاضی سید امجد علی نوشتہ سنہ ۱۲۰۰ھ سے واضح ہے کہ عادل خاں اور رسول خاں نجف اشرف سے دو اینٹیں لائے تھے، (یہ محضر نامہ بھی محمد رفیق خاں کے پاس محفوظ ہے)

[1] سند مہری حضرت محی الدین اورنگ زیب عالمگیر، ارشعبان سنہ ۱۰۹۲ھ پنجم ذی الحج بست و ہشتم جلوس والا۔

یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم

دریں وقت فرمان والا شان صادر شد کہ موازی بست بیگہ اراضی افتادہ لائق زراعت خارج از جمع از پرگنہ سرونج سرکار چندیری مضاف صوبہ مالوہ در وجہ مدد معاش شیخ سعد اللہ و شیخ فتح محمد خادم درگاہ متکفل کتا حسب الضمن مقرر باشد کہ حاصلات آنرا صرف معیشت خود نمودہ بدعائے بقائے دولت روز افزوں مواظبت نماید، باید کہ حکام و عمال و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال اراضی مزبورہ پیمودہ و چک بستہ بہ تصرف او باز گزارند و اصلاً مطلقاً تغیر و تبدل بدان راہ ندہند، فقط

نے عمارت کے کچھ حصہ کو منہدم کرادیا تھا، لیکن اُن کے بعد عقیدتمندوں نے دوبارہ مرمت کرائی ہے، اراضی جو ملی تھی، وہ ابتک ریاست کی طرف سے بھی بحال ہے، اسکے علاوہ بانی ریاست نواب امیر الدولہ بہادر کی طرف سے بھی بذریعہ سند[1] مورخہ چہارم جمادی الثانی ۱۲۳۳ھ موضع بلینڈہ درگاہ کے مصارف کے لئے عارف شاہ خادم کو ملا تھا، اب گاؤں کے بجائے ۶/۲/۱۹ نقد سالانہ ریاست کی طرف سے دئے جاتے ہیں،

بارش میں تفریحی جلسے یہاں اکثر ہوتے ہیں، سواد سرونج میں اس سے بہتر دوسرا منظر نہیں ہے، درگاہ کے اندر اور باہر سیکڑوں قبریں ہیں جن پر کوئی کتبہ نہیں ہے، صدر دروازہ کے باہر جو قبریں ہیں اونمیں سے ایک خام قبر ہے جس کی نسبت مؤلف سے ثقہ لوگوں نے بیان کیا ہے کہ رانا بینی مادھو والی چندیری وپسواڑہ کی قبر ہے، انہی لوگوں کا چشم دید بیان ہے کہ محلہ حاجی پور کے مندر میں ہندی فقیرانہ لباس میں مدتوں رہے، مرض الموت میں شہر کے معزز لوگونکو پاس بلاکر اپنے اسلام کا اظہار کیا، اور اپنا نام و پتہ بتاکر ہدایت کی کہ اہل ہنود اُنکو اپنے مذہبی رسم کے مطابق جلانے نپائیں، یہ رانا بینی مادھو وہ مشہور راجہ ہے جس نے نواب واجد علی شاہ کی بیگم کی رفاقت میں انگریزی افواج سے غدر کے زمانہ میں جنگ کی تھی۔

---

[1] سجع مہر نواب امیر الدولہ بہادر (خدا خود میر سامان است اسباب توکل را) شافع روز محشر ساقی آب کوثر حضرت شاہ مرتضے علی اسد اللہ الغالب کرم اللہ وجہہ قدس سرہ العزیز و بنیز بپا بر روضۂ منورہ آرائے عصمت نامتناہی زیب افزائے عفت الہی حضرت خاتون جنت زاد اللہ شرفاً چودھریان و قانونگویان و زمینداران و عاملان حال و استقبال پرگنہ سرونج سرکار چندیری مضاف صوبہ مالوہ بدانند، موضع بلینڈہ ابتدائے سال حال ۱۲۲۴ فصلی نیاز بیاب جناب ہدایت تباب از حضور مقرر و مفوض نمودہ باشد باید کہ دریں کار توقف ندا ختہ فی الفور موضع مذکور را بہ تصرف میان عارف شاہ خادم درگاہ صاحب مسجود الاحیاء واگذارند کہ نامبردہ لفراغ بال وجمعیت خاطر صرف معیشت خود نمودہ بدعائے ترقیات دولت آید مقرون اشتغال و خواطلبیت داشتہ باشند دریں باب تاکید اکید و قدغن شدید پنداشتہ حسب التحریر عمل آرند مرقومہ تحت فور تہ تاریخ چہارم شہر جمادی الثانی ۱۲۳۳ھ

نواب مرید محمد خاں مدار المہام بھوپال کی بھی قبر درگاہ کے اندر ہے، مگر کسی نے مؤلف کو اسکا پتہ نہیں بتایا، تاریخ مالوہ کی روایت ہے کہ درگاہ کے اندر قبر ہے، ۱۲۱۱ھ میں بالاراؤ سرفار سیندھیہ نے مرید محمد خاں کو درگاہ کے غربی میدان میں کئی روز تک قید رکھا، شرم و غیرت کے تقاضہ سے اُس نے نگینۂ الماس کھاکر جان دیدی، چونکہ اُس نے نمک حرامی کی تھی اس لئے نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ والی بھوپال کو اپنی تاریخ تاج الاقبال میں یہ جملے لکھنے پڑے،

افغانان بھوپال مرید محمد خاں را بہ بدی یاد میکنند اگر بہ سر و نج میروند بر قبر او بجائے فاتحہ پنج پاپوش زدن واجب می شناسند) صفحہ ۲۲ و ۲۳ سلہ

میاں خاکی شاہ اور گھوڑا شاہ مشہور کابلین کی بھی قبریں اسی درگاہ کے اندر ہیں۔

(۲) ایوان حکومت

عام طور پر کوٹ کے نام سے مشہور ہے، شہر کے جنوبی سمت ۵ لغایت بیگہ رقبہ سروے نمبری، اور نمبری ۸۲۵ گز مربع میں واقع ہے، جس میں دو دروازے ہیں، بڑا دروازہ شمال میں اور چھوٹا جنوب میں ہے، بڑا دروازہ جو صدر دروازہ کہلاتا ہے) اوسکا ارتفاع ۱۸ فٹ اور عرض ۹ فٹ ہے، اور اس دروازہ کا کل رقبہ ۲۵ فٹ طول اور ۲۰ فٹ عرض کل ۵۰۰ فٹ مربع ہے، دروازہ کے چاروں گوشوں کی دیواروں کا آثار نو۔نو فٹ ہے، جس کے اوپر لداؤ کی چھت ہے اور چھت پر تین درکا چھوٹا سا خوبصورت بنگلہ ہے اس بنگلہ میں سرکاری نوبت و نقارے رکھے جاتے ہیں، اتوار کو ہر تین گھنٹہ کے بعد چار مرتبہ نقارہ شہنائی کے ساتھ، باقی اور دنوں میں روزانہ شام و صبح کو بجایا جاتا ہے، نقارہ نواز اور شہنائی نواز ملازم ہیں، ماہ رمضان المبارک میں توپ کے علاوہ افطار اور سحری کے اوقات میں بھی اعلان کے لئے نقارہ بجتا ہے، اسی بنگلہ کے شرقی پہلو میں یاؤٹا (علم حکومت) قائم ہے جس کے سفید کپڑے پر ہلال و تارے ، کا سرخ نشان ہوا میں اوڑتا ہوا نہایت درجہ دیدہ زیب معلوم ہوتا ہے اتوار کو چار وقت نوبت بجنے کی وجہ ..... یہ ہے کہ حضور خلد آشیاں نواب مستطاب امیر الدولہ

سلہ دیکھو تفصیل مندرجہ باب چہارم اقبالنامہ امیری ص ۲۲و۲۳

بہادر کو اسی دن سرونج پر قبضہ حاصل ہوا ہے، جسکی یادگار میں اوسوقت سے نوبت خانہ کا مستقل عملہ ملازم ہے، دروازہ کے شرقی و غربی سمت پہرہ والوں کے آرام و قیام کے لئے چبوترے پختہ بنے ہوئے ہیں، سرکاری گھنٹہ بھی اسی دروازہ کے ایک گوشہ میں آویزاں رہتا ہے،

چھوٹا دروازہ کڑیوں سے مسقف ہے، اور اُس پر بھی بنگلہ ہے، دروازہ کے نیچے توپخانہ کا عملہ رہتا ہے اور بنگلہ پر رسالہ دار سرکاری کا قیام ہے، اس سرکاری حصار کے اندر متعدد مکانات ہیں جنکی تفصیل نمبروار ذیل میں درج کیجاتی ہے

(۱) دفتر مال - صدر دروازہ میں داخل ہونے کے بعد پچیس گز صحن طے کرکے شرقی و جنوبی گوشہ میں ایک دوسرا دروازہ ملتا ہے، دروازہ میں داخل ہونے کے بعد پھر ستر گز کا مربع دوسرا صحن آتا ہے، جس کے وسط میں پاکھر کا درخت نصب ہے اس درخت کے سامنے تین دروں کی جو عمارت ہے اسی کو مال کا دفتر کہتے ہیں، پہلا اور دوسرا درجہ مسقف ہے جس کے تین در ہیں - تیسرا درجہ لداؤ کا ہے یہی حصہ قدیم ہے، اس کی دیوار کا آثار چار فٹ ہے، اور لداؤ کی کل عمارت کا رقبہ ۲۰ گز طول اور ۶ گز عرض میں ہے، مغربی سمت میں مالخانہ نظامت اور دفتر شریعت کے چھوٹے چھوٹے حصے محدود کردیئے گئے ہیں، اور مشرقی رُخ بندوبست اور قانون گوئی کے کاغذات کا ...... دفتر ہے، وسط میں صرف ۳۰ فٹ طول اور ۱۸ فٹ عرض میں ایک ہال ہے جہاں نظامت کے عملے کی نشست ہے، اور جو دوسرا درجہ مسقف ہے، اس کے شرقی گوشہ میں بیت المال یعنی خزانہ سرکاری ہے جو سنہ ۱۹۰۳ء میں تعمیر ہوا ہے، جہاں حفاظت کے لئے سرکاری پلٹن کے جوانوں کا پہرہ رہتا ہے. لداؤ کے درجہ کے اوپر شرقی سمت دو درجہ کا بنگلہ مسقف ہے، جس میں غرب رویہ تین در ہیں - اور پیش دالان ہے، یہ بنگلہ بعہدِ نظامت صاحبزادہ وزیر محمد خاں تعمیر ہوا ہے جو نواب وزیر الدولہ بہادر کے داماد اور سرونج و چھبڑہ کے مقامی عاملوں کے نگران افسر تھے، سرونج کے دورہ کے زمانہ میں نواب صاحب بہادر اسی بنگلہ میں فروکش ہوتے ہیں، ناظم صاحبان کا بھی قیام اسی بنگلہ

میں اور اُس کے متعلقہ درجوں میں رہا کرتا ہے، وسطی درجہ کے اوپر بھی ایک بنگلہ ہے، جسکی ترمیم از سر نو ۱۹۲۵ء میں بعہد نظامت منشی غلام بہار الدین خانصاحب اجمیری[1] ہوئی ہے، اس بنگلہ کے سامنے سائبان بھی ہے، جو نہایت شاندار معلوم ہوتا ہے۔

(۲) دیوان شریعت

دفتر نظامت کے مغربی پہلو میں واقع ہے، جسکا طول ۴۰ فٹ اور عرض ۲۲ فٹ ہے، عرض میں دو درجے ہیں اور ہر درجہ تین تین دروں کا ہے، جس میں پتھر کے مثمن ستون نصب اور دونوں درجے چوبی کڑیوں سے مسقف ہیں۔

(۳) فراشخانہ

پاکھر کا درخت جو اندرونی صحن میں واقع ہے، اسکے مغرب میں ۶۰ فٹ طول اور ۱۸ فٹ عرض میں قدیم لداؤ کا مکان ہے، جسمیں متعدد درجے ہیں، ان میں سرکاری فرنیچر اور دیگر ضروری سامان محفوظ رہتا ہے، جو سرکاری دورہ کے وقت کام میں آتا ہے، ۰۰ سال قبل اسی عمارت میں محمدی مطبع قائم تھا۔

(۴) عدالت مجسٹریٹی درجہ اول کا دفتر اور محافظ خانۂ مال۔

درخت مذکور سے مشرق میں بجواب فراشخانہ سرکاری اسیقدر طول و عرض میں کئی درجوں کا قدیم مکان ہے، جس کے سامنے غرب رویہ ٹین پوش سائبان بھی ہے، ایک درجہ میں جس کے تین دروازے ہیں، خاص عدالتی دفتر ہے، جہاں صاحب مجسٹریٹ اجلاس فرماتے ہیں، اسکے برابر شمالی پہلو میں اہلکاران عدالت کی نشست ہے، اور اسی کے مشرق میں پائین باغ کی طرف ٹین کی چادروں کا خوبصورت سائبان ہے، جو صاحبزادہ محمد صدیق خاں بہادر دلیر جنگ،

[1] آپ محی الدولہ معین الملک نواب مرزا حاجی محمد خاں بہادر مشہور و سابق میر منشی راجستان کے حقیقی نواسہ ہیں اجمیر مولد و مسکن ہے، اجمیر کمشنری میں نائب تحصیلدار تھے، ریاست نے گورنمنٹ سے آپ کی مستعار خدمت حاصل کرلی ہے، ۱۲ مؤلف

ممتاز الامرا معظم الملک کے عہد نظامت ۱۸۹۹ء میں بنایا گیا ہے، اسکے برابر شمال میں محافظ خانہ مال ہے، ان تمام درجوں کے اوپر بھی متعدد کمرے ہیں جو بعد کے تعمیر شدہ معلوم ہوتے ہیں۔

(۵) پائین باغ،

مجسٹریٹی اول کے کمرے کے متصل جنوبی پہلو میں ایک چھوٹا سا دروازہ ہے۔ اس کے اندر داخل ہونے سے سامنے مشرق میں باغیچہ نظر آتا ہے، یہ باغ ... میں ہے اس کے اندر قدیم پختہ ایک چاہ بھی ہے باغ میں ہر قسم کے پھلوں اور پھولوں کے درخت ہیں مستقل عملہ اس کی صفائی اور نگرانی کے لئے ملازم ہے۔

(۶) حمام شاہی،

پائین باغ کے جنوب میں چھوٹے دروازہ کے متصل پختہ قدیم حمام بنا ہوا ہے، جسکا اندرونی حصہ بدستور قائم ہے، حصار سے باہر حمامی چاہ سے ملا ہوا اسکا خزانہ ہے اگوا اب شکستہ ہے، لیکن نہایت درجہ مستحکم ہے، حمام کے تین درجے ہیں، پہلا درجہ تین دروں کا ہے، اوسکے محاذ میں دوسرا درجہ ایک در کا ہے، اوس کے بعد تیسرا درجہ (۲۰) مربع لداؤ کا نہایت خوشنما ہے، اس میں نہانے کے لئے آٹھ درجے ہیں، ہر درجہ میں نلوں کے نشان پائے جاتے ہیں، نہانے کی جگہ چھوٹے چھوٹے حوض مربع اور مستطیل شکلوں کے بنے ہوتے ہیں، نواب امین الدولہ بہادر نے اسکی مرمت بھی کردی ہے، بہرحال حمام آثار قدیمہ سے ضرور ہے، اور اب اس قابل ہوگیا ہے کہ کام میں لایا جاسکے، دروازہ پر ذیل کے اشعار نہایت عمدہ نستعلیق خط میں کندہ ہیں

اللہ اکبر

شایستہ بنا ئیست کہ خانِ عادل	بنیاد نہاد اندریں عالم گِل
در چشم زمانہ خوشتر از مردم چشم	در چشم جہاں گرم تر از خانۂ دل

بنای ایں حمام ۲۱ ماہ رجب المرجب ۱۰۵۶ھ باہتمام بندہ

لہ احمد آبرو صاحب مولف تاریخ ٹونک صفحہ ۵۵ میں لکھتے ہیں کہ حمام عہد عالمگیر میں مکمل ہوا ہے، یہ غلط ہے ۱۰۵۶ھ

(بقیہ صفحہ آئندہ)

کمترین خواجہ ویس شایستہ خاں یمنی تیار شد ۔

۱۰۵۶ھ شاہجہاں صاحبقران ثانی کے اورنگ نشینی کا اونیسواں[19] سال ہے ، جسکو آجتک ۲۸۲ سال ہوئے ، یہی سال اس حمام کی تعمیر کا ہے ، حمام کے دیکھنے سے پہلے عام شہرت کی بنا پر مؤلف کا بھی یہ خیال تھا کہ نواب شایستہ خاں امیر الامرا کا بنوایا ہوا ہے ، لیکن کتبہ کے دیکھنے سے وہ خیال جاتا رہا ، نواب شایستہ خاں یمین الملک امیر الامرا شہنشاہ عالمگیر کے حقیقی ماموں کا خطاب ہے ، جو میرزا ابوالحسن الخاطب آصف خاں کا بیٹا اور ممتاز محل زوجۂ شاہجہاں کا بھائی تھا گو وہ ۱۰۵۶ھ کے بعد تک زندہ رہا ، لیکن اُسکا سرونج آنا اور حمام بنوانا قطعی ایک فسانہ ہے

حمام کا بانی عادل خاں مقامی شقہ وار (عامل) گذرا ہے ۔ اس کے دستخطی چند پروانے مؤلف کی نظر سے گذرے ہیں ، جو قاضی مرتضےٰ صاحب کے کاغذات میں مخلوط ہیں ، لیکن اسکا پتہ نہ چلا کہ یہ صاحب کہاں کے رہنے والے تھے ، اور اس کے بعد کہاں منتقل ہوئے یہاں اونکے خاندان کا کوئی فرد باقی نہیں ہے ، جس سے مفصل حالات معلوم ہوتے خواجہ ویس شایستہ خاں یمنی کے اہتمام و نگرانی میں حمام تیار ہوا ہے ، یہ صاحب محکمہ تعمیرات کے مہتمم تھے جیسا کہ کتبہ کی عبارت سے ظاہر ہے ۔

(۷) دیوان عام ۔

صدر دروازہ کے اندر داخل ہوتے ہی بائیں ہاتھ پر دیوان عام ہے ، جس کو موجودہ فرمانروائے ریاست ٹونک نواب امین الدولہ کے حکم سے بخشی سید محمد خاں بہادر ظفر جنگ ناظم سرونج المتوفی ۱۳۲۵ھ نے تعمیر کرایا ہے ، طول اسکا شرقاً و غرباً ۰۰ ، اور عرض شمالاً و جنوباً ۴۲ فٹ ہے ،

شرق و غرب میں ۹ ، ۹ فٹ عرض کے دو کمروں کے آگے ۵ ۵ فٹ کی گیلری ہے (کمرے اور) باقی ۴۲ فٹ میں ۱۲ ، ۱۲ فٹ عرض کے دو درجوں کا ہال ہے پہلے درجہ میں ۳ محرابی در ، اور دوسرے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) شاہجہانی عہد تھا ، عالمگیر ۱۰۶۸ھ میں تخت نشین ہوا ہے ۱۲ مؤلف

درجہ میں غیر محرابی ۳ در ہیں، اور ہر درجہ میں دو، دو مثمن ستون منقش کرسیوں پر قائم ہیں، کل حصہ دیوان عام کا پتھر کی پٹیوں سے مسقف ہے، ہال کے جنوبی دیوار کے وسط میں ۵ فٹ طویل اور ۴ فٹ عریض شہ نشین ہے جسکے ستون اور محرابیں اعلےٰ درجہ کی منقش ہیں، نواب امین الدولہ بہادر، جب کبھی سرونج تشریف لاتے ہیں، تو اسی شہ نشین میں رونق افروز ہوکر تذکرۂ میلاد شریف کی سماعت فرماتے ہیں، اس عمارت کے سامنے ۹ فٹ کی بلند کرسی پر ۰، فٹ طویل اور ۱۵ فٹ عریض، ایک چبوترہ ہے، اور چبوترہ سے ایک فٹ مرتفع دیوان عام کی کرسی ہے،

چونکہ عیدین اور جشن سالگرہ کا دربار اسی دیوان خانہ میں ہوتا ہے، نیز نواب امین الدولہ بہادر جب سرونج تشریف لاتے ہیں تو اسی دیوان خانہ میں جلوہ افروز ہوکر نذریں قبول فرماتے ہیں، اس لئے یہ عمارت دیوانِ عام کے نام سے معروف ہے، محراب کے اوپر ۱۵ فٹ کی ایک طویل پتھر کی تختی وصل ہے، جس پر ذیل کی عبارت کندہ ہے،

"این ایوانِ عالی بحکومت گاہ سرونج حسب الحکم کیہان خدیو کیوان بارگاہ

جناب معلی القاب امین الدولہ وزیر الملک نواب حافظ محمد ابراہیم علی خانصاحب

بہادر صولت جنگ فرمانروائے ریاست ٹونک دام ملکہ باہتمام حافظ بخشی سید

محمد ناظم در ۱۸۹۷ء تعمیر یافت،" عدالت ہائے مجسٹریٹی درجہ دوم اور منصفی کا دفتر آجکل اسی دیوان میں ہے

(۸) تحصیل صدر کی کچہری،

صدر دروازہ کے سیدھے بازو پر پہلے ایک قدیم عمارت تھی، چونکہ قدیم عمارت کا زیادہ حصہ شکستہ تھا اس لئے ۱۹۱۹ء ۱۳۳۷ھ میں از سر نو عمارت سنگین بنوائی گئی جو دیوان عام کا جواب ہے اس میں تحصیل صدر کا دفتر ہے، وسط محراب میں ذیل کا کتبہ لوح سنگی پر کندہ ہوکر وصل ہے،

(حسب الارشاد امین الدولہ وزیر الملک جناب نواب حافظ محمد ابراہیم علیخاں بہادر صولت جنگ جی، سی، ایس، آئی، جی، سی، آئی، ای، بعہد نظامت سید سعید الدین احمد صاحب ناظم سرونج باہتمام محمد شریف اللہ خاں نائب ناظم تعمیر ہوا، ۱۹۱۹ء ۱۳۳۷ھ تعمیر کنندہ ادتم چند مستری)

(۹) خلیل محل[1]

دیوان عام کے گوشۂ شرق و جنوب میں ۶۰ فٹ طول میں قدیم لداؤ کا ایک مکان ہے جسمیں ۳ محرابی دروازے ہیں، اس کے سامنے اور بھی متعدد خام مکانات ہیں، چونکہ پہلے یہاں جامن کا درخت تھا، اس لئے جامن والی پائگاہ کہتے تھے، ۱۹۱۵ء میں نواب امین الدولہ کے حکم سے قدیم لداؤ پر دوسرا درجہ تعمیر ہوا ہے، جو خاص سرکاری قیام کے لئے ہے، اسی مناسبت سے اسکو خلیل محل کہتے ہیں، کمرے جو تعمیر ہوئے ہیں نہایت درجہ خوش قطع اور خوش وضع ہیں جنمیں رنگین کام اندرو باہر کیا گیا ہے، کمرے کی غربی سمت ٹین پوش سائبان بھی ہے جس سے کمرے کا حسن اور بڑھ گیا ہے ۔

(۱۰) تحصیل سیلپور کا دفتر

خلیل محل کے برابر جنوب میں ۱۶۰ فٹ مربع کا ایک قدیم مکان ہے، جسمیں جدید تعمیر ۱۸۹۹ء میں بعہد نظامت صاحبزادہ محمد صدیق خاں بہادر دلیر جنگ مرحوم ہوئی ہے، جسکی تعمیر اب تک ناتمام ہے، جنوبی سمت ۳۰ فٹ طول میں ایک درجہ لداؤ کا قدیم ہے اس مکان میں تحصیل سیلپور کا دفتر ہے ۔

(۱۱) صدر دروازہ کے بالکل محاذ میں مسجد کے سامنے ایک قطعہ مکان قدیم ہے، جس کی بہت کچھ ترمیم صاحبزادہ محمد صدیق خاں بہادر دلیر جنگ مرحوم کے عہد میں ہوئی ہے ۔ شمالی رُخ ایک اعلےٰ درجہ کا کمرہ ہے، اور اس کے سامنے دیوان عام کے محاذ میں نہایت خوشنما برآمدہ نظر آتا ہے، جو صاحبزادہ محمد شیر علیخاں بہادر سرور جنگ کے عہد نظامت کی ایک یادگار ہے، اسمیں دیگر مقامی حکام کا قیام رہتا ہے ۔

(۱۲) اصطبل ۔

اسی مکان سے جنوب کو اور بڑھو تو چھوٹے دروازے سے متصل سواروں کی لین نظر

---

[1] سرکار عالی کا تخلص خلیل ہے اسی مناسبت سے خلیل محل نام رکھا گیا ۱۲ مؤلف

آئے گی ، اسی سلسلہ میں توپخانہ بھی ہے ، جہاں تین توپیں رکھی رہتی ہیں ، عیدین اور جشن سالگرہ کی تقریب سرکار کی آمد ، نیز صاحبان پولیٹکل ایجنٹ بہادر کے تشریف آوری کے موقع پر ، اور ماہ رمضان المبارک میں افطار و سحری کے اوقات میں چلتی ہیں ۔

(۱۳) کوٹ کی مسجد ۔

اسکا مفصل تذکرہ مساجد کے سلسلہ میں گذر چکا ہے ۔

(۱۴) باؤلی

مسجد کی پشت پر دوہرے محرابی دروں کی قدیم اور عالیشان باؤلی ہے ، جو مدت سے سطح زمین کے برابر تھی ، سنہ ۱۹۰۷ء میں جب دیوان عام کی تعمیر معتمد الملک[1] بہادر مرحوم کے عہد نظامت میں شروع ہوئی تو اتفاق سے مٹی کھودے جانے کے سلسلہ میں آثار نظر آئے ، صاف کرائی گئی جس میں مؤلف کے سامنے بندوقوں کے لگے ہوئے کندے اور دو چھوٹی توپیں برآمد ہوئیں ، باؤلی پر تاریخ جدید ، قاضی منعم صاحب سابق سررشتہ دار مال ، نبیرہ مولوی حکیم شیخ احمد صاحب مرحوم سابق عامل سرونج کی استخراج کی ہوئی مع مختصر عبارت کے حسب ذیل کندہ ہے ۔

تعالیٰ شانہ اللہ اکبر

بحکم فیض توام امین الدولہ وزیر الملک نواب حافظ محمد ابراہیم علیخاں صاحب بہادر صولت جنگ ، جی ، سی ، آئی ، ای ، دام اقبالہ کپتان حافظ سید محمد صاحب ناظم سرونج نے یہ باؤلی جو صدہا برس سے معدوم تھی ، برآمد کرکے درستی کرائی قلعہ میں جدید دیگر مقامات بنوائے ، قدیم کی درستی کرائی ، تا سرحد سڑک بنانے کا سلسلہ جاری کیا ۔ ۲۰ ربیع الاول سنہ ۱۳۱۵ھ

اشعار

حضرت سید محمد امیں زباں ۔۔۔ چاہ کندہ کرد رشک سلسبیل

مثل زمزم بار دیگر شد عیاں ۔۔۔ از عطائے حضرت رب جلیل

سال تاریخش ہمی کردم تلاش ۔۔۔ گفت ہاتف مثل سقائی سبیل

---

[1] مراد از حافظ بخشی سید صاحب مرحوم ظفر جنگ معتمد الملک سابق ناظم سرونج ۱۲

منہا گو از سر جود و مراد ۔ چاہ زمزم ہست در بیت خلیل

کوٹ کی تعمیر کا زمانہ

کسی کتبہ یا سرکاری کاغذات سے دار الحکومت کی تعمیر کا سال معلوم نہ ہو سکا لیکن یہ ضرور ہے کہ لداؤ کی جسقدر عمارت ہیں وہ سب قدیم ہیں اور غالبًا یہ اسوقت کی عمارت ہے، جبکہ سرونج پرگنہ کی حیثیت سے دار الحکومت تحصیل کا قرار دیا گیا تھا، سرونج پرگنہ کی صورت میں کب تبدیل ہوا، اسکی بھی کوئی صحیح تاریخ نہیں ملی، اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ سلطان شیر شاہ سوری سے قبل سرونج پرگنہ کی حیثیت سے طبقہ ارضی پر موجود تھا، جسکی تفصیل بحث آبادی سرونج کے عنوان میں گذر چکی ہے، اور اگر حمام کے کتبہ پر بھروسہ کیا جائے (جو کوٹ کے اندر واقع ہے) تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ۱۰۵۰ھ میں کوٹ کی قدیم عمارت بھی مکمل ہوئی ہے، جسے ۲۲۸ سال کا زمانہ ہوا لیکن تاریخی اور سندی ثبوت نہیں، بظاہر لداؤ کی عمارت شاہجہانی عہد سے پہلے کی معلوم ہوتی ہے ۔

بارہ دری

شہر سے باہر مغرب میں نصف میل کے فاصلہ پر ۴۲ گز مربع رقبہ کی ایک سادہ بارہ دری، لداؤ کی قائم ہے، جسکی مرمت ریاست کی طرف سے ہوتی رہتی ہے کتبہ کوئی نہیں ہے تعمیر کی بابت عام طور پر مشہور روایت یہ ہے کہ شہنشاہ عالمگیر مالوہ کے دورہ کے سلسلہ میں جس وقت سرونج پہنچا ہے، اس وقت اس کی ایک بیٹی کسی مرض میں مبتلا ہو کر اسی جگہ راہی ملک عدم ہوئی، اس وقت اپنے قیام کے لئے ۱۲ گھنٹہ کے اندر بارہ دری تعمیر کرائی اور بیٹی کو جٹاشنکر پہاڑی پر دودہ تلائی کے متصل دفن کیا ۔

اس روایت کی وقعت کہانی سے زیادہ نہیں ہے جہاں قبر کا ہونا بیان کیا جاتا ہے، وہاں متعدد قبریں ہیں کسی قبر پر کوئی کتبہ نہیں ہے عالمگیر کی دختر کا اس طرح گمنامی کی حالت میں خواب استراحت کرنا، تاریخ اور عقل کے خلاف ہے، عالمگیر کی پانچ بیٹیاں تھیں جن کے نام یہ ہیں زیب النساء[۱]، زینت النساء[۲]، بدر النساء[۳]، زبدۃ النساء[۴]، مہر النساء[۵]، اور جہاں جہاں ان کے مزارات ہیں اُسکی تفصیل تاریخوں میں درج ہے ۔

سرونج میں کسی دختر کا مزار ہونا تاریخی کتابوں سے ثابت نہیں ہے،
حقیقت یہ ہے کہ بارہ دری کا بانی راجی چودھری بانی حویلی راجی ہے، جس نے باغ نصب کرایا.... اور باغ کے اندر بارہ دری بنوائی،
ممکن ہے کہ سلطان عالمگیر دورہ کرتا ہوا سرونج سے گذرا ہو، لیکن اس خاص غرض سے اُس کا سرونج میں قیام کرنا پایا نہیں جاتا،

(۲) سرائے پختہ

محلہ حاجی پور کے انتہائی جنوبی حصہ میں واقع ہے، جس کا رقبہ ۴۷۶ گز مربع ہے، صحن شمالاً وجنوباً ۹۵ شرقاً وغرباً ۸۵ گز ہے، جس کے چاروں طرف محرابی دروں کے دوہرے درجے ہیں اور ہر درجہ لداؤ کا ہے، ہر ایک درجہ کا رقبہ ۱۲ گز مربع دونوں درجوں کا ۲۴ گز مربع ہے،
شرقی وغربی لائین میں ۲۰ ۲۰ اور جنوبی وشمالی لائین میں ۱۲ ۱۲ درجے کل ۶۴ درجے ہیں، جنوب وشمال میں دوہرے دروازے ہیں، جن کا ارتفاع ۷ اور عرض ۴ گز ہے، شرقی وغربی لائینوں میں بالمقابل ایک ایک درجہ زینے کا ہے جس پر چڑھکر چھت پر جا سکتے ہیں، عمارت سنگین پتھر اور چونے کی ہے، وسط صحن میں چاہ بھی ہے، دہلی اور دکن کے مسافروں کی آسائش کے لئے، خواجہ سید عبدالہادی مرحوم نے اپنے ذاتی صرف سے شاہجہاں صاحبقران ثانی کے عہد میں اسکو تعمیر کرایا ہے، سرائے کی تاسیس کا سال صحیح طور پر معلوم نہ ہوسکا، لیکن بعض قرائن کے دیکھنے سے اسقدر پتہ ضرور چلتا ہے کہ خواجہ صاحب ۱۰۴۰ھ میں سرونج کے عامل تھے اور ۱۰۶۰ھ سے قبل اُنکا انتقال ہوچکا تھا، اس لئے دونوں سنوں کے درمیان سرائے کی تعمیر سمجھنی چاہیے، جسکو تقریباً ۳سو سال کا زمانہ گذرا،
سید اصغر علی ولد سید انور علی مرحوم، خواجہ صاحب کی دختری اولاد میں سے اسوقت زندہ ہیں، جن کے پاس متعدد فرامین شاہی محفوظ ہیں، جن سے تصدیق ہوتی ہے کہ شاہجہاں کے بعد کے سلاطین نے مقامی حکام کو تاکیدی احکام کے ذریعہ سے مطلع کیا ہے کہ سرائے پختہ اد

ہادی پور (حال حاجی پور) خواجہ صاحب کی اولاد کا حق ہے، اون پر تصرف نہ کیا جائے۔

۱۲۹۵ھ تک سرائے پختہ سید انور علی مرحوم کے قبضہ میں رہی۔ حکیم مولوی شیخ احمد مرحوم عامل سرونج کے عہد میں ایک سو بیگہ آراضی کے عوض شعبان ۱۲۹۶ھ میں سرائے کی ملکیت ریاست کے حق میں مرحوم سید انور علی نے منتقل کردی۔

سرائے کی چھت مرمت طلب تھی ۱۹۰۵ء میں ریاست نے کئی ہزار روپیہ کے مصارف سے اوس کی مرمت کرادی ہے،

پندرہ سال پیشتر سرائے میں روئی کا کارخانہ قائم تھا، اب ایک حصہ میں کانجی ہاؤس ہے، مدتوں سے اس سرائے میں مسافروں کا قیام نہیں ہوتا، سرائے کے برابر ایک چھوٹا سا دھرم سالہ ہے اکثر مسافرین اوس میں قیام کرتے ہیں،

اتنی وسیع، عالیشان اور سنگین سرائے ملحق الحدود علاقوں میں نظر سے نہیں گزری، گو سرائے فی الجملہ اپنی قدیم حالت پر قائم ہے، تاہم دیواریں جگہ جگہ پانی کے جذب ہونے سے شق ہو گئی ہیں، بہرحال عمارت آثار قدیمہ سے ہے، اور ابتک محفوظ ہے،

ستکھنی[1] حویلی شہر کے اندر موجودہ جامع مسجد کی پشت پر، منزل کی مشہور حویلی ہے اسی حویلی کے انتساب سے اس نواح کی آبادی بھی ستکھنی محلہ کے نام سے معروف ہے،

حویلی کے جس حصہ کے، بلند درجے تھے، اوس کا بیشتر حصہ خریداروں نے گرا کر فروخت کر دیا ہے، خود مؤلف نے بھی پوری سات منزل کی عمارت دیکھی تھی، لیکن حویلی کے برابر جو دوسرا حصہ دو منزلہ و سہ منزلہ ہے، اور جو ایک وسیع رقبہ کے اندر پنالال سرکشن مہاجن اگروال کے قبضہ میں بیع کے ذریعہ سے آج موجود ہے، کسیقدر ترمیم کے ساتھ اپنی قدیم حالت پر قائم ہے،

---

[1] کھن ہندی میں درجے کو کہتے ہیں چونکہ سات درجے کی بلند حویلی تھی اس لئے الف کی تخفیف کے بعد ستکھنی مشہور ہوئی مؤلف کا قیاس ہے کہ لفظ "کھن" مشدد ہے، "کھن" تھا اور "خن" مخفف ہے خانہ کا جسکے معنی گھر کے ہیں، واللہ اعلم ۱۲

رانجی کی مشہور حویلی کے بعد اس حویلی کا نمبر شہرت کے لحاظ سے دوسرے درجہ پر ہے، لیکن مشہور اور قابل تحریر حصہ افسوس ہے کہ آج اپنی اصلی صورت میں باقی نہیں رہا، جس کا نقشہ کھینچکر ناظرین کے سامنے پیش کیا جاسکے، تاہم بانی حویلی کے حالات سننے کے قابل ہیں، اور محض بانی کی مشہور ترہستی کو منظر عام پر لانے کی غرض سے اس حویلی کا عنوان قائم کیا گیا ہے ۔

حویلی مذکور کا بانی مسر کہ پارام[1] برہمن مشہور مہندس و منجم گیارہویں صدی کے اخیر اور بارہویں صدی کے آغاز میں گذرا ہے، یہ وہ شخص تھا جس نے اپنے کمالات علمی اور اعجاز بیانی سے سرونج کا نام ہندوستان بھر میں مشہور کر دیا تھا، ہندوستان کے بڑے بڑے جلیل القدر جوتشی اور شاستری، اس کی شاگردی کو اپنا افتخار سمجھتے تھے، عمائدین سلطنت، وزرائے شاہی، ناظمان صوبہ اور تمام اہلکاران اعلیٰ کا ندیم تھا، اس نے اپنے علم ستارہ شناسی کی بدولت اعلیٰ اعلیٰ انعامات حاصل کئے، سیکڑوں سندات جن میں طلائی جدولیں اور طلائی گلدستے ہیں، اپنے علوم کے تصدیق میں حاصل کیں، مستقل وظیفے سرونج کی آمدنی سے بھی مقرر تھے، تمام استعمالی برتن اس کے سونے اور چاندی کے تھے، جو امرائے شاہی دہلی سے دکن کو جاتے، یا دکن سے دہلی آتے ہوئے سرونج سے گذرتے وہ ضرور مسر مذکور سے ملاقات کرتے، مؤلف نے اس نامور ہستی کے خاندانی افراد کے پتہ لگانے میں بڑی محنت کی، دو ہفتہ کی مسلسل تلاش کے بعد مسر کہ پارام کے پرپوتے چھوندی لعل کی بیوہ مسماۃ گومتی کا پتہ موضع تردیا علاقہ سرونج میں چلا، جس کی صرف ایک بیٹی ہے، اولاد مذکور کا خاتمہ ہو چکا ہے ۔

مؤلف کی آرزومندانہ استدعا پر (اس معاہدہ کے ساتھ کہ میں سندات پر تصرف نہ کرلوں) ایک بوسیدہ کپڑے کی گٹھڑی سامنے لاکر رکھدی، دو روز برابر اس عجوزہ کے پاس مؤلف گیا پچاسوں سندات میں سے جو صاف مطالعہ میں آسکیں، ان کی نقلیں کرلیں، باقیوں پر عبرت

[1] سنسکرت میں مشر (مِشْر) سے ہے، جس کے معنی جامعیت کے ہیں، جو شخص چند علوم کا جاننے والا ہے اوس پر مشر کا اطلاق صحیح ہوتا ہے ہندی میں بڑے (ش) کی جگہ چھوٹا (س) مستعمل ہے ، ۱۲ مؤلف

آگئیں ہم دوبارہ واپس کردیں۔ اسناد کا اردو ترجمہ زیادہ لطف خیز اور اثر ریز نہ تھا اس لئے فٹ نوٹ میں اصلی فارسی عبارت بجنسہ نقل کردی گئی ہے۔ سلہ

سلہ نقل سند نواب محمد خاں بہادر مظفر جنگ فدوی عالمگیر بادشاہ غازی، ناظم صوبہ مالوہ (بخط عربی: قول مرداں جان دارد) بتائیدات و عنایات نامتناہی مع الخیر والعافیت برائے سرونج منزل واقع شد، حقائق شناس، معالم حکمت دقیقہ داں مراسم خبرت، واقف اسرار نجوم، ماہر غواعض، نادر عصر، سرآمد منجمان دہر، مراتب دان عناصر و اجرام، مسر کرہ پارام آمدہ نکات دلنشین و کلمات شیریں، باعث بہجت و اہتزاز گردید (یہاں کاغذ پھٹ گیا ہے) لہذا یہ تحریر درآمد کہ درحصول صورت ایں مراتب انشاء اللہ بقدر مراتب عنایت مرعی خواہد شد، و برفرزندان ارجمند ملتمسات اوراکہ مقرون عنایت باشد بہرچہ پذیرائی سازند، و اولاد نیز مشارٌ الیہ را ہمیں مرتبہ دریں خاندان منظور خواہد شد فقط (تاریخ درج نہیں ہے)

دیگر نقل سند مہری قتے خان مرید شاہ عالم بادشاہ غازی ابن عالمگیر

انشاء اللہ
برکیمیا کار ہا دشوار نیست
سبحان اللہ العلیم

بحقائق الصدر بحسب آنخور کہ در قصبہ سرونج منزل گشت از ملاقات عشرت مآب زبدۂ منجمان روزگار رسالہ دانشوراں ادوار و اعصار کشاف حقائق آسمانی، حلال مشکلات قلبی و لسانی، مبشر بشارت غیبی، رازدان عناصر و اجرام مسر کرپارام نہایت درجہ محظوظ گردیدہ، مقرر نمودیم کہ بعد الیوم ہرگاہ مشارٌ الیہ و فرزندانش ملاقات شود، لوازم رعایت احسان بتقدیم رسانیدہ آبرو فرزانۂ کامگار نیز اولادش سلوک و مراحم مرعی دارند فقط۔

دیگر سند مہری علی حسین فدوی فرخ سیر بادشاہ غازی ۱۱۳۲ھ ہشتم شہر شعبان جلوس پنجم

مہر کے تحت میں ذیل کی عبارت درج ہے۔ (برائے بندوبست شجا علیپور آمدہ بود انشاء اللہ تعالیٰ ہموں قسم خواہد شد۔

قول مرداں جان دارد

آنکہ موصوف قابلیت و استعداد شیریں باشد، ذات یگانہ وقت مسر کرپارام است ہمہ دانشوراں فرق ہنود از تلمیذاں و شاگرداں او یند، و در کتب ہندی آنقدر استعداد دارد کہ در امصار و قصبات نظیرش نتواں یافت، اگر اورا (بقیہ صفحہ آئندہ)

ریاست سے بھی مسماۃ گومتی کا کچھ وظیفہ مقرر ہے، مکان سکونتی اب کوئی نہیں ہا، مسماۃ گومتی کی ایک بیٹی مسماۃ بھوری مسر کرپارام کی اولاد میں یادگار ہے، جو مزدوری کرکے گذر اوقات کرتی ہے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) مجموعۂ کمالات خوانده شود بجا، واگر منبع فنون گفتہ آید سزا، از آنجا کہ مشتاق او شدیم مقرر نمودیم کہ ہرگاہ مسر مسطور یا فرزندان او باینجانب درآیند، رعایتہا فرمائیم، دقیقہ از دقائق آں مرعی نگزاریم و در بارۂ ہر کہ سفارش نماید قبول نمائیم و مکان بخشیم فقط،

دیگر سند پیر بزرگ شاہ عالمگیر بادشاہ غازی بست و پنجم شہر ربیع الثانی ۴۶ جلوس والا مطابق ۱۱۱۱ھ

از پیشگاہ خلافت و جہانداری بخدمت سوانح نگاری مستقر دار الخلافہ اکبر آباد سرفرازی یافتہ در قصبہ سرونج عبور افتاد از مغتنمات روزگار کہ دریں شہر بنظر در آمده این است کہ خلاصۂ دانش و دانائی، برگزیدۂ بینش و بینائی، رموز شناس جزو کل، مدارک امورات مالاینحل، دانندۂ نکات سفیدی و سیاہی، شناسندۂ مشکلات نامتناہی، رازدانِ کواکب فلکی، سخندانِ مجالسِ ملکی، مہندس اسرار و دقائق، منجم دقیقات دقائق، محرم رموز شہور و ایام دل کشائے دل آرام مسر کرپارام ملاقات رو داد، آنقدر از لطیفاتِ رنگین، و نکاتِ نمکین گہر افشاں گردید کہ ظاہر و باطن محظوظ نمود، بسیار شاداں و خنداں ساخت، و ہمیں درخواست خواست کہ کلمہ مہر سجل عنایت شود کہ بفرزندان و خویشان بکار آید، لہذا برو ئے یادداشت قلمی میگردد، کہ اگر مسر مذکور یا از فرزندانش و خویشان مسر مسطور نزد اینجانب یا پیش برخورداران کامکار ہر سند حتی المقدور رعایتہائے مناسب حال بجا آرند فقط

وفا تخم است در آب و گلِ ما
فراموشی نمی داند دلِ ....ما

دیگر اسناد کی جو مہریں پڑھنے میں آئی ہیں اور جن کی عبارت کاغذ کے دریده ہونے سے پڑھنے میں نہیں آئیں، وہ حسب ذیل ہیں، جنہیں سے بعض مطلا ہیں،

مہر شاہزادہ بیدار بخت ۵ جلوس عالمگیری، مہر سید محمد تقی فدوی عالمگیر بادشاہ، مہر محمد علی فدوی عالمگیر بادشاہ غازی، مہر علیخاں ابن خانجہاں داروغہ کل صوبہ مالوہ ۱۰۹۲ھ، مہر شہاب الدین قلعدار، مہر محمد ضیا مرید عالمگیر، مہر فضل خاں خانہ زاد بادشاہ عالمگیر غازی ۱۱۱۳ھ

اللہ اللہ وہی کرپا رام جو جلیل القدر صوبہ داروں، وزیروں اور شاہزادوں کا مدتوں ہمنشین رہا ہے، اور وہ زبردست مہندس جسکا دروازہ کل تک تشنگان علم کا سرچشمہ تھا، آج اوسکی اولاد کو خس پوش مکان تک نصیب نہیں ہے، افسوس -

ہے عجب سیر اگر دیدۂ بینا دیکھے　　دیکھنا ہو جسے عبرت کا تماشا دیکھے (شبلی)

مسر مذکور نے سنسکرت زبان میں ایک بڑی ضخیم کتاب علم جوتش میں تصنیف کی ہے، جس کا نام "کرپا سندھ" ہے، اس کے تین حصے ہیں، (۱) شنتر، (۲) جنمنتر، (۳) پرشتنتر، متفرق طور پر لوگوں کے پاس غیر مطبوعہ نسخے آج بھی موجود ہیں،

رائجی کی حویلی

آبادی کے اندر سرکاری کوٹ سے گوشۂ شمال و مغرب میں واقع ہے موجودہ احاطہ کا کل رقبہ شمالاً و جنوباً ۲۰۰ اور شرقاً و غرباً ۱۰۰ گز ہے حویلی کے منہدمہ آثار موجودہ احاطہ سے باہر دور تک آج بھی نظر آتے ہیں۔ حویلی مذکور، عمارت قدیم سے معروف تر حویلی ہے، ملحق الحدود علاقہ جات میں جسکی عام شہرت ہے، سیاحوں اور مبصروں کی نگاہیں حویلی مذکور کی وسعت، اوسکے استحکام، اور خوشنما طرز تعمیر پر سب سے پہلے اٹھتی ہیں -

تواتر کے ساتھ یہ روایت سننے میں آئی ہے کہ موجودہ سالم چوک کے شمل ۵۲ چوک[1] تھے، روایت کے صحیح ہونے میں شبہ نہیں ہے، اسواسطے کہ خود مولف نے ۳۰ سال پہلے تین چوک سالم دیکھے تھے، گزیٹر کی ترتیب کے زمانہ میں سات چوک تھے، متعدد آثار منہدمہ چوک کے اب بھی نظر آتے ہیں، جہاں میدان ہی میدان ہے منہدمہ قطعات کے ملبہ سے شہری آبادی نے بہت کچھ فائدہ حاصل کیا ہے، متعدد سرکاری مکانات بھی اسکے ملبہ سے تعمیر ہوئے انئی حویلی کے تمام اعلیٰ ستون، کرسیاں اور دیگر سامان اسی حویلی کے آثار ہیں

موجودہ سالم چوک چمپا چوک کے نام سے مشہور ہے، جسکی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس حصہ میں چمپا کا درخت تھا، اس چوک کا طول شمالاً و جنوباً ۳۹ اور عرض شرقاً و غرباً ۳۵ گز ہے، کسی جگہ چار اور کہیں پانچ منزلیں ہیں، اوسطاً ارتفاع ۲۰ گز کا ہے -

---

[1] یہاں ہندی میں چوک مکان کے اُس وسیع حصہ کو کہتے ہیں جو متعدد درجوں اور صحن سے محیط ہو، ۱۲

پہلی منزل سیاہ پتھروں کی ہے جو نہایت درجہ مصفا ہیں، ہر ایک سنگین تقطیع دو فٹ اور بعض ڈیڑھ فٹ طول میں ہے، ایک دوسرے سے انکا وصل اس خوبصورتی کے ساتھ کیا گیا ہے کہ بادی النظر میں چونے کی تہ درمیان میں معلوم نہیں ہوتی باقی بالائی منزلوں کی عمارت اینٹ اور چونے کی ہے متعدد جگہ دوسرے اور تیسرے درجہ پر شہ نشین اور برآمدے چھوٹے چھوٹے باریک نقش و نگار کے ستون پر قائم کئے گئے ہیں -

چوک مذکور میں اندرونی کئی درجے ہیں، بعض مسقف اور بعض لداؤ کے ہیں، پہلے درجہ میں چاروں طرف بالمقابل دالان ہیں، شرقی و غربی دالان میں سنگی ستونوں کے چھ چھ در، اور شمالی و جنوبی دالان میں پانچ پانچ در ہیں، جنکے ستون بارہ پہلوؤں کے نہایت درجہ حسین ہیں، دالان کے بعد اندرونی دوسرا درجہ لداؤ کا ہے، اندرونی صحن ۱۰۰ فٹ مربع میں ہے جسکے چاروں سمت از سطح زمین سے بالائی درجہ تک ایک خط میں عمارت مرتفع چلی گئی ہے، سب سے آخری درجہ کی جو پختہ چھت ہے اوسپر دو دو فٹ بلند سرخ پتھر کے چٹے نقش و نگار کئے ہوئے چاروں طرف لگا دیے گئے ہیں تاکہ لوگ صحن میں گرنے سے محفوظ رہیں، ہر درجہ میں متعدد مکانات ہیں جنکی تفصیل طوالت سے خالی نہیں ہے -

صدر دروازہ ہتیا پول دروازہ کے نام سے مشہور ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ دروازہ کے اوپر شمالی و جنوبی پہلو میں ایک ایک فٹ طویل ہاتھیوں کی متعدد تصاویر سنگی تراش کر نصب کی گئی ہیں -

دروازہ کا عرض ۱۳ فٹ اور ارتفاع ۱۲ فٹ ہے، دروازے کے اوپر ایک دوسرا درجہ بھی ہے دروازے کے پتھر سرخ ہیں، جن پر نقاشی صنعت کا بارغ لگا ہوا ہے، پتھر کو موم کر کے سنگتراشوں نے اپنا وہ کمال دکھایا ہے کہ حیرت ہوتی ہے، یہی صورت گلدستوں کی بعض اندرونی درجوں میں بھی ہے

چوک کے بالائی درجہ پر چھت کے شمالی گوشہ میں ایک چھوٹی سی قلندری مسجد بنی ہوئی ہے -
اور اس مسجد کے محاذ میں سطح زمین پر دوسری مسجد تین محرابوں کی ہے، جس پر چھت نہیں ہے -
اس مسجد سے متصل ایک بزرگ کا مزار بھی ہے، جنکا نام مدد شاہ شہید مشہور ہے مزار حویلی کی بنیاد

سب سے پہلے کا معلوم ہوتا ہے، اسلئے کہ بقدر مسجد و مزار قبہ چھوڑ کر حویلی کی تعمیر ہوئی ہے، مسجدوں کی تاسیس کی دو وجہیں بیان کی جاتی ہیں، ایک، یہ کہ بانی حویلی، اور اسکے جانشینوں سے سرونج کے معزز طبقہ کے افغانوں کا بہت زیادہ اتحاد تھا، مالکان حویلی افغانوں کی اپنے مال سے، اور افغان اپنی نقد جان سے معاونت کرتے رہتے تھے، دوستی کا سلسلہ اسقدر عمیق تھا کہ افغانوں کی نشست سے کوئی وقت حویلی کا مردانہ حصہ خالی نہیں رہتا تھا افغانوں کے اوقات نماز کا خیال کرکے راجی نے گوشہ میں مسجد بنوا دی تھی تاکہ نماز اُن کے دوستوں کی وقت پر ادا ہوتی رہے، یہاں تک تو ٹھیک ہے مگر زنانہ درجہ میں جو مسجد ہے اُسکی توجیہ کسی صاحب نے بیان نہیں کی،

دوسری وجہ ایک ہمسایہ شاہ صاحب نے اپنے بزرگوں سے سنی ہوئی یہ ظاہر کی ہے کہ موجودہ چوک کے جنوب میں لب شاہراہ کمو شاہ کے تکیہ میں مسجد ہے، وہاں پہلے بتخانہ تھا، بعد میں کسی صاحب نے مسجد بنوا دی، راجی کا اُس زمانہ میں آبادی پر بہت بڑا اثر تھا، اُس نے اپنے حاکمانہ اثر کے زور پر مسجد کے اندر لکڑی بھروا کر آگ لگا دی، جس سے یہاں مسجد کی چھت اور اُس کے پتھر اڑ گئے، اور وہاں راجی کے بدن میں اندرونی شعلے بھڑکنے لگے، کسی اہل دل کا گذر ہوا، اُس نے علاج یہ بتایا کہ حویلی میں دو مسجد بنوا دی جائیں، اس عمل سے راجی کے سینے کی آگ سرد ہوگئی۔ یہ دونوں مساجد اسوقت کی یادگار ہیں، ممکن ہے کہ ان روایات میں صداقت ہو، لیکن مؤلف کے پاس اس کی صحت کی کوئی سند نہیں ہے، البتہ جس مسجد کے اندر آگ کا مشتعل ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ اُسکو خود مولف نے منشی بشیر الدین صاحب پیروکار اور محمد زکریا صاحب سابق تھانہ دار کی معیت میں دیکھا ہے ستونوں اور بعض دیگر پتھر کے ٹکڑوں پر کسی بیرونی صدمات کا اثر ضرور محسوس ہونا پایا جاتا ہے، جس سے اُن کی چیپین جگہ جگہ سے نکل گئی ہیں، اور دو تین پتھر مسجد کی دیوار میں ایسے لگے ہوئے دیکھے گئے ہیں جن میں تصویریں بنی ہوئی ہیں، اُس سے قیاس ہوتا ہے کہ شاید پہلے یہاں مندر رہا ہو، اور مسلمانوں نے بعد میں مسجد کی تعمیر کے ساتھ بطور یادگار اُن پتھروں کو بھی لگا دیا ہو۔ یہ امر کچھ خلاف قیاس نہیں ہے۔

مؤلف کی رائے میں ان مساجد کی بنیاد کی علت غائی محض حویلی کی حفاظت ہے، جیسا کہ آجتک

اور مالوہ کے اکثر منادر کے گوشہ میں قلندری مسجدیں تعمیر شدہ آج بھی قائم ہیں، جن سے مقصود یہ ہے کہ اہل اسلام مسجدوں کی عظمت کے خیال سے اُن کو مسمار نہ کر سکیں۔

چمپا چوک کے متصل دوسرا رنگین چوک تھا جس کی دیواروں پر رنگین جدولیں آج بھی نظر آتی ہیں، اس چوک میں مندر بھی ہے اور باؤلی بھی، دونوں تقریباً منہدم ہو چکے ہیں، مندر کا چوک بہت زیادہ حسین بنا تھا، اُس کے متعلقہ دالانوں کے ستون اب بھی قائم ہیں، باؤلی کو جنگلی پرندوں نے اپنا گھر بنا لیا ہے، چمپا چوک کے شمال میں ایک پائین باغ قدیم ہے، جو پختہ چاردیواری سے محفوظ ہے، پائین باغ کا رقبہ (۱۰۵۶) مربع فٹ ہے، جس کے وسط میں ۴۸×۴ فٹ مربع رقبہ کا ایک چبوترہ پختہ بنا ہوا ہے، جس پر ۶- انچہ کی کرسی دیکر ۲۴ فٹ مربع میں چھوٹا سا خوبصورت بنگلہ ہے، ہر سمت کھلے ہوئے تین تین در ہیں، بنگلہ کے پیش، غلام گردش بھی ہے، اس بنگلہ کی موجودہ فرمانروائے ریاست ٹونک نے مرمت کرادی ہے، باغ کی روشیں تین فٹ عریض پختہ ہیں جن پر پتھر کے پٹئے چونے سے وصل کئے ہوئے ہیں، اور ہر روش کے مابین ۸ انچہ کی پختہ نالیاں ہیں روشوں کے دونوں پہلوؤں میں جو کیاریاں ہیں، اُن میں انہی نالیوں سے پانی آتا ہے، پانی کی روانی عجیب لطف انگیز ہے، پختہ روشوں نے پائین باغ کے حسن کو دو بالا کر دیا ہے، روشوں میں جا بجا فوارے بھی ہیں، جنکے نیچے پانی کا خزانہ ہے، بنگلہ کے جنوبی پہلو میں مختصر محرابی حوض بھی ہے جسکے وسط میں فوارہ بھی ہے۔

نواب امین الدولہ بہادر نے دورہ کے سلسلہ سے قیام فرما کر ایک دو مرتبہ فوارہ جاری بھی کرایا تھا، اسوقت کا منظر نہایت دلاویز اور طرب انگیز معلوم ہوتا تھا، سطح حویلی سے باغ ۱۵ فٹ نیچا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ بانی نے زنانہ باغ اس کو بنایا تھا موجودہ زمانہ میں سرکار عالی ٹونک کی توجہ سے آراستہ تر ہے، متعدد باغبان اور کمیری ملازم ہیں، داروغہ باغ علیحدہ ہے جو نگرانی رکھتا ہے، حویلی اور باغ کا اولو العزم اور صاحب حوصلہ بانی، رائے بیدل رائے چودھری قوم اگروال مہاجن گذرا ہے، جسکی نسبت گزیٹیر کی روایت یہ ہے کہ سلطان شیر شاہ سوری کے

لشکر کا ارسلہ بساں چودھری تھا، اُس کے جانشین مثل گوپال داس، بھوپال داس، انندرائے چینر بھوج وغیرہ بھی بڑی شان وشوکت کے چودھری گذرے ہیں،

افسوس اسکا ہے کہ چودھری مذکور کے خاندانی حالات بہم نہ پہونچ سکے نہ کوئی ایسا کتبہ نظر سے گذرا جس سے کم ازکم حویلی کا سال تاسیس دریافت ہوسکتا، اس اعتماد پر کہ سلطان شیر شاہ سوری نے اپنے دورہ مالوہ کے زمانہ ۹۴۹ھ میں سرونج کے قاضیوں کو معافی میں زمینیں دی ہیں. غالب قیاس یہ ہے کہ رائے بیدل رائے بھی اسی زمانہ میں شیر شاہ کے ساتھ سرونج آیا، اور اس نے سکونت اختیار کرکے حویلی کی بنیاد ڈالی، قیاساً کہا جاسکتا ہے کہ ۵۲ چوک کی حویلی تنہا ایک شخص کے متحدثات سے نہیں ہوسکتی،

ہر جانشین اپنے عہد میں اسکو وسعت دیتا ہوا چلا گیا ہے، کیونکہ پہلا شخص جس نے یہاں سکونت اختیار کی ہے، اس کے ذرائع آمدنی محدود تھے، وہ اتنا بڑا عظیم الشان کام تنہا مکمل نہیں کرسکتا تھا. اُسکے جانشینوں کو البتہ جاگیرات عطا ہوئیں، بازار کے مہاجنوں پر پورا غلبہ حاصل ہوا، رفتہ رفتہ تعمیرات کو ترقی ہوتی چلی گئی، موضع امیر گڈھ جو وسیع الرقبہ گاؤں ہے، گوپالداس چودھری کا آباد کیا ہوا ہے، جسکا ابتدائی نام گوپال گڈھ تھا، اور یہ موضع اُس کی جاگیر میں رہا ہے، موضع میں گڈھی اس کی تعمیر شدہ آج بھی قائم ہے، نواب امیر الدولہ امیر الملک بہادر نے اپنے عہد حکومت میں گوپال گڈھ کا نام امیر گڈھ سے تبدیل کیا، تاہم آجتک عوام گوپال گڈھ ہی کے نام سے اسکو پکارتے ہیں، موضع انندپور مشہور اور بڑا موضع ہے، اسکا بانی انندرائے چودھری ہے، جس نے اپنے نام سے منسوب کیا، اور بھی متعدد دیہات چودھریوں کی جاگیر میں تھے جن کا پتہ غیروں کے قدیم کاغذات سے چلتا ہے، چودھریوں کے بازار میں بہت کچھ حقوق تھے، پرگنات میں بھی انکا اثر تھا، مقامی حکام سے زیادہ اسکے رعب اثرات تھے، یہی وجہ ہے کہ شاہی اور ملکیوں کے فرامین، نیز ریاست قائم ہونے کے بعد جو فرامین جاری ہوتے رہے ہیں، ان میں متعدد یان ہماست حالی و استقبال کے ساتھ چودھریان و قانون گویان کو بھی مخاطب کیا گیا ہے، ہندو اور

مسلمان گروہوں کے معمر لوگ تواتر کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ خاندان چودہراہٹ کے حقوق شہر میں اسقدر وسیع تھے کہ اُن کو قصاب سے علاقی جانوروں کے سروں کو حقوق کی تکمیل کے خیال سے وصول کرتے ہیں کوئی خوف برادری کا نہ تھا، اس سے بڑھ کر حقوق کی یہ وسعت بھی سننے کے قابل ہے کہ ہندو قوم کا مُردہ جب ارتھی کے ذریعہ سے مرگھٹا (جلانے کی جگہ) کو روانہ ہوتا تو دو روپے بالعموم وصول کئے جاتے، اس قسم کے بیسوں ٹیکس کی آمدنی نے خاندان کو بہت زیادہ مالدار بنادیا تھا، اگروال مہاجن کی قوم اسی خاندان کی سرپرستی میں یہاں آکر آباد ہوئی ہے،

نواب امیرالدولہ امیرالملک بہادر کے عہدِ ریاست میں خاندان مذکور کا معزز ممبر چھتر بھوج، چودھری تھا، جو میاں منور خاں کی ابتدائی نظامت کے زمانہ میں تقریباً ۱۸۲۵ء میں کسی سخت گفتگو یا باغیانہ خیالات کے اظہار کی بنا پر قتل کردیا گیا،

اوسکا ایک لڑکا بلدیو سنگھ نامی یادگار رہا تھا، ریاست سے پچاس روپیہ ماہوار کا وظیفہ بھی مقرر ہوچکا تھا، لیکن ۱۸۵۷ء میں جبکہ بشیر محمد خاں موجودہ جاگیردار موضع بابرود و جھاکر کے نابالغی کے زمانہ میں اُن کے رشتہ کے چچا امیر محمد خاں نے ٹھاکر چتر سال اگرہ برکھیڑہ کی معیت میں بغاوت کی، تو بلدیو سنگھ بھی باغیوں کیساتھ شریک ہوا، اس قصور میں اُسکا وظیفہ بند کردیا گیا اسکے بعد پھر اُسکا پتہ نہ چلا کہ کہاں گیا، لاوارث ہونے کے سبب سے حویلی پر ریاست کا قبضہ ہوگیا،

حویلی کے بعض حصوں میں پہلے غلہ کا ذخیرہ اور اس کا دفتر تھا، بخشی سید محمد خاں بہادر ظفر جنگ کے عہد نظامت میں تحصیل صدر کا دفتر منتقل ہوکر آیا، اب اسکول ہے۔

بعض عمیق تہ خانوں کو دیکھ کر عوام کو دھوکہ ہوا ہے کہ حویلی میں سرنگ ہے جو ۶ میل کا فاصلہ طے کرکے موضع دیو پور میں نکلی ہے، یہ خیال غلط ہے ۶ میل تک پہاڑ کے فراز و نشیب سطحات کو اندر ہی اندر کاٹنا کچھ آسان کام نہ تھا،

(۲) مسر گرپا رام کی باولی

آبادی سے مغرب میں جٹا شنکر پہاڑی کے نیچے ایک باغ میں واقع ہے، ۲۰۰ فٹ قطر کی باؤلی نہایت ذر

سنگین بنی ہوئی ہے، سطح آب تک پہنچنے کے لئے ۱۹ سیڑھیاں ہیں، اندر باؤلی کا محرابی ہے اور اسوقت تک اصلی حالت پر قائم ہے، سطح آب سے نیچے بھی متعدد سیڑھیاں دونوں پہلوؤں میں بنی ہوئی ہیں۔

محرابی در پر ہندی خط میں کتبہ ہے، جس پر بانی کا نام مسر کرپارام اور اسکے بیٹوں کے نام بھی درج ہیں۔ سال تعمیر سمت ۱۷۵۵ بکرمی کندہ ہے جسکو آجتک ۲۲۵ سال ہوئے، مسر کرپارام مشہور منجم گذرا ہے، جس کے حالات سنگھنی حویلی کے ذیل میں درج کر دیئے گئے ہیں[۱]

جس رقبہ میں باؤلی ہے، اسمیں باغ بھی ہے، نہ معلوم کسطرح منتقل ہوتا ہوا ریاست کے قبضہ میں آیا، ریاست نے باغ مذکور کپتان باقر علیخاں مرحوم جاگیردار موضع مغلسرائے کو انعام میں دیا، ۱۹۱۵ء میں جبکہ کپتان موصوف نے لاولد انتقال کیا، باغ مذکور سیٹھان رتلام کو دو ہزار روپیہ قرض ذمگی کپتان مرحوم کے معاوضہ میں ریاست نے دیدیا۔ اس سلسلے سے اب باغ مذکور رائے بہادر سیٹھ کیسری سنگھ ساکن کوٹہ کے مالکانہ قبضہ میں ہے جنہوں کے کثیر روپیہ صرف کر کے باغ کو بہت زیادہ آباد کر لیا ہے،

(۸) کموشاہ کی باؤلی

شہر کی آبادی سے مغرب میں الف دروازے کے سامنے مشہور کموشاہ والا تکیہ واقع ہے جسمیں کثرت سے قبریں اور متفرق پھل دار درخت بھی ہیں، اس تکیہ میں ایک قدیم باؤلی دو محرابیوں کی واقع ہے، باؤلی کی موجودہ صورت مرمت طلب ہے شریفے اور کروندے کی جھاڑیوں سے باؤلی چھپی ہوئی ہے، عمارت سیاہ پتھر کی نہایت سنگین ہے۔ قطر باؤلی کا ۱۵ فٹ ہے، باؤلی کی شمالی دیوار میں پتھر کی ایک مربع لوح وصل ہے، جس پر فارسی اور ہندی میں ذیل کا مضمون درج ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

الباقی راز جلال الدین محمد اکبر بادشاہ خلد اللہ ملکہ بندۂ ملازم شہاب الدین خاں بن ایلدم قرا بہادر بن جہان شاہ (پڑھا نہیں گیا) فی سنہ ہر صد و ہشتاد و شش (۹۸۶)

---

[۱] دیکھو سلسلہ عام عمارات نمبر ۱۲۵ مؤلف

خط کشیدہ فقرہ سمجھ میں نہیں آیا، جو کچھ پڑھنے میں آیا اُسکی نقل بجنسہ کردی گئی ہے بہرحال مطلب صاف ہے کہ اکبر شاہ کے عہد میں شاہی ملازم شہاب الدین خاں نے باؤلی کو تعمیر کرایا ہے جس کو آجتک ۳۵۸ سال ہوئے

نئی حویلی (۹)

سرکاری کوٹ سے مشرق میں ایک فرلانگ کے فاصلہ پر ۲۰۰ فٹ مربع میں واقع ہے، حویلی دو منزلہ ہے، پہلی منزل سیاہ پتھروں کی ہے جو اعلےٰ درجہ کی صفائی کے ساتھ تراشے گئے ہیں، پتھر کے ٹکڑے بعض ڈیڑھ اور بعض دو فٹ طویل ہیں، دوسری منزل اینٹ اور چونے کی ہے، بظاہر عمارت نامکمل ہے، کئی حصے قابل تعمیر باقی رہ گئے ہیں، بہرحال جس قدر بھی حصہ مکمل ہے وہ آثار قدیمہ کے لحاظ سے قابل دید ہے،

اندرونی صحن کا طول شمالاً وجنوباً (۹۸) اور عرض شرقاً وغرباً (۸۰) فٹ ہے چاروں طرف تو نو محرابی دروں کے دالان ہیں، شمالی دالان (جس طرف صدر دروازہ ہے) اکہرا ہے باقی دوہرے دالان ہیں، دوہرے دالانوں کا عرض ۲۳ فٹ اور طول ۷۴ فٹ ہے سرخ پتھر کے ستون مثمن ۴ فٹ کے مدور ہیں محرابی دروں کا ارتفاع ۱۹ فٹ اور عرض ۷ فٹ ہے، ہر درجہ کے دونوں پہلوؤں میں کوٹھے ہیں، سب دالان پتھر کی ٹپیوں سے مسقف ہیں جنکے درمیان میں شہتیر نہیں ہیں بظاہر عمارت صاف اور سادہ ہے لیکن پتھروں کی صفائی اور ان کی جڑائی اعلیٰ درجہ کی ہے، علاوہ دیوار کے پتھروں کے باقی پتھر ستون وغیرہ کے سرخ ہیں، بالائی شمالی منزل کھلی ہوئی ہے باقی تین اطراف میں مکانات مسقف ہیں جن میں ڈاکٹر شفاخانہ اور کمپونڈر شفاخانہ سرکار کی اجازت سے قیام رکھتے ہیں، نیچے کے درجوں میں سزایافتہ اور زیر تجویز قیدی رہتے ہیں۔ جیلر کا دفتر اور محافظوں کا پہرہ شمالی اکہرے دالان میں ہے، مشرق میں کھارا باؤلی اسکی طرف بھی ایک کھلا ہوا، محرابی دروں کا دالان ہے، اور ہر در کے محاذ میں ایک کوٹھہ ہے، اس دالان کی کرسی ۶ فٹ بلند ہے ستون اور محرابیں نہایت درجہ حسین ہیں، جنکے پیش ۶ فٹ طویل سرخ پتھر کے چھجے ہیں، حویلی کی بنیادوں کے آثار دور تک ہیں، حویلی کے سامنے شمالاً جو احاطہ ہے، اُسمیں انگریزی

وضع کا دارالشفا یعنی ہسپتال ہے جو ۱۹۱۶ء میں بنا ہے، اس سے المضاعف حویلی کو رونق ہوگئی ہے، حویلی کے بانی میاں منور محمد خاں[1] ہیں جو مجموعی طور پر ۳۰ سال تک سرونج کے حاکم رہے تھے پرگنہ بھی ان کے اجارہ میں رہا، انہوں نے تین بار سرونج کی نظامت کا چارج لیا ہے، دوسری مرتبہ ۱۸۱۲ء میں اس حویلی کی بنیاد پڑی اور ۱۸۲۵ء میں ختم ہوئی، رانجی کی مشہور حویلی کا پتھر اسمیں بہت زیادہ لگایا گیا ہے، جسکی تصدیق معمر لوگوں سے ہوئی ہے،

ساتواں باب

علاقہ سرونج کے بعض مشہور تاریخی مقامات اور آثار قدیمہ

سرونج علاقہ کو ہندی مذہبی روایات کے مطابق اس باب میں ایک خاص امتیازی شہرت حاصل ہے کہ اسکے محکومانہ رقبہ میں چند قدیم مقامات ایسے ہیں جہاں اُن کے مذہبی پیشواؤں اور مشہور رشیوں (تارک الدنیا فقرا) نے عبادتیں کی ہیں، اور اس لحاظ سے اُن کے نزدیک وہ مقامات قابل تعظیم ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے،

موضع دیوپور میں مہاراجہ رامچندرجی کی آمد

دیوپور سرونج سے ۶ میل کے فاصلہ پر مغرب میں واقع ہے، جہاں ۶۰ گز مربع اور ۱۰ گز عمیق

---

[1] محمد منور خاں عرف میاں مُنّو نواب امیرالدولہ بہادر کے سالے اور موتی بیگم صاحبہ کے حقیقی بھائی تھے تقریباً ۳۰ سال تک سرونج کے عامل اور اجارہ دار رہے ۱۲۵۲ھ عہد نواب وزیرالدولہ بہادر میں بشرکت اپنے دامادوں صاحبزادہ عبدالکریم خاں اور صاحبزادہ کمال خاں کے بغاوت کی قلعہ گوگور کا جبکہ محمود خاں مختارالدولہ بہادر نے محاصرہ کیا تھا، بھاگ کر گوالیار چلے گئے ۱۲۷۴ھ نواب وزیرالدولہ بہادر نے انکا قصور معاف کرکے پانسو روپیہ ماہانہ کا وظیفہ مقرر کر دیا، لیکن ٹونک سے اپنے داماد صاحبزادہ عبدالکریم خاں کے پاس اجمیر چلے گئے، وہیں انتقال کیا، ۱۲ (تاریخ ٹونک)

دامنِ کوہ میں ایک کنڈ ہے، اور گھاٹ بھی بنا ہوا ہے، ایک قدیم مندر بھی ہے، اور پہاڑ میں گپھائیں بھی ہیں جنہیں تارک الدنیا فقرا کبھی کبھی آکر قیام کرتے ہیں، کنڈ کا نام موجودہ زمانہ میں لشن کنڈ مشہور ہے اکثر ہندی تہواروں خصوصًا کاتک سدی پونم کو یہاں نہان ہوتا ہے، آخر الذکر تاریخ میں دیہات قریب و بعید اور غیر علاقوں سے ہندی برادری کے مختلف اقوام کے افراد جمع ہوتے ہیں، سات روز میلہ رہتا ہے، مقامی حکومت کی طرف سے سامان رسد اور حفاظت کا کافی انتظام کیا جاتا ہے، دیوپور کی وجہ تسمیہ اور اسکی تاریخی عظمت حسب روایت کتاب پدم پران حصہ پاتال کھنڈ۔ رام اشومیدہ، اونتالیسواں ادھیا ہے، اس طرح پر ہے کہ یہاں یعنی دیوپور میں راجہ دیومنی کی حکومت تھی، اور مہادیوجی (جنکا نام اس مقام پر وشوناتھ جی ہے) کا دیوپور آشرم (مقام عبادت) تھا۔ جن کی بزرگانہ مہربانیاں راجہ مذکور کے حال پر بہت زیادہ مبذول تھیں اسی زمانہ میں راجہ رامچندر جی راجہ راون کو قتل کر کے اجودھیا کی گدّی پر بیٹھے تھے، رشی منی (خدا رسیدہ فقرا) نے رامچندر جی سے کہا کہ راون برہمن تھا، اور برہمن کو مارنا چھتری دہرم کے خلاف ہوا، اس کا کفارہ اس طرح پر ہو سکتا ہے کہ ایک گھوڑا دھرتی (زمین) پر چھوڑا جائے لوگ اوس کی اطاعت کریں، اور جو راجہ گھوڑے کو پکڑے اوس سے مقابلہ کیا جائے، یہانتک کہ ہند کی دہرتی پر راجہ رامچندر کی تنہا حکومت ہو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، رامچندر جی کے چھوٹے بھائی ستردھن فوج کیساتھ گھوڑے کے پیچھے روانہ ہوئے، کئی مقامات پر مقابلہ ہوا، ستردھن غالب رہا۔ اس سلسلہ میں گھوڑا راجہ دیومنی کے دار الحکومت (دیوپور) میں بھی پہونچا، رکمانگد راجہ دیوپور کا بیٹا اس وقت چند عورتوں کے ساتھ اپنے باغ کی سیر و تفریح میں مشغول تھا، گھوڑے کو پکڑ کر اوس کی پیشانی کے پتر یعنی ورق کو پڑھا جس میں لکھا ہوا تھا کہ راجہ رامچندر جی کی اطاعت فرض ہے، اگر کسی کو حوصلہ ہو تو گھوڑے کو پکڑ لے، رکمانگد مضمون کو پڑھکر ہنسا، اور اپنی ہم جلیس عورتوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیا میرے باپ سے زیادہ مہاراجہ رامچندر

---

[۱] مہاراجہ رامچندر جی کے زمانہ کا کوئی سنہ نہیں ہے جس سے اوس زمانہ کا تعین کیا جائے، مورخین کا اندازہ تین ہزار سال کا ہے واللہ اعلم ۱۲

میں طاقت ہے، یہ کہکر گھوڑے کو اپنے اصطبل میں بند ہوا دیا، اور اپنے والد کو اطلاع کی، راجہ دیومنی کو اپنے بیٹے کی اس حرکت پر افسوس ہوا، اور اسی وقت مہادیوجی سے جاکر عرض کی، مندر سے صدا آئی کہ تیرے لڑکے نے انوکھا کام کیا ہے، اب رامچندر جی کی فوج سے مقابلہ ہوگا، مہاراجہ رامچندر جی کے یہاں قدم آئیں گے اور ان کا درشن بھی ہوگا،

اس عرصہ میں سترگھن (راجہ رامچندر جی کے بھائی) بھی اپنے لشکر کے ساتھ دیوپور پہونچگئے سخت لڑائی ہوئی، سترگھن کی فوج مغلوب ہوکر غافل ہوگئی، ہنومان جی سترگھن کے ہمراہ تھے، یہ حالت دیکھکر آندر کے پاس گئے، اور وہاں سے ایک بوٹی لائے جس کے اثر سے فوج غافل ہوشیار ہوکر پھر نبرد آزما ہوئی، سترگھن نے آثار مغلوبیت دیکھکر مہاراجہ رامچندر جی کا دھیان کیا، وہ اسی وقت امداد کو پہنچے، مہادیوجی نے راجہ دیومنی کو راجہ رامچندر جی کے قدموں پر گراکر صلح کرادی معاملہ ختم ہوگیا۔

اس روایت میں اکثر باتیں درایت کے خلاف ہیں، جنکو محض خوش اعتقادی کی بنا پر جنگی روایت میں شامل کردیا ہے، ممکن ہے کہ راجہ دیومنی اور راجہ رامچندر جی کی افواج سے مقابلہ ہوا ہو، لیکن تاریخ میں دیومنی راجہ کا نام راجگان مالوہ کی فہرست میں نہیں پایا جاتا۔

اس میں شک نہیں کہ دیوپور بہت قدیم جگہ ہے جسکی تصدیق گردونواح کے آثار سے ہوتی ہے باغات قدیم متعدد ہیں، اور قدیم متفرق درخت مثل پیپل وبرگد کے بھی قائم ہیں، گنج شہداء کے بھی علامات ہیں، مندر اور کنڈ بھی ہے، لیکن کنڈ اور مندر کی تعمیر بہت پرانی ہے، یہ بات القیہ قرین قیاس ہے کہ عمارت کی تجدید و ترمیم ہوتی رہی ہو۔ جیساکہ اکثر جگہ ہوتا رہتا ہے۔ کہیں کہیں قدرتی نہریں اور پانی کا مخرج بھی قدیم تر ہے، جو سطح آب کے اندر دوبارہ رہتا ہے، ہندو اعتقادات کی رو سے یہ جگہ قدرتی آثار کی بنا پر دیوتاؤں کی جگہ ہے اسلئے دیوپور اسکا نام رکھا گیا۔

بشن کنڈ کی وجہ تسمیہ غالبًا یہ ہے کہ مہادیوجی (جنکا نام اس مقام پر حسب روایت کتب مذہبی اہل ہنود شونا تھ جی ہے) اسلئے وشو کنڈ مشہور ہوکر کثرت استعمال سے بشن کنڈ ہوگیا،

مؤلف سے یہاں کے مشہور جوتشیوں[۱] نیز مالوہ کے دیگر مقامات کے برہمنوں نے بیان کیا ہے کہ کتاب میں دیوپور کا کچھ پتہ نہیں بتایا گیا کہ کہاں واقع ہے، البتہ بندیاچل پہاڑ کی شاخ کا سلسلہ دیوپور کے اطراف میں بتایا گیا ہے، چونکہ علاقہ سرونج کے پہاڑوں کا سلسلہ بھی بندیاچل سے ہے، نیز قدرتی قدیم جگہ اور دیگر علامات کتاب کے اندراج کی تائید میں ہیں، اور اسلاف سے بھی تواتر کے ساتھ یہی سنا گیا ہے، ان وجوہ سے وہ لوگ اس دیوپور کو راجہ دیومنی کا دار الحکومت مہادیوجی کا آشرم اور مہاراجہ رامچندر جی کا قدم گاہ سمجھتے اور اس کی پرستش کرتے ہیں،

موضع مہابن میں جمدگنی رشی اور پرسرام جی کا استھان

سرونج سے جانب مغرب تحصیل لیٹری کے محکومانہ رقبہ میں ۲۸ میل کے فاصلہ پر موضع مہابن واقع ہے، بلند اور پست پہاڑوں کا چاروں طرف سلسلہ ہے پہاڑ کے دامن میں ایک ندی بھی جاری ہے جہاں قدیم ترزمانہ کا .... ایک کنڈ ہے، جس کے اندر پہاڑ سے پانی جھر کر جمع ہو جاتا ہے، مداگن کنڈ اسکا نام ہے، کنڈ کی مرمت وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی ہے، ٹونک کے گزیٹیر کی روایت ہے کہ سمت ۱۴۵۳[۲] بکرمی میں لالہ جوشی نے پختہ اسکو تعمیر کرایا ہے، جسکو آجتک پورے ۵۰۰ سال کا زمانہ گذرا، مقام مذکور مشہور اور پرفضا مقام ہے، لیکن مؤلف کو باوجود تلاش و دریافت وہاں کوئی کتبہ نہیں ملا، مؤلف نے مقام کی وجہ تسمیہ اور رادھی کے مشہور تیرتھ ہونے کے متعلق اہل ہنود کی مذہبی اور تاریخی کتابوں سے بہت کچھ تحقیقات کی ہے، تحقیقات کے نتیجہ کا خلاصہ

---

[۱] پنڈت گوبند رام جی، گجراتی برہمن ساکن سرونج، سنسکرت جوتش اور ہندی علوم کے زبردست ماہر، قوی الحافظ روشن خیال ہستی کے آدمی ہیں انکسے مؤلف کو ہندی روایات، اور سنسکرت الفاظ اور ہندی بیجک کے دیکھنے اور سمجھنے میں بڑی مدد ملی ہے، جسکا مؤلف شکر گذار ہے،

[۲] گزیٹیر میں جس کتبہ کا حوالہ دیا گیا ہے یقیناً وہ چھوٹی مداگن واقع لیٹری کا کتبہ ہے جسکو خود مؤلف نے دیکھا اور پڑھا ہے، غلطی سے اس کتبہ کو اس مداگن سے منسوب کر دیا ہے۔

حسب روایت کتاب بھاگوت پُران، نواں اسکند (حصہ) پندرھواں ادھیاد باب) اسطرح پر ہے کہ اہل ہنود کے مشہور اوتار پرسرام جی کے باپ جمدگنی رشی مشہور ریاضت کیش شخص گذرے ہیں، جو مہاراجہ رامچندر جی کے معاصر تھے، اپنے آشرم (مقام عبادت) پر ہروقت عبادت الٰہی میں مصروف رہا کرتے، لیکن آشرم کا پتہ کسی کتاب میں درج نہیں ہے، جمدگنی رشی کے پاس ایک گائے (کام دھینو) نامی بڑی خیر و برکت کی تھی، ماہشمتی، شہر کا مشہور راجہ مسمے سہسرا ارجن ایک روز شکار کھیلتا ہوا اپنے لشکر کے ساتھ جمدگنی رشی کے مقام عبادت پر آنکلا، رشی جی نے فراخ دلی کے ساتھ راجہ اور اوسکے لشکر کی دعوت کی، راجہ مذکور کو ایک فقیر کے کثیر مصارف پر بڑی حیرت ہوئی، تحقیقات سے معلوم ہوا کہ یہ ساری خیر و برکت اُسی گائے کا وجود ہے، جس کا نام (کام دھینو ہے) راجہ نے جمدگنی رشی سے گائے کے لئے استدعا کی، رشی جی کے انکار پر گائے کو راجہ مذکور جبر اً لے گیا، پرسرام جی رشی جی کے بیٹے جب باپ کے پاس حاضر ہوئے تو اُن کو گائے کے قبضہ سے نکل جانے کا حال معلوم ہوا، رنج و غصہ اور جوش انتقام کے جذبات میں بھرے ہوئے راجہ سہسرا ارجن کے دارالحکومت میں پہونچے، خونریز لڑائی ہوئی، جسکا نتیجہ راجہ کے قتل اور پرسرام جی کی فتح پر برآمد ہوا، اس کے بعد پرسرام جی گائے کو لئے ہوئے باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، باپ نے راجہ کے مارے جانے کا حال سنکر افسوس آمیز لہجہ میں کہا کہ رعایا کے پالنے والے کا مارنا دھرم میں اچھا نہیں ہے، تیرتھ کرنے سے تمہارے گناہوں کا کفارہ ہو سکتا ہے، پرسرام جی تیرتھ کو چلے گئے، راجہ سہسرا ارجن کے بیٹوں کو اپنے باپ کے انتقام کی فکر ہوئی، ایک روز موقع پاکر جمدگنی رشی کو انہوں نے قتل کردیا پرسرام جی کی والدہ "رینکا" نے روحانی طاقت کے ذریعہ سے پرسرام جی کو اطلاع دی، وہ فوراً موقع پر آئے، ۲۱ مرتبہ دنیا کا چکر لگا کر تمام چھتریوں اور راجہ کے بیٹوں کو قتل کردیا، باپ کی نعش پر جھک کر خدا سے زندگی کی دعا کی، جو اس طرح مقبول ہوئی کہ جمدگنی رشی کی روح سات ستاروں میں سے ایک ستارے میں شامل ہوگئی جو ساتویں رشی کہلاتے ہیں۔

جہاں پر جمدگنی رشی کا آشرم (عبادت خانہ) تھا اُسکے نیچے کادش کی ندی جاری تھی ، اُسی کا پانی پوجا (پرستش) کے لئے کام میں لایا جاتا تھا (بھاگوت کی روایت ختم ہوگئی) اگرچہ خوش اعتقادی کی بنا پر واقعات کے بیان میں شاعرانہ مبالغہ سے کام لیا گیا ہے، جسکو تاریخ اور درایت سے کوئی تعلق نہیں ہے تاہم جمدگنی کے وجود سے انکار نہیں ہو سکتا جسکو ہندوستان کی بڑی قوم مانتی ہوئی چلی آرہی ہے ، اس میں شبہ نہیں کہ ہندو اقوام میں بڑے بڑے ریاضت کیش فقرا گذرے ہیں ، انمیں ایک جمدگنی رشی بھی تھے ،

اب ثابت کرنا یہ ہے کہ جمدگنی رشی کا آشرم یہی مداگن ہے جو سرونج کے علاقہ میں واقع ہے یا کسی اور جگہ - ہندی میں منداگنی دیوتاؤں (مقبول بندوں) کی گنگا کو کہتے ہیں ، اور گنگا اوس پانی کا نام ہے ، جو پاک صاف ہونے کے ساتھ صحت بخش بھی ہو ، چونکہ کاوش کی ندی کے پانی میں وہ تمام اوصاف تھے ، اسلئے اُسے بھی گنگا کہتے تھے ، کثرت استعمال سے منداگنی کے بجائے مداگن رہ گیا ، جو زبانوں پر آجتک جاری ہے ، اسی معنوی مناسبت سے آجکل عموماً مداگن اُس مقام کو کہتے ہیں ، جہاں سایہ دار درخت ہوں ، پانی جاری ہو ، اطراف میں شاداب پہاڑ ہوں ، سرونج کے علاقہ میں اس اوصاف کے دو اور مقام ہیں ایک کریرہ مداگن اور دوسرا چھوٹی مداگن کے نام سے معروف ہے ، جہاں کئی پختہ کنڈ بھی بنے ہوئے ہیں ، مداگن نام کے مواضعات اور مقامات بھی متعدد ہیں ،

چونکہ بھاگوت میں یہ بھی درج ہے کہ پرسرام جی نے چھتریوں کو ہلاک کرکے اُن کے خون سے ۹ کنڈ[1] بھرے تھے ، اور مداگن میں بھی متعدد کنڈوں کے آثار پائے جاتے ہیں نیز جا بجا

---

[1] جب بقول روایت بھاگوت ۲۱ بار دنیا کا چکر لگا کر چھتریوں کو پرسرام جی نے ہلاک کیا تو مداگن میں خون کے کنڈ کیوں بھرے گئے ، جہاں چھتری ہلاک ہوئے وہاں خون ہونا چاہیئے تھا اور پھر سب چھتری ہلاک کردیئے گئے تو آجتک رام چندر جی کے زمانہ سے چھتریوں کی کیسے حکومت قائم رہی ممکن ہے کہ اشنان (غسل) کے لئے متعدد کنڈ بنوائے گئے ہوں بعد میں مقلدوں نے خون کے کنڈ کی شہرت دیدی ہو واللہ اعلم ۱۲

پہاڑوں میں قدرتی کھوئیں ہیں قدیم مندر بھی ہیں، پہاڑ کے نیچے ندی بھی جاری ہے، ان تمام آثار و علامات سے سرونج اور ملحق الحدود مالوہ کے تمام علاقوں کے جوتشی برہمن، اور دیگر سناتن دھرمی ہنود اسی مداگن کو جگدنی رشی کا آشرم تسلیم کرتے ہوئے، اسکے کنڈ میں ہندی تقریبوں پر دور دور سے آکر نہاتے اور کھانا پکاکر فقرا کو تقسیم کرتے ہیں۔

شنکرات پر (جو مکر شنکرات کہلاتی ہے) خاص طور پر میلہ ہوتا ہے غیر علاقوں سے بکثرت ہندو برادری کے افراد آکر جمع ہوتے ہیں، مولف نے سال گذشتہ میں میلہ کا ہجوم دیکھا تھا، تقریبًا دس ہزار آدمی تھے،

موضع سیمل کھیڑی کی نسیّان[1]!

تارن ترن جی کا استھان

سرونج سے گوشۂ شمال و مغرب میں ۱۴ میل کے فاصلہ پر موضع سیمل کھیڑی واقع ہے، نواب والاجاہ وزیر الدولہ بہادر کے عہد حکومت سے صاحبزادہ غلام نبی خاں اور اُن کے بعد اُن کی دختری اولاد میں یہ موضع بطور جاگیر برابر منتقل ہوتا چلا آرہا ہے، اس موضع کی سرحد میں لب سڑک دو درخت برگد کے قدیم واقع ہیں، جو بادشاہی بڑون کے نام سے مشہور ہیں، بیان کیا جاتا ہے کہ کسی بادشاہ نے ان درختوں کے نیچے قیام کیا تھا، واللہ اعلم،

اس گانوں کے مغربی وجنوبی گوشہ میں نصف میل کے فاصلہ پر ایک ہموار میدان ہے جسکے جنوب، شمال اور مغرب میں بلند پہاڑوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے جن پر بکثرت جھاڑی ہیں اسی ہموار سطح ارض پر ایک درخت برگد کا بہت قدیم تھا، مدت ہوئی مستاصل ہوچکا ہے اس درخت کی جگہ کو وسط میں لیکر ایک احاطہ ۵ گز بلند دیوار کا بنایا گیا ہے، جسکا طول شرقًا و

---

[1] نسیان صحیح نشرینی ہے جو سنسکرت کا لفظ ہے جس کے معنی بلندی کے ہیں، اسی لفظ کو بگاڑ کر عمومًا ہندی میں سیڑھی کو نسینی کہتے ہیں نسینی سے نسیتی اور نسیان ہوگیا۔ ۱۲ مؤلف

غرباً ۵۲ گز اور جنوباً و شمالاً ۴۰ گز کل ۴۰×۵۲ مربع ہے، مکانیت احاطہ کے چاروں طرف ہے، شرق و غرب میں نو نو چشمے، جنوب و شمال میں گیارہ گیارہ چشمے مسقف ہیں جنکی کرسی ایک فٹ بلند ہے، اور سامنے ایک خط میں متعدد خوبصورت سنگین ستون قائم ہیں، ہر سمت کے دالانوں میں دونوں پہلو میں کوٹھڑیاں بھی ہیں، احاطہ کا صدر دروازہ شرق رویہ ہے جسکے دونوں بازوؤں پر شیروں کی سنگی تصاویر نصب ہیں وسط صحن میں ۵ فٹ بلند کرسی کے ۲۰ گز مرتفع پختہ چبوترہ پر خوبصورت مسقف بارہ دری ہے، اس بارہ دری کے متصل مشرق میں ۴۰ گز مربع دوسرا پختہ چبوترہ، پانچ فٹ مرتفع کرسی کا نہایت حسین بنا ہوا ہے، چبوترہ کی غربی سمت ۲ گز حصہ چھوڑ کر ۱۲ گز مربع میں ایک چھوٹی سی عمارت کمرہ کی شکل میں ۴۵ فٹ بلند چلی گئی ہے جسکے آخری سرے پر کلس لگا ہوا ہے، جسکو یہاں کی زبان میں (سگر) کہتے ہیں، اس عمارت کا دروازہ شرق رویہ ہے، دروازہ کے سامنے چار ستونوں کی ۶ گز مربع مسقف ایک چھتری ہے اور یہی چھتری تمام عمارات میں قدیم تر اور اوسکی تاریخ قابل اظہار ہے، باقی عمارات جدید ہیں، جنکا تذکرہ آگے آتا ہے۔

تارن[۱] ترن ولد گڑھا شاہ قوم پروار جین مت دہلی کے رہنے والے مشہور ریاضت کیش سوامی گذرے ہیں، سمت ۱۵۰۵ بکرمی سال پیدایش اور سمت ۱۵۱۲ بکرمی سوامی جی مذکور کی نقل و سکونت کا سال ہے، اسی سال کے اخیر میں پھرتے ہوے موضع سیمل کھیڑی پہونچے، اور مقام مذکور کو اپنے قیام کے لئے انتخاب کرکے ریاضت اور عبادت الٰہی میں مصروف ہوگئے، اپنی حیات میں سوامی جی نے ایک کتاب تصنیف کی ہے، جس میں خدائے برتر کی عبادت اور پرستش کے طریقے اور مذہبی احکام کے اصول بتائے ہیں، تعلیم کی ہدایات درج کی ہیں تصویر کی پرستش کی سختی سے ممانعت کی ہے، بہت سے لوگ سوامی جی کے مقلد ہوکر اطاعت اور تبلیغ میں سرگرم ہے

---

[۱] یہ حالات اجتماع میلہ کے زمانہ میں خود مؤلف نے تارن پنتھی پنڈتوں سے معلوم کرکے اور ان کی کتابوں سے تصدیق کرکے درج کیئے ہیں، ۱۲ مؤلف

اسی مناسبت سے سوامی جی کے پیرو، تارن پنتھی مشہور ہوئے، کتاب کے ۱۴ حصّے ہیں[1] اور ہر ایک حصّہ کا نام جدا جدا ہے،

تارن سوامی نے کوئی شادی نہیں کی، ۶۸ سال کی عمر پاکر سمت ۱۵۷۲ بکرمی میں وفات پاگئے، مقام وفات ملہار گڈھ تحصیل مونگا ولی ضلع عیلے گڈھ علاقہ ریاست گوالیار ہے اور وہیں ادن کی خاک پر ایک چھتری بطور یادگار بنی ہوئی ہے، جہاں پھاگن سودی ۱۴ سے پیروان سوامی جی جمع ہوکر پندرہ بیس روز تک قیام کرتے اور مذہبی کتابیں پڑھتے ہیں۔

سیل کھیڑی کا رقبہ میں جو ۴ ستون کی چھتری پختہ احاطہ کے اندر قدیم بتائی گئی ہے، یہی وہ خاص جگہ بتائی جاتی ہے، جہاں ۱۲ سال تک سوامی جی نے بیٹھکر خدا کی عبادت کی ہے اور تعمیر بھی اوسی زمانہ کی ہے، ایک دالان دو درجہ کا شرق سمت بھی قدیم ہے، احاطہ کے باہر پختہ آثار بھی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ زمانہ میں بھی یہاں پختہ احاطہ تھا، تارن سوامی جی کو فوت ہوئے آجتک ۴۱۱ سال کا زمانہ گذرا حساب سے سوامی جی کی زندگی کا بیشتر حصّہ سلاطین مالوہ کے عہد حکومت میں گذرنا ثابت ہوتا ہے، الغرض جین مت تارن پنتھی اس مقام کو اپنے اعتقادات کے مطابق قابل عظمت سمجھتے اور نہایت خلوص کے ساتھ سوامی جی کی تصنیف کی ہوئی کتاب شاستر کو پڑھتے اور سُنتے ہیں۔ ماگھ سدی (۵) سے اجتماع شروع ہوکر ۲ روز تک قائم رہتا ہے، تیسرے چوتھے سال بہت زیادہ اخلاص و عقیدت کا اظہار ہوا کرتا ہے،

تارن پنتھی مختلف مقامات شل ناگپور، جبلپور، برار، ہوشنگ آباد، ریوان، پنا، باندہ، آگرہ، ساگر، خاندیس، چرکھاری اور مالوہ کے بیشتر اضلاع سے تقریباً ۲ ہزار کے قریب آکر جمع ہوتے ہیں ریاست کیطرف سے حفاظت کا کافی انتظام ہوتا ہے جو لوگ صاحب استطاعت ہیں باری باری سے شرکا کو مدعو کرتے ہیں، اور کبھی معتقدین سے ایک شخص پندرہ بیس ہزار روپیہ کا صرفہ اپنی تنہا ذات پر برداشت کرتا ہے،

[1] نام یہ ہیں (۱) سرادگاچار (۲) مالا پاٹ (۳) پنڈت پوجا (۴) کمل تبیسی، (۵) نیان سمچے سار (۶) اتشد سار (۷) برنتگی، (۸) چوبیس ٹھانا (۹) مول پوہر (۱۰) سہنس بہاؤ (۱۱) شہرین بہاؤ (۱۲) کہا تکا سیس (۱۳) چہدمست ریم (۱۴) نام بالا - ۱۲

چونکہ اب موٹروں کی آمد و رفت اسٹیشنوں سے شروع ہوگئی ہے، اس لئے امید ہے کہ آئندہ سال سے اجتماع میں دو چند ترقی ہو جائے گی، اس تاریخی مقام نے سرونج کے نام کو جین مت تارن پنتھی میں دور دور مشہور و معروف کر دیا ہے۔ مقام بھی نہایت پُر فضا ہے جسکو عوام نسیان کہتے ہیں جدید عمارت ۲۵ سال ہوئے جب ہزاروں روپے کے چندے سے تیار ہوئی ہے تارن سوامی نے مختلف اقوام میں اپنے مذہب کی تلقین کی ہے جنکی ابتدائی قومیت تبدیل ہو کر ذیل کی قومیں مہاجن حیثیت میں داخل ہوگئی ہیں، چناگرے، ستی، گولالارے، اجودھیا، سمیا، دوسکے، پروار ہیں اور انمیں صرف اتنا فرق ہے کہ پروار برہنہ تصویر کو مانتے ہیں، اور یہ لوگ صرف کتاب کو سنتے ہیں تصاویر کی پرستش نہیں کرتے،

چھوٹی مداگن واقع لیٹری کا مندر

سرونج سے ۲۴ میل کے فاصلہ پر مغرب میں قصبہ لیٹری واقع ہے، جو تحصیل غربی کا صدر مقام، اور علاقہ سرونج میں سب سے بڑا موضع ہے، آبادی کے گوشۂ مغرب و جنوب میں دو فرلانگ کے فاصلہ پر ایک مندر سرخ پتھروں کا تعمیر شدہ قائم ہے، جو چھوٹی مداگن کا مندر مشہور ہے، مندر کا محیط ۸۰ فٹ اور ارتفاع ۳۰ فٹ ہے، دروازہ کے سامنے اکہرہ سنگین دالان بھی تھا، جو منہدم ہو چکا ہے، صرف دونوں بازوؤں پر دو ستون قائم ہیں، جس پر ہندی خط میں کتبہ ہے، ذیل کی عبارت پڑھنے میں آئی ہے۔

۱۱ - ۴۷ - مدھ سری سمت ۱۴۸۳ ماگہ بدی (۵) بدہ و نے ۱۱ ۔ ۔ ۔ ۔ لالہ جو لیشی۔

لالہ جولیشی نامی نے سمت ۱۴۸۳ میں اس مندر کو تعمیر کرایا ہے، جسکو آجتک پورے پانچسو سال کا زمانہ گذرا، مندر کے شمال میں ایک کنڈھی ہے جسکا بیشتر حصہ زمین کے برابر ہو چکا ہے، پختہ گھاٹ کے آثار کہیں کہیں نظر آتے ہیں، مندر میں یہ خوبی ہے کہ اسکی دیوار کے بیرونی حصہ میں جسقدر پتھر کے ٹکڑے (چنکھاریاں) وصل ہیں، ہر ایک پر مختلف ہندو دیوتاؤں کی تصاویر پوری کندہ ہیں اور اسقدر صاف

اور ابھری ہوئی ہیں کہ تیس قدم کے فاصلہ سے بھی صاف نظر آتی ہیں، باہر کی طرف اندازاً دو سو جنکھاریوں سے کم نہوں گی، اسیقدر تصویریں بھی سمجھ لینا چاہیئے، حقیقت میں بڑی محنت اور صنعت سے کام لیا ہے، ۱۱ دوسری صنعت یہ ہے، جسکو مؤلف نے غور سے دیکھا ہے کہ جہاں پتھر کے ٹکڑوں کو باہم وصل کیا ہے... وہاں چونہ کی نہ مطلق معلوم نہیں ہوتی،

مندر کا شمالی حصہ کسی قدر شق ہوگیا ہے، جسکو دیکھکر مؤلف نے ہمراہیوں سے افسوس کا اظہار کیا، کہ چند سال میں ایسی عمدہ ترین عمارت منہدم ہونیوالی ہے، جواب میں چند اسی اور ستر برس کے لوگوں نے کہا کہ وہ اپنی عمر سے مندر میں اسی طرح شگاف دیکھتے ہوئے چلے آرہے ہیں، اس سے معماروں کی صنعت کا اندازہ کرلینا چاہیئے، کہ جنہوں نے ظاہری نقش ونگار کے علاوہ مصالح کی ترکیب دینے میں کمال کا اظہار کیا ہے، اس قسم کی دوسری عمارت نہ شہر میں نظر سے گذری ہے نہ دیہات میں، بعض برہمنوں نے بیان کیا کہ اسی قسم کا ایک مندر، قصبہ، اودے پور تحصیل باسودہ، ضلع بھیلسہ علاقہ گوالیار میں بھی ہے، مالوہ میں دوسری جگہ نہیں ہے لیکن مؤلف کو اسکا ذاتی علم نہیں ہے، لالہ جولیشی بانی عمارت کے خاندان کا کچھ پتہ نہ چلا، لوگوں کا خیال ہے کہ برہمن قوم سے تھا،

تحصیل لیٹری کے دفتر کا مکان

۱۸ گز طول ۵ گز عریض دو منزلہ پختہ لداؤ کا مکان قدیم ہے، باقی حصہ پیش دالان جدید ہے، قدیم کمرہ کے دونوں پہلوؤں میں پانچ پانچ گز کی مربع کوٹھڑیاں ہیں، اور فرش کے نیچے عمیق تہخانہ ہے، جسمیں آجکل سا ہوان رتلام کا غلہ بھرا رہتا ہے، ایک چور دروازہ بھی مشہور ہے، عمارت کے مغرب میں وسیع میدان ہے، جہاں باغیچہ ہونے کی علامت پائی جاتی ہے، کتبہ کوئی نہیں ہے، بستی کے کئی پتھر آبادی سے باہر ہیں، ان میں سے دو ستی سنگروں کی ہیں، ایک پر سمت ۱۴۰۹ دوسرے پر سمت ۱۷۰۸ بکرمی درج ہے، شہنشاہ عالمگیر کے عہد سے پہلے لیٹری علاقہ پر سنگر راجپوتوں کی عملداری تھی، لیٹری انکا صدر مقام تھا، موجودہ مکان انہی راجپوتوں کا تعمیری یادگار ہے، تحصیل لیٹری اور تھانہ کا دفتر جس حصہ

زمین میں واقع ہے، یہ رقبہ اور اس سے زیادہ اور بھی رقبہ سینگر ونگی گڈھی میں شامل تھا جس کے آثار آج بھی نظر آتے ہیں،

موضع گکراج کوٹرہ

سرونج سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر گوشہ جنوب و مغرب میں، اور تحصیل لیٹری سے جنوب میں ۸ میل کے فاصلے سے واقع ہے، آبادی پہاڑ کے دامن میں ہے، چاروں طرف بلند پہاڑوں کا سلسلہ ہے آبادی کے متصل ایک پہاڑ پر گڑہی کے آثار ہیں جو چار بیگہ رقبہ میں ہے، گڑھی میں متعدد پختہ ایوانات کا وجود، آثار سے ثابت ہے، جو تقریبًا سب منہدم ہیں، صرف ایک مکان ۴۰ گز مربع کا قائم ہے، عمارت لداؤ کی ہے، جو اینٹ اور چونے سے مرکب ہے، پلاستر پر جگہ بجگہ رنگین نقش ونگار بھی ہیں، اس محل کے مشرق میں ایک قدیم کنواں بھی ہے، جس میں ایک کھڑکی ہے، جس کا راستہ محل کو گیا ہے، پہاڑی کے بلند سطح کو کھود کر تقریبًا ۲۵ گز عمیق چاہ میں راستہ نکالا گیا ہے، جو محض اس غرض سے معلوم ہوتا ہے کہ محل کی کنیزیں پانی چاہ سے بھر کر لا سکیں، اور بے پردگی نہ ہو، جگہ نہایت فرحت بخش ہے پہاڑ کا سبزہ دلوں کو اپنی طرف جذب کرنے میں مائل رہتا ہے،

سطح کی فضائیت یوں اور بڑھ گئی ہے کہ محل کے مشرق میں قدرتی ایک تالاب ہے جس کے تین طرف پہاڑوں کا مسلسل بند ہے، صرف ایک طرف ۵۰ گز پانی کے مرور کے لئے راستہ تھا جسے گڑہی کے بانی نے بند باندھ کر بند کرا دیا تھا، اس وقت تالاب کی موجیں، سبزہ زاروں کی بہاریں قابل دید ہوں گی، مدت ہوئی کہ بند ھ ٹوٹ گیا ہے، جس سے تالاب کا پانی پہاڑ کے دامن سے گذرتا ہوا چلا جاتا ہے، گڑہی مذکور سینگر راجپوتوں کے عہد کی ایک شکستہ یادگار ہے، جن کا وجود، شہنشاہ عالمگیر سے قبل اس نواح میں تھا،

موضع مُراریا کی گڈہی

مُراریا[1]، سرونج سے مغرب میں ۲۲ میل کے فاصلہ پر تحصیل لیٹری کا وسیع الرقبہ موضع ہے

---

[1] موجودہ زمانہ میں یہ گاؤں میر شاہان ذوالنصاحب رحیم اللہ خاں مرحوم کی اولاد کی جاگیر میں ہے ۱۲

جسمیں سینگر راجپوتوں کی ایک گڈھی تھی، جسکے آثار ۸۰ گز طول اور ۴۰ گز عرض میں آج بھی نمایاں ہیں فصیل تقریباً منہدم ہوچکی ہے، محلات بھی اکثر زمین کے برابر نظر آتے ہیں، گڈھی کے شرقی سمت میں چند محرابی دروازے، اور جنوب میں ایک پختہ قدیم عمارت آثار قدیمہ کے یادگاری نقش ونگار البتہ باقی ہیں، شرقی محرابی دروں کی طرز عمارت سے پایا جاتا ہے کہ یہاں اصطبل تھا، اور مشہور بھی یہی ہے، جنوبی عمارت دالان کی صورت میں ہے جسمیں تین محرابی در ہیں، اور دونوں پہلو دو کوٹھے ہیں، چھت لداؤکی ہے، عمارت میں مٹی کے پختہ نل وصل ہیں، مستطیل شکل کا ایک پختہ چاہ بھی ہے، جس کے دہانہ پر مسقف چھوٹی سی چھتری ہے، اس چاہ کا پانی نلوں کے ذریعہ سے غالباً زنانہ محل میں پہنچایا جاتا تھا، پائین باغ کے بھی آثار نظر آتے ہیں، جسکو اسی چاہ کا پانی سیراب کرتا تھا، موجودہ زمانہ میں کنواں مٹی سے پر ہے،

موجودہ آبادی گاؤں کی نشیب میں اور گڈھی آبادی سے جنوب میں بلندی پر ہے، کتبہ گڈھی میں کوئی نہیں ہے، قرائن سے موجودہ آثار کی عمر تین چارسو سال کی معلوم ہوتی ہے،

موضع پاردہ کی باؤلی

پاردہ سرونج سے گوشۂ شمال ومغرب میں ۱۴ میل کے فاصلہ پر تحصیل شرقی کے محکومانہ رقبہ میں ایک قدیم موضع ہے، آبادی کے متصل ایک سنگین باؤلی ہے، جسکا جواب سوادِ شہر اور علاقہ سرونج میں کہیں نہیں ہے، باولی ۱۶ گز عمیق ہے، جسکا قطر ۸ گز ہے، سطح زمین سے سطح آب تک ۳۵ سیڑھیاں ہیں، جنکا طول پہلی سیڑھی سے دہانہ تک ۳۰ گز اور عرض ۵ گز ہے، دونوں پہلوؤں میں دو - دو گز آثار کی دیواریں ہیں، اور دیواروں سے متصل اندر جانب نصف نصف گز عریض ایک دوسری فصیل ہے، جس پر سے انسان گذر کر اوپر کی محراب تک پہنچ جاتا ہے، اس طرح ایک گز عریض فصیل مذکور کا حصہ نکالکر باقی ۴ گز عریض سیڑھیوں کا حوض ہے، جو ایک خط میں نیچے تک چلا گیا ہے۔

ہر دس بارہ سیڑھیوں کے بعد دو - دو گز عریض میدان چھوڑ دیا گیا ہے۔

باؤلی میں اوپر تلے چار چار گز بلند، تین حسین محرابی در ہیں، اور ہر در میں دونوں طرف محرابیں ہیں، محرابوں کے اوپر ۱½ ۲ گز عریض لداؤ کی چھت ہے،

تیسرے محرابی در کی چھت پر شمال کی طرف اوپر جانے کا زینہ اور جنوبی پہلو میں ۱۲ گز مربع کی کوٹھری ہے زینہ پر چڑھکر محراب کی چھت اور دیواروں پر انسان اچھی طرح آجا سکتا ہے، پہلے اور دوسرے محرابی در میں آمدورفت کا راستہ نہیں ہے، بارش کے پانی سے نیچے کے دونوں محرابی در ڈوب جاتے ہیں، مؤلف نے دیکھا ہے کہ دیہاتی بچے اوپر کی محراب سے باؤلی میں جست کرتے اور نہاتے ہیں، اور نہایت پھرتی سے غوطہ لگا کر محرابوں کے آر پار آتے جاتے ہیں، عمارت سیاہ پتھر اور چونے کی نہایت درجہ حسین ہے، یورپین افسر بھی دورہ کے سلسلہ میں آکر اور غور سے دیکھکر ششدر رہجاتے ہیں، موجودہ زمانہ میں باؤلی کا دہانہ پتھروں کے گرجانے سے سطح زمین کے ہموار ہو گیا ہے، پہلے سطح زمین سے ۴ گز بلند دہانہ کا چبوترہ تھا، باقی عمارت کا تمام حصہ سالم اور برقرار ہے باؤلی اس قابل ہے کہ آثار قدیمہ کی حفاظت کے خیال سے اس پر توجہ کی جائے، تیسرے محرابی در کے جنوبی پہلو میں ایک مربع لوح پر سنگین کتبہ ہندی میں ہے، بعض بعض جگہ کے حروف مٹ گئے ہیں، اسلئے مسلسل عبارت پڑھنے میں نہیں آتی، جسقدر حصہ پڑھا گیا اُسکی نقل ذیل میں درج کیجاتی ہے

سری گنیش سہائے نما سمت ۱۷۲۳ بکرمی اہر کھے بھادوں بدی ۱۱ اسکر کلینہہ نکمنہ
چھتر سبہ نما ٹھوگ، پرگنہ سرونج سرکار چندیری عمل سری نورنگ سہائے
قانون گو کرپا رام سرکاری قانون گو

صاحب پاردہ کا پٹیل[1] ہری داس (آگے اسکی اولاد کے نام درج ہیں) اُس کے بعد کا خط پڑھا نہیں جاتا۔) اس کتبہ سے معلوم ہوا کہ ہری داس پٹیل نے باؤلی سمت ۱۷۲۱ بکرمی میں تعمیر کرائی ہے، جو نورنگ سہائے کی نگرانی میں مکمل ہوئی ہے جسکو آجتک ۲۶۰ سال ہوئے، عمارت گو بہت قدیم نہیں ہے، لیکن اس علاقہ کی ایک یادگار اور قابل تعریف عمارت ہے،

---

[1] پٹیل، یہاں کی زبان میں زمیندار کا مرادف ہے ۱۲ مؤلف

آٹھواں باب

سرونج کے قدیم وجدید معزز خاندانوں کے تاریخی ومعاشرتی حالات

تمہید

ماہچو گل دوروزہ در گلشن جہانیم
کے اعتماد باشد بر رنگ لبتی ما
(نعمت خاں عالی)

سرونج کی ابتدائی آبادی تقریبًا ساڑھے آٹھ سو یا نو سو سال کی پائی جاتی ہے، لیکن سرونج نے جب سے قصبہ کی حیثیت اختیار کرکے تعمیری وتجارتی ترقی شروع کی ہے، زیادہ سے زیادہ پانچسو سال کا زمانہ گذرا، اس مدت میں سینکڑوں معزز خاندان دوسرے مقامات سے منتقل ہوکر یہاں آئے، اور مستقل سکونت اختیار کی، شاہان تیموریہ نے بھی قدیم خاندانوں کے ساتھ بہت کچھ شاہانہ مراعات وعنایات کا اظہار کیا جس سے اُن کے قیام کو مزید تقویت پہنچی، یہانتک کہ آج ان خاندانوںکی سینکڑوں یادگاریں آثار قدیمہ کی صورت میں، سرونج اور سواد سرونج میں نظر آتی ہیں جنسے اس زمانہ کے تمول اور اعلےٰ تمدن کا بھی پتہ چلتا ہے، خاندانوں میں سلطان شیر شاہ سوری سے پہلے کا کوئی خاندان آج یہاں ایسا موجود نہیں ہے جسکے پاس کوئی تحریری سند ہو،

مسلمانوں میں سادات، مشائخ، مغل، افغان، کے معزز خاندانوں کی اولادیں آج بھی موجود ہیں، جنکے بزرگوں میں بڑے بڑے جلیل القدر علماء، قضاۃ، اولیاء اللہ گذرے ہیں، پٹھانوں میں شجاع ترین ہستیوں کا آج بھی نام زندہ ہے، جنکی نظروں میں مالوہ کی جنگی بساط بازیچۂ اطفال تھی، اعلےٰ ہندو اقوام میں کایستھ، اگروال، پرواڑ، پہارگو، مہیسری، کھتری، اوسوال، راجپوت، برہمن نے یہاں آباد ہوکر، ملازمی، کاروباری اور تجارتی حیثیت سے بہت کچھ ترقی کی دیگر پیشہ ور جماعتوں کے نام آج بھی اُن کی کمال صناعی کی بدولت اطراف مالوہ میں ممتازانہ حیثیت

سے زبانوں پر ہیں ،

غرض آج تک لاکھوں نامور ہستیاں خاک سرونج سے پیدا ہو کر اسی خاک میں مل چکی ہیں لیکن افسوس اسکا ہے کہ خود انہوں نے یا ان کے اخلاف نے اپنے اسلاف کے کارناموں صنعتوں اور علمی داستانوں کے محفوظ رکھنے کی طرف کوئی توجہ نہیں کی ، اس بے خیالی اور فروگذاشت نے اسلاف کے تمام علمی ، اخلاقی ، ادبی ، اور صنعتی جوہروں پر پردہ ڈال رکھا ہے ، جسکی وجہ سے مولفین حال کی کوششیں اصلی اور صحیح حالات بہم پہنچانے میں قطعی بیکار رہیں ، جو کمی رہ گئی ہے وہ آج پوری نہیں ہو سکتی ، اس کے لئے اہل قلم معذور ہیں ،

گیرم کہ مرا طرز نوشتن نہ شد از یاد   پیداست کہ باایں سروسامان چہ نویسم (شبلی نعمانی)

شاہی ملازمت اور خاندانی اعزاز کے لحاظ سے بعض قدیم خاندانوں میں کچھ اسناد شاہی موجود ہیں ۔ ایک یا دو خاندانوں کا تذکرہ تاریخ میں بھی ہے ۔ ان سب کی امداد سے جس قدر حالات بہم پہنچ گئے وہ درج کئے جاتے ہیں ۔ اور جن قدیم خاندانوں میں کوئی تحریری سند نہیں ہے ۔ وہ نظر انداز کر دئے گئے ہیں ۔ خاندانوں کو ذیل کے عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے ۔

(۱) خاندان قدیم ۔ اس سے مراد ان خاندانوں سے ہے جو بانی ریاست کی حکومت سے پہلے کے یہاں آباد ہیں ، (۲) خاندان جدید ، اس سے مقصود اُن خاندانوں کے افراد ہیں جن کے اسلاف نواب امیر الدولہ امیر الملک بہادر کے خاص رفقا میں جنگی حثیت سے نامور اور شجاع گذرے ہیں ، جنمیں سے بعض کے واقعات و حالات جانبازی و سپہگری اور وفاداری کے امیر نامہ میں بھی اجمالاً درج ہیں ، اس کتاب میں اختصار کے ساتھ اسناد اور انکے حالات درج کئے جاتے ہیں ۔

جن روشن خیال خاندانی ممبروں نے تفصیلی حالات بہم پہنچانے میں مؤلف کی امداد کی ہے وہ اسی تفصیل کے ساتھ درج ہیں اور جنہوں نے کمی کی ہے اسکا الزام مؤلف پر نہیں ہے ، مؤلف نے چاہا تھا کہ دونوں دور کے خاندانوں کو اس ترتیب سے کتاب میں جگہ دیجائے ، جس ترتیب سے وہ باعتبار سنوات یہاں آکر آباد ہوئے ، لیکن مجبوری یہ رہی کہ باوجود سعی بلیغ حالات مسلسل جمع نہ ہو سکے اس لئے تقدیمی ترتیب

کا سلسلہ قائم نہ رہ سکا، بہر حال سنوات سے خاندانوں کی آبادی اور انکے یہاں قیام و سکونت کا حال معلوم ہو سکتا ہے

سلسلۂ خاندان قدیم

خاندان قاضی رکن الدین و برخوردار محتسب قاضیان سرونج

استنادِ شاہی کی رو سے سرونج

میں جتنے معزز خاندانوں کا پتہ چلا ہے، انمیں یہ پہلا خاندان ہے، جو شیر شاہی حکم سے ۹۴۹ھ میں یہاں آباد ہوا، موجودہ رکن خاندانی قاضی شیخ مرتضی صدیقی ہیں، جنکی اسوقت ۵۵ سال کی عمر ہے معمولی علم کے آدمی ہیں، قوت حافظہ ضعیف ہے وہ اپنا سلسلہ نسب بھی بتا نہ سکے، لیکن قاضی صاحب کا یہ کریمانہ اخلاق قابل شکریہ ہے کہ تمام قدیم اسناد (جو سینکڑوں کی تعداد میں اُن کے پاس محفوظ ہیں) مؤلف کے سامنے لاکر رکھدیں، بعض اسناد سالم، اور اکثر دریدہ ہیں، کئی گھنٹوں مسلسل دیکھنے کے بعد کاغذات مذکورسے قاضی صاحب کا سلسلہ نسب ۱۲ واسطوں سے اس طرح پر مورث اعلیٰ تک پہنچتا ہے،

قاضی مرتضی[۱] ابن قاضی مصطفے[۲] ابن شیخ احمد[۳] ابن شیخ مبارک[۴] ابن شیخ امانی[۵] ابن قاضی جلال الدین[۶] ابن قاضی شیخ محمد[۷]، ابن قاضی نظام الدین[۸] ابن شیخ مصطفے[۹] ابن شیخ احمد[۱۰] ابن قاضی شیخ مبارک[۱۱] ابن قاضی برخوردار محتسب[۱۲] برادر قاضی رکن الدین[۱] = سلطان شیر شاہ سوری نے ۹۴۹ھ میں ۲۹۰ بیگہ آراضی مع باغات رکن الدین محمد اور قاضی برخوردار محتسب وغیرہ کو ایک ہی حکمنامہ کے ذریعہ سے عطا کی تھی، جنکو مابعد کے ہر ایک بادشاہ اور رئیس نے بھی بحال رکھا۔

آج اُس آراضی کا بیشتر حصہ بیع و رہن کے ذریعہ سے دوسروں کے قبض و تصرف میں ہے، سند شیر شاہی مورخہ ۹۴۹ھ مؤلف نے دیکھی ہے جو اسی خاندان میں محفوظ ہے، شہر کے گوشۂ مغربی و شمالی میں اس خاندان نے سکونت اختیار کی، اُسی جگہ سے دو سو گز کے فاصلہ

---

۱ سند کی پوری نقل باب دوم (مؤلف کی تحقیقات کا نتیجہ) کے عنوان صفحہ پر درج کردی گئی ہے ۱۲ مؤلف

کیتھن ندی نکلی ہے جسکے ساحل پر خاندان میں سے کسی بزرگ نے پختہ گھاٹ بنوادیا ہے، جو "قاضی گھاٹ" کے نام سے مشہور ہے، اس مناسبت سے محلہ بھی قاضی گھاٹ کے نام سے معروف ہوا جہاں بیسوں پختہ مکانات کے آثار آج بھی موجود ہیں، لیکن بنیادوں کے پتھر تک افلاس نے کھود کر فروخت کرادیئے ہیں، اب تمام محلہ ویران ہوکر میدان ہے، موجودہ قاضی صاحب ایک خام مکان سفالہ پوش میں رہتے ہیں، مکان کے سامنے پختہ مسجد کے صحن میں چاہ بھی ہے گو مسجد سالم ہے مگر نماز پڑھنے والا ایک بھی نہیں ہے، قاضی رکن الدین محمد کی اولاد کا کچھ پتہ نہ چلا اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ قاضی برخوردار محتسب اور قاضی رکن الدین باہم قریبی رشتہ دار تھے متوکل الهداد کی اولاد میں قاضی کریم اللہ، فیض اللہ شیخ عثمان خطیب کا عہدۂ قضا اور خطابت پر عہد فرخ سیر میں مامور ہونے کا پتہ اسناد سے چلتا ہے،

محمد خطیب کی اولاد میں، شیخ عثمان کا عہد شاہجہانی میں عیدین کی خطابت پر مامور رہنا ثابت ہے، جن کو ذریعہ سند مہری نواب شائستہ خاں سرونج میں معافی عطا کی گئی تھی، موجودہ زمانہ میں اُن بزرگوں کی اولاد میں سے صرف قاضی مرتضیٰ صاحب یادگار باقی ہیں چونکہ اُن کی کوئی اولاد نہیں ہے، اس لئے اس قدیم سلسلہ کو مختتم سمجھنا چاہیئے،

سوائے خدمات قضا، خطابت اور افتاء کے کسی دیگر کام پر اس خاندان کے افراد کا مقرر رہنا اسناد سے پایا نہیں جاتا، حقوق نکاح خوانی اور معافیات کے سوا اور کوئی ذریعہ معاش بھی اُن بزرگوں کا نہ تھا، عیدین پر البتہ کسی قدر نقد اور پارچہ کا ملنا خلعت کے طور پر ثابت ہے، موجودہ زمانہ میں بھی ریاست سے عیدین پر خطیب اور مفتی کے لئے نقد حقوق مقرر ہیں۔ اور بعد نماز عیدین اُن کو خلعت پارچہ بھی عطا ہوتا رہتا ہے موجودہ زمانہ میں جو دارالقضا کے حاکم ہیں، نکاح خوانی کا تعلق بھی اُنہی سے ہے۔

قاضی مرتضیٰ صاحب کو حصہ رسدی نکاح خوانی کا اب بھی کچھ حق ملتا ہے، اس سے زیادہ اور کوئی حالات معلوم نہ ہوسکے،

خاندان خواجہ سید عبد الہادی بانی محلہ حاجی پور

خواجہ صاحب مرحوم کے سلسلہ ذکور میں کوئی باقی نہیں رہا، البتہ دختری اولاد میں اسوقت مرزا مسیح اللہ بیگ عرف مجھو میاں اور سید اصغر علی ولد سید انور علی مرحوم بقید حیات ہیں، اول الذکر محلہ کھارا بازار میں، اور آخر الذکر محلہ چھپٹی میں سکونت پذیر ہیں، خواجہ صاحب کے والد کا نام سید صدر جہاں تھا جو حضرت امام الاولیا، سلطان الاتقیا خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے۔

مرزا مسیح اللہ بیگ نے جو شجرۂ انساب مؤلف کو دکھایا ہے اوس سے واضح ہے کہ خواجہ عبد الہادی مرحوم کے دو بیٹے خواجہ محمد طاہر اور خواجہ محمد ہاشم تھے، محمد طاہر لاولد فوت ہوئے، خواجہ محمد ہاشم کے بیٹے خواجہ محمد شاہ تھے، اس کی تصدیق سند مہری، شاہ عالمگیر ثانی مورخہ ۲۳ ماہ شوال ۳ جلوس سے ہوتی ہے، جو مرزا مسیح اللہ بیگ کے پاس محفوظ ہے، بزرگان دین کے ناموں کا شاہی اسناد میں اسقدر احترام کیا گیا ہے کہ شاہی مہر سے اوپر نام اون کا درج ہوتا رہا ہے، ایسا ہی اس سند میں بھی عمل ہے۔

---

[1] مہر ابو النظفر معین الدین عالمگیر ثانی بادشاہ غازی (گول مہر سیاہی کی) دوسرا طغرا بخط سرخی،

شاہی مہر کے اوپر (حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ)

درینوقت میمنت اقران فرمان والا شان واجب الاذعان صادر شد کہ موضع لیبی پورسا کہلون در بست عملہ پرگنہ سرونج سرکار چندیری صوبہ مضاف مالوہ بلا قید جمع ودام از ابتدائے خریف توشقان ئیل (نام مہینہ) در وجہ انعام التمغا بمہ فرزندان و متعلقان و وابستگان خواجہ محمد شاہ و خواجہ محمد ہاشم از فرزندان (نام مہر کے اوپر درج ہے) اور یہاں تھوڑی جگہ خالی ہے) حسب الضمن مقرر شد باید کہ حکام عمال و متصدیان و کروڑیان حال و استقبال و جاگیرداران حال و استقبال در بست موضع مذکور بتصرف اینہا باز گزارند کہ حاصلات آنرا صرف معیشت خود نمودہ بدعائے دوام دولت ابد طراز مشغول باشند و از جمیع وجوہ و عوارض معاف و مرفوع القلم شمارند و اندریں باب ہر سال سند مجدد نطلبند و اگر در محال چیزے داشتہ باشند آنرا اعتبار نکنند، تحریر تاریخ بست و سوم شہر شوال سنہ ۳ جلوس مطابق سنہ ۱۱۶۹ھ

خواجہ محمد شاہ کے صرف ایک بیٹے خواجہ غلام حسین نامی تھے جنکی ایک بیٹی فتحا بی بی عالم وجود میں آئیں، جو مرزا مسیح اللہ بیگ کے دادا مرزا فتح اللہ بیگ کو منسوب تھیں۔ اس سلسلہ سے مرزا مسیح اللہ بیگ خواجہ صاحب کی دختری اولاد میں ہو کر آراضی متروکہ کے کسی قدر حصہ پر آج بھی قابض ہیں سید اصغر علی ولد سید انور علی مرحوم ساکن محلہ چھیپٹی بھی اپنے کو خواجہ صاحب کی دختری اولاد میں بتلاتے ہیں، انہوں نے مؤلف کو جو قدیم کاغذات دکھائے ہیں۔ اُن کے معائنہ سے معلوم ہوا کہ خواجہ صاحب کے ایک پوتے یا نواسے خواجہ محمد شفیع بھی تھے، (لفظ نبیرہ لکھا ہے جس کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے) جنکے بیٹے خواجہ محمد رفیع پھر اُنکے دو بیٹیاں، عابدہ بانو اور مہر بانو تھیں۔

مہر بانو کی بیٹی عاقلہ بانو کی اولاد میں سید اصغر علی ہیں، اُنکے والد سید انور علی کے حصہ میں سرائے پختہ واقع محلہ ہادی پور، متروکہ، خواجہ عبدالہادی مرحوم سے آئی انہوں نے حکیم شیخ احمد صاحب مرحوم کے عہد نظامت ۱۲۹۶ھ[1] میں ایک سو بیگہ اراضی کے معاوضہ میں سرائے مذکور بحق ریاست منتقل کردی، جس پر اب ریاست کا قبضہ ہے۔

بعض کاغذات واسناد مقبوضہ سید اصغر علی صاحب مذکور سے پتہ چلتا ہے کہ عہد محمد شاہی میں خواجہ عبدالہادی مرحوم کے پوتوں یا نواسوں سے خواجہ سید جہان، خواجہ سید احمد، اور خواجہ سید نجیب اللہ بھی گذرے ہیں، لیکن ان کی اولاد کا آگے کچھ سلسلہ نہیں چلتا۔

خواجہ سید عبدالہادی مرحوم شاہجہاں صاحبقران ثانی کے ابتدائی دور حکومت میں سرونج کی امارت پر ممتاز تھے، اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ چہارم جلوس شاہجہانی مطابق ۱۰۳۹ھ میں خانجہاں لودی[2] نے سلطنت کے مقابلہ میں علم بغاوت بلند کرتے ہوئے سرونج پر بھی تاخت کی تھی

---

[1] نقل حکم نظامت سرونج مورخہ شعبان ۱۲۹۶ھ نقل حکم سید اصغر علی کے پاس محفوظ ہے۔

[2] صلابت خاں نام تھا، جہانگیر نے خانجہاں کا خطاب دیا اور فرزندوں کی طرح اسکو عزیز رکھا مالوہ اور دکن میں مدتوں ناظم رہا چونکہ اس نے ملک بالاگھاٹ نظام الملک کو دیدیا تھا، جسے شاہجہاں نے اپنے عہد میں واپس لے لیا، خانجہاں کا اس واپسی کی بنا پر شاہجہاں سے بدگمانی ہوئی، جسکا نتیجہ بغاوت اور خانجہاں کے قتل کی صورت میں برآمد ہوا، ۲، مؤلف تزک جہانگیری ۲، سیر المتاخرین

اور سرونج سے خالصہ شریفہ کے پچاس ہاتھی لے جاتے ہیں کامیاب بھی ہو گیا تھا، خواجہ صاحب اور ان کے باپ سید صدر جہاں کی وفادارانہ اور جانبازانہ عمل ہی کا نتیجہ تھا کہ اسوقت سرونج کی آبادی خانجہانی غارتگری سے محفوظ رہی،

صاحب سیر المتاخرین جلد اول ذکر چہارم جلوس شاہجہانی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں،

چوں بشومیِ خانجہاں خاں لودی ولایت نظام الملک لکد کوب گشت و داعیۂ نظام الملک صورت نگرفت، خانجہاں را اعتمادی بر دوستیِ نظام الملک نماند و ترسید کہ مبادا بروئے مصلحت حال خود با و غدرے کنند بنابریں رو بمالوہ نہاد، و عبداللہ خاں تا بالاگھاٹ تعاقب نمود و سید مظفر خاں بارہا وجہے دیگر بانصرام مہم لودی از حضور رخصت یافتہ باو ملحق شدند، و در سرونج رسیدہ آگہی یافتند کہ مقاہیر از نواحی شہر پنجاہ فیل سرکار خالصہ شریفہ بردہ اند و خواجہ عبدالہادی، پسر صفدر خاں کہ بہ نیابت پدر آنجا بود محافظت شہر نمودہ ساکنان آنجا را از شر آنہا حراست کرد، خانجہاں از دست راست سرونج بملک بوندیلہ در آمدہ از کالپی سر بر آوردہ،

اس کے آگے خانجہاں کے ساتھ شاہی لشکر کا مقابلہ کرنا اور اسکے مارے جانے کا تذکرہ ہے فارسی عبارت میں خواجہ صاحب کے والد کا نام صفدر خاں درج ہے۔ سادات کے نام میں، خاں کے استعمال سے خیال ہوا کہ شاید خانی کا خطاب ان کو ملا ہو، بسلسلہ تلاش ایک ہبہ نامہ مورخہ ۷ رجب سنہ جلوس عالمگیری مطابق سنہ [illegible]ھ نوشتہ مساۃ بی بی حنیفہ بنت شیخ جعفر بن شیخ داؤد (زوجہ خواجہ صاحب سید عبدالہادی مرحوم) قاضی مرتضی صاحب کے کاغذات میں نظر سے گذرا، اس سے معلوم ہوا کہ خواجہ صاحب کے .... والد کا نام سید صدر جہاں اور ان کے والد کا نام سید ابراہیم تھا، کاتب کی غلطی سے صدر جہاں

کے بجائے صدر خاں درج ہوگیا ہے،

اس بیعنامہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بی بی حنیفہ قاضیان محلہ قاضی گھاٹ کی اولاد سے تھیں جنہوں نے اپنے حصہ کی اراضی محلہ قاضی گھاٹ اپنے بھائی کریم اللہ کو فروخت کردی تھی اس بیعنامہ پر خادم شرع شیخ محمد صادق کی مہر ثبت ہے، خواجہ صاحب مرحوم کا کس سنہ میں انتقال ہوا، اسکی تصدیق کسی کاغذ سے نہ ہو سکی، سرونج کی آبادی کے گوشۂ جنوب و مشرق میں حاجی پور کے نام سے ایک محلہ ہے، شاہی اسناد سے واضح ہے کہ صحیح نام اس کا ہادی پور تھا، جسے خواجہ صاحب نے آباد کیا تھا، اسی پورہ کے جنوبی گوشہ میں عالیشان سرائے پختہ اور مشرق میں غلہ کی منڈی بھی قائم کی تھی، اسی مناسبت سے شہر پناہ کا شرقی دروازہ بھی منڈی دروازہ کے نام سے آجتک مشہور ہے، دروازہ کے جنوب میں خواجہ صاحب کی عالیشان اور وسیع حویلی تھی، جسکی بنیاد آج زمین کے برابر ہے، اسی جگہ اصطبل بھی تھا جس کا پختہ محرابی دروازہ آج بھی قائم ہے،

سرائے پختہ آج بھی موجود ہے، جسکا تذکرہ آثار قدیمہ کے عنوان میں گذر چکا ہے، غلہ کی منڈی جو قائم ہوئی تھی، اسکا محصول خواجہ صاحب کے بعد بھی عرصہ تک وارثان کے حق میں حکومت کی طرف سے معاف تھا، [1]

---

[1] نقل پروانہ مہری شیر خاں بندہ عالمگیر بادشاہ غازی متصدیان مہمات حال و استقبال پرگنہ سرونج بدانند چون بموجب فرمان عالیشان قضا جریان، سرائے، و باغ و ہادی پورہ عملہ پرگنہ مزبور بمرحوم خواجہ عبدالہادی متعلق داشتہ و برطبق اسناد حکام سابق بعد فوت وے حالا نیز قابض و متصرف اند، لہٰذا قلمی میگردد کہ بدستور قدیم سرائے و باغ مزبور را بآنہا متعلق داشتہ، دراں مداخلت ننما یند و ہیچ وجہ مزاحم نشوند، تاریخ بست ہشتم شہر محرم الحرام سنہ ۱۳ جلوس تحریر یافت مطابق ۱۰۹۰ھ

دیگر پروانہ عہد عالمگیری مرقوم پنجم جلوس مطابق ۱۰۶۲ھ) دیگر پروانہ مہری شاہ وردی معظم شاہی مرقوم سنہ جلوس دیگر پروانہ نائب وزارت عنایت خاں فدوی محمد شاہ بادشاہ غازی سنہ ۳ جلوس مطابق ۱۱۳۲ھ بنام

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

سند مہری محمد شاہ بادشاہ غازی مورخہ ہفتم شوال سنہ ۹ جلوس مطابق ۱۱۳۹ھ سے واضح ہے کہ ۱۱۵۵ھ میں محلہ ہادی پورہ سرائے پختہ اور منڈی کی تاسیس شروع ہوئی تھی جس کا طول ۲۵ ڈوری اور عرض ۱۴ ڈوری شاہی سند میں درج ہے، بعد میں ہادی پورہ کے اطراف میں آبادی کو بہت زیادہ وسعت ہوئی، اور وہ تمام آبادی آج ہادی پورہ کے نام سے معروف ہے،

خواجہ صاحب مرحوم کا عالیشان مقبرہ اسی محلہ ہادی پورہ کے متصل بیرون فصیل شہر اب تک اصلی حالت پر قائم ہے، جسکا ذکر مقابر کے سلسلہ میں گذر چکا ہے، خاندانی متواتر روایت یہ ہے کہ خواجہ صاحب کا دہلی میں انتقال ہوا اور اُن کی وصیت کے مطابق نعش دہلی سے سرونج تابوت میں لائی گئی، اور وہی تابوت مقبرہ میں رکھدیا گیا، واللہ اعلم،

خاندان[۳] خواجہ محمد صالح صدیقی

خواجہ صاحب کا مزار اُنہی کی بنا کردہ مسجد کے قریب محلہ رکاب گنج میں واقع ہے،

مسجد کے کتبہ[۱] سے واضح ہے کہ مرحوم عہد شاہجہانی میں ناظم مالوہ تھے اور مزار کے کتبہ[۲] سے ظاہر

(بقیہ صفحہ گذشتہ) جے سنگھ والی جے پور ناظم مالوہ، سب اسی مضمون کے ہیں، ایک منڈی کے محصول کی معافی کا بھی تذکرہ ہے راجہ جے سنگھ کے نام جو لکھا ہے اسکی نقل حسب ذیل ہے، نائب امارت و ایالت پناہ زبدہ راجہائے ہند راج راجیسر راجہ دہراج سوائے جے سنگھ کہ در پرگنہ سرونج صوبہ مالوہ است بداند کہ درینولا میر نجیب اللہ نبیرہ خواجہ عبدالہادی التماس نمود کہ ایک قطعہ سرائے پختہ و منڈی مسمی بہ ہادی پورہ بنا ساختہ خواجہ مزبور در سواد قصبہ سرونج واقع است کہ ازاں در آنجا استقامت ورزیدہ باشندگان آن حضرت و ایذا میرسانند این معنی باعث پریشانی و ویرانی متوطنان آنجا است امیدوار است کہ دریں باب یادقلمی گردد، لہذا نگاشتہ میشود کہ بر تقدیر وقوع کسان خود را از مضرت و ایذا بر سکنہ پورہ مذکور باز دارد، دریں باب تاکید داند کہ مکرر نالش بمیان نیاید فقط، دوازدہم محرم سنہ ۹ جلوس تحریر یافت ۔ ۱۲

[۱] در عہد خلافت شہاب الدین محمد صاحبقران ثانی شاہجہان بادشاہ غازی بندہ محمد صالح صدیقی کہ خدمت صوبہ مالوہ داشت در سنہ ۱۰۶۰ھ این بقعہ فیض بنیاد را، تعمیر کرد، ۱۲

[۲] ہمان شیخ صالح کہ پیشش فلک، بفرمان بُدے گردان از انقیادش، وزیر خرد مند کامل کہ داشت، بعہد بادشاہ جہاں اعتمادش،

(بقیہ صفحہ آئندہ)

ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب وزیر سلطنت کے عہدہ پر بھی ممتاز رہے ہیں ۔ ان دونوں کتبوں کی نقلیں مساجد و مقابر کے سلسلہ میں درج کر دی گئی ہیں ، فٹ نوٹ میں بھی یہاں درج کیجاتی ہیں ۔ ایک ہفتہ کی مسلسل تلاش کے بعد مؤلف کو میانجی فیض محمد مرحوم (فارسی کے مشہور استاد) کا ایک قلمی مسودۂ نظم جس کا نام تاریخی خیابان خیال ۱۳۰۵ھ ہے ، ہاتھ آیا ۔ اُس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ شیخ زادگان افضل محمد ، فاضل محمد ، اور عاقل محمد ، ساکنان محلہ تلیا ، خواجہ صاحب کی اولاد میں اسوقت بقید حیات ہیں ۔ کسقدر تعجب کی بات ہے کہ خود ان حضرات کو آجتک علم نہیں ہے کہ وہ کسکی اولاد میں سے ہیں ۔ اسناد شاہی انکے یہاں محفوظ نہیں ہیں معلوم ہوا کہ ۳۰ برس پہلے بہت سے کاغذات بیکار سمجھ کر تلف کر دیئے گئے ۔

میانجی صاحب مرحوم المتوفی ۱۳۲۶ھ[۱] نے نظم کے اخیر میں سلسلۂ نسب کی جو صراحت کی ہے اُس سے واضح ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب مرحوم کے دو بیٹے ایک خواجہ محمد نظام اور دوسرے خواجہ محمد حیات تھے ۔ خواجہ محمد نظام کے محمد خلیل اور محمد جلیل دو بیٹے تھے ، اور یہ چاروں اصحاب اہل تصنیف گذرے ہیں ، مگر مؤلف کو کوئی تصنیف مطبوعہ یا غیر مطبوعہ ان بزرگوں کی نہیں ملی ، میانجی مرحوم کا سلسلۂ نسب اُن کی تصریحات کے مطابق اسطرح پر ہے ۔

میانجی فیض محمد ، بن وزیر محمد بن واصل محمد بن محمد مراد بن محمد خلیل بن محمد نظام بن خواجہ محمد صالح مرحوم ، میانجی مرحوم کا ایک بیٹا بشیر محمد بقید حیات ہے ۔

وزیر محمد کے ایک پسر منیر محمد مرحوم تھے ۔ اُن کے بیٹے افضل محمد فاضل محمد اور عاقل محمد ہیں ۔ جنکا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے ، افضل محمد خانہ نشین ہیں ، دوسرے بھائی فاضل محمد پولیس میں

(بقیہ صفحہ گذشتہ) بروز دوم از وفات رسول ﷺ جو اندر نماز عشا جاں بداد ﷺ تپرد ہش نمودم بتاریخ آں ﷺ بگفتا خرد منزلش خلد باد ۔

[۱] تاریخ مزار خواجہ محمد صالح نقل کر کے لکھتے ہیں (ملخصاً) انکے دو بیٹے نیکو صفات ، محمد نظام اور محمد حیات ، تصانیف اُن سب کی مشہور ہیں ، زمانہ میں نزدیک اور دور ہے ، پسر دو نظامی کے پے نال وقیل ۔ محمد خلیل اور محمد جلیل ، محمد خلیل اہل صدق و صفا دوسرا ، ہوئے انکے بیٹے محمد مراد ، پسر انکے واصل محمد ہوئے ، دگر بیٹے فاضل محمد ہوئے ، ہوئے ابن واصل محمد وزیر ، یہ ہیں پور انکا ہوا یہ حقیر ، صفحہ ۱۲۵ خیابان خیال ۔

کانسٹبل ہیں، تیسرے بھائی ریاست کوروائی میں تھانہ دار ہیں، اراضی ملک ان کے قبضہ میں کچھ نہیں ہے خواجہ صاحب مرحوم کی کچھ اراضی متروکہ ضرور ہے، جو دری بافوں کے قبضہ میں نہیں معلوم کس طرح پہونچ گئی ہے،

میاںجی فیض محمد مرحوم فارسی کے منتہی استاد تھے، مظہری تخلص تھا، اُن کا کلام نظم و نثر اردو فارسی کا مؤلف نے بھی دیکھا ہے ملحق الحدود علاقوں میں انہوں نے بڑی شہرت حاصل کی تھی، آج اد بستان سرونج میں مرحوم ہی کے شاگردوں کا اکثر فیض جاری ہے، مرحوم کے خاص شاگردوں نے مؤلف سے حلفیہ بیان کیا ہے کہ میاں جی مرحوم خود اس بیان کے راوی تھے کہ اُن کا علم اکتسابی نہیں ہے بلکہ وہبی ہے اور مزار اقدس حضرت شاہ محمد مصطفےٰ[1] صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر کسی سفید پوش بزرگ سے حاصل ہوا ہے، ممکن ہے کہ یہ روایت صحیح ہو، اور حضرت خضر علیہ السلام سے اُن کو استفادہ ہوا ہو، جیسا کہ حضرت نظامی گنجوی صاحب سکندر نامہ کو اس طرح پر اپنی نسبت اعتراف ہے،

مرا خضر تعلیم گر بود دوش ٭ برازے کہ آمد پذیرائے گوش

لیکن اس کے خلاف محمد مصطفےٰ خانصاحب سرشتہ دار فوجداری سرونج جو مرحوم کے شاگرد (نہیں سے ہیں) بیان کرتے ہیں کہ ایک سیاح بزرگ بغدادی صاحب معروف سرونج میں کئی سال مقیم رہے تھے، جن سے میاں جی صاحب مرحوم نے علم فارسی حاصل کیا تھا، واللہ اعلم،

خواجہ صاحب کو چونکہ وزارت اور حکومت مالوہ سے منسوب کیا گیا ہے اسلئے اس ممتاز ہستی کی تلاش میں مؤلف نے کئی تاریخوں کے صفحات چھان ڈالے کچھ پتہ نہ چلا،

کتاب ماثر الامرا، مشہور تاریخ فارسی مؤلفہ نواب صمصام الدولہ شاہ نواز خان جسکی تصحیح مولوی عبدالرحیم صاحب مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ نے کرکے ۱۸۸۸ء میں طبع کرائی ہے،

[1] آپ کا مزار سرونج کی آبادی کے گوشۂ جنوب و مشرق میں ایک میل کے فاصلہ سے ایک پہاڑی پر واقع اور وہ پہاڑی مصطفےٰ شاہ کی ٹیکری کے نام سے معروف ہے، ۱۲ مؤلف

شاہی امرایان ہند کے نام اور حالات اُسمیں بالتفصیل درج ہیں۔ اس کتاب کے صفحہ ۶۰ جلد اول فہرست مقدمہ میں محمد صالح خوافی، اور دیگر محمد صالح خاں ترخان کے دو نام درج ہیں اور جلد دویم میں اُن کا مفصل تذکرہ ہے، لیکن خواجہ محمد صالح جو سرونج میں مدفون ہیں، وہ ان دونوں سے علیحدہ ہیں، اسلئے کہ محمد صالح خوافی عہد شاہجہانی میں فوت ہو چکے تھے، اور محمد صالح خاں ترخان۔ ترکوں کے قبیلہ میں سے تھے جو معتوب بھی ہوئے، اور پھر عہد عالمگیری میں اُن کے مناصب کی بحالی ہوئی سنہ جلوس عالمگیری تک اُن کا زندہ رہنا پایا جاتا ہے، سرونج کے خواجہ محمد صالح شیخ صدیقی تھے جو ۱۰۶۸ھ شاہجہاں کی معزولی اور نظربندی کے سال میں وفات پا چکے تھے عالمگیری جلوس کا دوسرا سال اُن کو میسر نہیں ہوا، بہرحال تاریخ خواجہ صاحب کا حال بتانے سے ساکت ہے، پرانے کاغذات کے سلسلہ میں قاضی مرتضی صاحب کے یہاں ایک حکمنامہ مؤلف کی نظر سے گذرا ہے جس پر کئی حکاموں کی مہریں منقش ہیں، ایک مہر خواجہ محمد صالح کی بھی ہے، جسمیں یہ مصرع درج ہے، ع - بندۂ شاہجہان است محمد صالح، اس سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب مالوہ کے ناظم ضرور تھے، اکثر فرامین جو دربار شاہی سے نافذ ہوتے رہے ہیں، اُن پر وزارت یا نائب وزارت۔ اُسکے بعد ناظم صوبہ، صوبہ کے بعد ضلع کے حاکم کی مہریں ثبت ہوتی رہی ہیں۔ چونکہ خانۂ خدا میں خواجہ صاحب نے اپنی نسبت حکومت مالوہ سے دی ہے اسلئے یقین کر لینا چاہیئے کہ خواجہ صاحب ناظم مالوہ تھے،

تمام صوبہ داروں کے نام تاریخ میں محفوظ نہیں ہیں، اس لئے خواجہ صاحب کا سنہ نظامت معلوم نہ ہو سکا، وزارت سے جو اُن کو نسبت دی گئی ہے۔ بظاہر یہ شاعرانہ حسن عقیدت ہے یا یہ وجہ ہے کہ صوبہ داروں کا مرتبہ نائب وزارت کے مساوی تھا، نائب وزیر صوبہ دار، اور صوبہ دار نائب وزیر ہوتے رہے ہیں، شاعر نے غالباً اس خیال کو بھی پیش نظر رکھا ہے، ورنہ شاہجہانی وزرا کی فہرست میں خواجہ صاحب کا نام درج نہیں ہے، سرونج کے سرکاری دفتر میں مقامی حکام کی جو فہرست ہے اُسمیں بھی خواجہ صاحب کا نام درج نہیں ہے، ممکن ہے کہ بعد میں

خواجہ صاحب نے سرونج کی سکونت اختیار کر کے مقامی حکومت منظور کر لی ہو۔

اس کا کچھ پتہ نہ چلا کہ خواجہ صاحب کہاں کے رہنے والے تھے، سرونج میں کب آباد ہوئے اور آباد ہونے کی وجہ تحریک کیا تھی، دربار شاہی سے کسقدر اراضی بصیغہ انعام اُن کو عطا ہوئی تھی، ان امور کے انکشافات کے جو ذرائع تھے، یعنی اسناد شاہی وہ موجودہ افراد خاندانی کی لاپرواہی سے پہلے ہی تلف ہو چکی تھیں، مؤلف اُن کے پیدا کرنے سے مجبور تھا۔

روشن تھی جسمیں شمع تمنا وہ دل نہیں ۔۔۔ سینے میں کچھ مٹے ہوئے آثار رہ گئے (از مؤلف)

خاندان راجو خان ترکمان

خاندان قاضی رکن الدین محمد کے بعد مسلمانوں میں یہ دوسرا خاندان ہے، جسکا عہد اکبری سنہ ۱۰۱۱ھ میں یا اس سے کچھ سال قبل سرونج میں آنا اور آباد ہونا اسناد شاہی سے ثابت ہوتا ہے، لیکن کوئی تحریری شہادت اس بات میں دستیاب نہیں ہوئی کہ راجو خاں دربار شاہی سے کس خدمت پر مامور ہو کر سرونج آئے، مرحوم کی موجودہ نسلوں کی زبانی روایت پر اعتبار کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ قطاع الطریق گروہوں کے انسداد کے لئے کسی قدر فوج کے ساتھ سرونج آئے اور پھر مستقل سکونت یہاں اختیار کی، مرحوم کا قدیم سکونتی مکان محلہ ٹوریؔ میں منہاروں کی مسجد کی پشت پر واقع ہے، جسکا سنہ ۱۰۱۱ھ میں صیغہ نزول سے پچاس روپیہ میں خرید کرنا ایک قدیم کاغذ سے ثابت ہے جو مرزا اعظم بہادر بیگ ساکن موضع مغلسرائے کے پاس موجود ہے، یہ وہ مکان ہے جسکی مرمت سنہ ۱۹۱۱ء میں مہر سجاد حسین صاحب نائب ناظم سرونج نے ذاتی روپیہ سے شروع کی تھی اور بعد میں نواب امین الدولہ بہادر کی طرف سے منشی سید سعید الدین احمد مرحوم ناظم سرونج کو عطا ہوا۔

ایک جہانگیری فرمان مورخہ بست و ماہ صفر سنہ ۱۰۱۷ھ کے دیکھنے سے واضح ہے کہ راجو خاں کو عہد اکبری میں موضع امرائی (موجودہ ناظم مغلسرائے) مسافروں کی حفاظت اور وجہ معیشت کے طور پر بغرض آبادی عطا ہوا تھا، بعد میں جب آبادی نے ترقی کی اور دہلی کے مسافروں نے دکن جاتے ہوئے یہاں قیام کرنا شروع کیا تو ان کے آرام و آسائش کے لئے مرزا مراد ابن راجو خاں نے

پختہ سرائے تعمیر کرادی تھی، جسکا ایک پختہ محرابی دروازہ اب بھی قائم ہے، باقی تمام حصہ سرائے کا منہدم ہوچکا ہے، مغل کے انتساب سے امرائی نام بدل کر مغلسرائے رکھا گیا، جو موجودہ زمانہ میں ایک وسیع الرقبہ گاؤں ہے، مغلسرائے کی آبادی نے رفتہ رفتہ ترکمانی خاندان کو سرونج سے منتقل کراکے اپنے یہاں جگہ دی۔

راجو خاں نے ۱۰۲۸ھ میں رحلت کی، اسکے بعد بذریعہ فرمان جہانگیری مورخہ ۱۵ سنہ جلوس[۱] مطابق ۱۰۲۹ھ موضع امرائی (مغلسرائے) مرزا مراد بیگ ابن راجو خاں کے نام منتقل ہوا۔ اس خاندان کے موجودہ رکن مرزا علم بہادر بیگ ہیں، جنکا سلسلہ نسب اس طرح پر ہے۔ علم بہادر بیگ ابن صاحب رضا بیگ، ابن امراؤ بیگ بن سکندر بیگ بن محمد بیگ بن بہادر بیگ، بن

[۱] (جائے مہر شہنشاہ نور الدین جہانگیر، بخط فارسی) (جائے طغرا بخط عربی سرخ روشنائی شنگرف)

اللہ اکبر

درینوقت فرمان عالیشان مرحمت عنوان شرف اصدار عز ایراد یافت کہ چوں محمد مراد ولد مرحوم راجو خاں ترکمان درگاہ خلایق پناہ آمدہ، بعرض مقدس معلے رسانید کہ سابق موضع امراہن و عمال پرگنہ نائے سرکار چندیری صوبہ مالوہ جہت آبادانی از محفوظیت متاز و جاگیرداران محال مذکورہ بہ راجو خاں دادہ بودند، مشارٌ الیہ ودیعت حیات سپرد۔ ہرچہ حکم شود حکم جہاں مطاع آفتاب شعاع گردوں ارتفاع صادر شد کہ موضع امراد روبست از پرگنہ مذکور بدستور بجد انعام محمد مراد مع برادران و فرزندان حسب الضمن مقرر و مسلم باشد کہ حاصلات آنرا فصل بفصل و سال بسال در معیشت خود خرچ و صرف نمودہ بدعاگوی دوام دولت ابد مدت قرین نمودہ باشد۔ می باید حکام و عمال و جاگیرداران دکرور یان حال و استقبال و استمرار و استقرار این حکم اقدس و اعلیٰ کوشیدہ۔ موضع مذکور درو بست بتصرف آنہا گذاشتہ اصلاً و مطلقاً تغیر و تبدیل بداں راہ ندہند و بہ علت مال و اجبات و اخراجات مثل و پیشکش و جرمانہ و ضابطانہ و مہرانہ و محصلانہ و دارو غگانہ و بیگانہ و تکار رودہ نیمی و صدر دہی قانون گوئی و تکرار زراعت و کل تکالیف دیوانی و عوارضات سلطانی مطالبہ نکنند و مزاحمت نسازند۔ دریں باب ہر سال فرمان و پروانچہ مجدد نطلبند و در جمیع وجوہات معاف و مرفوع القلم شمرند از فرمودہ درنگذرند در عہدشناسند تحریر فی التاریخ ۲۰ بہمن الٰہی ۱۵ جلوس بست ماہ صفر ۱۰۲۹ھ (یہ فرمان مرزا علم بہادر بیگ کے پاس محفوظ ہے)

موسیٰ رضا بیگ بن علی رضا بیگ بن مراد بیگ بن راجو خاں ترکمان۔

سند مورخہ ۲۹ بہمن الٰہی سنہ ۳ جلوس شاہجہانی مطابق سنہ ۱۰۴۰ھ کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ۳۰ بیگھ اراضی سواد قصبہ سرونج میں باغ لگانے کی غرض سے مرزا مراد بیگ کو ملی تھی، اوس زمین میں آج بھی مختلف درخت موجود ہیں۔ کنواں بھی ہے، مسجد بھی اور موجودہ زمانہ میں علی رضا والا باغ مشہور ہے اور یہ باغ پرانے پل کے قریب ہے۔

صحن مسجد میں چند قبریں بھی ہیں، دو قبروں کے تعویذوں پر کلمہ طیبہ اور آیۃ الکرسی خط عربی میں نقش ہے، کتبہ کوئی نہیں ہے، سند شاہجہانی مورخہ سنہ ۱۰۵۵ھ کے ذریعہ سے ۵۵ بیگہ اراضی موضع سرکھو میں، اور عالمگیری سند مورخہ سنہ ۱۰۷۶ھ کے ذریعہ سے ۲۵ بیگہ اراضی موضع سرسواس میں علی رضا بیگ کو معافی میں ملی تھی، جس سے اُن کی اولاد برابر فائدہ اٹھاتی رہی، اور آج بھی حکم بہادر بیگ کے قبضہ میں اس اراضی کا کچھ حصہ باقی ہے، مغلسرائے میں مغلوں کے اور بھی خاندان آباد ہیں جنکا ترکمانی خاندان سے رشتہ ہے، لیکن حقیقتاً وہ لوگ ترکمانی اولاد سے نہیں ہیں۔

بوہروں کا خاندان

بوہرہ قوم مذہباً اسمٰعیلیہ مستعلیہ ہے، انکا ایک خاص محلہ شہر کے اندر ۵ بیگہ ۱۰ بسوہ رقبہ میں بوہر باڑہ محلہ کے نام سے آباد ہے یہ قوم کب عالم وجود میں آئی اور اسکا کیا مذہب ہے۔ اول تو اسکی مختصر تاریخ اسلئے موقع پر درج کیجاتی ہے کہ ناظرین کرام کو اس قوم کے معاشرتی حالات کے ساتھ اسکی مذہبی تاریخ بھی معلوم ہوجائے

فرقہ اسمٰعیلیہ درحقیقت فرقہ شیعانِ علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ایک شاخ ہے، جسکو امامیہ اثنا عشریہ بھی کہتے ہیں حضرت امام جعفر صادق کے دو بیٹے تھے، بڑے بیٹے امام سید اسمٰعیل رضؓ (جو نجیب الطرفین بھی تھے) چھوٹے بیٹے امام موسیٰ کاظم رضؓ

امامت کی وصیت باپ کی طرف سے پہلے بڑے بیٹے کے حق میں ہوئی، بعد میں چھوٹے بیٹے امام موسیٰ کاظم کے حق میں ہوئی، سید اسمٰعیلؒ کی امامت باپ کی طرف سے کیوں منسوخ ہوئی، اس باب میں ابتدا ہی سے بہت کچھ اختلافات ہیں، بعض روایت میں ہے کہ سید اسمٰعیلؓ

باپ کے سامنے وفات پاچکے تھے اسلئے چھوٹے بھائی ولیعہد وامام ہوئے، ایک گروہ سید اسمٰعیل رضؓ کی حیات کا قائل رہا بعض سید اسمعیلؒ پر مختلف الزام قائم کرتے ہیں، بہرحال طرفداران اسمعیل رضؓ مدعی تھے کہ جب ایک مرتبہ باپ کی طرف سے وصیت ہوچکی تو بعد میں تنسیخ خلافت کا حق باپ کو نہ تھا، جو حق سید اسمعیل کو مل چکا تھا، وہ حق اُن کے بیٹے کی طرف منتقل ہونا چاہئیے اسلئے محمد بن اسمعیلؒ امامت کے مستحق ہیں۔ سید موسیٰ کاظم کی امامت جائز نہیں ہے۔

اب یہاں سے دو فرقے نکلے جنہوں نے سید موسیٰ کاظم کو امام تسلیم کیا، اونکو اثنا عشریہ و امامیہ کہتے ہیں، اسلئے کہ یہ فرقہ بارہ اماموں کا قائل ہے، اور متبعین سید اسمٰعیلؒ، اسمٰعیلیہ مشہور ہوئے، جو صرف سات اماموں کے قائل ہیں۔

سید محمد بن سید اسمعیلؒ شہر رے کی طرف چلے گئے، جہاں اون کی اولاد زیادہ پھیلی، وہاں سے کچھ لوگ خراسان، قندھار کی طرف منتقل ہوئے ان اطراف میں اسمٰعیلیہ تبلیغ کو بہت زیادہ ترقی ہوئی رفتہ رفتہ مصر میں انہی کی اولاد کو منصب خلافت ملا، جسکا بانی عبداللہ بن سبا تھا جو اولاد سید اسمعیلؓ کا شریک کار ۲۹۶ھ میں فوت ہوا۔

جب مذہبی و ملکی حکومتیں ایک جگہ جمع ہوگئیں، پھر ترقی میں کوئی سدراہ نہ ہوسکا، فاطمیین خلفاء کے سلسلہ میں المستنصر لدین اللہ کی اولاد میں نزار و مستعلی، دو بیٹے مشہور تر ہوئے، جنہوں نے اسمٰعیلیہ مذہب کی تبلیغ میں بہت بڑا حصہ لیا۔ اون کے بعد اسمٰعیلیہ میں بھی دو فرقے ہوگئے، متبعین نزار، نزاریہ، اور مقلدین مستعلی مستعلیہ مشہور ہوئے، اسمٰعیلیہ نزاریہ کے سلسلہ میں حسن بن صبّاح مشہور ہادی و مبلغ گذرا ہے، اس فرقہ کے پیرو بمبئی اور افریقہ کی طرف خوجے بکثرت ہیں،

موجودہ زمانہ میں جن کے پیشوا سر آغا خاں ہیں، اور اسمٰعیلیہ مستعلیہ گروہ میں بواہیر ہیں، جو گجرات، بمبئی، سورت، میں زیادہ، باقی اطراف ہند میں کمتر ہیں، جن کا ذریعہ معاش عموماً تجارت ہے، اس فرقہ کے داعی موجودہ زمانہ میں شیخ کامل علامہ طاہر سیف الدین صاحب ہیں[1]

---

[1] انکا سلسلہ دعاۃ یہ ہے (۱) قطب خاں پیر سید قطب الدین شہید (۲) پیر خاں سید شجاع الدین (۳) پیر اسمٰعیل (بسلسلہ صفحہ آئندہ)

جنکا مستقر سورت ہے، بواہیر کا فرقہ محض امام کا قائل ہے، امامت کی نسبت ان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ امام سید اسمٰعیل رضؓ پر مختتم ہو چکی، البتہ امام کی نیابت میں ہدایت و تلقین کے لئے ایک داعی کا رہنا لازم ہے، جنکا سلسلہ علامہ سید ذہب یمنی سے آجتک برابر قائم ہے ؎۔

نزاریہ فرقے کے مقابلہ میں مستعلیہ جماعت باعتبارِ علم دین اور پابندی احکام شریعت طرح افضل ہے، لباس، شکل و شباہت بھی اس جماعت کی سچے مسلمانوں کی طرح ہے، عموماً نمائش کم خلوص و انکسار زیادہ ہے، محض بوہرگت یعنی تجارت کی بناپر یہ قوم بوہرہ کے نام سے معروف ہے سرونج میں جو بوہرہ قوم آباد ہے وہ اسی سلسلہ کی مشہور جماعت ہے، جسکی ابتدا پیر خاں سید شجاع الدین سے اس طرح شروع ہوئی کہ ۱۰۵۶ھ میں جبکہ شہزادہ اورنگ زیب (جو بعد میں عالمگیر کے لقب سے ہندوستان کا بادشاہ ہوا) ناظم صوبہ گجرات تھا، اُسوقت آپ نے یہ خبر سنکر کہ فرقہ اسمٰعیلیہ مستعلیہ الحاد کی تعلیم میں سرگرم ہے گرفتاری کا حکم دیا، گرفتار کنندگان کے مقابلہ میں مستعلیہ جماعت جنگ و پیکار پر اتر آئی، مقابلہ میں سید قطب شاہ مشہور قطب الدین شہید چند رفقا کے ساتھ شہید ہوئے، کچھ لوگ گرفتار ہوکر نظربند رکھے گئے، نظربندی کا واقعہ سلخ ماہ جمادی الاولی ۱۰۵۶ھ کا ہے، اسی سال شاہجہاں صاحبقران ثانی کابل کی مہم سے لوٹکر لاہور میں مقیم ہوا، بلخ و بدخشاں کی مہم پر اورنگ زیب کا انتخاب کرکے گجرات سے بلوایا، اور ساتھ ہی حکم دیا کہ داعیانِ مذہبِ اسمٰعیلیہ (جو نظربند ہیں) کو بھی ہمراہ لایا جائے، تعمیل حکم میں اورنگ زیب

(از صفحہ گذشتہ) بدر الدین اول ابن مولائی راج ابن آدم۔ (۴) پیر ذکی الدین اول (۵) پیر عبد موسیٰ کلیم الدین (۶) پیر نور محمد نور الدین (۷) پیر اسمٰعیل بدر الدین ثانی (۸) پیر ابراہیم وجیہ الدین (۹) پیر طیبۃ اللہ الموید فی الدین (۱۰) پیر عبد الطیب زکی الدین ثانی (۱۱) پیر یوسف نجم الدین (۱۲) پیر عبد العلی سیف الدین (۱۳) پیر عز الدین (۱۴) پیر طیب زین الدین (۱۵) پیر بدر الدین ثالث (۱۶) پیر عبد القادر نجم الدین (۱۷) پیر عبد الحسین حسام الدین (۱۸) پیر محمد برہان الدین (۱۹) پیر عبد اللہ بدر الدین (۲۰) پیر ابو محمد طاہر سیف الدین موجودہ داعی اعظم پیر سید قطب الدین شہید سے اوپر ۳۱ دعاۃ کا اور یہی سلسلہ ہے جو سید ذہب یمنی سے شروع ہوکر سید قاسم خاں زین الدین پر ختم ہوتا ہے ۱۲۔

لاہور پہنچا، اور پیروان اسمٰعیلیہ کو بھی پیش کیا، جو نظر بند کئے گئے، نظر بندوں میں داعی اعظم، خاں پیر سید شجاع الدین (برادر سید قطب الدین شہید) بھی تھے، اورنگ زیب کی روانگی کے بعد شاہجہاں نے سید غازی خاں کو (جو بنی عرج قبیلہ کے مشہور عالم مناظر تھے) سید شجاع الدین کے پاس تحقیق حال کے لئے بھیجا، سید غازی خاں اپنے ہمراہ سید حامد خاں و سید دلیر خاں عزیزان و رفیقان خاص کو لیکر سید شجاع الدین کے پاس پہنچے، علمی مباحثہ شروع ہوا، سید شجاع الدین نے عالمانہ تقریر کے زور سے ثابت کیا کہ وہ اُسی دین کے پیرو ہیں جس کا مقلد خود شاہجہاں ہے، تقریر نے یہ اثر کیا کہ خود مناظرین تقلید کا طوق اپنی گردنوں میں ڈالے ہوئے شاہجہاں کی خدمت میں واپس آئے، اور سید شجاع الدین کی طرف سے صفائی پیش کرتے ہوئے رہائی کے مستدعی ہوئے اور وہ آزاد بھی کردیئے گئے[1]

اس کے بعد غازی خاں کے مشورہ سے گجرات کا قیام نامناسب سمجھکر مالوہ کی طرف روانہ ہوئے، غازی خاں، حامد خاں، دلیر خاں بھی ہمراہ تھے، اجین پہنچکر سرونج کی اسلامی و تجارتی عظمت کا حال سنکر اس طرف روانہ ہوئے، اور بالآخر سرونج میں داخل بھی ہوگئے۔ چونکہ ہم خیال اصحاب کی جماعت قلیل تھی، اسلئے اسمٰعیلیہ مذہب کی تبلیغ میں سرگرم ہوئے رفتہ رفتہ غیر مسلموں اور مسلموں کے قلیل افراد نے اسمٰعیلیہ مذہب کو قبول کیا، جن کے اشتمال سے چند سال میں کافی جماعت طیار ہوگئی، کچھ عرصہ کے بعد سید شجاع الدین، اپنی نیابت میں، سید غازی خاں، سید دلیر خاں اور سید حامد خاں کو سرونج میں چھوڑ کر گجرات چلے گئے، جہاں

---

[1] جس، مناظرہ اور نقل سکونت کے واقعات کتاب قلمی مؤلفہ سید حبیب خاں ابن سید احمد ابن سید غازی خاں سے اخذ کئے گئے ہیں (جو عربی زبان میں تذکرۂ آل غازی خاں کے نام سے حکیم سید حسین صاحب نبیرۂ سید غازی خاں کے پاس محفوظ ہے) بعض واقعات کی تصدیق مؤلف نے دیگر تاریخوں سے کرلی ہے، حکیم سید حسین صاحب عربی زبان سے واقف ہیں مصر کی بھی سیاحت کی ہے، ذی علم اور روشن خیال نوجوان ہیں اجین میں مطب کرتے ہیں، طب یونانی میں کافی دستگاہ ہے، مؤلف موصوف کی قلمی امداد کا مشکور ہے، ۱۲

۱۰۶۷ھ میں اُنکا وصال ہوگیا ،

خاں سید شجاع الدین مینی الاصل کے کوئی اولاد نہ تھی ، اُنکے بھائی سید قطب الدین شہید کی صرف ایک بیٹی عجب بی بی تھیں ، جن کی شادی سید محامد خاں بن سید حامد خاں سے خود سید شجاع الدین نے کردی تھی ، جن کے بطن سے میر مہابت خاں ہوئے ، مہابت خاں والا کنواں محلہ بوہر باڑہ میں آجتک اون کی یادگار باقی ہے ، میر مہابت خاں کے میر حسن ، اونکے میر جعفر اُن کے تین بیٹے سید ولی محمد ، سید محمد موسیٰ اور مولوی عبدالرحیم ہوئے ، انہی تینوں کی اولاد کا سلسلہ سیادت سرونج ، بھوپال وغیرہ مقامات میں باقی ہے ، اس خاندان میں پیر صالح محمد ابن میر رحم علی ابن سید ولی محمد تبحر عالم گذرے ہیں ، جن کا مزار محلہ بوہر باڑہ کی بڑی مسجد کے حجرہ میں ہے ، اسی طرح مولوی نذر علی ، نبیرہ مولوی سید عبدالرحیم بھی جامع علوم و فنون ہستی کے مقتدر انسان گذرے ہیں ، جنکو اکبر شاہ ثانی کے دربار سے سنہ ۲۰ جلوس مطابق ۱۲۴۰ھ میں ذریعہ فرمان شاہی[1] مورخہ ۱۱ رجمادی الثانی ، قاضی ، مفتی اور شیخ کامل کے خطابات ملے تھے جو انہی کے خاندان میں مولوی محمد عباس صاحب ساکن کوٹہ (راجپوتانہ) کے پاس محفوظ ہیں منشی سید احمد علی ابن سید اسمٰعیل ابن ولی محمد ، نواب فوجدار محمد خاں بہادر رئیس بھوپال کے

---

[1] دریں زمان میمنت اقتران فرمان والا شان واجب الاطاعت والا ذعان صادر شد کہ بمقتضائے وفور مراحم خاقانی و فرط تفضلات خسروانی کہ نمونہ افضال یزدانیست ، شریعت پناہ فضیلت دستگاہ افضل العلماء واکمل الفضلاء ، مولوی سید نذر علی طیبی را بخطاب قاضی شرع متین و مفتی احکام دین ، شیخ ... کامل ، بین الاعیان والارکان وفی الامثال والاقران سرفراز و ممتاز نمودیم ، باید کہ فرزندان ، نامدار و کارگذاران الاتبار ووزرائے ذوالاقتدار و امرائے عالی مقدار و جمیع ارکان دربار جہاں مدار و حکام ممالک شریعت پناہ مذکور را از جناب فیضمآب شاہی بشمول این خطاب شاہی برگزیدہ والقاب پسندیدہ معزز و مباہی دانستہ انظار عنایت مابدولت و اقبال را باحوال فرخندہ مآل مومی الیہ یوماً فیوماً متزاید و بے نہایت دانند ، بتاریخ یازدہم شہر جمادی الثانی سال بستم از جلوس ابد مانوس معلے زیب تحریر پذیرفت (مطابق ۱۲۴۰ھ) ۱۲

یہاں عرصہ تک میرمنشی رہے، خط نسخ و نستعلیق، نیز فارسی میں استاد تھے، انکے دو بیٹے منشی سید امداد علی، وسجاد علی بقید حیات بھوپال میں موجود ہیں، دونوں بھائی بھی خوشنویس ہیں، منشی سید امداد علی کو فارسی میں کافی دستگاہ ہے، ریاست میں شقہ نویسی کی خدمت پر مامور ہیں، جاگیردار بھی ہیں، دوسرے بھائی مدرسہ میں ملازم ہیں، مولوی سید ولی محمد بن نور محمد بن سید ولی محمد عالم اور شیخ کامل تھے، جنکے بیٹے پیر سید یوسف علی سرونج میں بقید حیات ہیں،

سید دلیر خاں کی اولاد میں سید حبیب خاں مالوہ میں مشہور عالم و صوفی گذرے ہیں، جنکا مزار محلہ بوہر باڑہ کی مسجد کے گوشہ میں ہے، انکا سالانہ عرس بھی ہوتا ہے، باہر سے بوہرہ جماعت کے افراد اکثر آکر شریک عرس ہوتے ہیں،

سید غازی خاں کی اولاد میں حکیم سید حسن ابن قربان حسین مقیم بمبئی، سید منصب علی، و صفدر علی مقیم سرونج، اور ملا قادر علی ابن طیب علی مقیم بلاسپور ہیں، یہ لوگ اپنے جد امجد کے نام کے انتساب سے آل غازی خاں مشہور ہیں،

یہ مسلمہ امر ہے کہ ایک مذہب کے لوگ دوسرے مذاہب قبول کرتے رہے ہیں، اس سے بوہرہ قوم بھی مستثنیٰ نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر بوہرے غیر سید یا نومسلموں کی اولاد سے ہیں لیکن ابتداء سے اُن سب کے باہمی تعلقات رشتہ داری اسقدر وابستہ ہیں کہ آج اُن کی تفریق مشکل ہے ممکن ہے کہ مذکور الصدر سیدوں کے علاوہ اور بھی سید ہوں لیکن مؤلف کو نسلی تحقیقات مدنظر نہیں ہے، یہاں کی موجودہ جماعت میں آج ایک بھی شاہی فرمان موجود نہیں ہے جس سے پتہ چلتا کہ دربار شاہی سے ان کے ساتھ کیا کیا مراعات ہوئیں،

سرونج کے سنیوں اور بوہروں میں اخلاقی اتحاد قائم ہے، بخصوص تقاریب پر ایک دوسرے کو مدعو کرتے رہتے ہیں، عید کی نماز میں بھی بوہرہ جماعت کے چند افراد لازمی طور پر سنیوں کے دوش بدوش نظر آتے ہیں۔

توحید و رسالت کے اقرار کے ساتھ حب پنجتن اس قوم کا مذہبی شعار ہے، تعزیہ داری اُن کے

یہاں جائز نہیں، البتہ محرم کے مہینے میں مجالس کا انعقاد ہوکر مناقب اہل بیت و مرائی پڑھے جاتے ہیں، گذشتہ زمانہ میں اس قوم کا قومی اخلاص و اتحاد مشہور تھا، جس کمزور بھائی کو معاشرتی حالت میں گرتے ہوئے دیکھتے، فوراً کافی امداد سے دوسروں کے درجے پر پہنچا دیتے، مذہبی پیشواؤں کے احکام کے آگے اپنے مطیعانہ سروں کو جھکا دینا موجب نجات سمجھتے تھے، دیوانی، مالی، اور فوجداری خفیف معاملات بیشتر مقامی مذہبی عامل کے ذریعہ سے طے کردیئے جایا کرتے تھے، آج بھی باستثنائے خاص عام لوگوں میں اپنے داعی اعظم کی وہی عزت ہے جو پہلے تھی، اسکا افسوس ضرور ہے کہ موجودہ تمدنی دور میں بعض نوجوان اصحاب نے لباس، طرز معاشرت، صورت و سیرت میں جدید تراش و خراش اختیار کرلی ہے، نفاق کا مادہ اُبھر آیا ہے، رشک و حسد کی آگ دلوں میں سُلگ اٹھی ہے، باہمی مقدمہ بازیوں کی کثرت ہے، اگر ابھی سے مذہبی پیشواؤں کی طرف سے ان بدعات کی روک تھام نہیں کی گئی تو قابل اعتراض و خلاف شریعت امور کے جراثیم کی کثرت ہوکر خطرناک نتائج پیدا ہونے کا امکان ہے، بوہرہ قوم عموماً تجارت پیشہ ہے، اور چونکہ سرونج سو سال قبل مالوہ کا مشہور تجارتی شہر تھا اس لئے بوہروں نے بہت زیادہ ترقی کی تھی، موجودہ عہد میں تجارت کی وسعت و عالمگیری نے بوہروں کو سرونج سے دور دور مقامات پر پہنچا دیا ہے، بمبئی، بھوساولی، رائے پور، بلاسپور، جبلپور، ساگر، کٹنی، کوٹہ، گونا، دموہ وغیرہ خصوصاً بھوپال میں آج بیشتر سرونج ہی کے بوہرے نظر آتے ہیں، نقل سکونت نے اکثر مکانات کو ویران کردیا ہے ۳۰۰ آباد گھروں میں سے آج صرف ۰۰ مکانات آباد ہیں، محلہ میدان نظر آتا ہے، بیرونی بوہروں کی معاشرتی و اقتصادی حالت بہت اچھی ہے، مقامی بوہرے مالی اعتبار سے کمزور تر ہیں، منتقل شدہ بوہروں میں حب الوطنی کے جذبات آج بھی اسقدر باقی ہیں کہ شادی وغیرہ کی بیشتر تقاریب سرونج ہی آکر ادا کرتے ہیں

مؤلف ذاتی طور پر حاجی مُلّا امداد علی، حاجی ملا قادر علی، حاجی طاہر علی حقیقی برادران سے واقف ہے، یہ تینوں بھائی سرونج ہی کے باشندہ ہیں، ان کی تجارت کوٹہ، دموہ، کٹنی میں بڑے پیمانہ پر ہے، فیاض و ہمدرد قوم ہیں، رفاہی کاموں میں دریا دلی سے حصہ لیتے ہیں، درگاہ حضرت

مولا علیؑ کی مرمت و جدید تعمیر میں بھی حصہ لیتے رہے ہیں،

محلہ بوہر باڑہ کے اندر غیر قوم کا آدمی بلا اجازت مقامی مذہبی عامل کے آ جا نہیں سکتا،

مکانات پختہ تین تین چار چار منزلوں کے بلند ہیں، اندرونی کوچے بھی پختہ ہیں، بیشتر مکانات میں باہمی اتصال اسقدر ہے کہ محلہ کی مستورات دریچوں سے آجا سکتی ہیں، محلہ کی فصیل میں دو دروازے ہیں، تین مسجدیں، چودہ کنویں، ایک باؤلی، ایک مدرسہ، اور ایک عالیشان قومی جماعت خانہ ہے، جسمیں ضروری سامان ہر وقت ممبران جماعت کی نگرانی میں موجود رہتا ہے، بوہرہ قوم بیرونی باورچی کی محتاج نہیں، خود نہایت نفیس و لذیذ کھانے اور شیرینی طیار کرتے ہیں،

داعی مذہب اسمٰعیلیہ کو یہاں کی جماعت بڑے پیر صاحب کے لقب سے یاد کرتی ہے، جنکی نیابت میں یہاں ایک مقامی مذہبی عامل مامور رہتا ہے، دو تین سال کے بعد عاملوں کے تبادلے ہوتے رہتے ہیں، مقامی عامل کے حقوق جماعت پر ہیں، اور کچھ نقد ماہانہ وظیفہ بڑے پیر صاحب کی طرف سے بھی اُن کو ملتا ہے۔ بڑے پیر صاحب کے بھی جماعت پر کچھ حقوق مقرر ہیں۔

تلقین و ہدایت کے احکام داعی اعظم کی طرف سے عربی زبان و خط میں آتے رہتے ہیں، جن کی تعمیل بھی ہوتی رہتی ہے،

ایک قدیم رسم یہاں یہ بھی دیکھی گئی ہے کہ عیدین پر مقامی ناظم صاحب عید کے دوسرے روز، محلہ بوہر باڑہ میں بوہروں کے مقامی مذہبی عامل سے ملنے آتے ہیں، عطر و پان کھاکر واپس جاتے ہیں) . . . . تیسرے روز اسی طرح مذہبی عامل ممبران جماعت کے ساتھ دارالحکومت میں آتے ہیں، اور معانقہ و مصافحہ کرتے ہیں اتحاد و اخلاص کا یہ ایک شاندار نظارہ ہے جو سال میں دو بار دیکھنے میں آتا ہے،

۶
خاندان قاضی بیرم بیگ

قاضی صاحب مرحوم کے خاندان میں اسوقت مرزا مسیح اللہ بیگ عرف چھوٹے میاں حیات ہیں، جن کا

تذکرہ خواجہ سید عبدالہادی مرحوم کی دختری اولاد کے سلسلہ میں گذر چکا ہے، مرزا صاحب مذکور کا سلسلۂ نسب اس طرح پر ہے، شیخ اللہ بیگ بن مرزا اسکندر بیگ بن مرزا فتح اللہ بیگ بن مرزا محمد بیگ بن مرزا رحمن بیگ بن مرزا طاہر بیگ ابن قاضی بیرم بیگ، قاضی صاحب کا ۱۱۰۸ھ سے قبل عہد عالمگیری میں چندیری سے سرونج کے محکمہ قضا پر مامور ہوکر آنا ثابت ہے، آپ و ہوا یہاں کی مرغوب ہوئی، مستقل سکونت اختیار کرکے مکان تعمیر کرایا، اور یہیں وفات پائی، فتح آبی بی دختر خواجہ محمد شاہ (خواجہ عبدالہادی کی پڑپوتی) مرزا فتح اللہ بیگ کو منسوب تھیں، اس سلسلہ سے شیخ اللہ بیگ خواجہ صاحب کی دختری اولاد سے ہیں، پروانہ مہری محمد سعید عالمگیری مورخہ ۱۵ / شعبان ۱۱۰۸ھ کے معائنہ سے واضح ہے کہ قاضی صاحب کو بطور مدد معاش ۵ بگہ اراضی معافی عطا ہوئی تھی، جس پر آجتک قاضی صاحب مرحوم کے ورثہ کا قبضہ چلا آرہا ہے، دو کاغذات قدیم، ملا حسن علی ولد ملا مراد علی قوم بوہرہ مرحوم کے پاس مؤلف کی نظر سے ایسے گذرے ہیں جن پر قاضی صاحب مرحوم کی مہر ثبت ہے، جس پر ذیل کا مصرعہ منقوش ہے ع شرف از شرع یافت بیرم بیگ، اس سے زیادہ حال موجودہ رکن خاندان بھی مؤلف کو نہیں بتا سکے، دور اخیر میں مرزا سکندر بیگ صاحب مرحوم نے بڑا نام پایا، عرصہ تک میونسپل کمیٹی کے مہتمم رہے، فارسی میں اچھی استعداد تھی اور قوم میں معزز مانے جاتے تھے، ۲۴ / ۱۳۱۷ھ میں وفات پائی،

خاندان شیخ بایزید

اس خاندان کے موجودہ اور مشہور ممبر منشی شیخ رفیع اللہ سررشتہ دار فوجداری ہیں، ان کا سلسلہ قدیم شجرہ سے اس طرح پر ثابت ہے منشی رفیع اللہ بن میاں جی عزیز اللہ بن سعد اللہ بن عباد اللہ بن فیض اللہ بن شیخ باقی بن شیخ بایزید، شیخ بایزید اور شیخ کالے دونوں حقیقی بھائیوں کا فرخ سیر کے عہد میں سرونج آنا پرانے کاغذات سے پایا جاتا ہے، جسکو آج تک ۲۱۳ سال کا زمانہ گذر چکا ہے، چند اسناد شاہی منشی صاحب

۱؎ مؤلف نے مرحوم کے انتقال پر ذیل کا تاریخی قطعہ موزوں کیا تھا، سکندر بیگ فخر دودمانی ٭ بفردوس بریں چون گشت عازم ٭ لنظر سال وفاتش باد عاگفت ٭ بروحش رحمت حق باد دائم ۱۲۰۰ ۲۴ ۱۳۱۷ھ

موصوف کے پاس محفوظ ہیں، ایک سند مہری فرخ سیر مورخہ سنہ ۶ جلوس مطابق سنہ ۱۱۳۱ھ کی ہے اور دوسری سند مہری ناصر الدین محمد شاہ سنہ ۱ جلوس م سنہ ۱۱۳۱ھ کی ہے، دونوں کا مضمون یہ ہے کہ شیخ بایزید منصبدار ملازم سرکار کو بنا بر تیاری خیام شاہی واقع پرگنہ سرونج باہتمام فتح علیخاں داروغہ مقرر کیا گیا ہے، ہم کو سرونج پہنچکر سرکاری خدمت انجام دینی چاہیئے، یہی حیلہ شیخ بایزید کے سرونج آنے اور سکونت اختیار کرنے کا ہوا، تیسرا ایک اور حکمنامہ مہری خانجہاں بہادر مظفر جنگ[1] نظر سے گذرا، جسکے لفافہ پر لاکھ کی مہر صاف نمایاں ہے فرمان باریک سپید کاغذ پر ہے جس پر جگہ جگہ آب طلائی افشاں ہے، اسکا مضمون یہ ہے کہ شیخ کالے ملازم سرکار نے چودھری گوپال داس سرونج کو (جبکہ وہ مطالبۂ دیوانی میں مقید شاہی تھا) اپنی ضمانت پر ۳ ہزار روپیہ قرض دلوایا تھا، ۳ ہزار چھ سو روپیہ وصول ہو چکا ہے، چونکہ گوپال داس فوت ہو چکا ہے، اُسکا بیٹا بھوپال داس وارث اور قابض جائداد پدری ہے، بعد تحقیقات اوس سے باقی روپیہ بذریعہ ضبطی جائداد

[1] خانجہاں بہادر ظفر جنگ جہاندار شاہ کا وزیر تھا جو سنہ ۱۱۲۳ھ میں تخت نشین ہو کر اُسی سال ۱۰ ماہ بعد فوت ہوا، پروانہ کی عبارت یہ ہے، شجاعت نشان افضل علیخاں فوجدار سرونج. شیخ کالے ملازم سرکار بذریعہ ارباب عدالت العالیہ التماس گذرانید کہ گوپالداس چودھری پرگنہ سرونج (گوپال گڈھ عرف امیر گڈھ یہ جاگیر اسی کا آباد کیا ہوا ہے، نواب امیر الدولہ بہادر نے اپنی عملداری میں اسکا نام اپنے نام پر تبدیل کیا ہے مولف) عوض پیشکش سرکار در کچہری دیوان اعلے مقید بود، سی ہزار روپیہ از ساہوکاران بضمانت خود قرض دہانیدہ خلاص کنانید، گوپالداس مذکور گشتہ شد، بھوپالداس پسرش قائم مقام پدر شدہ بمال و املاک نقد و جنس پدر متصرف گشتہ سابق محمد ناصر گرد اور در عہد حضرت متعین شدہ بود کہ رسوم چودھری ضبط نمودہ زر رہانند چنانچہ سہ ہزار و شش صد روپیہ از نزد بھوپالداس بوصول رسید بست ہزار چہار ہزار و شش صد روپیہ باقی است نمید ہد در ینباب فوجدار و قاضی انجا نگارش یابد۔ حکم جہاں مطاع عالم مطاع صادر شد۔ لہذا حسب الحکم الاعلے قلمی میگردد کہ بہ تقدیر صدق اظہار احقاق حق نمایند، و زر واجب برہانند (اصل سند مہر خاندان کے پاس موجود ہے) شعر ،، پادشاہی بہ جہاندار شاہ مزیبا، داد حق انچہ طلب کرد امیر الامرا ،، یہ شعر پروانہ کے اوپر درج ہے، ۱۲ ئه رائے بیدل رائے چودھری بانی حویلی راجی کی اولاد میں تھا، اسکی اولاد کا خاتمہ عہد میاں منور خاں، صاحب عامل سرونج میں بھوج راج چودھری پر ہو گیا، ۱۲ مولف ۔

وغیرہ دلوایا جائے ،

شیخ بایزید اور شیخ کالے نے چودھری مذکور کی خواہش پر اول اسکی مشہور حویلی را نجی والی کے متصل (جہاں اب حاجی پناہ محمد نورباف کا مکان واقع ہے) سکونت اختیار کی، مسجد تعمیر کرائی، چاہ بھی کندہ کرایا، چاہ آج بھی موجود ہے، مسجد شہید ہو چکی ہے، بعد میں چودھری مذکور کی مخالفت کی وجہ سے وہاں کی سکونت ترک کر کے محلہ کٹڑی میں آباد ہوئے، جہاں اب منشی صاحب موصوف رہتے ہیں، قدیم مکان منہدم ہے، کسی زمانہ میں موضع بھونریہ ان کے بزرگوں کے اجارہ میں تھا، منشی صاحب کے والد فارسی علم میں خوب ماہر تھے، کسی قدر آراضی معافی بھی منشی صاحب کے قبضہ میں ہے، کچھ ورا ثتہً چلی آرہی ہے، اور کچھ زمین خود منشی صاحب کو پنشن کے معاوضہ میں سرکار عالی نے عطا فرمائی ہے، منشی صاحب موصوف صوفی مشرب انسان ہیں، عدالتی کاموں کے بعد باقی اوقات خدا کی یاد میں گذارتے ہیں،

خاندان مفتی لعل بیگ

اس خاندان میں اس وقت مفتی حیدر بیگ بقید حیات ہیں جنکی عمر ۵۹ سال کی ہے، انہوں نے اپنا سلسلہ نسب اس طرح پر ظاہر کیا ہے، منشی حیدر بیگ بن مفتی اکبر بیگ[۲] بن فیض اللہ بیگ[۳] بن بہادر بیگ[۴] بن مہدی بیگ[۵] بن مفتی بلاقی بیگ[۶] بن مفتی لعل بیگ[۷]، کاغذات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے مفتی لعل بیگ کا عہد شیر شاہی میں سرونج آنا مفتی حیدر بیگ زبانی اپنے بزرگوں سے سنا ہوا بیان کرتے ہیں، فرامین شاہی کے متعلق ظاہر کیا۔ کہ ہلکروں کے زمانہ حکومت میں (جبکہ جھنگا مرہٹہ نے سرونج کو لوٹا تھا) ضائع ہوگئے، لیکن بعض کاغذات قدیم و فرامین شاہی کے دیکھنے سے واضح ہے کہ مرزا مہدی بیگ بانی ریاست نواب امیر الدولہ بہادر کے عہد میں زندہ تھے، اور لعل بیگ و مرزا مہدی بیگ کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے، اس لئے ہلکروں کے عہد یا زیادہ سے زیادہ محمد شاہ بادشاہ المتوفی سنہ ۱۱۶۱ھ کے زمانہ میں مرزا لعل بیگ کا سرونج آنا قرین قیاس ہو سکتا ہے، سلطان شیر شاہ کے عہد کی آمد اصولِ درایت سے صحیح نہیں ہو سکتی ہے،

دو ڈھائی سو سال کی قدیم دستاویزات پر اس خاندان کے مفتیوں کی مہریں نقش دیکھی گئی ہیں انتقال جائداد کے تمام دستیقے اس خاندان میں مرتب ہوکر تصدیق کی غرض سے دارالقضا میں بھیجے جایا کرتے تھے، دارالقضا کی تصدیق آج کل کے صیغہ رجسٹری کے برابر مستند سمجھی جاتی تھی، وثائق کی نقلیں بجنسہ مفتیوں کی کتاب میں بھی درج ہوتیں، تلف ہونے کی صورت یا اور کسی ضرورت پر خواستگاروں کو نقلیں دیجاتیں، دو روپیہ فی دستاویز حق التحریر مقرر تھا، دارالافتا کا تعلق بھی دارالقضا کی زیر نگرانی اسی خاندان سے تھا،

ہلکروں کی حکومت نے قاضیوں کی عدالت سے دیوانی و فوجداری معاملات منتقل کر کے مقامی فوجدار (حاکم) کے حوالے کردیئے، صرف نکاح خوانی اور مذہبی خصومات کا تعلق قاضیوں سے رہ گیا، اور مفتیان صرف انتقال[۱] ناموں کے مسودہ نگار رہ گئے، سنہ ۱۸۸۶ء میں جبکہ پرگنہ میں باقاعدہ رجسٹراری صیغہ قائم ہوا، مسودہ نگاری کی خدمت بھی اس خاندان سے جاتی رہی،

سنہ ۱۱۳۷ھ کا ایک فرمان مہری اعتماد الدولہ قمر الدین خاں بہادر نصرت جنگ وزیر الممالک عہد محمد شاہی موجودہ مفتی صاحب کے پاس محفوظ ہے، جس کے ذریعہ سے ۲۹ بیگہ اراضی معافی، مدد معاش کے طور پر مفتی کامل بیگ کو ملی تھی، معافی بدستور موجود ہے اور پندرہ روپیہ پانچ آنہ (ﷺ۵) حقوق عیدین ریاست سے برابر ان کو ملتے ہیں،

مفتی صاحب کے پاس جو کتابیں نقول دستاویزات کی تھیں وہ سب صاحبزادہ شیر علیخاں[۲] بہادر سرور جنگ ناظم سرونج کے عہد نظامت میں منتقل ہوکر دفتر رجسٹراری میں آگئی ہیں،

---

[۱] پروانہ مہری نواب وزیر الدولہ بہادر مورخہ ۲۲ شعبان سنہ ۱۲۸۰ھ سے واضح ہے کہ اس عہد تک وثائق نگاری کا کام اس خاندان سے متعلق رہا (یہ پروانہ خاندان میں محفوظ ہے) ۱۲ مؤلف

[۲] بدر الامرا ضیاء الملک صاحبزادہ شیر علیخاں بہادر سرور جنگ نبیرۂ نواب امیر الدولہ بہادر سنہ ۱۹۰۳ء میں سرونج کی نظامت پر مامور ہوئے، سنہ ۱۹۰۶ء میں پرگنہ نیماہیڑہ کی نظامت پر تبدیل ہوئے وہاں سے ٹونک کے مجسٹریٹ درجہ اول مقرر ہوئے سنہ ۱۹۲۴ء میں انتقال کیا ۱۲ مؤلف

اس خاندان میں مرزا احمد بیگ، اور عبدالحمید بیگ بھی بقید حیات ہیں، خاندانی حقوق سے یہ بھی مستفیض ہیں، اور ملازمت پیشہ بھی ہیں،

خاندانِ ملک صاحبداد خاں وملک بہادر خاں محلہ روہلپورہ

صاحبداد خاں و بہادر خاں، دونوں ہم وطن اور ہم قوم تھے ۱۱۵۵ھ عہد محمد شاہی میں اپنے قدیم وطن افغانستان کو خیرباد کہکر ہندوستان آئے، پانچسو سوار و پیادے ہم قوم ہمراہ تھے، ناگپور ملک متوسط میں عرصہ تک قسمت آزمائی کرتے رہے، سرونج کی آب و ہوا نے انکو بھی اپنی طرف کھینچا، قصبہ سے شمال میں پرانے پل کے قریب خیمہ انداز ہوئے، پھر مکانات بھی بنوا لئے، چند سال کے بعد طوائف الملوکی کے زمانہ میں (جبکہ باجی راؤ پیشوا کے حملے صوبۂ مالوہ پر ہو رہے تھے)، مہاراجہ سیندھیا کا لشکر ان کے قیام گاہ کے قریب سے نکلا، بے پردگی کے خیال سے سواروں کو گھوڑے پرسے اتر جانے کی ہدایت پٹھانوں کی طرف سے ہوئی، بات نے طول پکڑا، دونوں طرف سے تلواریں کھینچ گئیں، فریقین کے کچھ آدمی مقتول اور کچھ مجروح ہوئے، سردار مرہٹہ مارا گیا، بالآخر مصالحت ہوگئی،

پرانے پل کے قریب قصبہ کی آبادی کی جانب روہلپورہ روہیلہ پٹھانوں کا محلّہ پہلے سے آباد تھا، اسلئے مصلحتاً انہوں نے بھی روہلپورہ[1] میں اپنی سکونت منتقل کی، یہ محلہ قصبہ کی آبادی سے شمال میں منڈی دروازہ سے تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر ہے، ان دونوں قومی جماعت کی آبادی نے پورہ کو بہت زیادہ رونق دی، دونوں صاحب قوم میں با اثر اور معزز تھے، "ملک" اور جمعدار ان کے القاب تھے، قبیلہ دلازاک سے ان کو نسبت تھی، جو افغانستان میں مشہور قبیلہ ہے، اور جنکی آبادی پشاور کے قریب ایک وسیع رقبہ میں آج بھی موجود ہے، انہوں نے یا ان کے ساتھیوں یا روہیلہ

[1] روہ افغانستان میں ایک حصّہ ملک کا نام ہے، اسکی نسبت کے لحاظ سے وہاں کے باشندے روہیلہ مشہور ہیں، محلہ کا نام بھی اسی مناسبت سے روہیلپورہ رکھا گیا، حرف (ی) کی تخفیف سے اب روہلپورہ مشہور ہے ۱۲ مؤلف

افغانوں نے کبھی کسی کی ملازمت اختیار نہیں کی، محکومیت کو غلامی سمجھتے تھے، پیشہ ہمیشہ جنگ و جدال تھا جب کبھی دورآجاؤں، امیروں، ٹھاکروں میں حریفانہ جنگ کی نوبت پہنچی تو جس فریق نے انکو معاوضہ دیا اُسکی طرف سے لڑائی میں شریک ہوئے، جنگجویانہ شجاعت کے افسانے ان کے اسقدر عام تھے کہ اُن کی شرکت کو حریفانِ جنگ فتح و فیروزی کا فال نیک سمجھتے تھے، سنہ ۱۱۳۲ھ[1] میں نظام الملک آصف جاہ نے بھی مرمت خاں قلعدار رانڈ کو سرونج بھیجکر افغانوں سے امداد چاہی جنہوں نے راحت گڈھ پر حملہ کرکے چترسال بندیلے کو وہاں سے خارج کیا۔ ترقی و عروج کے زمانہ میں غیر شخص انکے محلہ سے سوار ہوکر گذرنے نہیں پاتا تھا،

دور ایام نے ان بہادروں کی نسلوں کو فنا کردیا ہے، صرف زبانوں پر بہادری کے افسانے باقی رہ گئے ہیں، محلہ ویران ہے، نام کو کچھ گھرہٹیانوں کے رہ گئے ہیں، جو ملازمت و زراعت پیشہ ہیں، روہلپورہ کی سکونت کے زمانہ میں ان دونوں، اور ان کی اولادنے قدیم جائدادیں غیر منقولہ بہت زیادہ خرید کیں، انحطاط کے زمانہ میں اُنہی جائداد کی آمدنی افرادخاندان کی کفیل رہی، اولاد واحفاد کی تفصیل یہ ہے،

(۱) ملک صاحبداد خاں[1] کے ایک بیٹے، ملک حق داد خاں[2]، ان کے الہ داد خاں[3]، ان کے کریم داد خاں[4] ان کے لطیف داد خاں[5]، موجودہ زمانہ میں ملک لطیف دادخاں، خاندانی یادگار باقی ہیں، متواتر قحط سالیوں نے انکی جائداد کو غیروں کے قبضہ میں رہن و بیع کے ذریعے سے پہنچادیا، اور خود صیغہ جنگلات میں ملازم ہوکر گذارہ کررہے ہیں، آدمی شریف، منکسر المزاج، اور غیور ہیں،

(۲) ملک بہادر خاں جمعدار۔ انکے چار بیٹے ہوئے، محمود خاں[1]، ثابت خاں[2]، گلاب خاں[3]، سعادت خاں[4]، اور چار بیٹیاں، انہیں سے ملک بی بی دختر کی شادی، غلام محمد خاں، عرف چھٹو خاں جمعدار سے ہوئی، جنکے بطن سے (۱) شاہجہاں بیگم زوجہ صاحبزادہ غلام فرید خاں جاگیردار چاچھولی (۲) نواب حاتم زمانی بیگم زوجہ صاحبزادہ فیض محمد خاں بہادر ولیعہد نواب، وزیر الدولہ بہادر، (۳)

---

[1] تاریخ ہندوستان مؤلفہ مولوی ذکاء اللہ مرحوم ۱۲

نواب جہاں آرا بیگم زوجۂ یمین الدولہ نواب محمد علیخاں بہادر، باقی تین بیٹیاں اور دوسرے معزز پٹھانوں کو دی گئیں،

محمود خاں کے ملک ببر خاں ایک پسر جو لاولد فوت ہوئے بنا ثابت خاں کے رسالہ دار غلام نبی خاں جو مشہور ریاست کے فوجی افسر گذرے ہیں، ان کے چار پسر، غلام حضرت خاں، عبدالمجید خاں، عبدالغنی خاں، غلام مجید خاں، غلام حضرت خاں کے دو فرزند غوث محمد خاں، غلام محمد خاں، اسوقت غوث محمد خاں حیات ہیں اور غلام محمد خاں مرحوم کے فدا احمد خاں ایک بیٹا موجود ہے، عبدالمجید خاں مرحوم نائب رسالہ دار رہے، ان کے تین پسر عبدالحفیظ خاں، عبدالعزیز خاں، محمد رفیق خاں بقید حیات ہیں، عبدالغنی خاں موجود اور زراعت پیشہ ہیں، غلام مجید خاں مرحوم کے ایک پسر غلام وحید خاں بقید حیات ہیں، گلاب خاں ابن ملک بہادر خاں کے ایک پسر شجاعت محمد خاں، اور ایک دختر ولایتی بیگم (زوجہ صاحبزادہ منیر خاں مرحوم ابن نواب امیر الدولہ بہادر) شجاعت محمد خاں کے دو لڑکے، صادق علیخاں، اور ہدایت محمد خاں، صادق علیخاں کے دو پسر محمد رفیق خاں، و محمد ابراہیم خاں زندہ ہیں،

منشی ہدایت محمد خاں سرونج محلہ تلیا میں سکونت پذیر ہیں، نظامت سررشتہ دار بھی رہے، عزت و آبرو کی زندگی بسر کی اور کر رہے ہیں، مہذب اور خلیق ہیں، انکے دو بیٹے شفاعت محمد خاں اور ولایت محمد خاں جوان العمر موجود ہیں، شفاعت محمد خاں نظامت میں اہلمد اور ہوشیار معاملہ فہم اہلکار مشہور ہیں، ولایت محمد خاں زراعت و تجارت کی طرف راغب ہیں، سعادت خاں ابن ملک ببر خاں لاولد فوت ہوئے،

خاندان لالہ متھرا داس اور جگجیون داس قانون گویان پرگنہ سرونج

لالہ پرتاب چند قانون گو اس خاندان کے قابل ترین یادگار ممبر ہیں، ان کا سلسلۂ نسب نویں پشت میں لالہ متھرا داس سے

اس طرح ملتا ہے، لالہ پرتاب چند بن شادی لال بن بال چند بن تارا چند بن جے چند بن کشن چند بن دھرنید ھرداس بن جگجیونداس بن متھراداس، قانون گو قوم کایستھ ماتھر،

سند مہری شہنشاہ جلال الدین اکبر، خط شکستہ میں لالہ پرتاپ چند کے پاس موجود ہے، جو سنہ ۱۰۰۵ھ[۱] کی لکھی ہوئی ہے، تاریخ پڑھنے میں نہیں آتی، اس سند کے مضمون سے واضح ہے کہ شاہزادہ[۲] مراد کی سفارش پر بلحاظ قدامت سرکار چندیری کی سند قانون گوئی متھراداس کو اکبری دربار سے ملی تھی، اس سند سے یہ بھی ثابت ہے کہ قانون گوئی کا سلسلہ متھراداس کے خاندان میں قدیم سے ہے، متھراداس کے بعد جب ان کے بیٹے جگجیونداس قانون گو ہوئے تو انکو

---

[۱] چون زبدۂ امثال واقران متھراداس قانون گو سرکار چندیری بوسیلہ گذارش فرزند ارجمند سعادت تیار، غرۂ ناصیۂ دولت واقبال، قرۂ باصرۂ عظمت واجلال، فیض وفیروز مندی واسطۃ الفضل و سعادتمندی، شاہزادہ برخوردار شاہ مراد شرف عتبہ بوسی مشرف گردید وبموقف عرض رسانید که قانون گوے سرکار مذکور از قدیم بر مشارٌالیہ وآباؤ اجداد ایشان تعلق دارد،

لہٰذا بنائے علیہ عنایت پادشاہی شامل حال او گشتہ فرمان عالیشان سعادت نشان شرف نفاذ یافت کہ قانون گوے سرکار مذکور بدستور سابق تعلق زمرہ اقران موٌمی الیہ داشتہ شدہ کہ بخدمت مذکور اقدام نمودہ دقیقہ از دقائق احتیاط نامرعی نگزارند، ودر احوال رعایہ ومزارعان و سکنہ و متوسلان سرکار مذکور را مفصل بہ فصل بموقف بندگان خلائق پناہ عرضداشت نماید، ویک کس از زمرۂ برادران واقوام زمرۂ مشارٌ الیہ درگاہ حاضر بودہ بعرض اشرف اقدس میرسانیدہ باشد تحریر سنہ ۱۰۰۵ھ

(مہر جلال الدین اکبر)

[۲] شاہزادہ مراد اکبر کا دوسرا بیٹا تھا، ۱۰ محرم سنہ ۹۷۸ھ کو فتح پور کے پہاڑ پر پیدا ہوا اس نسبت سے اکبر اسے پہاڑی راجہ کہا کرتا تھا، دو ہزاری منصب دیکر اکبر نے اسے دکن کی مہم پر مامور کیا، شراب کا متوالہ تھا، ۳۰ سال کی عمر پاکر سنہ ۱۰۰۷ھ میں فوت ہوا، مصرع تاریخ وفات یہ ہے

از گلشن اقبال نہالے شدہ گم ۱۰۰۷ھ — دربار اکبری

ایک سند دربار جہانگیری سے سنہ ۱۹ جلوس مطابق ۱۰۳۲ھ[۱] میں، اور دوسری سند دربار شاہجہانی سے ۱۰۵۴ھ میں ملی، جو اکبری سند کے ہم مضمون ہیں،

ان اسناد کے مضامین سے ظاہر ہے کہ شاہی زمانہ میں قانون گوئی بڑی ذمہ داری کا عہدہ تھا، مزارعان کی نگرانی، زمین کی آبادی، محاصل کی کمی و بیشی، سرحدی معاملات کی نگہداشت آمدنی و خرچ کا حساب و کتاب مرتب کرنا، سال کے اخیر پر دیوان شاہی میں بھیجنا، رفاہی امور میں مقامی عامل کو مشورہ دینا، یہ تمام امور قانون گو کی ذات سے وابستہ تھے، اسکے علاوہ ضلع کے ہر قانون گو کا یہ بھی فرض تھا کہ اپنا ایک رشتہ دار دربار شاہی میں مامور رکھے، جس کے ذریعہ سے تمام حالات و واقعات کی اطلاعیں وقت پر شاہی دربار تک پہنچتی رہیں، خلاصہ یہ ہے کہ شاہی زمانہ میں قانون گوئے ضلع کے وہ اختیارات تھے جو آج ضلع کے کلکٹر کو بھی نصیب نہیں ہیں، ان تمام خدمات کے معاوضہ میں قانون گویان کو جاگیریں، انعامی آراضیات ملی ہوئی تھیں، بھینٹ وغیرہ حقوق علاوہ تھے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے،

لالہ جگ جیونداس کے بعد اُن کے دو بیٹے لالہ ہرراے اور لالہ دہرنیدھرداس مشترکاً خدمت قانون گوئی پر مامور رہے، پرگنات میں ان کی طرف سے گماشتے مقرر تھے جو ان کی زیر ہدایت کام کرتے، سنہ ۱۰۹۳ھ[۲] میں سرکار چندیری کے ماتحت پرگنات دونوں بھائیوں میں تقسیم ہوئے، جنکی تعداد ۵۲ تھی، انمیں سے ۲۲ پرگنے دیبی سنگھ راجہ چندیری کی طرف منتقل ہوئے باقی ۳۰ پرگنوں میں سے، چندیری، سرونج، اور دیپور، تو بدستور دونوں بھائیوں میں مشترک رہے، اور ۲۶ پرگنے بحصہ مساوی دونوں میں منقسم ہو گئے جنکی تفصیل یہ ہے
نومین[۱]، پچہار[۲]، آصف آباد[۳]، دولہا جاگر[۴]، بدرجہلا[۵]، میانہ[۶]، اٹاوہ[۷]، شادورہ[۸]، ایرن[۹]، مونگاولی[۱۰]

---

[۱] اس سند کی پوری نقل باب ۳ بازار کٹرہ نور گنج کے سلسلہ میں درج ہے ۱۲ مولف

[۲] تقسیم نامہ مورخہ ، محرم سنہ جلوس عالمگیری مطابق ۱۰۹۳ھ مہری جگت سنگھ حاکم چندیری فدوی عالمگیر بادشاہ غازی (اس تقسیم نامہ کو مولف نے دیکھا ہے، جو لالہ پرتاب چند جی کے پاس محفوظ ہے - ۱۲

راکھا[۱۱]، بھونراسہ[۱۲]، کالا باغ[۱۳]، کہیاوڈہ[۱۴]، تال[۱۵]، کورواٹی[۱۶]، ہماشہ[۱۷]، بیرجہا[۱۸]، دیوری کلاں[۱۹]، انانا[۲۰]، بدرواس[۲۱]، جھرکون[۲۲]، جہانجون[۲۳]، دیوری خورد[۲۴]، ارون[۲۵]، لٹاوڈہ[۲۶]،

لالہ ہیرارائے کے لاولد فوت ہونے پر اُن کے حصے کے ۱۳ پرگنات بھی لالہ دھرندہر داس کو ملے، چونکہ ۶۰ سال کی عمر تک ان کی بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی، اس لئے اپنے عزیزوں اور گماشتوں کے نام تمام محالات منتقل کر دیئے، اور اپنے لئے صرف دو پرگنے سرونج و چندیری مخصوص کر لیئے، بعد میں دوسری شادی کرنے پر کرشن چند نامی ایک بیٹا عالم وجود میں آیا، جس کی اولاد میں سرونج کی قانون گوئی ابتک بحال ہے، ....

..........، اور چندیری کی قانون گوئی سمبت ۱۹۶۵ / ۱۹۰۹ء بکرمی تک قائم رہ کر راج گوالیار کی طرف سے نقد تنخواہ مقرر ہو گئی، جسے لالہ جواہر لال برادر لالہ پرتاپ چند قانون گو سرونج نے نامنظور کیا، اور خانہ نشین ہو گئے

سرونج میں عہد شاہی سے قانونگویوں کے جو حقوق مقرر تھے وہ تقریباً آج بھی بدستور بحال ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) دامی یعنی پرگنہ کی مشخصہ سالانہ زرعی آمدنی پر فیصدی ایک روپیہ، عـہ

(۲) بھینٹ فی گاؤں، چار روپیہ،

(۳) دستور چنگی، فی روپیہ تین پائی،

اسکے علاوہ موجودہ قانون گو کے پاس اراضی انعامی ایک ہزار بیگہ اور ۸ قطعات باغات بھی ہیں، ۱۸۹۸ء میں جو پہلا بندوبست ہوا تھا، اُس وقت سے حق دامی فیصدی ایک روپیہ کے بجائے بالمقطع ۸ سو روپیہ، بھینٹ فی ریہ للعہ کے بجائے بالمقطع ایکہزار ۳ سو ۶۰ روپیہ، اور دستور چنگی فی روپیہ ۳ پائی کی جگہ بالمقطع ۳ سو روپیہ سالانہ ریاست سے مقرر ہو گیا ہے، ان حقوق میں دوسرے قانون گو لالہ جگناتھ پرشاد بھی نصف کے شریک ہیں، حقوق کی آمدنی سے دو سو ۴۰ روپیہ سالانہ تنخواہ کے دو گماشتے صیغہ مال میں، اور دو گماشتے

دوسو ۱۵ روپیہ سالانہ تنخواہ کے محکمہ سائر (کسٹم) میں سرکاری خدمت انجام دیتے ہیں،

لالہ پرتاپ چند خاندانی قانون گو موجودہ زمانہ میں رجسٹرار قانون گو ہیں، دیہی کاغذات کا ان سے تعلق ہے، پرگنہ کے تمام داخلی وخارجی حالات سے واقف، اور حکومت کے بہترین خیرخواہ مشیروں میں سے ہیں ۱۸۹۶ء میں ریاست کا جو گزیٹیر مرتب ہوا ہے آپ اس میں بھی شریک تھے، اور سرونج کے متعلق ان کی معلومات سے زیادہ امداد لی گئی ہے، مولف نے بھی انسے بعض تاریخی حالات کے انکشاف میں استفادہ کیا ہے،

خاندان لالہ گردھرداس و ہردے رام قانون گویان

موجودہ زمانہ میں اس خاندان کی یادگار لالہ جگناتھ پرشاد قانون گو ہیں، جنکا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں لالہ ہردی رام سے اس طرح ملتا ہے جگناتھ پرشاد بن اونکار بخش بن پھندی لال، بن تیج رائے بن چین سنگھ بن ہداری لال بن بہادر مل بن ہردے رام، قوم کایستھ ماتھر

لالہ گردھرداس، اور ہردیرام باہم حقیقی بھائی تھے، اور شریک کار رہے، گردھرداس نے لاولد رحلت کی، انکے باپ کا نام سورج مل تھا دہلی سے سرونج آکر سکونت اختیار کی،

سند عالمگیری محررہ بستم ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۰۸۳ھ سنہ جلوس انہی دونوں بھائیوں کے نام ہے جس سے واضح ہے کہ خدمت قانون گوئی گوان کی جدی خدمت ہے لیکن ۹ ہزار روپیہ پیشکش کرکے تجدیداً سند حاصل کی ہے،

سند کی پشت پر ۹ ہزار روپیہ کی اقساط کی تفصیل درج ہونے کے ساتھ جو عبارت مرقوم ہے، اُس میں "برسالۂ شاہزادہ معظم"[1] مع دیگر عبارت کے جو حوالہ درج ہے، اُس سے

[1] محمد معظم، ۱۱۱۹ھ میں شاہ عالم بہادر شاہ کے لقب سے عالمگیر کے بعد تخت نشین ہوا، اور ۱۱۲۴ھ میں رحلت کی، شاہ عالم نے اپنے جلوس کی خود ذیل کی تاریخ استخراج کی ع "آفتاب عالمتابیم"، وفات کی تاریخ یہ ہے درد فانش بے سرو بے پا شدند، فیض و فضل و نعمت و عدل و کرم) ۱۲ مفتاح التواریخ ،

استنباط ہوتا ہے کہ شاہزادہ موصوف نے یا تو دربار خلافت میں پہنچکر تجدید سند کی سفارش کی ہے یا بذریعہ عرضداشت اپنے باپ سلطان اورنگ زیب عالمگیر کو متوجہ کیا ہے،

سند[1] مذکور میں خدمات کی وہی تفاصیل درج ہیں جو شہنشاہ اکبر نے لالہ متھراداس قانون گو کی سند میں درج کی ہیں، حقوق قانون گوئی کی تفصیل لالہ متھراداس کے تذکرۂ خاندانی کے ساتھ

---

[1] نقل سند۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ، یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم ، (خط طغرا میں سرخ روشنائی سے سند کے عنوان پر سیدھے پہلو میں درج ہے ، اُسکے برابر سیاہی کی گول مہر ثبت ہے ، جس پر محی الدین عالمگیر مع نسب نامہ مندرج ہے) مضمون ۔ چوں بعرض مقدس معلےٰ رسید کہ خدمت قانون گوئی پرگنہ سرونج ، تابع سرکار چندیری مضاف صوبہ مالوہ ایاعن جد بہ گردھرداس و ہردیرام تعلق دارد و آنہا قابض و متصرف و امیدوار فرمان عالیشان اند۔ حکم جہاں مطاع لازم الاتباع صادر شد کہ خدمت قانون گوئی پرگنہ مذکور از نصف خریف سچقائیل (نام مہینہ مؤلف) بآنہا حسب الضمن مقرر باشد کہ بلوازم آن خدمت کما ینبغی پرداختہ و دقیقہ از دقائق دولت خواہی و راستی و درستی نامرعی نگزارند و در ازدیاد آبادانی و فور زراعت مساعی موفورہ تبقدیم رسانیدہ از سررشتہ تقسیم و موازنہ منقح و مشرح و مطابق ضابطہ و معمول بدفترخانہ والا میرسانیدہ باشند و زیادہ از مرسوم قدیم چیزے از رعایہ طمع نہ نمایند و براموال تغلب و تعدی نکنند باید کہ حکام و عمال و جاگیرداران و کروڑیان حال و استقبال مشار الیہما را قانون گوئے مستقل آنجا دانند و دریں باب ہر سال سند مجدد طلب نگزارند و نہ ہزار روپیہ وجہ پیشکش مطابق اقساطے کہ در ظہر ایں مثال واجب الامتثال رقم پذیر فتہ از آنہا تحصیل نمودہ بخزانۂ عامرہ داخل سازند ، بتاریخ شہر رمضان المبارک سال شانزدہم از جلوس والا نوشتہ شد مطابق ۱۰۸۳ھ پشت سند پر اقساط کی تفصیل کے اوپر ذیل کی عبارت درج ہے " برسالہ بادشاہزادہ کامگار نامدار گرامی نسب عالی تبار ، نورحدقۂ خلافت و نور حدیقۂ سلطنت و دولت ، فروغ دودمان عز و اقبال ، چراغ خاندان جاہ و جلال ، والا گوہر بلند مکان ، رفیع القدر ، منیع الشان ، ستودہ خصال ، خجستہ شیم شاہزادۂ محمد معظم

(اصل سند لالہ جگناتھ پرشاد کے پاس محفوظ ہے ۱۲ مؤلف)

اوپر درج ہو چکی ہے ، ایک ہزار بیگہ اراضی انعامی اس خاندان میں بھی موجود ہے ،
سندِ عالمگیری ۸ فٹ طول اور ۱½ فٹ عرض کے بادامی رنگ کے چکنے دبیز کاغذ پر ہے
کاغذ میں کسی جگہ نقصان نہیں آیا ، معلوم ہوتا ہے کہ سند آج ہی کی لکھی ہوئی ہے ، سینکڑوں
اسناد دیکھنے کا اتفاق ہوا ، لیکن جس احتیاط سے اس سند کو محفوظ رکھا گیا ہے ، دوسروں
نے اپنی اسناد کے ساتھ ویسا عمل نہیں کیا ، نہ اتنی طویل تقطیع پر کوئی سند نظر سے گذری ،
نواب امیر الدولہ بہادر نے بھی اپنی سند مورخہ ۱۴ ذی الحج ۱۲۲۴ھ کے ذریعہ سے شاہی
عطیہ کو بحال و برقرار رکھا ، اور آج بھی بحال ہے ،
لالہ جگناتھ پرشاد کے تعلق سرحدات ، جاگیرات ، آبادی مزارع وغیرہ کا کام سپرد
ہے ، آدمی نوجوان و ذی ہوش ہیں۔

خاندانِ[۱] غلام محمد خاں عرف چھٹو جمعدار

غلام محمد خاں ، چھٹو جمعدار[۱] کے نام سے معروف
اور معزز ترین افغانان سرونج سے تھے ، انکے پردادا
کے دادا یوسف محمد خاں منصبداران شاہی سے
مشہور شخص گذرے ہیں ، اور یہی بزرگ ولایت
کابل سے ہندوستان آئے ، جمعدار موصوف کا سلسلہ نسب مورث اعلیٰ تک اس طرح پہنچتا
ہے ، غلام محمد خاں[۱] ابن خضر محمد خاں[۲] ، ابن گل محمد خاں[۳] ابن جان محمد خاں[۴] ابن بشارت محمد خاں[۵]
ابن یوسف محمد خاں[۶] ، یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یوسف محمد خاں کس کے عہد میں ہندوستان آئے
خاندانی مشہور روایت یہ ہے کہ سہ ہزاری کا منصب دربار شاہی سے ان کو تھا ، اور
جو خلعت دربار شاہی سے اُنکو ملا تھا ، اسمیں ایک تلوار بھی تھی ، جو خاندان میں نشان اعزاز
کے طور پر غلام محمد خاں تک محفوظ رہی ، ان کے بعد وہ تلوار منتقل ہوکر صاحبزادہ صفی اللہ
بہادر مرحوم ابن نواب یمین الدولہ محمد علیخاں بہادر کے پاس پہنچ گئی جو جمعدار موصوف کے حقیقی

[۱] جمعداری کا لقب قومی خطاب تھا اور یہ خطاب ان لوگوں کو ملتا جو قوم میں ممتاز سمجھے جاتے تھے ، ۱۲ مؤلف

نواسہ تھے، گل محمد خاں دو حقیقی بھائی تھے، دوسرے بھائی کا نام سلطان محمد خاں تھا، انہی دونوں بھائیوں کی سکونت سرونج کے قدیم کاغذات سے پائی جاتی ہے، کہاں سے، اور کیونکر آئے، یہ تمام حالات تاریکی میں ہیں، اتنا ضرور ثابت ہے کہ یہ دونوں بھائی اور خضر محمد خاں، پدر غلام محمد خاں، نواب امیر الدولہ بہادر کے ہمعصر تھے، چونکہ سرونج اُس زمانہ میں شرقی مالوہ کا عروس البلاد مقام، اور شرفائے افغانان کا بہترین ماوی تھا، غالباً اسی انتساب نے ان دونوں بھائیوں کو سرونج کی سکونت پر آمادہ کیا ہوگا، بہت ممکن ہو کہ ان کے والد نے یہاں توطن اختیار کیا ہو،

یہ امر کسی کاغذ یا تاریخ سے پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا کہ یہ دونوں بھائی اور بھتیجے نواب امیر الدولہ بہادر کے ساتھ کسی جنگ میں شریک بھی ہوئے یا نہیں، لیکن پروانہ دستخطی و مہری نواب امیر الدولہ بہادر مورخہ ۱۷ ربیع الثانی ۱۲۲۶ھ سے واضح ہے کہ سلطان محمد خاں جمعدار کو پرگنہ اونارسی کلاں اور موضع باموری سالا (تعلقات پرگنہ سرونج) جائداد میں ملا تھا، اور دوسرے پروانہ مہری و صادی نواب امیر الدولہ بہادر مورخہ ۲ رمضان المبارک ۱۲۳۹ھ کے ذریعہ سے موضع روسلی داماں واقع پرگنہ سرونج بھی جاگیر میں ان کو دیا گیا تھا، بہت ممکن ہے کہ یہ جاگیریں خاندانی اعزاز کے لحاظ سے ان کو ملی ہوں، تاہم ان جاگیرات سے انہوں نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، نہ کبھی قابض ہوئے، اسکی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ ریاست بھوپال سے ان کے قدیم تعلقات تھے اور تاحیات بھوپال کی جاگیرات سے مستفیض رہے، جیسا کہ سند مہری و صادی نواب نظیر الدولہ بہادر منیر محمد خاں المتوفی ۱۲۲۵ھ (زوج نواب قدسیہ بیگم رئیسہ بھوپال) مورخہ ۲۳ ربیع الثانی ۱۲۲۵ھ سے بھی واضح ہے کہ پرگنہ غیرت گنج (علاقہ ریاست بھوپال) جمعدار سلطان محمد خاں اور ان کے بھتیجے خضر محمد خاں کو جاگیر میں مل چکا تھا، اور دیگر حکمنامہ مورخہ ۱۲ رمضان ۱۲۲۸ھ سے واضح ہے کہ جاگیر کے علاوہ پانچ پانچ سو روپیہ ماہوار صیغہ مناصب سے بھی دونوں کو مقرر تھا، اس سلسلے سے بھوپال میں بھی ان کی سکونت رہی، ایک تحریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس وقت سلطان

محمد خاں پہلی مرتبہ بھوپال پہنچے ہیں، اس وقت ان کے ہمراہ ۵۰ سوار اور دو سو پیادے تھے، اور اس جمعیت کے ساتھ ایک موقع پر نواب نظیر الدولہ بہادر کی انہوں نے مدد بھی کی،

مزید اعزاز و رسوخ کا پتہ ایک تحریر مورخہ ۲۲ صفر ۱۲۰۶ھ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ (جو متھرا کے مقام سے اعتماد الدولہ شمشیر جنگ بہادر کرنل بائن صاحب یورپین فوجی افسر نے سلطان محمد خاں اور گل محمد خاں کے نام بھیجی تھی، جسمیں ان کی خدمات وفادارانہ کا اعتراف کیا ہے[1]،

جمعدار گل محمد خاں کے ایک پسر خضر محمد خاں اور دو لڑکیاں تھیں، ایک سے ایک کا نام چھبو بی بی تھا، جو شاہ نور الدین خاں ایک معزز افغان کو منسوب تھیں، شاہ نور الدین خاں، نواب اسیر الدولہ بہادر کے ساتھ ساگر کی مشہور جنگ میں شریک تھے، اور وہیں کام آئے، انکی نعش پالکی کے ذریعہ سے سرونج لائی گئی، اور یہیں مدفون بھی ہوئے، چھبو بی بی کا نام سرونج میں خیر و عظمت کے ساتھ آج بھی مشہور ہے، متمول اور فیاض گذری ہیں، ان کا مزار پرانے پُل کے پاس پختہ بنا ہوا ہے، ان کے ایک بیٹے منور شاہ خاں حسین و جوانمرد تھے، ان کی اولاد میں دو لڑکیاں تھیں، ایک حشمت بیگم (زوجہ ثانیہ صاحبزادہ جمال الدین خاں نبیرۂ مولوی غلام جیلانی خاں رامپوری، جنکی ایک بیٹی امینہ بیگم زوجۂ صاحبزادہ رطب الدین خاں جاگیردار پامان کھیڑی،

دوسری بیٹی منور شاہ خاں کی بادشاہ بیگم زوجہ صاحبزادہ غلام دستگیر خاں جاگیردار چاٹھولی جنکے بطن سے صاحبزادگان غلام فرید خاں اور عبد الوہاب خاں جاگیرداران چاٹھولی تھے،

خضر محمد خاں ابن گل محمد خاں کے ایک بیٹے غلام محمد خاں عرف چھٹو خاں جمعدار، اور دوسرے بیٹے علی محمد خاں تھے، غلام محمد خاں نے کبھی کسی کی ملازمت نہیں کی؛ آبائی املاک سے گذر کرتے رہے، مشہور وضعدار گذرے ہیں،

ان کی دو بیویاں تھیں، پہلی بیوی سے تین بیٹیاں ہوئیں، (۱) شاہجہاں بیگم (زوجہ صاحبزادہ غلام فرید خاں نبیرہ مولوی غلام جیلانی خاں بہادر رامپوری) جنکے بطن سے صاحبزادہ عبد الرشید خاں

---

[1] یہ تمام تحریرات مؤلف نے دیکھی ہیں جو صاحبزادہ عبد الوحید خاں صاحب جاگیردار چاٹھولی کے پاس محفوظ ہیں ۱۲

اور صاحبزادہ عبدالوحید خاں جاگیرداران چاٹھولی بقید حیات ہیں ، (۲) نواب[1] حاتم زمانی بیگم (زوجہ صاحبزادہ فیض محمد خاں خلف اکبر و ولیعہد نواب وزیرالدولہ بہادر (۳) نواب جہاں آرا بیگم[2] (زوجہ نواب یمین الدولہ محمد علیخاں بہادر والیٔ ٹونک) جنکے بطن سے دو فرزند صاحبزادہ حافظ عبدالصمد خاں، بہادر غضنفر جنگ ، اور صاحبزادہ صفی اللہ خاں بہادر ، اور ایک دختر امانت الرحمٰن بیگم (زوجہ صاحبزادہ عبدالعلیم خاں بہادر فیروز جنگ) ۔ جمعدار غلام محمد خاں کو نواب یمین الدولہ محمد علیخاں بہادر نے بذریعہ سند مورخہ ۲۸ رجب ۱۲۸۲ھ موضع کوروالتہ تعلقہ سرونج جاگیر میں دیا تھا ، جس پر جمعدار مذکور اپنی حیات تک قابض رہے ، جمعدار مذکور کی دوسری بیوی سے دو بیٹے غلام محبوب خاں و غلام اکبر خاں یادگار رہے تھے ، جنکے نام جاگیر مذکور بذریعہ سند مورخہ یکم رجب ۱۲۹۸ھ مشترکاً بحال ہوئی ، اسکے بعد غلام محبوب خاں مفقود الخبر ہو گئے ، اس لئے جاگیر مذکور بذریعہ سند مورخہ ۲۰ شعبان ۱۳۰۰ھ میں تنہا غلام اکبر خاں کے نام منتقل ہوئی ،

غلام اکبر خاں کی نسل سے غلام احمد خاں ، اور ایک بیٹی خجستہ بیگم یادگار رہے ، وہی جاگیر غلام احمد خاں کے نام ۲۷ شوال ۱۳۰۶ھ کی سند کی رو سے منتقل ہوئی ، موجودہ زمانہ میں غلام حامد خاں ابن غلام احمد خاں (نابالغ پسر) جاگیر کا وارث ہے ، جسکی ایک نابالغ بہن فردوس بیگم بھی زندہ ہے ، خجستہ بیگم بنت غلام اکبر خاں صاحبزادہ عبدالوحید خاں جاگیردار چاٹھولی کو منسوب اور ہنوز لاولد ہیں ۔

خاندان[13] نواب محمد سعید خاں بہادر غضنفر جنگ عرف آغا میاں

نواب محمد سعید خاں بہادر غضنفر جنگ ، محمد شاہی عہد میں ناظم صوبۂ مالوہ تھے ، جسکی تصدیق خاندانی روایت کے علاوہ سند محمد شاہی مرقومہ ۱۱۳۹ھ سے بھی

---

[1] نواب کا خطاب ، نواب وزیرالدولہ کا عطیہ تھا ، اسلئے کہ دونوں بہنیں ان کے دونوں صاحبزادگان کو منسوب تھیں

[2] پہلی بیٹی شاہجہاں بیگم کو بھی نواب وزیرالدولہ بہادر نے خطاب عطا کیا تھا ، اصلی نام کچھ اور تھا ۱۲ (مؤلف)

ہوتی ہے، دو ہزاری منصب ذات، پانسو سوار، اور خطاب نواب خاں بہادر غضنفر جنگ سے ممتاز تھے، آج ان کے تمام خانگی اور ملازمی حالات تاریکی میں ہیں، اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ اخیر میں خانہ نشین ہونے کے بعد سرونج کی نظامت پر ۱۱۳۰ھ میں مامور تھے، جسکی تصدیق اُس سرکاری نقشہ سے ہوتی ہے جسمیں مقامی حاکموں کے نام درج ہیں ۔

انکے ایک بیٹے اسعد محمد خاں بہادر تھے، جنکو محمد شاہی دربار سے ذریعہ فرمان ۷ شعبان ۱۱۴۸ھ[1] خطاب خانی اور یکہزاری منصب ذاتی و دوسو سوار عطا ہوا تھا، ان کی نسبت تحقیق نہیں کہ کس خدمت پر مقرر تھے، البتہ سرونج میں ان کی اراضی انعامی ضرور ہے، جس پر ان کے ورثہ آج بھی قابض ہیں،

اسعد محمد خاں بہادر کی اولاد میں صرف ایک بیٹی شادی بی بی تھیں، جو جمعدار محمد یوسف[2] خاں جاگیردار امیر گڈھ چھیپیوں کے عقد میں آئیں، متروکہ آبائی کی بھی تنہا یہی وارث قرار پائیں، ان کے بطن سے حسب ذیل ۳ لڑکیاں ہوئیں، (۱) وزیراً بی بی زوجۂ غلام محمد خاں، انکا سلسلہ منقطع ہوچکا ہے، (۲) ایناز بی، عرف نجابی، زوجہ محمد امان خاں، انکی بھی کوئی اولاد نہیں رہی، (۳) ببتابی، زوجہ داؤد خاں رامپوری (میاں منور محمد خاں حاکم سرونج کے دست

---

[1] سند مہری محمد شاہ بادشاہ غازی، واعتماد الدولہ قمر الدین خاں بہادر نصرت جنگ فدوی محمد شاہ بادشاہ غازی۔ برسالہ سیادت وامارت پناہ شجاعت وشہامت دستگاہ منظور نظر بادشاہی مہبط اعطاف خلیفۃ الٰہی، سیف مسلول میدان نبالت، رمح مصقول مضمار عبادت، مورد مراحم بیکراں عمدہ فدویان، اخلاصمندان مقرب بارگاہ حضرت بخشی الملک اعتماد الدولہ، قمر الدین خاں بہادر نصرت جنگ قلمی میگردد، حکم جہاں مطاع آفتاب شعاع شرف نفاذ یافت کہ محمد اسعد ولد سعید محمد خاں غضنفر جنگ منصب یکہزاری ذات و دوصد سوار . . . . . وخطاب خانی سرفراز شد، بتاریخ روز چہارشنبہ ۷ شعبان ۱۸ جلوس مبارک موافق ۱۱۴۸ھ مطابق ۲۴۰ آذر . . . . . یہ سند حکیم فخر احمد خاں کے پاس محفوظ ہے۔ ۱۲ مولف

[2] جمعدار محمد یوسف خاں کی دوسری بیوی سے کرم شیر خاں، ان سے احمد شیر خاں، ان سے محمد شیر خاں، محمود شیر خاں ہوئے، موجودہ وقت میں محمد شیر خاں حیات اور چھیپیوں کے جاگیردار ہیں۔ ۱۲

راست و متمدین سے تھے) انکی دو بیٹیاں تھیں، (۱) سرفراز بیگم عرف چھوٹی بی (زوجہ نواب علی بہادر خاں) (۲) ممتا بی (زوجہ نواب غازی الدین خاں) علی بہادر خاں اور غازی الدین خاں، دونوں حقیقی بھائی، رکن الدولہ مختار الملک نواب ہمت خاں ابن امتیاز الدولہ ممتاز الملک باپوجی سیندھیا کے بیٹے تھے،

باپوجی، دولت راؤ سیندھیا والی گوالیار کے قریبی رشتہ داروں میں سے ایک مشہور فوجی افسر گذرے ہیں، نواب امیر الدولہ بہادر کے ہمعصر تھے، انہوں نے اولاد کی آرزو میں کسی مسلمان بزرگ کی ہدایت کے موافق دہلی میں اسلام قبول کر کے کسی مسلم معزز خاندان کے یہاں شادی کی جن سے نواب ہمت خاں بہادر مذکور، اور ایک بیٹی کی دولت ان کو نصیب ہوئی، بیٹی ۱۲۳۷ھ میں نواب وزیر الدولہ بہادر سے منسوب ہو کر سلطان جہاں بیگم کے خطاب سے ممتاز ہوئیں، صاحبزادہ نصیر محمد خاں بہادر انہی کے بطن سے پیدا ہوئے جنکی اولاد میں صاحبزادہ محمد حنیف خاں بہادر رفعت جنگ بقید حیات ہیں۔

نواب علی بہادر خاں کے دو پسر (۱) محمد علیخاں گوالیاری، (۲) احمد علیخاں گوالیاری، آخر الذکر گوالیار کی جائداد پر قابض رہ کر وہیں اقامت پذیر رہے، اور اول الذکر گوالیار سے نقل سکونت کر کے ٹونک آئے، اور اپنی نانی کی جائداد واقع سرونج کے وارث قرار پا کر اُس پر متصرف ہوئے،

محمد علیخاں گوالیاری کی نرینہ اولاد سے حکیم فخر احمد خاں ریاست کی طرف سے سرونج میں طبیب ہیں، اس سلسلہ قیام سے اپنی پرناتی شادی بی بی کی املاک پر قابض ہیں، اراضی معافی ان کے اور ان کے بھائیوں کے نام ریاست سے بحال ہے،

لہ باپوجی کے مسلمان ہونے کی روایت عام ہے، حکیم فخر احمد خاں کے والد محمد علیخاں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ گوالیاری نے بھی اپنے قلمی تاریخی مسودہ میں اسکی تصدیق کی ہے ۔ ۱۲

لہ حدیقہ راجستان عرف تاریخ ٹونک مؤلفہ آبرو صاحب ۱۲

نواب محمد سعید خاں کی مشہور وسیع حویلی واقع محلہ کہار، بازار سرونج ، آج منہدمہ صورت میں نظر آتی ہے ، اور نجابی بی والی حویلی کے نام سے معروف ہے ، حویلی کے متصل خاندانی گورستان ہے ، جسمیں خاندانی افراد کی پختہ قبریں موجود ہیں ، اور ایک مسجد بھی ہے ، بیس سال قبل محمد علیخاں گوالیاری نے حویلی کے تمام رقبہ کو عبدالستار خاں مشہور تاجر کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے ،

سلسلۂ خاندان جدید

خاندان محمد یوسف خاں جمعدار جلال آبادی عامل سرونج

محمد یوسف خاں نواب امیرالدولہ کے معتمدین سرداروں میں سے تھے ۱۲۱۵ھ ۱۸۰۰ء میں قلعہ بہیسر (اندور) مفتوح ہونے کے بعد جب نواب امیرالدولہ کے حصہ میں سرونج پرگنہ آیا، اسوقت سرونج کی حکومت پر انہی کا تقرر ہوا تھا[1] ، ان کے اسلاف تراہ ملک افغانستان کے رہنے والے نسبًا ادرک زئی روہیلہ افغان تھے ،

عالمگیری[2] جلوس کے چوبیسویں سال ۱۰۹۱ھ ۱۶۸۰ء میں اس خاندان کا مورث اعلٰے سردار جلال خاں بن سالار میر ہزار خاں افغانستان سے چلکر ہندوستان آئے ، دہلی کے متصل موضع لوہاری میں قیام کیا ، جب شاہی دربار سے تعلقات ہوئے تو اپنے نام سے جلال آباد قصبہ آباد کیا اور یہ قصبہ مع تعلقات جاگیر میں انکو ملا ، امیر دوست محمد خاں بہادر (بانی ریاست بھوپال) اور سردار جلال خاں ہمعصر ، اور ایک ہی خاندان سے تھے ، ان دونوں سرداروں کے مورث اعلی کا نام میر بایزید خاں تھا ، ان کے دو بیٹے میر عزیز و میر صالح محمد تھے ، میر عزیز کی پانچویں پشت میں سردار جلال خاں (بانی جلال آباد) اور میر صالح محمد کی ساتویں پشت میں سردار دوست محمد خاں

---

[1] دیکھو امیر نامہ ۱۲ مؤلف [2] یہ حالات تاریخ بھوپال سے منشی رحمت اللہ رعد نے اپنی بڑی جنتری میں درج کئے ہیں ، اور مؤلف نے بڑی جنتری ۱۹۲۳ء سے اخذ کئے ہیں ، ۱۲

بانی ریاست بھوپال ہیں، سردار جلال الدین خاں کو دارالسلطنت دہلی کے قریب بود و باش اختیار کرنے سے فتوحات کا موقع نہیں ملا، اس لئے نواح لوہاری جلال آباد کے علاقہ پر قانع رہے، برخلاف اس کے سردار دوست محمد خاں نے مالوہ کی طرف رُخ کیا، تقدیر یاور تھی رفتہ رفتہ ایک وسیع ریاست کے مالک ہوئے،

جمعدار[1] محمد یوسف خاں میں بھی خاندانی شجاعت اور اولوالعزمی کے جواہر پنہاں تھے، نواب امیر الدولہ بہادر کے کارناموں کی شہرت نے ان کو بھی امیری لشکر میں پہنچایا، عرصہ تک جانبازانہ وفادارانہ رفاقت کی، سنہ ۱۲۳۲ھ (۱۸۱۷ء) میں ٹونک ریاست کی بنیاد قائم ہوئی دو سال بعد سنہ ۱۲۳۴ھ[2] میں حقوق خدمات کے لحاظ سے ان کو سرونج پرگنہ کے دو بڑے وسیع الرقبہ گانوں، امیر گڈھ اور چھینپو بطور جاگیر ملے، ان کی پہلی شادی مسماۃ شادی بی بی دختر اسعد محمد خاں بہادر منصبدار شاہی ابن نواب محمد سعید خان بہادر غضنفر جنگ سے ہوئی تھی، جن کے بطن سے تین بیٹیاں وزیرا بی، نیاز بی، اور نبیا بی، پیدا ہوئیں، اول الذکر دو بیٹیاں لاولد فوت ہوئیں، تیسری بیٹی کے سلسلہ سے حکیم فخر احمد خاں طبیب ریاست ہیں، دوسری خاندانی بیوی سے صرف ایک بیٹے کرم شیر خاں ہوئے، جنکی شادی مسماۃ مہر بیگم دختر مختار اللہ محمود خاں بہادر جلال آبادی جنرل افواج ریاست ٹونک سے ہوئی، ان کے بطن سے احمد شیر خاں ایک بیٹے عالم وجود میں آئے یکے بعد دیگرے حسب قانون ریاست ان کے نام جاگیریں منتقل ہوتی رہیں،

---

[1] افغانی قبائل میں معتمد اور با اثر شخص کا جمعدار لقب ہوا کرتا تھا، چونکہ محمد یوسف خاں اور ان کے والد قوم میں معزز اور با اثر تھے اس لئے قوم کی طرف سے ان کو یہ لقب ملا ہوا تھا، ۱۲ مؤلف

[2] نقل سند مہری نواب امیر الدولہ بہادر مورخہ ۲ رشوال سنہ ۱۲۳۴ھ عاملان و متصدیاں وچودھریان قانونگویان حال و استقبال پرگنہ سرونج سرکار چندیری صوبۂ مالوہ بدانند، چوں امیر گڈھ عرف گوپال گڈھ، ناگن، ہرکہیڑہ، و موضع چھینپو، دروجہ جاگیر و جائداد محمد یوسف خاں از حضور پُرنور مقرر و مفوض شد، باید کہ دیہات مذکورین را بصرف مشار الیہ واگذاشتہ، بوجہ من وجوہ ازاں مزاحم و معترض نشوند فقط

احمد شیر خاں صاحب مرحوم کو مؤلف نے دیکھا ہے، حسین، خوش وضع باخلاق، اور جوانمرد آدمی تھے، تقریباً ۵۵ سال کی عمر میں ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۲ مارچ ۱۸۹۵ء کو مسموم ہوئے، ان کی شادی بنیادی بیگم دختر حبیب اللہ خاں جاگیردار جھوکر جوگی سے ہوئی تھی، جس کے بطن سے دو بیٹے محمد شیر خاں، و محمود شیر خاں، اور پانچ بیٹیاں

دونوں دیہات جاگیر دونوں بھائیوں کے نام علیحدہ علیحدہ باز بحال ہوئے محمود شیر خاں نے بعالم نوجوانی ۱۳۲۶ھ میں ایک نابالغہ دختر چھوڑ کر وفات پائی، موضع امیر گڈھ دیہہ جاگیر نرینہ اولاد نہ ہونے کی بنا پر تحت قانون ریاست ضبط ہو کر مرحوم کی دختر کے لئے نقد گزارہ ریاست سے مقرر ہوگیا ہے،

بڑے بیٹے محمد شیر خاں صاحب بقید حیات اور اپنے حصہ جاگیر موضع چھینیوں پر قابض اور اس کی آمدنی سے مستفیض ہیں۔ آدمی، متین، خلیق، مہذب المزاج، خوش تقریر اور فہیم ہیں، صاحب اولاد بھی ہیں، ان کی والدہ بنیادی بیگم نے اپنے باپ کی جاگیر موضع جھوکر جوگی سے جو حصہ پایا تھا اُن کی وفات پر تحت قانون ریاست وہ بھی ان کے نام بحال ہے،

خاندان[1] نواب محمد سعید خان بہادر ظفر جنگ صواتی

نواب[1] محمد سعید خاں حقیقی پانچ بھائی تھے، دوسروں کے نام یہ ہیں، نواب سرور خاں[2]، سکندر خاں[3]، اکبر خاں[4]، انور خاں[5]، باپ کا نام مولوی ارم خاں

[1] صاحبزادہ عبد الوحید خاں صاحب جاگیردار چاٹھولی کے کتب خانہ میں اس خاندان کا مصدقہ نسب نامہ مؤلف کی نظر سے گزرا جسکی نقل ذیل میں درج کیجاتی ہے۔ نواب محمد سعید[1] خاں بن مولوی[2] ارم خاں بہادر قادری بن محمد[3] عثمان خاں بہادر بن محمد شاہجہاں[4] خاں بہادر قادری بن اخوند کریم[5] داد بابا علیہ الرحمۃ بن اخوند درویزہ صاحب[6] علیہ الرحمۃ بن شاہزادہ ملک[7] خان احمد خاں بن خان[8] ملک بادشاہ خسرو کہ صاحب تخت لاہور و پشاور بود، بن بادشاہ گل محمد قادری[9] المشہور شاہ نگل بن بادشاہ محمود[10] ثانی قادری بن بادشاہ ناصر الدین[11] قادری بن شہنشاہ محمود غزنوی[12] غازی قادری اولیاء اللہ ابن شہنشاہ امران[13] بن شہنشاہ غفران[14] بن اولاد خیر الدین[15] بن ابراہیم سٹرا[16] بن ابن قیس عبد الرشید[17] ۱۲

تھا، صوات بنیر ملک افغانستان سے چلکر .... ہندوستان آئے، ریاست رامپور میں قیام کیا، نسل کے اعتبار سے یوسف زئی افغان تھے، رامپور کے معزز خاندان میں شادی کی، یہیں پانچوں بیٹے عالم وجود میں آئے، ابتدائی ذریعہ معاش اور سنہ آمد تحقیق نہ ہوسکا

جس زمانہ میں نواب امیر الدولہ بہادر کی نوک سنان سے راجپوتانہ و مالوہ میں جنگ و جدال کی آگ مشتعل تھی، مذکور الصدر پانچوں بھائی اپنی نسلی شجاعت کے جوہر دکھانے کے لئے نواب امیر الدولہ کے فاتحانہ علم کے سایہ میں آکر پناہ گیر ہوئے، قاعدہ کلیہ ہے کہ صیقل سے اصل تلواروں کے جوہر اور زیادہ نمایاں ہوجاتے ہیں، جب ان پانچ بھائیوں نے اپنے سپاہ سالار کو میدان جنگ کا قابلترین ہنرمند انسان پایا تو وفاداری و جاں نثاری کی قسم کھاکر جنگی میدانوں کے خونی مناظر میں کود پڑے، امیر اعظم کی قدردانیوں نے ان کے جوہروں کو اور زیادہ چمکایا،

امیر نامہ مطبوعہ میں ان شیروں کے بہادری کے کارنامے اجمالاً درج ہیں، یہاں تمام معرکوں کی تفصیل کی گنجایش نہیں، حق یہ ہے کہ معرکہ جنگ میں مبادرت سپہ سالار کی اطاعت وفادارانہ جوش وخروش اور مخلصانہ رفاقت وغیرہ اوصاف کے امتحانوں میں ہمیشہ کامیاب رہے،

سکندر خاں، ملہار گڈھ، اکبر خاں، بہیلواڑہ، انور خاں، کالپی، کے خونریز معرکوں میں کام آئے، محمد سعید خاں اور سرور خاں بھی کئی بار مجروح ہوئے، لیکن ان شیروں کی پشت نے کبھی ہتھیاروں کے زخم کا بار احسان نہیں اٹھایا، ہر معرکے میں چہرے اور سینے داغوں سے لالہ زار بنے رہے، نمایاں خدمات اور امتحانوں کے بعد نواب امیر الدولہ بہادر نے ۱۲۲۷ھ میں محمد سعید خاں کو نواب شمس الدولہ اعتماد الملک ظفر جنگ بہادر[1] اور سرور خاں کو نواب سرفراز الدولہ تیغ جنگ کے خطابات عطا کئے اور اسی سال انکو سرونج کی حکومت پر بھی سرفراز کیا، اسکے علاوہ نواب امیر الدولہ نے اپنی ہمشیرہ جہانگیر بیگم[2] کو نواب محمد سعید خاں کی زوجیت میں دیکر مزید عزت افزائی فرمائی،

[1] امیر نامہ مترجمہ مولوی سید احمد سعید صاحب اسعد ٹونکی صفحہ ۵۰۲، ۱۲۱ [2] جہانگیر بیگم کا مزار نواب محمد سعید خاں (بقیہ صفحہ آئندہ)

سنہ ۱۲۳۲ھ (۱۸۱۷ء) میں جب مابین ایسٹ انڈیا کمپنی اور نواب امیر الدولہ مصالحت ہوکر ٹونک کی ریاست قائم ہوئی تو نواب امیر الدولہ بہادر نے اپنے رفیقان صادق کو بھی اسمیں اعلیٰ قدر مراتب جاگیرات کی صورت میں حصہ دیا، نواب محمد سعید خاں بہادر بھی جاگیر سے متمتع ہوئے، اوران کو اوران کے بھائی نواب سرور خاں بہادر کو مشترکاً ۴۲ دیہات حلقہ اونارسی تال پرگنہ سرونج ذریعہ سند مورخہ سنہ ۱۲۳۴ھ جاگیر میں دیئے گئے، اور یہ وہ محال ہے جسکو ان دونوں بھائیوں نے دولت راؤ سیندھیا والی گوالیار کے فوجی افسر جان بنیس[لہ] سے مقابلہ کرکے فتح کیا تھا،

جاگیر کے سلسلہ سے دونوں بھائیوں نے سرونج میں سکونت اختیار کرکے[لہ] ایک وسیع رقبہ میں ایوانات تعمیر کرائے، جنکا آج بیشتر حصہ منہدم ہوچکا ہے، نواب سرور خاں نے محرم سنہ ۱۲۶۴ھ میں لاولد انتقال کیا، اوران سے دوسال قبل سنہ ۱۲۶۲ھ میں نواب محمد سعید خاں بہادر حسب ذیل اولاد چھوڑکر وفات پاچکے تھے،

(۱) نواب احمد سعید خاں (۲) ابوظفر علی سعید خاں (۳) علی حیدر سعید خاں (۴) علی اکبر سعید خاں (۵) عبد القادر خاں (۶) اولیا بیگم (۷) حسینی بیگم، ریاست نے ورثار کے نام جاگیر بحال کی اور بڑے بیٹے نواب احمد سعید خاں سرپرست قرار پائے،

نواب احمد سعید خاں نے ذیل کے تین بیٹے چھوڑکر سنہ ۱۳۰۱ھ میں رحلت کی، (۱) نواب احمد علی سعید خاں عرف خانمیاں نجیب الطرفین (۲) میر علی سعید خاں (۳) محمد جان خاں،

موجودہ رئیس اعظم نواب امین الدولہ بہادر نے احمد علی سعید خاں بڑے بیٹے کو ذریعہ حکمنامہ مورخہ ۲۰ صفر سنہ ۱۳۰۱ھ نواب امتیاز الدولہ ممتاز الملک بہادر مقیم جنگ کا خطاب عطا کرکے جاگیر جدی بھی انکے نام بحال کی، جسمیں دیگر لواحقین کا بھی حصہ مقرر کردیا، نواب امتیاز الدولہ نے سنہ ۱۳۰۹ھ میں بعمر ۵۰ سال لاولد رحلت کی، میر علی سعید خاں بھی لاولد فوت ہوئے، محمد جان خاں کے احمد جان،

[لہ] احاطہ کے ایک گوشہ میں سرونج کے اندر واقع ہے، جو ایک مختصر احاطہ سے محیط ہے ۱۲

[لہ] بہادر جان بنیس فرانسیسی النسل افسر تھا جسکے خاندانی افراد گوالیار میں ممتاز عہدوں پر مامور ہیں ۱۲

اور احمد جان کے دو بیٹے جان احمد اور میا نجان زندہ اور موضع سلطان پور دیہہ جاگیر پر قابض ہیں، ابوظفر علی سعید خاں ابن نواب محمد سعید خاں کی صرف دو بیٹیاں ممتاز بیگم، اور لیسین بیگم تھیں ممتاز بیگم کے بطن سے ظفر سعید خاں زندہ اور موضع چتورہ جاگیر سے مستفیض ہیں، لیسین بیگم بھی زندہ اور چتورہ میں حصہ دار ہیں،

علی حیدر سعید خاں ابن نواب محمد سعید خاں کے دو بیٹے، ممتاز حیدر سعید خاں، اور محمد علی سعید خاں، دونوں بھائی زندہ اور موضع سونا سالم اور موضع گہٹوارکے پانچویں حصہ سے مستفیض ہیں،

علی اکبر سعید خاں ابن نواب محمد سعید خاں کے ایک پسر حسن علی سعید خاں، انکے دو فرزند ارم علی سعید خاں اور انور علی سعید خاں زندہ ہیں جنکی جاگیر میں موضع کجری برکھیڑہ سالم اور گہٹوار میں پانچواں حصہ ہے،

عبدالقادر خاں ابن نواب محمد سعید خاں لاولد فوت ہوئے، اولیا بیگم بنت نواب محمد سعید خاں کی اولاد میں عبدالستار خاں، عبدالغفار خاں، عبدالرزاق خاں موضع مرید پور کے جاگیر دار ہیں،

حسینی بیگم بنت نواب محمد سعید خاں کے تین بیٹے، شمشیر بہادر خاں، مظفر علی خاں، محبوب علیخاں شمشیر بہادر عبدالعلی خاں لاولد فوت ہوئے، مظفر علیخاں کے منصور علی خاں بقید حیات ہیں، محبوب علیخاں کے پانچ بیٹے، محفوظ علیخاں، نوشہ خاں، حامد علیخاں، فیض علیخاں، محمود علی خاں انہیں سے حامد علیخاں لاولد فوت ہوئے، باقی چار بھائی زندہ اور موضع منڈاوسہ جاگیر پر قابض ہیں،

اس خاندان کے آخری یادگاروں میں نواب امتیاز الدولہ بہادر معروف خاں میاں نامور، اور شجاع گذرے ہیں، فیاض اور مہمان نواز بھی تھے، مولف سے ان کی بہادری کا یہ ایک واقعہ دیکھنے والے اصحاب نے بیان کیا ہے کہ غدر ۱۸۵۷ء میں جب عادل خاں جاگیر دار امباپانی علاقہ ریاست بھوپال نے ایک کافی جمعیت کے ساتھ یورش کر کے سرونج کے دارالحکومت (کوٹ) کو محصور کر لیا تھا، اسوقت مولوی خیر الدین عامل سرونج قلعہ بند ہو کر مخالفین سے تین روز تک مقابلہ کرتے رہے چوتھے روز نمک خواری اور نسلی شجاعت کے تقاضہ سے خانمیاں امتیاز الدولہ اپنی منتخب جماعت کو لے کر نکلے، محلہ تلیا کا سنگین مورچہ انہی کی تلوار نے کاٹا، جس سے عادل خانی سپاہ کا رخ پھر گیا،

اور لوگ فرار ہونے پر مجبور ہوئے، انکے ارتحال سے خاندانی اعزازی شہرت، بہادرانہ عظمت اور فنون سپہگری و شجاعت کا خاتمہ ہوگیا،

خاندان خیر محمد خاں (۳) و نظر محمد خاں

اس خاندان کے موجودہ ممبر بشیر محمد خاں جاگیردار ۵۷ سال عمر کے موجود ہیں،

جنکی جاگیریں اس وقت مواضعات بابرود و جہاگر ہیں، انکا سلسلۂ نسب یہ ہے، بشیر محمد خاں ابن وزیر محمد خاں ابن غلام محمد خاں ابن نظر محمد خاں ابن گل محمد خاں، ولایت کابل سے گل محمد خاں ہندوستان آئے، اور رامپور ریاست میں مقیم ہوئے، اور وہیں انہوں نے شادی بھی کی، دو بیٹے نظر محمد خاں و خیر محمد خاں یادگار رہے، جنہوں نے جوان ہوکر فنون سپہگری میں کمال حاصل کیا، نظر محمد خاں کے بیٹے غلام محمد خاں نے بھی اپنے باپ سے سپاہانہ فنون کا اکتساب کیا،

وہ زمانہ (جسمیں یہ لوگ پیدا ہوکر جوان ہوئے) نسلی بہادروں کے گھر بیٹھنے کا نہ تھا دونوں بھائی اور بیٹے سپاہیانہ جوش و خروش کے ساتھ رامپور سے نکلے، نواب امیر الدولہ بہادر کی اولوالعزمیوں اور ان کی فاتحانہ اقبالمندیوں کی اس وقت ہندوستان میں عام شہرت تھی، جسکی کشش سے یہ لوگ بھی امیری لشکر میں پہنچے، نواب امیر الدولہ بہادر کی جوہر شناس نگاہ نے ان کی کفالت کی، رفتہ رفتہ رفیقان صادق میں داخل ہوکر اکا[۱] سواروں میں مقرر ہوئے، مختلف جنگی محاذوں میں نمایاں کام کئے جن کا تذکرہ امیر نامہ میں اکثر جگہ ہے[۲] سنہ ۱۲۱۶ھ میں جبکہ نواب امیر الدولہ بہادر نے ساگر پر تاخت کی تھی، یہ دونوں بھائی شریک تھے، اُسی زمانہ میں ایک روز دونوں بھائی باغ کی سیر کو گئے، غنیم کے دو سو سواروں نے انکو گھیر لیا، نازک ترین وقت تھا، لیکن جبین استقلال پر شکن تک نہ پڑی دو نے دو سو سے مقابلہ کیا، لڑے اور خوب لڑے، یہانتک کہ مقابل سپاہ کو مغلوب و منتشر کرتے ہوئے صحیح و سلامت نکل آئے،

---

[۱] اکا سوار ایکسو روپیہ ماہوار کا تنخواہ دار وہ شخص ہوتا ہے جسکی جنگی طاقت و قابلیت سو نبرد آزماؤں کے مقابلہ میں ہوتی ہے

[۲] امیر نامہ اردو صفحہ ۱۹۱ مترجمہ حکیم سید احمد سعید صاحب ٹونکی ۱۲

ریاست کی اساس حکومت قائم ہونے کے بعد خدمات و رفاقت کے صلہ میں خیر محمد خاں اور غلام محمد خاں کو نواب امیر الدولہ بہادر نے ذیل کے ۱۲ دیہات جاگیر میں عطا کئے، جسکی سند مورخہ ۱۲ محرم ۱۲۳۷ھ بشیر محمد خاں جاگیردار کے پاس مولف نے دیکھی ہے، سحر کہیڑہ[۱]، چہراری[۲]، کیسر کھیڑی[۳]، برکہیڑہ[۴]، کہلکا[۵]، کولوا[۶]، سمیرا[۷]، پورہ خورد[۸]، چناور[۹]، سوجنان[۱۰]، دنواس[۱۱]، جاپپور[۱۲]، ان کی آمدنی سے چند گھوڑے سرکاری چاکری کے لئے بھی مقرر کئے گئے، اس جاگیری سلسلہ سے دونوں بھائی اور بھتیجے سرونج آئے اور مستقل سکونت اختیار کی، ۱۲ گھوڑے اور ایک ہاتھی ان کی زندگی تک ان کے دروازہ پہ بندھے رہے،

خیر محمد خاں کی وفات پر ۸ دیہات بدستور غلام محمد خاں کے نام، اور ۴ دیہات چھوٹے بھائی نظر محمد خاں کے نام ذریعہ حکمنامہ ۱۷ محرم ۱۲۴۸ھ منتقل ہوئے، نظر محمد خاں کے انتقال پر غلام محمد خاں نے نواب وزیر الدولہ بہادر کو درخواست دیکر جملہ دیہات جاگیر کے بدل میں ذیل کے بڑے پانچ دیہات حاصل کر لئے، مراریا، پگرانی، للچیپا، پیپل کھیڑہ، سنکہیر،

غلام محمد خاں نے اپنی وفات پر، وزیر محمد خاں نامی ایک پسر یادگار چھوڑا، جن کے نام دیہاتِ جاگیر ذریعہ سند مورخہ ۸ محرم ۱۲۶۵ھ ریاست نے بحال کئے، ان کے پسر بشیر محمد خاں ابھی نابالغ تھے کہ ۱۲۸۲ھ میں انہوں نے انتقال کیا، سرکاری چاکری کے گھوڑوں کے رکھنے کا انتظام ان کی نابالغی کی وجہ سے نہ ہو سکا، اسلئے نواب عین الدولہ محمد علیخاں بہادر کے عہد میں بقدر مصارف سوار، اور گھوڑوں کے دیہات خالصہ کر کے ان کے گذارہ کے لئے دو دیہات بابرود وجہاگر ذریعہ حکمنامہ ۵ رشوال ۱۲۸۳ھ مخصوص کر دئے گئے،

نظر محمد خاں کے ایک بیٹے غیر صحیح النسب علی محمد خاں بھی تھے، انکے بیٹے امیر محمد خاں تھے ابھی بشیر محمد خاں کے نام جاگیر کے داخل خارج کے احکام نافذ نہیں ہوئے تھے کہ اپنے چچا غلام محمد خاں کی جاگیر کے مدعی ہوئے، اور اس دعوے کا سودائے خام ان کے سر میں اسقدر سمایا کہ وزیر محمد خاں کے تمام ملازمین کو اپنے ساتھ ملا کر اور بشیر محمد خاں کو ہاتھی پر اپنے ہمراہ بٹھلا کر

دیہات جاگیر پر قبضہ کرنے کے ارادہ سے روانہ ہو گئے، چھتر سال ٹھاکر[1] ٹھکانہ اگرہ برکھیڑا راج گوالیا نے ان کو اپنی پناہ میں لے کر اعانت کا وعدہ کیا، چھتر سال ٹھاکر اس وقت سرونج علاقہ کے ۲۸ دیہات کا اجارہ دار بھی تھا، غرض دونوں نے باغیانہ پیشقدمی کر کے موضع مراریا، وغیرہ دیہات جاگیر کو لوٹا،

۱۸۵۷ء کا زمانہ تھا، حکومت نے ان کے استیصال کی غرض سے سپاہ مقرر کی، ساتھ ہی رسالدار ولی داد خاں جاگیردار نرکھیڑہ کو بھی اس ہدایت کے ساتھ روانہ کیا کہ بشیر محمد خاں نابالغ کو جس طرح بھی ہو صحیح و سالم واپس لائیں، غرض حکومت کی فوج سے باغیوں کا مقابلہ ہوا، اور وہ مغلوب ہوئے، امیر محمد خاں باغی قتل ہوا جسکی قبر اگرہ برکھیڑہ کی آبادی کے قریب ندی کے کنارے آج بھی موجود ہے، بشیر محمد خاں کو رسالدار ولی داد خاں سرونج لے آئے جنکو حکومت نے تعلیم کی غرض سے دار الریاست ٹونک میں بلوا کر سو روپیہ ماہانہ کا تعلیمی وظیفہ مقرر کر دیا، جوان ہو کر سرونج آئے، اور اپنی جاگیر پر متصرف ہوئے،

چھتر سال ٹھاکر سے اُسکی بغاوت کے جرم میں دیہات متاجرہ واپس لے لئے گئے،

ریاست کے حکم سے غدر کے بعد بشیر محمد خاں نے کپتان ریچرڈ (یورپین فوجی افسر) کے ہمراہ رہکر امن عام قائم رکھنے میں گورنمنٹ کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے، جس کے ثبوت میں چھٹی کپتان مذکور مورخہ ۱۸۶۰ء ان کے پاس موجود ہے،

(۴) خاندان مرتضےٰ خاں بانکے

مرتضےٰ خاں کے باپ کا نام بنیاد خاں لکھی تھا لکھی کی وجہ عرفیت یہ بیان کی گئی ہے کہ نواب امیر الدولہ بہادر نے ان کو کسی موقعہ پر ایک لاکھ روپیہ انعام میں دیا تھا، موضع کہریا ضلع فتحپور ہنسوہ ملک متحدہ کے رہنے والے تھے، مصطفےٰ خاں اور مرتضیٰ خاں دو بیٹے تھے، بہادری کے گہوارہ میں انہوں نے پرورش پائی، جوان ہو کر جنگی مشغلوں کی تلاش میں نکلے، ۱۲۱۰ھ کا آغاز تھا کہ دونو

---

[1] اگرہ برکھیڑ سرونج سے گوشہ جنوب و مغرب میں ایک ٹھکانہ ہے جو اب گوالیار کے تحت میں ہے، اُسوقت چھتر سال وہاں کا خود مختار رئیس تھا

بھائی ساگر ملک متوسط میں پہنچکر نواب امیر الدولہ بہادر کے لشکر میں شامل ہوئے یہ وہ زمانہ ہے کہ نواب موصوف ناگپوری افواج سے نبرد آزما تھے، طبعی مشغلہ ہاتھ آیا، سالار لشکر سے اجازت لے کر میدان جنگ میں پہنچے، سپاہیانہ داؤ پیچ اور فنون حرب و ضرب کے کچھ ایسے جوہر دکھائے کہ افسران مخالف ششدر رہ گئے، قضائے الٰہی سے کسی کا بس نہیں، عین معرکہ جنگ میں مصطفٰے خاں مجروح ہو کر راہی ملک بقا ہوئے، بڑے بھائی مرتضٰی خاں کے دل پر شیر دل بھائی کی مفارقت کا نشتر لگا، انتقامانہ جوش و خروش کے ساتھ پر زور حملے شروع کر دیئے، خود بھی زخمی ہوئے، اور پچاسوں کو تہ تیغ کرتے ہوئے اپنے لشکر میں سلامت واپس آ گئے،

چتوڑ کی مشہور جنگ میں مرتضٰی خاں نے اور زیادہ جانبازی دکھائی، مرتضوی تیغ نے بھی خوب ساتھ دیا، عرصہ تک فوجی بادلوں میں بجلی کی طرح چمکتی رہی، جس وقت امیری لشکر کا یہ شیر دل جوان میدان جنگ سے واپس آکر سر عسکر نواب امیر الدولہ بہادر کے سلام کو پہنچا تو سر و سینہ گلہائے جراحت سے داغدار تھے، سر میں ۲۲، بازو اور سینہ پر ۱۸، زخموں کے نشانات تھے بائیں ران میں گولی پیوست تھی، پشت پر ایک بھی داغ نہ تھا، نواب امیر الدولہ بہادر نے اپنے وفادار شیر دل کو سینہ سے لگا کر توجہ کے ساتھ علاج کرایا، مرتضٰے خاں نے بھی تا حیات صادقانہ رفاقت کی،[1]

ریاست کے قیام کے بعد دوسروں کی طرح ان کو بھی انکی جاں نثاری کے صلہ میں ذیل کے ۱۰ دیہات جاگیر میں عطا کئے، بہونریا[1]، کشن پورہ[2]، لالہ ٹوری[3]، سیل کھیڑی[4]، کرلسی[5]، گمو کھیڑی[6]، روسلا[7]، مہاراج کھیڑی[8]، سیلپور[9]، سرسواس[10]، اسوقت سے سرونج میں اس خاندان کے ممبروں کی سکونت ہے

مرتضٰے خاں نے ذیل کے چار بیٹے یادگار چھوڑے، جمشیر خاں شمشیر خان، یہ دونوں باپ کے ساتھ سرونج میں ہی سکونت پذیر رہے، سلامت علی خاں، مبارک علی خاں یہ دونوں قدیم وطن موضع کھمریا میں مقیم رہ کر وہاں کی جدّی جائداد پر قابض رہے،

---

[1] یہ تمام واقعات اوس مسودہ سے اقتباس کیئے گئے ہیں جو خاندان میں قلمی محفوظ ہیں، ۱۲ -

جسکا تقسیم نامہ[1] سرونج ہی میں مرتب ہوا تھا ۱۲

مرتضے خاں کی وفات پر بڑے بھائی شمشیر خاں کی سرپرستی میں دونوں بھائیوں کے نام دیہات جاگیر بحال ہوئے، دونوں بھائی بڑے خاں اور چھوٹے خاں کی عرفیت کے ساتھ مشہور رہے،

۱۲۵۲ھ میں منور محمد خاں عامل سرونج اور پچھیڑہ نے (جو اس وقت دونوں پرگنوں کے متاجر بھی تھے) باغیانہ خیالات کا اظہار کیا، اور عملی طور پر دونوں پرگنوں پر غاصبانہ قابض بھی ہو چکے تھے، نواب وزیر الدولہ کے حکم سے مختار الدولہ محمود خاں جنرل افواج ریاست منتخب اور معتمدین رفیقوں کے ساتھ ان کے استیصال کیلئے مامور ہوئے، ان معتمدین میں شمشیر خاں بھی تھے، دونوں پرگنے جب فتنہ و فساد کے کانٹوں سے صاف ہو گئے، اس وقت نواب بہادر نے اپنے مہری و دستخطی پروانہ مورخہ ۷ صفر ۱۲۵۲ھ کے ذریعہ سے شمشیر خاں کی خدمات پر اپنی خوشنودی کا اظہار کیا،[2]

اخیر زمانہ میں شمشیر خاں نے مسکرات کو منہ لگایا، جس نے جاگیر کو قرضہ میں زیر بار کر دیا، مجبور ہو کر ریاست نے منتظمانہ مداخلت کرتے ہوئے صرف ایک گاؤں کرنسی مصارف کے لئے چھوڑ دیا، باقی دیہات قرضہ میں لگا دیئے گئے، شمشیر خاں کے لاولد انتقال ہونے پر وہی موضع کرنسی جمشیر خاں چھوٹے بھائی کے نام منتقل کیا گیا، جمشیر خاں کے بیٹے محمد شیر خاں ہوئے، اور ان کے دو بیٹے عالم شیر خاں اور احمد شیر خاں یادگار رہے، عالم شیر خاں کے دو بیٹے علی شیر خاں اور حبیب شیر خاں حیات اور کرنسی جاگیر سے متمتع ہیں، احمد شیر خاں کی صرف ایک لڑکی اسوقت زندہ اور جاگیر میں سو روپیہ کی سالانہ حصہ دار ہے ۱۲

(۵) خاندان عبد اللہ خاں قدیمی

پہلے موتیوں کی تجارت کرتے تھے، اس مناسبت سے موتی والے عبد اللہ خاں مشہور رہے، نواب امیر الدولہ بہادر کی رفاقت میں آنے کے بعد ایک دوسرے عبد اللہ خاں کے مابین تفریق

---

[1] تقسیم نامہ مورخہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۲۳۶ھ مہری قاضی سید جلال الدین خادم شرع قاضی سرونج ۱۲

[2] پروانہ خوشنودی مولف کی نظر سے گذرا جو خاندان میں محفوظ ہے ۱۲

نسبت کے لحاظ سے عبداللہ خاں قدیمی معروف ہوئے۔

عبداللہ خاں قدیمی رامپور ریاست کے باشندہ تھے۔ تجارت کے سلسلہ سے اندور میں قیام تھا، نواب امیرالدولہ بہادر نے جس زمانہ میں مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر کے ساتھ جنگی معاہدہ کیا ہے انہوں نے کچھ موتی لے جاکر نواب امیرالدولہ بہادر کی خدمت میں انعام کی امید کے ساتھ پیش کئے تبادلہ خیالات ہونے کے بعد موتیوں کے ساتھ خود بھی نذر ہوگئے، آدمی فطرتاً جری اور شجاع ہونے کے ساتھ معاملہ فہم اور دور اندیش بھی تھے۔ ہلکر بھی ان کا قدردان تھا، ان کے اشتمال سے شجاعان امیری میں ایک کارگذار معتمد کا اضافہ ہوا۔ امیرنامہ میں متعدد مقامات پر نمایاں خدمات کے سلسلہ سے ان کا تذکرہ درج ہے۔

امن وامان قائم ہونے سے قبل اور سرونج پر قبضہ ہونے کے بعد سب سے پہلی جاگیر انہی کو ملی ہے، جسکی سند مورخہ غرۂ محرم ۱۲۲۴ھ باموری سالا اور جھوکر برکھیڑہ دیہات جاگیر کی خاندان میں موجود ہے، بعد میں ان کی تحریری استدعا پر ذریعہ حکمنامہ مورخہ ۴ شوال ۱۲۶۷ء دستخطی نواب وزیرالدولہ بہادر باموری سالا کے تبادلہ میں موضع کوروائی دیا گیا۔

عبداللہ خاں کی وفات پر اُنکے ایک بیٹے حبیب اللہ خاں اور ایک بیٹی عائشہ بیگم عرف مبارک بیگم یادگار رہے، مبارک بیگم صاحبزادہ عباداللہ خاں بہادر مختار المہام ابن نواب امیرالدولہ بہادر کو منسوب ہوئیں، دیہات جاگیر نواب امین الدولہ بہادر کی دستخطی سند مورخہ ۸ ربیع الثانی ۱۲۹۶ھ کے ذریعہ سے حبیب اللہ خاں کے نام منتقل ہوئی، لیکن موضع کوروائی کے بجائے ان کی خواہش پر مزرعہ برکھیڑہ داخلی تھوکر دیا گیا جسکی آمدنی سے تاحیات مستفیض رہے،

حبیب اللہ خاں کی تین بیٹیاں ہوئیں، آبادی بیگم، ببادی بیگم، سرفراز بیگم، ریاست سے جاگیر انہی تینوں ورثار کے نام بحال ہوئی، آبادی بیگم زوجہ قادر شاہ کے چار بیٹوں میں سے فیروز شاہ، مخدوم شاہ، ابراہیم شاہ، بقید حیات اور اپنی والدہ کے حصۂ جاگیر سے مستفیض ہیں مظفر شاہ تھے بیٹے کا انتقال ہو چکا ہے۔

بنیادی بیگم زوجہ احمد شیر خاں نبیرہ جمعدار یوسف خاں جاگیردار چھپیون کی نرینہ اولاد میں سے دو بیٹے محمد شیر خاں عرف بنّے میاں، محمود شیر خاں عرف چھٹو میاں، اور پانچ بیٹیاں، محمد شیر خاں زندہ اور اپنی ماں کے حصّہ جاگیر پر قابض ہیں جسمیں بہنوں کا بھی حق ہے سرفراز بیگم زوجہ صاحبزادہ عبدالوہاب خاں جاگیردار چاٹھولی بقید حیات، اور اپنے ثلث حصّہ جاگیر پر قابض ہیں،

عبداللہ خاں قدیمی نے ۱۲۳۲ھ میں چھپیوں سے مکانات خرید کرکے ایک وسیع احاطہ سکونت کے لئے بنوایا، جو آج بھی اُنہی کے نام سے معروف ہے، احاطہ کے سامنے ایک چھوٹی سی چاردیواری ہے جو اسی خاندان کا گورستان ہے احاطہ کی دیواریں جگہ جگہ سے منہدم ہو چکی ہیں جن کی مرمت کی بظاہر امید نہیں، موجودہ افراد خاندانی نے احاطہ کے اندر خام سفالہ پوش مکانات بنوا کر سکونت اختیار کر رکھی ہے احاطہ سے باہر ایک گوشہ میں مسجد اور چاہ بھی ہے۔ جو غیر آباد ہے۔

خاندان مولوی غلام جیلانی خاں بہادر رامپوری

مولوی غلام جیلانی

خاں بہادر عالم بھی تھے اور صوفی بھی، صاحب السیف بھی تھے اور اہل قلم بھی، شرافت نسبی کے لحاظ سے جس طرح ممتاز تھے، اسی طرح دنیاوی اعزاز و مراتب میں بھی معزز ترین ہستی کے انسان تھے، ان کی شادی رامپور میں امیر خاں سوائی (مشہور سردار افاغنہ) کی دختر سے ہوئی تھی، مولوی صاحب کے پوتے صاحبزادہ امام الدین خاں انور نے کتاب منظوم مجمع الکرامت میں سلسلہ نسبی اس طرح ظاہر کیا ہے، مولوی غلام جیلانی خاں بہادر ابن لقمان خاں[۱] ابن داؤد خاں[۲] ابن پانڈوں خاں[۳] ابن شیرو خاں[۴] ابن حسن علی خاں[۵] ابن سرکین خاں[۶] ابن بہرام خاں[۷] ابن معروف خاں[۸] ابن ابراہیم خاں[۹] ابن برکا خاں[۱۰] ابن دولت خاں[۱۱] ابن کمے خاں[۱۲] ابن یوسف خاں[۱۳] ابن مدے خاں[۱۴] ابراہیم ابن خشی بابا[۱۵]

شجی خاں ابن کندخاں[17] بن خیر الدین[18] عرف خرشبوں ابن ابراہیم[19] سٹرین ابن اصغر قیس عبد الرشید[20]

مولوی صاحب موصوف کے پردادا پانڈو خاں سید قاسم علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے تھے، اور انہوں نے اپنے نانا ہی کے فیض تربیت و تعلیم سے علوم ظاہری و باطنی حاصل کئے جنکا کتب خانہ وسیع پیمانہ پر تھا، اور وہی کتبخانہ منتقل ہوتے ہوئے مولوی غلام جیلانی خاں بہادر تک پہنچا، انکے والد لقمان خاں مشہور خدا رسیدہ اور عارف کامل گذرے ہیں، جنکی تربیت و تعلیم نے انمیں بھی وہی عارفانہ جلوہ پیدا کر دیا تھا،

شاہزادہ محمد معظم ابن سلطان اورنگ زیب عالمگیر (جو اپنے باپ کے بعد شاہ عالم بہادر شاہ کے لقب سے سریر آرائے سلطنت ہند ہوا ہے) لقمان خاں کے یہاں مع شاہی لشکر کے کئی دفعہ اوس زمانہ میں مہمان رہ چکا ہے (جبکہ عالمگیر کی وفات کی خبر سنکر کابل سے دہلی کو مراجعت کر رہا تھا) لقمان خاں رحمۃ اللہ علیہ سے حصول سلطنت کے لئے طالب دعا بھی ہوا۔ آپ نے دعا کی جو پایہ اجابت کو بھی پہنچی اور شاہزادہ موصوف شاہ ہند ہوا۔

مولوی غلام جیلانی خاں بہادر کا قدیم وطن قصبہ کلیانی علاقہ ننگرہار ملک افغانستان قومیت کے لحاظ سے یہ کازئی افغان تھے، جو دولت زئی قبیلہ کی یک شاخ ہے جسکا مخرج ملے زئی ہے جو یوسف زئی کا بڑا اور مشہور قبیلہ ہے۔

مولوی صاحب موصوف احمد شاہ بن محمد شاہ، روشن اختر کے عہد حکومت میں ہندوستان آئے، چونکہ انمیں آثار علمی اور جوہر قابلیت نمایاں تھے، اس لئے عمائدین سلطنت کے وساطت سے بہت جلد دربار شاہی تک فائز ہو کر رفتہ رفتہ دربار مرشد آباد (بنگال) میں میر محمد قاسم صوبہ دار کے زمانہ میں وکالت مطلقہ کے معزز ترین عہدہ پر سرفراز ہوئے (اس عہدہ کو آجکل کے پولیٹیکل ایجنٹی کے عہدہ کے برابر سمجھنا چاہیئے)، حسن خدمات کے صلہ میں احمد شاہی دربار سے ان کو علاقہ چرگاؤں[1] (چاٹگام) واقع صوبہ بہار جاگیر میں ملا، اس کے بعد عزیز الدین

---

[1] نقل فرمان احمد شاہی مہری نظام الملک آصف جاہ وزیر الممالک - چودھریان و قانون گویان (بقیہ صفحہ آئندہ)

عالمگیر ثانی نے منصب[1] سہ ہزاری ذات اور خطاب خاں بہادری عطا کیا۔

جس زمانہ میں بنگال اور صوبہ بہار پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلط ہوا جاگیر چرگانوں ان کے قبضہ سے نکل گئی، چونکہ مغلیہ سلطنت کا آفتاب کمال زوال پذیر ہو کر محکومانہ صوبے بھی خود مختارانہ پیکر میں جلوہ گر ہو رہے تھے، دوسری طرف انگریزوں کا اقبال ترقی پذیر نظر آ رہا تھا۔ اسلئے مولوی غلام جیلانی خاں بہادر کو بھی کسی طاقتور حکومت کی تلاش و جستجو ہوئی جسکی سایۂ اقتدار میں رہکر قابلانہ و بہادرانہ جوہر دکھانے کا موقع مل سکے۔

روہیلوں کی قوت اس وقت منظم تھی جس کے سردار حافظ الملک حافظ

(بقیہ صفحہ گذشتہ) دہقانان و رعایا مزارعان پرگنہ چرگانوں وغیرہ مضاف صوبۂ بہار بدانند، چوں مبلغ چہار لک و لود ہزار دام از پرگنۂ مزبور ازابتہ محمد صالح خاں بہادر وغیرہ من ابتدائے سدس توشقان ئیل (نام مہینہ) مطابق بجاگیر رفعت پناہ غلام جیلانی خاں مقرر گشتہ باید کہ مال واجب و حقوق دیوانی را از قرار واقع و راستی موافق ضابطہ و معمول بجاں مشارٌ الیہ جواب میگفتہ باشند و از سعی حساب و صلاح و صوابدید خان مومی الیہ بیروں نہ زدند حسب المسطور عمل نمایند بتاریخ ششم ذی الحجہ جلوس قلمی گشت فقط

[1] نقل فرمان عزیز الدین عالمگیر ثانی مہری اعز الدولہ مدبر الملک بہادر واقع سوم شعبان سنہ ۶ جلوس مطابق بتاریخ روز جمعہ ہفتم شعبان سنہ ۶ جلوس مبارک معلّے موافق سنہ ۱۱۶۲ھ برسالۂ ایالت و امارت منزلت، شجاعت و شہامت مرتبت مورد مراحم بیکراں پادشاہی مہبط اعطاف نمایاں خلیفہ الٰہی، مجاہدان با عزم و افتخار دلیران معرکۂ رزم، زبدۂ فدویان ہوا خواہ عمدۂ توامیتہاں بارگاہ خانہ زاد لائق العنایت و الاحسان بخشی الملک مظفر علیخاں بہادر و نوبت واقعہ نگاری کمترین بندہ ہائے عقیدت آہنگ، رتن سنگھ قلمی میگردد۔ حکم صادر شد کہ غلام جیلانی ولد نعمان خاں بمنصب سہ ہزاری ذات یکہزار سوار و خطاب غلام جیلانی خاں بہادر سرفراز باشد واقع ۳ شعبان سنہ ۶ جلوس بموجب تصدیق یادداشت قلمی شد۔ (سند کے اوپر مہر اعز الدولہ مدبر الملک، دوسری بخشی الملک مظفر علیخاں، تیسری رتن سنگھ کی ثبت ہے، اور یہ دونوں فرامین صاحبزادہ حبیار اللہ خاں صاحب افسر ادٹ ڈیپارٹمنٹ ریاست رامپور نبیرۂ مولوی غلام جیلانی خاں کے پاس محفوظ ہیں) ۱۲ مؤلف

رحمت[1] خاں تھے، اس لئے مولوی صاحب موصوف بنگالہ سے چلکر روہیلکھنڈ آئے، اور شہر آنولہ میں قیام کیا، جو اس وقت روہیلے سپاہ کا مرکز تھا، حافظ الملک بہادر کے شریک ہوکر متعدد معرکہ ہائے جنگ میں نمایاں قابلیت دکھلائی، جسکی تفصیل کتاب گل رحمت[2] مصنفہ فرزند حافظ الملک، اور کتاب گلستان رحمت[3] مصنفہ نبیرۂ حافظ الملک میں درج ہے، ۱۱۸۸ھ (۱۷۷۴ء) میں جبکہ نواب شجاع الدولہ، اور انگریزوں کی فوجی متحدہ طاقت سے حافظ الملک کی قیادت میں روہیلوں کا مقابلہ ہوا تو اس وقت حافظ الملک[4] کی شہادت سے روہیلوں کا نظام فوجی بکھر گیا، قریب تھا کہ روہیلوں کی جماعت ہمیشہ کے لئے ہتھیار ڈالدے، لیکن

---

[1] حافظ رحمت خاں ابن شاہ عالم خاں ابن شہاب الدین خاں روہیلہ، حافظ الملک کے اجداد افغانستان کے باشندہ تھے، شہاب الدین خاں کا ایک متبنّی بیٹا داؤد خاں بھی تھا، جو عالمگیری عہد میں ہندوستان آیا، دلیر و شجاع تھا، رفتہ رفتہ امارت کے درجہ تک پہنچا، بڑے بڑے معرکے سر کئے۔ اسی کا متبنّی نواب علی محمد خاں بانی ریاست رامپور ہوا،

خدا کی قدرت ہے کہ حافظ الملک اور دوندی خاں ابن حسن خاں ابن شہاب خاں کو باوجود آقازادہ ہونے کے نواب علی محمد خاں کی چاکری اختیار کرنی پڑی، بالاخر نواب علی محمد خاں کے بعد حافظ الملک روہیلوں کے سردار قرار پائے، ان کی شہادت پر نواب فیض اللہ خاں ابن نواب علی محمد خاں سردار بنائے گئے، جنکی اولاد میں رئیس رامپور ہیں، ۱۲۰ تاریخ۔ ہندوستان مولفہ شمس العلما مولوی ذکاء اللہ مرحوم و تاریخ عماد السعادت -

[2، 3] یہ دونوں کتابیں قلمی کتب خانہ رامپور میں موجود ہیں -

[4] حافظ الملک کی تاریخ شہادت صاحب مفتاح التواریخ نے اسطرح استخراج کی ہے، حافظ رحمت شیر بود در میدان جنگ ۞ بر سرش تیغ قضا آمد نشاندش برق خون ۞ چوں سر حافظ بجنگ اند جدا شد از تنش ۞ مہر تاریخش جدا کردم دو پایش را کنون ۞ یعنی دو حرف تحسین ہم دو حرف آخریں ۞ دور چوں کردم ز نامش سال فوت آمد بروں ۞ حافظ رحمت کے اعداد ۱۲۳۷ ہیں انمیں سے حا اور ت کے ۴۴۹ اعداد نکالدیے جائیں تو ۱۱۸۸ باقی رہتے ہیں یہی سال شہادت ہے۔

وقت پر مولوی غلام جیلانی خاں بہادر کے مشورہ سے نواب فیض اللہ خاں کی سیادت کا اعلان کردیا گیا جس سے پراگندہ فوجی قوت نے پھر مجتمع ہوکر رامپور کو اپنا مستقر بنایا، اس سلسلہ سے مولوی صاحب نے بھی رامپور میں نقل سکونت کرکے اپنی سکونت کے لئے مکانات تعمیر کرائے،

گو نواب شجاع الدولہ کے لشکر نے آنولا کی مصافی وغیر مصافی آبادی کو خوب لوٹا، بیجا مظالم کئے تاہم مولوی صاحب موصوف کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے نواب شجاع الدولہ نے احکام کے ذریعہ سے ان کی جائداد کو غارتگری سے محفوظ رکھا، باقی سرداران روہیلہ کی املاک ضبط ہوگئیں، آنولہ میں (مولوی کی بزریہ) کے نام سے مولوی صاحب کی ایک تعمیری یادگار اتبک باقی ہے،

قیام امن کے بعد نواب فیض اللہ خاں بہادر نے مولوی صاحب کو رسالہ داری کا عہدہ دیا، (یہ عہدہ اُس زمانہ میں کمانڈر انچیف کے عہدہ سے ممتاز و معزز تر سمجھا جاتا تھا) ریاست کے داخلی و خارجی مہمات میں انکے مشورہ کو خاص وقعت تھی، ذاتی طور پر نواب صاحب بہادر انکا بیحد احترام کرتے رہے،

کتاب مجمع الکرامات سے چند فقرے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں، جن سے مولوی صاحب کے خاندانی وصفاتی اعزاز پر روشنی پڑتی ہے۔

> امام الدین خاں بن غلام حسین خاں بن مولوی غلام جیلانی خاں بہادر مرحوم کہ یگانۂ قوم افاغنہ معروف بہ یوسف زئی بود بلکہ از مصطفےٰ آباد رامپور تا کلپائی ہمتو بر ہمہ باہرست کہ فرزند دُختر یوسف گشت و در اوج رفعت سہ ہزاری منصبداری بادشاہی در آوان اورنگ آرائے حضرت احمد شاہ بادشاہ گشت بعد انقلابش بہمراہی امرائے دیگر بہمین قدر و منزلت صاحب فوج و شوکت ماندہ تا آنکہ بآخر عمر مصاحب

و وزیر نواب فیض اللہ خاں بہادر کہ ثانی عالمگیر بود گشت، و مسافتِ
عدم ہم در قدمش در نوشت،

صاحب اخبار الصنادید مولوی نجم الغنی صاحب لکھتے ہیں کہ ۱۱۹۵ھ میں مولوی صاحب کے لشکر سے نواب وزیر اور انگریزوں کی متحدہ افواج کا مقابلہ ہوا جس میں آخر الذکر کو دارانگر کے مقام پر شکست ہوئی۔

مولوی صاحب نے ۷۲ سال کی عمر پاکر ۱۲۰۵ھ میں انتقال کیا، گھیر کا گورستان واقع شہر رامپور مرحوم کا مدفن ہے جہاں ان کی بنا کردہ مسجد بھی واقع ہے، مولوی غلام جیلانی خاں بہادر کے حسب ذیل پانچ بیٹے یادگار رہے (۱) غلام حسن خاں (۲) غلام حسین خاں (۳) غلام محمد خاں (۴) غلام حیدر خاں (۵) غلام نبی خاں، آخر الذکر دو صاحبزادوں کی اولاد اور جاگیر کا سلسلہ سرونج میں ہے جن کا تذکرہ آگے آتا ہے، پانچوں بیٹے خاندانی اعزاز کی بنا پر صاحبزادگی کے لقب سے ملقب رہے، اور آج بھی ان کی اولاد رامپور، ٹونک بھوپال میں اسی لقب سے معروف ہے،

بڑے بیٹے صاحبزادہ غلام حسن خاں باپ کی جگہ رسالہ دار ہوئے ۱۲۰۹ھ میں جبکہ نواب غلام محمد خاں ابن نواب فیض اللہ خاں بہادر کا، انگریزی اور آصفی متحدہ طاقت سے دوجوڑہ میں مقابلہ ہوا، اس معرکہ میں غلام حسن خاں، غلام حسین خاں، غلام محمد خاں۔ غلام حیدر خاں چاروں بھائی شریک تھے، بدقسمتی سے نواب غلام محمد خاں کو ہزیمت ہوئی، چونکہ نواب آصف الدولہ کو یقین ہو چکا تھا کہ غلام حسن رسالہ دار اور غلام محمد خاں برادران حقیقی روہیلوں کے سرغنہ اور صاحب اثر ہیں، اس لئے فتحیابی کے بعد آصفی حکم سے دونوں بھائی رامپور سے ترک سکونت پر مجبور کئے گئے اور ان کی املاک ضبط کر لی گئی،

غلام حسن خاں رامپور سے چلکر جنرل لیک صاحب بہادر (مشہور فوجی افسر) کے پاس پہنچے، جنرل مذکور جنگِ دوجوڑہ میں ان کی جنگی قابلیت و جوانمردی کا پہلے ہی امتحان

کر چکا تھا، اسلئے اُس نے انکو اپنا شریک کار بنایا، اور ایک موقع پر پنڈاران کے مقابلہ کے لیے ان کو مامور کیا، جسمیں ان شمرو کو کامیابی ہوئی، اُس نمایاں کامیابی کا صلہ ان کو یہ ملا کہ چار لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی کے چند دیہات ضلع مظفر نگر قسمت میرٹھ میں انکو ملے، لیکن آج ایک گاؤں بھی انکی اولاد کے قبضہ میں نہیں ہے، جسکی وجہ معلوم نہ ہو سکی، اس کے بعد سلف شمرو کی بیگم رئیسۂ سردھنہ نے انکو اپنی سپاہ کا سپاہ سالار بنایا، اخیر عمر میں ترک تعلقات کرکے اپنے موضع جھنجانہ ضلع مظفر نگر میں بود و باش اختیار کی، اور اسی جگہ سنہ ۱۲۴۴ھ میں وفات بھی پائی، صاحبزادہ غلام حسن خان کی دو بیویاں تھیں، پہلی بیوی لالہ میاں کی بیٹی تھیں جنکے نام سے رامپور میں ایک گلی آج بھی مشہور ہے ان کے بطن سے دو بیٹے اور ایک بیٹی عالم وجود میں آئے، بیٹی کی شادی نواب گلشیر خاں ابن نواب نجابت خاں رئیس کنجپورہ سے ہوئی۔ موجودہ رئیس کنجپورہ انہی کی اولاد سے ہیں ۔ بیٹوں میں سے غلام سرور خاں کی شادی نواب گلشیر خاں رئیس کنجپورہ کی ہمشیرہ سے ہوئی جنکی اولاد کنجپورہ میں موجود ہے

دوسرے بیٹے غلام اکبر خاں کی شادی انہی کی پھوپی زاد بہن بنت عبداللہ خاں ابن مردان خاں مشہور سردار افاغنہ رامپوری سے ہوئی، انسے تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں بیٹوں میں سے صرف عنایت اللہ خاں کا سلسلہ قائم ہے، غلام اکبر خاں محمد علی شاہ یا امجد علی شاہ والی اودھ کے فوج میں کمیدان تھے، وہیں انتقال بھی ہوا،

غلام حسن خاں رسالہ دار کی دوسری بیوی سے (جو بریلی کے ایک ممتاز خاندان سے تھیں) غلام ناصر خاں یادگار رہے جنکی اولاد میں ایک بیٹی تھی جو عنایت اللہ خاں انکے

لہ شمرو صاحب فرانسیسی النسل افسر تھا، ہندوستان وارد ہوکر اول نواب قاسم علیخاں صوبہ دار بنگال کی ملازمت اختیار کی، اسکے بعد نواب شجاع الدولہ، راجہ سورج مل جاٹ، نواب نجف خاں کے چاکر رہا سنہ ۱۷۷۸ء میں اپنی بیوی کے ایما سے قتل ہوا، بیگم شمرو مسلمان عورت تھی، شمرو کی زوجیت میں آکر عیسائی ہوئی، صاحب علاقہ اور فوج تھی، ۲۷ جنوری سنہ ۱۸۳۶ء کو ۹۰ سال کی عمر پاکر فوت ہوئی، مفتاح التواریخ ۱۲

چچازاد بھائی کو منسوب ہوئی، غلام ناصر خاں برٹش گورنمنٹ میں کوتوال کے عہدہ پرممتاز تھے، بڑی شہرت اور نیکنامی حاصل کی، نواب محمد سعید خاں، ابن نواب غلام محمد خاں بہادر معزول، جب ریاست رامپور میں مسندنشین ہوئے تو انہوں نے اپنے اب و جد کے قدیمی رفقار کو (جو جنگ دوجوڑہ کے زمانہ میں خارج البلد کردیئے گئے تھے) رامپور واپس بلاکر عزت کے ساتھ آباد کیا، اس سلسلہ سے غلام ناصر خاں بھی رامپور آئے، کوتوالی کا عہدہ ملا، پھر مجسٹریٹ، پھر جنرل افواج و مشیر المہام ہوئے، غدر ۱۸۵۷ء کے زمانہ میں فیروز شاہ سے مقابلہ کیا، زخمی بھی ہوئے، غدر فرو ہونے پر انگریزی حکومت سے خلعت ملا اور خانبہادری کا خطاب ملا، ریاست رامپور نے بھی جاگیر بخشی، ۱۸۶۴ء میں دنیا سے نیکنام رخصت ہوئے، کوئی نرینہ اولاد نہ تھی،

نواب وزیرالدولہ بہادر والی ٹونک سے برادرانہ عمیق تعلقات رہے، ایک مرتبہ نواب وزیرالدولہ بہادر نے انکو ایک زبردست ہاتھی، ایک شکاری چیتا و ایک گھوڑا اور دیگر قیمتی تحائف دوستانہ رسم و راہ کے ثبوت میں بھیجے تھے۔

عنایت اللہ خاں بہادر ابن غلام اکبر خاں، رامپور میں گو رسالہ داری کے عہدہ پر مامور تھے، لیکن ریاست کی دیگر اہم خدمات بھی انجام دیتے رہے، ریاست سے انکو خانبہادری کا خطاب بھی ملا، ان کی شادی غلام ناصر خاں بہادر کی بیٹی سے ہوئی تھی انہوں نے ۱۲۹۷ھ میں ذیل کے پانچ بیٹے چھوڑکر انتقال کیا، (۱) عطاء اللہ خاں، (۲) رسالدار عنایت حسن خاں (۳) عنایت حسین خاں (۴) فدا حسین خاں، (۵) حیدر حسن خاں،

صاحبزادہ عطاء اللہ خاں رامپور میں مختلف عہدوں پر مامور رہکر محکمہ فوج میں جنرل کے ممتاز عہدہ پر فائز ہوئے، اسکے بعد عمر کے اخیر زمانہ میں ریاست نے ان کو جج کا عہدہ عطا کیا، ان کی شادی نواب جلال الدین خاں نبیرہ نواب نجیب الدولہ رئیس نجیب آباد

سے ہوئی، حسب ذیل تین بیٹے چھوڑکر ۱۳۲۲ھ میں رحلت کی، اعزاز و مراتب، عادات و خصائل کے لحاظ سے ممتاز ترین عہدہ داران ریاست سے تھے -

(۱) عماد اللہ خاں (۲) ضیاء اللہ خاں (۳) ممتاز اللہ خاں ،

صاحبزادہ عماد اللہ خاں اپنے والد کی جگہ ہوئے، رئیس و رعایہ کے دلوں میں جگہ کی، نیک نامی و عزت کے ساتھ مفوضہ خدمت انجام دیتے ہوئے ۱۳۳۹ھ میں رحلت کی، پہلی بیوی دختر نواب علاؤ الدین خاں رئیس لہارو سے ارشاد اللہ خاں اور دوسری بیوی بنت علی[1] بہادر خاں (نبیرہ حافظ الملک حافظ رحمت خاں بہادر) سے اعجاز اللہ خاں، دو فرزند یادگار ہیں، صاحبزادہ ارشاد اللہ خاں بی اے ریاست رامپور میں ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج ہیں، اور صاحبزادہ اعجاز اللہ خاں ایم، ایس، سی، کے امتحان کی طیاری میں مصروف ہیں ،

صاحبزادہ ضیاء اللہ خاں ابن صاحبزادہ عطاء اللہ خاں، ریاست رامپور میں اسوقت افسر اڈٹ ڈیپارٹمنٹ (افسر جانچ صیغہ فنانشل) ہیں، ان کی دو شادیاں ہو چکی ہیں پہلی بیوی نواب عبد القادر[2] خاں بریلوی معروف خواجو میاں کی بیٹی تھیں، جن کا انتقال ہو چکا دوسری بیوی سید احمد شفیع رئیس فریاد آباد (پنجاب) کی دختر سے ہوئی ہے، صاحبزادہ موصوف اس وقت رامپور ریاست میں ہر دلعزیز اور رئیس کے معتمدین خاص سے ہیں

صاحبزادہ ممتاز اللہ خاں ابن صاحبزادہ عطاء اللہ خاں بی اے علیگ اس وقت ضلع بلیا (یو۔پی) میں ڈپٹی کلکٹر ہیں، ان کی شادی انہی کی ماموں زاد بہن بنت صاحبزادہ حمید الظفر خاں بہادر سی، آئی، ای، سے ہوئی، رسالہ دار عنایت حسن خاں بن رسالہ دار عنایت اللہ خاں بہادر اپنی آبائی جگہ رسالہ دار ہوئے، انکے انتقال پر انکے بیٹے عزیز حسن خاں رسالہ دار ہوئے، اب ذریعہ متاجری دو لاکھ روپیہ سالانہ کے مالگذار ہیں ،

[1] حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں کی اولاد سے ہیں ۱۲ [2] نواب نجیب الدولہ امیر الامرا کی اولاد سے ہیں ۱۲

عنایت حسین خاں ابن رسالہ دار عنایت اللہ خاں بہادر، انکے تین بیٹے عطا حسین خاں
صفدر حسین خاں، الطاف حسین خاں سب انسپکٹر مراد آباد بقید حیات ہیں،

فدا حسین خاں بن رسالہ دار عنایت اللہ خاں بہادر کے ایک بیٹے رفیق حسین خاں
بقید حیات اور معززین ریاست سے ہیں، فدا حسین خاں نے ۱۳۴۲ھ میں دنیا کو خیر باد کہا
عربی، فارسی، طب میں کافی استعداد تھی، معقول میں مولوی عبد الحق مرحوم خیر آبادی کے
ارشد تلامذہ میں سے تھے، شاعری میں منشی امیر احمد مینائی رحمۃ اللہ علیہ سے تلمذ تھا، صاحب
تالیف و تصنیف گذرے ہیں،

حیدر حسین خاں ابن رسالہ دار عنایت اللہ خاں بہادر رامپور میں تحصیلدار رہیں، شاعری میں نواب
مظفر علیخاں اسیر کے شاگرد اور وسیع الاخلاق بزرگ ہیں،

صاحبزادہ غلام محمد خاں ابن مولوی غلام جیلانی خاں بہادر، رامپور سے نکلنے کے بعد
اندور پہنچے، رسالہ داری کے عہدہ پر سرفراز ہوئے، پھر ہلکر والی اندور کے مصاحب خاص
ہوئے، وہیں انتقال کیا، پچاس روپیہ یومیہ کی تنخواہ تھی، انکے بیٹے محمد عباس خاں تھے
جنکے بیٹے محمد عظیم خاں ہوئے، اس سے زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے، صاحبزادہ غلام محمد
کی ایک بیٹی تھی، جو محمد علیخاں کپتان، برادر احمد علیخاں کپتان جاگیر دار مغلسرائے پرگنہ
سرورنج کو منسوب تھی،

صاحبزادہ غلام حسین خاں ابن مولوی غلام جیلانی خاں بہادر کے حسب ذیل ۶ بیٹے
ہوئے، (۱) مولوی امام الدین خاں، (۲) کمال الدین خاں صوفی (۳) قطب الدین خاں
(۴) جمال الدین خاں (۵) مولوی نصیر الدین خاں (۶) شمس الدین خاں، مولوی امام الدین
خاں عالم بھی تھے، اور حافظ بھی، قادریہ طریقت میں شاہ درگاہی رحمۃ اللہ علیہ
کے مرید تھے، انہوں نے مجمع الکرامات ایک کتاب اپنے دادا پیر حافظ جمال اللہ
رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھی ہے، جکا سنہ آغاز تصنیف ۱۲۳۲ھ اور اختتام ۱۲۳۶ھ

ہے، دیباچہ میں اپنا اور اپنے خاندان کا بھی مختصر طور پر تذکرہ کیا ہے، نواب امیرالدولہ بہادر بانی ریاست ٹونک سے اپنی ملاقات اور اُن کی قدردانی کا بھی ذکر ہے، فارسی پشتو، اور اردو کے باکمال شاعر تھے، فارسی میں آمام اور اردو میں انور تخلص کرتے تھے ۲۰ ہزار سے زائد اشعار کی تعداد انہی کے تحریری بیان سے ثابت ہے، ۱۲۵۹ھ میں رحلت کی اولاد ظاہری باقی نہیں رہی، طریقت میں اولاد معنوی کا سلسلہ البتہ باقی ہے،

صاحبزادہ کمال الدین خاں بھورا میاں کی عرفیت سے مشہور تھے، شاہ درگاہی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان قادریہ میں خلیفہ تھے، تجرد کی حالت میں ۱۲۸۳ھ میں وصال ہوا آپکا مزار ریاست رامپور میں زیارت گاہِ خلائق ہے اور سلسلہ درویشی بھی جاری ہے،

صاحبزادہ نصیر الدین خاں، جید اور متبحر عالم تھے، مولوی نورالسلام اور مفتی شرف الدین رحمۃ اللہ علیہما سے خاص تلمذ حاصل تھا، شاعر بھی تھے اور شاعری میں صابر تخلص کرتے تھے ۱۲۶۶ھ میں رحلت کی، ان کے ایک بیٹے محمد شفیع خاں تھے، انکے محی الدین خاں ہوئے جو اسوقت رامپور میں سب انسپکٹر ہیں، صاحبزادہ شمس الدین خاں کے ایک پسر بدرالدین خاں المتوفی ۱۳۴۳ھ تھے، ان کی صرف ایک بیٹی یادگار ہیں[۱]،

صاحبزادہ[۲] جمال الدین خاں بن صاحبزادہ غلام حسین خاں کی نسبت قصبہ سنبھل میں

---

[۱] یہ تمام حالات اُس قلمی مسودہ سے ماخوذ ہیں، جسکو مؤلف کی استدعا پر جناب صاحبزادہ ضیاءاللہ خاں صاحب افسر اڈٹ ڈیپارٹمنٹ رامپور نبیرہ مولوی غلام جیلانی خاں بہادر مرحوم نے مرتب کر کے بھیجا ہے، جسکی تصدیق مولوی غلام جیلانی خاں بہادر کے اُن خاندانی افراد سے مؤلف نے کر لی ہے، جو سرونج میں موجود ہیں، ان حالات میں کہیں کہیں مؤلف نے اپنی تحقیقات سے بھی اضافہ کیا ہے صاحبزادہ موصوف کی قلمی اعانت قابل ادائے شکریہ ہے ۱۲

[۲] یہاں سے مولوی غلام جیلانی خاں بہادر کی اولاد کی تفصیل اور حالات کی ترتیب مؤلف کی ذاتی تحقیقات کا نتیجہ ہے جسمیں موجودہ ممبران خاندانی کی اعانت بھی شامل ہے ۱۲

نواب امیر الدولہ بہادر کی بھانجی سے ہو چکی تھی، آدمی خوش گفتار، حسین، اور بہادر تھے،
جب نواب امیر الدولہ بہادر مصالحت کے بعد ۱۲۳۲ھ ۱۸۱۷ء میں ٹونک کی ریاست کے مالک
ہوئے، اوسکے بعد ہی ۱۲۳۳ھ ۱۸۱۸ء میں انکی شادی کی رسم ٹونک میں ادا ہوئی اور دوسری
بھانجی نواب وزیر الدولہ بہادر کو منسوب ہوئیں، اس رشتہ سے صاحبزادہ جمال الدین
خاں اور نواب وزیر الدولہ بہادر باہم ہمزلف تھے، اور اسی بنا پر ریاست ٹونک
سے ان کا معقول وظیفہ بھی مقرر ہو گیا تھا،

چونکہ صاحبزادہ غلام حیدر خاں، انکے چچا سرونج میں جاگیر دارانہ حیثیت سے سکونت
پذیر تھے، اسلئے یہ بھی ٹونک سے سرونج آگئے، یہاں آکر محلہ منڈی کے مشہور افغان منور شاہ
خاں کی دختر سے دوسری شادی کی، جنکے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، جو صاحبزادہ رطب الدین
خاں بن صاحبزادہ قطب الدین خاں انہی کے بھتیجے سے منسوب ہوئی، نواب امیر الدولہ
بہادر کی بھانجی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، دختری اولاد کا سلسلہ سرونج میں باقی ہے جسکی
تفصیل آگے آتی ہے،

صاحبزادہ قطب الدین خاں ابن صاحبزادہ غلام حسین خاں کے حسب ذیل چار بیٹے
(۱) معین الدین خاں[1] لاولد (۲) شجاع الدین خاں لاولد (۳) رکن الدین خاں لاولد (۴)
رطب الدین خاں، صاحبزادہ قطب الدین خاں اپنے بھائی جمال الدین خاں کے
انتقال پر رامپور سے ٹونک آئے، نواب وزیر الدولہ بہادر نے انکے لئے ایک سو چھ روپے
ماہوار کا وظیفہ مقرر کر دیا، انکے ارتحال پر وہی وظیفہ مذکور الصدر چاروں بھائیوں کے نام
منتقل ہو گیا، باپ کے انتقال کے بعد چاروں بھائی اپنے چچا غلام حیدر خاں جاگیر دار
چاچھولی کے پاس سرونج آگئے، اول الذکر تین بھائیوں نے سرونج ہی میں لاولد انتقال کیا،
صاحبزادہ رطب الدین خاں نے ریاست ٹونک میں بڑی نیک نامی اور عزت حاصل

---

[1] صاحبزادہ معین الدین خاں عرصہ تک ٹونک کے بعض اضلاع میں نائب ناظم بھی رہ چکے ہیں ۱۲

کی، انکی شادی انہی کی چچازاد بہن جمال الدین خاں کی دختر سے ہوئی، اولاد کی تفصیل آگے آتی ہے، سنہ ۱۲۷۰ھ کا آغاز تھا کہ سرونج میں قاضی پیشاوری اور افغانان روہلپورہ کے مابین ایک نکاح پر بلوہ ہوگیا، مولوی خیرالدین عامل شیرکوٹی رفع فساد کے لئے موقع پر پہنچے، قاضی پیشاوری کے طرفداروں میں سے ایک نے عامل صاحب پر قرابین کا فیر کرنا چاہا، صاحبزادہ رطب الدین خاں نے لپک کر فیر کرنے والے شخص کے ہاتھ پر ہتھکی پا دی جس سے قرابین کے چھرے سروں سے اوپر ہوتے ہوئے نکل گئے، اور عامل صاحب کی جان بچ گئی، لیکن محمد ایوب خاں نامی ایک صاحب تلوار کی ضرب سے اوس ہنگامہ میں کام آئے، نواب وزیرالدولہ بہادر نے مطلع ہوکر ذریعہ فرمان مورخہ چہارم محرم الحرام سنہ ۱۲۷۰ھ[1] صاحبزادہ رطب الدین خاں کی بر وقت اعانت اور ان کی دلیری وجسارت پر اظہار خوشنودی فرماتے ہوئے دوسرے حکم نامہ مورخہ پنجم ذیقعدہ سنہ ۱۲۷۲ھ کے ذریعہ سے جاگیر کا بھی متوقع کیا،

اس واقعہ کے بعد سنہ ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۷ء) میں غدر کا عام طوفان اٹھا، جسکا سیلاب سرونج کی پرامن چار دیواری تک بھی پہنچا، عادل محمد خاں جاگیردار گڈھی امباپانی (علاقہ ریاست بھوپال) نے تین چار کی جمعیت کے ساتھ سرونج پہنچکر سرکاری کوٹ کا محاصرہ کرلیا، چونکہ اوس زمانہ میں صاحبزادہ موصوف بحیثیت نائب عامل مقامی عامل (کلکٹر ضلع) کے ہمراہ دارالحکومت میں موجود تھے، اس لئے یہ بھی محصور ہوئے، تین روز تک توپوں اور بندوقوں

[1] شجاعت نشان صاحبزادہ رطب الدین خاں بعافیت باشند، بعد سلام مسنون واضح باد، بمنا حظہ عرضی فضیلت وکمالات مرتبت مولوی خیرالدین عامل پرگنہ سرونج، بشراکت واطاعت رفاقت واعانت ایشان مع برادران با عامل ممدوح در اطفائے نائرہ فساد وتقیہ ایوب خاں متوفی وقاضی محمد یوسف خاں وتاج محمد خاں بدریافت رسیدہ مستوجب رضامندی وخوشنودی حضور پرنور گردید آفریں صد آفریں از ایشان آنچہ بعمل آمدہ، از لوازم شرافت ونیک ذاتی واطاعت وفرمانبرداری ست، باید کہ بتوفیقات ایزدی سبحانہ ہمیں نہج مصدر خیرخواہی بودہ مستوجب نیکنامی وآفریں ہا شوند مرقوم چہارم شہر محرم الحرام سنہ ۱۲۷۰ھ (یہ حکم نامہ صاحبزادہ فریدالدین خاں کے پاس محفوظ ہے)

کے ذریعہ محصورین و محاصرین کا مقابلہ ہوتا رہا، چوتھے روز صاحبزادۂ موصوف اپنے ایک رفیق کو ہمراہ لے کر اور کوٹ کا جنوبی دروازہ کھولکر باہر نکلے، سامنے مخالف کی توپ کام کر رہی تھی، توپچی نے فیر کرنا چاہا، ادھر توپچی کا ہاتھ آگ دینے کو اونچا ہوا ہی تھا کہ صاحبزادہ صاحب کی تلوار نے اوسکا ہاتھ قلم کر دیا، دوسرے مخالف نے ان پر تلوار علم کی، لیکن انکے رفیق نے جست کر کے اوسکا کام تمام کر دیا، اس مردانہ جسارت کو دیکھکر جاگیرداروں نے چاروں طرف سے یورش کی بالآخر عادل خاں فرار پر مجبور ہوا، اسی طرح نواب محمد علیخاں بہادر یمین الدولہ کے عہد میں لاوہ کی مشہور جنگ میں بھی انھوں نے قابل قدر خدمات انجام دیں، نواب محمد علیخاں بہادر نے ان تمام خدمات اور اپنے والد نواب وزیر الدولہ بہادر کے عہدِ عطائے جاگیر کو ملحوظ رکھتے ہوئے ذریعہ سند مورخہ ۲۱ شوال ۱۲۸۳ھ[1] موضع چوکی مع متعلقہ مزارعات واقع پرگنہ رحیم آباد عرف چھبڑہ گوگور، جاگیر میں دیکر شاہانہ فیاضی و قدردانی کا ثبوت دیا، اور ایک دوسرے موقع پر انکو نواب صاحب ممدوح نے خلعت پارچہ، اسپ، اور پانسو روپیہ نقد عطا کر کے مزید عزت افزائی فرمائی، انکی خواہش پر چوکی جاگیر کے تبادلہ میں موضع سیلپور، پھر موضع پامان کھیڑی واقع پرگنہ سرونج دیا گیا، یہی آخر الذکر گاؤں انکی اولاد کی جاگیر میں ہے،

صاحبزادہ موصوف ۲۲ صفر ۱۲۸۳ھ کے حکمنامہ کے ذریعہ سے پرگنہ چھبڑہ کے عہدۂ پیشکاری پر بھی مامور ہوئے، اور سرونج میں نائب عامل اور انچارج عامل بھی رہے، ۹۵ سال کی عمر پاکر ۳ فروری ۱۹۰۵ء مطابق ۱۳۲۳ھ کو نماز عصر کے آخر سجدہ میں واصل حق ہوئے

[1] شرافت پناہ نجابت دستگاہ شیخ ارشاد حسین خاں عامل پرگنہ رحیم آباد عرف چھبڑہ گوگور بعافیت باشند بعد سلام مسنون واضح باد، در ینولا بحکم تعالی موضع چوکی پرگنہ رحیم آباد عرف چھبڑہ در وجہ مدد معاش براہ پرورش و پرداخت بہ صاحبزادہ رطب الدین خاں مع آمدنی کشتی مرحمت فرموده شد، باید کہ در شروع سال ۱۲۸۴ھ قبض و دخل خان مسطور بر دیہہ مذکور بکنانند داگر صاحبزادہ مذکور مزرعہ داخلی موضع مذکور آباد ساختہ افزونی مال واجب نمایند باید کہ ممانعت نسازند فقط لسبت و یکم شوال ۱۲۸۳ھ (مہری و دستخطی نواب محمد علیخاں بہادر)

صاحبزادہ صاحب موصوف کو مؤلف نے بھی دیکھا ہے، عابد، متقی، صوفی، اور اہل دل تھے، طریقۂ قادریہ و نقشبندیہ میں اپنے چچا شاہ کمال الدین عارف رحمۃ اللہ علیہ رامپوری کے مرید تھے، سرونج میں مرحوم سے یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے اور آپ کا سالانہ عرس بھی ہوتا ہے صاحبزادہ موصوف کے حسب ذیل چار بیٹے یادگار رہے (۱) محمد دین خاں (۲) فریدالدین خاں (۳) فخرالدین خاں (۴) ظہیرالدین خاں، اور دو بیٹیاں، جاگیر انہی چاروں بیٹوں کے نام ریاست سے منتقل ہوئی،

صاحبزادہ محمد دین خاں فارسی میں منتہی، تاریخ و ادب میں کامل، شعر و سخن کے نکات سے خوب واقف تھے، علم مجلسی میں کمال تھا، مؤلف سے بھی شاعرانہ مذاق کی بنا پر صحبت رہی، نواب احمد علیخاں بہادر احتشام الملک عرف سلطان دولہا (زوج نواب سلطان جہاں بیگم رئیسۂ بھوپال) کی مصاحبت میں عرصہ تک رہے، جہاں موصوف کا علمی اور شرافت نسبی کی بنا پر قابل فخر اعزاز کیا گیا، مؤلف نے چند تحریرات قلمی سلطان دولہا اسمی صاحبزادۂ موصوف دیکھی ہیں، جنہیں جناب من اور عالیجناب کے القاب سے مخاطب کیا ہے، موصوف نے ۵۵ سال کی عمر پاکر ۲۲ر شوال ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۶ر اکتوبر ۱۹۱۱ء میں وفات پائی، ذیل کے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی ان سے یادگار رہے (۱) مجدالدین خاں[1] پہلی بیوی سے دوسری بیوی سے (۲) ناصرالدین خاں (۳) ولی الدین خاں (۴) متین الدین خاں (۵) عتیق الدین خاں، بڑے صاحبزادہ مجدالدین خاں کی پہلی شادی ضیاءالدین خاں نبیرۂ مردان خاں مشہور سردار افاغنہ رامپور سے ہوئی، جنکا لاولد انتقال ہوگیا، دوسری دختر حافظ عبدالحی خاں (نبیرۂ نواب شہاب الدین خاں رئیس کاسگنج) سے ایک بیٹا، وقارالدین خاں نابالغ یادگار ہے، صاحبزادہ مجدالدین خاں کو فارسی زبان میں کافی دسترس ہے ادیب بھی ہیں، اور اشعار برجستہ موزوں کرتے ہیں، فی زمانہ سرونج علاقہ میں سب انسپکٹر پولیس ہیں

[1] تاریخی نام ہمایوں اختر ہے جس سے انکی ولادت ۱۳۱۱ھ کی ثابت ہوتی ہے، ۱۲

دوسرے بھائی صاحبزادہ ناصر الدین خاں بھی تعلیم یافتہ، انگریزی، اردو، اور ہندی سے واقف ہیں، فی الحال محکمہ بندوبست ریاست بھوپال میں پیشکار اور اپنی قومی، علمی، ادبی دلچسپیوں کی بنا پر "الگزنڈرا اولڈ بوائز ایسوسی ایشن لائبریری" میں سکرٹری ہیں اور یہ وہ لائبریری ہے جسکے اعلے ممبر خود نواب صاحب بہادر بھوپال ہیں باقی آخر الذکر تین بھائی زیر تعلیم ہیں۔

صاحبزادہ فرید الدین خاں اور صاحبزادہ فخر الدین خاں پسران صاحبزادہ رطب الدین خاں بقید حیات اور حصہ جاگیر سے مستفیض ہیں اول الذکر کے ایک بیٹے صاحبزادہ فتح الدین خاں اور آخر الذکر کے بھی صحیح النسب ایک بیٹے صاحبزادہ زبیر الدین خاں نو عمر موجود ہیں چوتھے بیٹے ظہیر الدین خاں نے ایک دختر چھوڑ کر عالم شباب میں انتقال کیا، دختر مذکور صاحبزادہ ناصر الدین خاں بن صاحبزادہ محمد دین خاں کو منسوب ہے،

صاحبزادہ غلام حیدر خاں ابن مولوی غلام جیلانی خاں بہادر فنون جنگ میں کامل شجاعت میں فرد تھے، ۱۲۰۹ھ تک رامپور میں رہے، اسی سال جنگ دوجوڑہ کا مشہور واقعہ پیش آیا، ایک طرف نواب آصف الدولہ والی اودھ، اور انگریزی افواج کی متحدہ طاقت اور دوسری طرف نواب علی محمد خاں والی رامپور کی تنہا قوت تھی، آبائی تعلقات کی بنا پر دوسرے بھائیوں کے ساتھ انہوں نے بھی نواب غلام محمد خاں کی رفاقت کی، گو شجاعانہ جسارت و جوہر دکھانے میں انہوں نے کمی نہیں کی، لیکن نواب غلام محمد خاں کی قسمت میں ہزیمت مقدر تھی جو پیش آئی، اور نواب آصف الدولہ کے فاتحانہ حملہ سے انکی اور انکے بھائیوں کی جائدادیں ضبط ہو کر ترک سکونت پر مجبور کئے گئے، رامپور سے نقل سکونت کے بعد غلام حیدر خاں اور انکے چھوٹے بھائی غلام نبی خاں ۲۵ سواروں کو ساتھ لیکر حیدر آباد دکن پہنچے جہاں عرصہ تک دونوں بھائی فوجی عہدہ دار رہے۔

چند سال کے بعد جب نواب محمد سعید خاں بہادر والی رامپور نے امن و امان کا اعلان کرتے ہوئے جلاوطنوں کو واپسی کا حکم دیا، اسوقت یہ دونوں بھائی بھی حیدر آباد سے رامپور کو

روانہ ہوئے ۱۲۲۲ھ کا زمانہ تھا، اسوقت نواب امیر الدولہ بہادر مادہو راجپورہ (علاقہ ریاست جلپور) میں اپنے لشکر کے ساتھ مقیم تھے، دونوں بھائی نواب امیر الدولہ بہادر کی شہرت عالمگیری سنکر اُن سے ملنے کے متمنی ہوئے، لامپور کے بجائے مادہو راجپورہ (راجپوتانہ) پہنچے، نواب امیر الدولہ بہادر نے ان جانباز وں کو سینہ سے لگا کر امیری لشکر میں شامل کیا، منتخب رسالونکی

افسری دی، ۹ سال تک مسلسل جنگی امتحانوں کے بعد ۱۲۲۹ھ کی سند کے ذریعہ سے صاحبزادہ غلام حیدر خاں کو سرونج پرگنہ کا وسیع الرقبہ گاؤں چاٹھولی اور صاحبزادہ غلام نبی خاں کو مواضعات مہابن اور مسکرا جاگیر میں عنایت کئے، عبداللہ خاں قدیمی کے بعد یہ دوسری جاگیر ہے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی مصالحت ۱۲۳۲ھ سے قبل سرونج پر مالکانہ اقتدار کی بنا پر انکو دیگئی چاٹھولی میں تقریباً دو تین مرتبہ آئے، موتی باغ کے پچھاں پڑیڑی میں زندگی بھر مقیم رہے اور وہیں انتقال کیا، نواب امیر الدولہ کے مزار کے پاس انکی قبریں

صاحبزادہ غلام حیدر خاں کی شادی نواب شہاب الدین خاں وزیر رئیس کا سگنج ملک متحدہ کی پوتی سے ہوئی، جنکی اولاد کا سلسلہ قائم ہے، اُن سے دو بیٹے غلام قادر خاں اور غلام دستگیر خاں یادگار رہے، ۱۲۷۰ھ میں دونوں بھائیوں کا یکے بعد دیگرے تین دن کے اندر انتقال ہو گیا، شاہ فخر الدین چشتی رحمۃ اللہ کے مزار کے قریب مدفون ہوئے نواب وزیر الدولہ بہادر نے ذریعہ فرمان ۱۴ صفر ۱۲۷۰ھ دونوں بھائیوں

سلہ سنہری نواب امیر الدولہ بہادر، جسکی مہر میں یہ سجع کندہ ہے، (خدا خود میر سامان است اسباب توکل را) متصدیان و مہمات حال واستقبال پرگنہ سرونج سرکار چندیری مضاف مالوہ بدانند، چوں موضع چاٹھولی جمع کامل مبلغ چار ہزار روپیہ باہم صاحبزادہ غلام حیدر خاں دز وجہ جاگیر من ابتدائے فصل خریف ۱۲۲۳ فصلی از حضور پر نور مقرر گشتہ باید کہ مداخلت بموی الیہ در موضع مذکور رسد منہد، واز محاصلات آں مزاحمت نرسانند، و سبیل موی الیہ آنکہ رعایا را از حسن سلوک خود راضی و آباد ساختہ در آنجا آبادی رعایا و توفیر مال باشد بعمل آوردہ باشند کم کاشت اکم تردد دمہ خود شناسند دریں باب تاکید دانستہ حسب المسطور بعمل آرند تاریخ تحریر یازدہم جمادی الثانی ۱۲۲۹ھ قدسی (اصل سند صاحبزادہ عبد الرزاق خانصاحب کے پاس محفوظ ہے)

سلہ شجاعت نشان صاحبزادہ غلام غوث خاں و غلام محی الدین خاں و غلام حضرت خاں و غلام فرید خاں و عبد الوہاب خاں بعافیت باشند، بعد سلام مسنون واضح باد، بدریافت واقعہ ناگزیر وسانحہ تقدیر فوت صاحبزادہ غلام قادر خاں و صاحبزادہ غلام دستگیر خاں والد الیشاں نہایت حسرت و افسوس رو داد، انا للہ وانا الیہ راجعون، از آنجا کہ ہر آفریدہ را (بقیہ بصفحہ آئندہ)

کے ورثہ کو تعزیت فرماتے ہوئے جاگیر بھی انکے نام منتقل کی، غلام قادر خاں فقیر منش بھی تھے اور سپاہی بھی، لادہ کی لڑائی میں انہوں نے قابل قدر خدمات انجام دیں، اس صلہ میں ان کو ذاتی طور پر موضع گرینہٹہ جاگیر میں نواب وزیر الدولہ بہادر نے عطا کیا، انکی وفات پر خالصہ ہوگیا،

صاحبزادہ غلام قادر خاں سوذیل کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں یادگار رہے، جو نواب محمد گدھہ باسودہ کی بیٹی کے بطن سے تھے (۱) غلام غوث خاں (۲) غلام محی الدین خاں (۳) غلام حضرت خاں، صاحبزادہ غلام غوث خاں کو مؤلف نے دیکھا ہے جبکہ ان کی عمر ۸۰ سال کی تھی، باوقار، مہذب، اور صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے، رئیسان ٹونک اور اہل شہر انکا بڑا اعزاز کرتے رہے، نواب یمین الدولہ محمد علیخاں بہادر نے علاوہ حصہ جاگیر چاٹھولی کے موضع بہیا انکو بذریعہ ۳۰ جولائی ۱۸۹۰ء کے حکمنامہ کے ذریعہ سے عطا کیا، پھر مبادلہ میں ذریعہ سند ۱۲۹۷ھ موضع اکلود نواب امین الدولہ بہادر نے انکو دیا، انہوں نے اپنی جاگیر اپنی حیات میں اپنے بیٹے صاحبزادہ عبدالرزاق خاں کے نام منتقل کرادی، جسکا انتقال نامہ ۲۶ مئی ۱۹۲۳ء صاحبزادہ عبدالرزاق خاں کے پاس محفوظ ہے، اُس حکم میں باپ بیٹے دونوں کو صاحبزادگی کا خطاب عطا ہونا بھی درج ہے، ۸۵ سال کی عمر پاکر ۱۹۲۹ء میں انہوں نے انتقال کیا۔ موضع چاٹھولی جاگیر انکا مدفن ہے۔ صاحبزادہ عبدالرزاق خاں باپ کی جاگیر سے متمتع ہیں۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ہمیں شاہراہ در پیش است، باید کہ بصبر و شکیبائی پرداختہ بدعائے مغفرت آں رہروان ملک بقا پردازند، ان اللہ مع الصابرین، و چوں فیما بین ایشاں صاحبزادہ غلام غوث خاں از روے رسم و سال رتبہ کلاں دارند لہذا موصی الیہ بر مختاری دیہات جاگیری پدراں ایشاں معزز و سرفراز نمودیم، باید کہ ہمہ باتفاق بودہ و باطاعت و رفاقت صاحبزادہ مذکور کہ برادر کلاں ایشان است پرداختہ بخیر خواہی سرکار چنانکہ آبا و اجداد ایشاں ہموارہ بہ اطاعت و خیر سگالی سرکار مشغول بودند و حضور را از خود راضی و خوشنود داشتند مصروف بودہ باعث مسرت خاطر باشند و آمدنی مواضعات جاگیر را چنانکہ در عہد پدراں ایشاں تقسیم می شد ہمیں نمط اکنوں نیز تقسیم نمودہ حق حقدار رسانیدہ باشند و بدولت را ہر گونہ متوجہ بحود دانستہ ہمیشہ بار سال عرائض خیریت و عقیدت خوشنودی سرور نمودہ باشند، بست و چہارم ماہ صفر ۱۲۸۴ھ ۱۲

صاحب زادہ غلام غوث خاں کی شادی حافظ قلی خاں بہادر رئیس محمد گڑھ باسودہ (واقع مالوہ) کی ہمشیرہ سے ہوئی تھی، جو لاولد فوت ہوئیں، دوسری بیوی سے ایک پسر صاحبزادہ عبدالرزاق خاں ہوئے، یہ اور انکے نوعمر صاحبزادہ عبدالقیوم خاں حیات ہیں، صاحبزادہ غلام محی الدین، عرصہ تک ریاست میں فوجی افسر رہے، انکا تقرر ذریعہ حکمنامہ مورخہ سنہ ۱۲۸۰ھ ابتدائً پرگنہ چھپڑہ کی سپاہ سالاری پر ہوا ازاں بعد سرونج تبدیل ہوئے، نیکنامی کے ساتھ ریاست کی خدمات انجام دیتے ہوئے سنہ ۱۲۹۴ھ میں رحلت کی، انکے ایک بیٹے صاحبزادہ غلام شاہ خاں تھے، اپنے باپ کی جگہ یہ بھی سپہ سالار رہے، پھر خانہ نشین رہ کر آمدنی جاگیر سے بسر کرتے رہے سنہ ۱۳۱۵ھ میں ۷۰ سال کی عمر پاکر رحلت کی انکے ایک بیٹے صاحبزادہ غلام حبیب شاہ خاں بقید حیات ہیں، اور ایک نومسلمہ عورت سے غلام مصطفی خاں نامی ایک لڑکا ہے جسے جاگیر سے کچھ سالانہ نقد وظیفہ ملتا ہے،

صاحبزادہ غلام حبیب شاہ خاں نے کئی شادیاں کیں، تیسری بیوی دختر نواب عبدالکریم خاں رئیس پٹھاری ملک مالوہ سے ایک بیٹا غلام حیات خاں نوعمر موجود ہے،

صاحبزادہ غلام حضرت خاں ابن صاحبزادہ غلام قادر خاں، یمین الدولہ نواب محمد علیخاں بہادر کے عہد میں علاقہ کے انسدادی گرداور رہے، انکی خدمات کے صلہ میں علاوہ حصہ جاگیر چاپاٹھولی کے بذریعہ سند مورخہ موضع بہیانکھیڑی جاگیر میں دیا گیا، منکسر المزاج صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے، ذیل کے پانچ بیٹے چھوڑ کر سنہ ۱۳۰۹ھ میں انتقال کیا (۱) حافظ محمد فیاض خاں (۲) تجمل حسین خاں (۳) عبدالغفار خاں (۴) محمد اسحٰق خاں (۵) سردار حسین خاں، انمیں سے عبدالغفار خاں اور سردار حسین خاں نے لاولد انتقال کیا، صاحبزادہ محمد فیاض خاں اور تجمل حسین خاں بقید حیات ہیں، اور یہ دونوں بھی صاحب اولاد ہیں صاحبزادہ محمد اسحٰق نے سنہ ۱۳۳۲ھ میں رحلت کی، ان سے دو بیٹے محمد الیاس خاں، اور محمد ایاز خاں یادگار، اور اپنے اپنے حصص جاگیر سے متمتع ہیں، صاحبزادہ غلام دستگیر خاں

ابن صاحبزادہ غلام حیدر خاں بھی آبائی فنون میں کامل تھے، فنِ طب میں بھی کامل دستگاہ تھی، ان سے غلام فرید خاں، اور عبدالوہاب خاں دو بیٹے یادگار رہے،

صاحبزادہ غلام فرید خاں فنون سپہگری میں کامل تھے، شہ زوری میں اسوقت انکے ہمعصروں میں انکا جواب نہ تھا، اُن کی شادی غلام محمد خاں جمعدار مشہور سردار افاغنہ سرونج کی بیٹی سے ہوئی، نواب یمین الدولہ محمد علیخاں بہادر، اور یہ ہمزلف تھے، انسے دو بیٹے ہوئے، صاحبزادہ عبدالرشید خاں اور صاحبزادہ عبدالوحید خاں دونوں صاحبزادے اسوقت زندہ اور حصہ جاگیر سے مستفیض ہیں، صاحبزادہ عبدالرشید خاں کا مشغلہ ہمیشہ سے کتب بینی ہے، تواریخ و سیر میں وسیع النظر ہیں، تہذیب و اخلاق کے پیکر ہیں، دنیاوی تعلقات سے کم دلچسپی ہے، اسی خیال سے شادی بھی نہیں کی اور دیہہ جاگیر میں آزادانہ زندگی بسر کر رہے ہیں، مزاج میں امیرانہ شان و شوکت کے ساتھ خودداری بھی ہے، دوسرے بھائی صاحبزادہ عبدالوحید خاں نے دو شادیاں کیں، ابتک اولاد نہیں ہوئی، کچہری کے معاملات سے واقف، نماز روزہ کے پابند ہیں،

صاحبزادہ عبدالوہاب خاں بن صاحبزادہ غلام دستگیر خاں کا ایک بیٹا محمد رفیق خاں یادگار رہا تھا، جس نے جوانی کی بہار حاصل کرنے سے قبل دنیا کو الوداع کہا،

صاحبزادہ حاجی غلام نبی خاں بن مولوی غلام جیلانی خاں بہادر سپہگری کے تمام فنون میں اکمل تھے، حرمین شریفین میں ۱۲ سال تک رہے، عابد و زاہد ہونے کے علاوہ عاشق رسول اللہ صلعم بھی تھے، ٹونک کے قیام کے زمانہ میں اکثر لوگوں نے ان سے فنون سپہگری کا اکتساب کیا، خود نواب وزیر الدولہ بہادر (جو سپہگری کے علوم کے ماہر تھے) نے بھی ان سے استفادہ کیا، اسی بنا، اور نیز انکے تقدس کے لحاظ سے بڑا اعزاز و احترام فرماتے تھے، نواب وزیر الدولہ بہادر نے اپنی مسند نشینی کے تیسرے سال بذریعہ سند مورخہ[1]

[1] عاملان حال و استقبال و چودھریان و قانون گویان پرگنہ سرونج سرکار چندیری مضافات مالوہ بدانند
(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

۱۶ ذی الحج سنہ ۱۲۵۳ھ انکو سابق مواضعات جاگیر کے بجائے سرونج پرگنہ کا ایک بڑا موضع سیمل کھیڑی عطا کیا، سنہ ۱۲۸۳ھ میں انکا انتقال ٹونک میں ہوا، ان کی نسل سے نظام بیگم اور حیات بیگم، دو بیٹیاں ہوئیں، نظام بیگم محمد سعید خاں رامپوری کو منسوب ہوئیں انکے بطن سے صاحبزادہ سعید اللہ خاں، صاحبزادہ مجید اللہ خاں، صاحبزادہ رشید اللہ خاں تین بیٹے یادگار رہے، صاحبزادہ سعید اللہ خاں کی دو بیٹیاں، ایک سلطانہ بیگم (زوجہ صاحبزادہ محمد فیاض خاں ابن صاحبزادہ غلام حضرت خاں جاگیردار چاچھولی پرگنہ سرونج) اور دوسری مبارک بیگم زوجہ ثانیہ محمد فیاض خاں موصوف، دونوں بہنیں وفات پا چکیں، سلطان بیگم کے بطن سے صاحبزادہ عبدالرحیم خاں ایک پسر، اور مبارک بیگم سے غلام احمد خاں، اور صاحبزادہ عبدالرحمن خاں دو پسر بقید حیات اور اپنے مادری حصہ جاگیر سے مستفیض ہیں، حیات بیگم نے ایک بیٹی انتظام بیگم چھوڑ کر باپ کے سامنے قضا کی، انتظام بیگم اور نظام بیگم کے نام نواب محمد علیخاں بہادر نے حکمنامہ مورخہ ۹ جمادی الثانی سنہ ۱۲۸۴ھ کے ذریعہ سے سیمل کھیڑی جاگیر منتقل کی، نظام بیگم، محمد رضا بیگ مرادآبادی کو منسوب ہوئیں، انکے بطن سے حسب ذیل چار بیٹے یادگار رہے (۱) میرزا مجتبےٰ بیگ، (۲) میرزا اصغر بیگ (۳) میرزا عطا بیگ (۴) میرزا حسن رضا بیگ، میرزا مجتبےٰ بیگ کے تین بیٹے، مرتضیٰ بیگ، رضا بیگ، موسیٰ رضا بیگ، اول الذکر دو بیٹے وفات پا چکے

چوں موضع سیمل کھیڑی پرگنہ مسطور در جاگیر صاحبزادہ غلام نبی خاں مع اولاد وابستگان شان مذکور مقرر فرمودہ شد باید کہ موضع مذکور بہ تصرف خاں مذکور واگزارند خان مذکور حاصلات دیہہ مذکور را بہ صرف خود آوردہ گذر اوقات نمایند و دقیقہ از دقائق خیرخواہی دولت خواہی فروگذاشت نسازند و رعایہ را از حسن سلوک خود راضی و شاکر دارند، و حصہ حاصلات ہر ایک رعایہ بموجب سررشتہ بحال و برقرار دارند متنفسے را آزردہ و خستہ دل نسازند و کم تردد و کم کاشت را ذمہ خود شناسند تاکید دانستہ حسب الارشاد بعمل آرند فقط بست و ہفتم ذی الحجہ سنہ ۱۲۵۳ھ قدسی ـ

آخر الذکر بقید حیات ہیں، میرزا ضیا بیگ کی دو بیٹیاں، جہاں بیگم (زوجہ مرزا فرخ بیگ سب رجسٹرار مرادآباد) دوسری جہاندا بیگم زوجہ احمد خان بیگ دونوں حیات ہیں، میرزا حسن رضا بیگ کے ایک بیٹے میرزا فرخ بیگ مذکور، میرزا عطا بیگ کے دو فرزند امیرزا اسمٰعیل بیگ و مرزا آصف بیگ دونوں زندہ، اور سب حصہ دار جاگیر سے مستفیض ہیں امیرزا اسمٰعیل بیگ آجکل سرونج ہی میں سکونت پذیر اور دیہہ جاگیر کے منتظم ہیں،

خاندان رسالدار قادر داد خان

قادر داد خاں ابن کابل داد خاں قبیلہ مٹی خیل سے تھے، ہندوستان میں ولایت کابل سے کابل داد خاں آئے، اور سنبھل ضلع مرادآباد میں سکونت اختیار کی، قادر داد خاں کئی بھائی تھے، جنکی اولاد میں اس وقت عبدالقادر خاں ریاست گوالیار میں ممبر، احمد علیخاں ریاست رامپور میں جاگیردار، اور عبدالحکیم خاں رامپور میں سول سرجن ہیں، قادر داد خاں کو ہم وطنی کی بنا پر نواب امیر الدولہ بہادر سے شرف نیاز حاصل تھا جب نواب امیر الدولہ بہادر کی الوالعزمیوں کی عام شہرت ہوئی، تو بھی اپنے بیٹے ولید داد خاں اور بھتیجے محب اللہ خاں، اور اپنے قبیلہ کے دو سو نوجوانوں کو ساتھ لیکر امیری سپاہ میں شامل ہوئے، ہمراہیوں سواروں پر ولید داد خاں کو رسالدار کیا، قادر داد خاں بڑے منچلے اور دلیر آدمی تھے، کالا کوٹ (میواڑ) کی لڑائی میں گولی کھاکر زخمی ہوئے، نواب امیر الدولہ بہادر نے انکا توجہ کے ساتھ علاج کرایا، کچھ مدت کے بعد تندرست ہوئے اور برابر وفادارانہ و جانبازانہ خدمات انجام دیتے رہے، بنائے ریاست سے قبل پرگنہ نیماہیڑہ میں ان کا انتقال ہوا، جاوود دروازہ اُن کی قبر ہے، ولید داد خاں مع اپنے رشتہ داروں، اور سواروں کے بدستور شریک جنگ رہے، تا ریاست قائم ہونے کے بعد رسالدار ولید داد خاں کو موضع نرکھیڑہ[1] سواروں کی جائداد میں ملا، ۱۲۵۳ھ میں نور محمد خاں حاکم سرونج نے

---

[1] صاحب افتخار التواریخ نے صفحہ ۷۰ کے فٹ نوٹ میں لکھا ہے کہ محب اللہ خاں لنگ مٹی خیل کو نرکھیڑہ جاگیر (بقیہ صفحہ آئندہ)

اپنے سینہ میں باغیانہ خیالات اور ارادوں کی تخم ریزی کی، اسوقت نواب وزیرالدولہ بہادر نے انکے استیصال کے لئے مختارالدولہ محمود خاں جنرل افواج ریاست کو مامور کیا۔

رسالہ دار مذکور بھی حکومت کے ایما سے شریک ہوئے نمایاں خدمات انجام دیں، جسکے صلہ میں حکمنامہ مورخہ ۲۷ ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ[لہ] کے ذریعہ موضع نرکھیڑہ سواروں کی جائداد سے نکالکر انکو جاگیر میں دیا گیا، انکے چھوٹے بھائی محب اللہ خاں میاں مسعود کے ہمراہ لاوہ کی جنگ میں شریک تھے، ۱۲۶۸ھ میں بحالت جنگ شہید ہوئے، یمین الدولہ محمد علیخاں بہادر نے ۱۹ ربیع الثانی ۱۲۸۳ھ کی سند کے ذریعہ سے انعام میں انکو مشہور باغ تانیتیا دیا اور اسکے بعد، ۲ ربیع الثانی ۱۲۸۳ھ ہاتھی اور گھوڑے کا خلعت بھی ملا، باغ وجاگیر آجتک ان کی اولاد کے قبضہ میں ہے، یہی وہ فیاضیاں اور قدردانیاں تھیں جنکے اظہار پر ماتحت سپاہ و رفقا اپنے آقاؤں کے چراغ دولت پر ہمیشہ پروانہ رہے

محب اللہ خاں بھی رسالدار تھے، لاوہ کی جنگ میں شہید ہونے کے بعد ان کے بیٹے

بقیہ صفحہ گذشتہ

ہیں ملازم تا ، یہ صحیح نہیں ہے، محب اللہ خاں لنگ امیری فوج میں ضرور شامل تھے، لیکن انکو کوئی جاگیر نہیں ملی، مصالحت کے بعد انہوں نے سنبھل میں سکونت اختیار کی انکے ایک بیٹے محمد سعید خاں تھے، جو ایک دختر چھوڑکر سنبھل میں فوت ہوئے دختری اولاد میں چودھری فقیر محمد خاں، چودھری رفیق محمد خاں سنبھل میں زمیندارانہ حیثیت سے زندگی گذار رہے ہیں اور صاحب عزت ہیں

[لہ] بنام عاملان سرونج چونکہ از دلی داد خاں رسالہ دار قوم مئی در ہنگام کورنکی و بغاوت منور خاں شرائط نمک حلالی و خیرخواہی بظہور رسید لہذا بپاس خدمت گذاری موضع نرکھیڑہ عملہ پرگنہ سرونج از پیشگاہ حضور پرنور در وجہ جائداد رسالہ دار مذکور مقررہ مفوض گردیدہ باید کہ دیہہ مذکور را بقبض و تصرف موصی الیہ واگذارند و معزالیہ حاصلات دیہہ را در صرف ذات خود آوردہ باشند و سبیل خاں مذکور آنکہ رعایہ را از حسن سلوک راضی و شاکر دارد، نشود کہ احدے از زمرہ رعایہ رنجیدہ و شکستہ خاطر گردد، و بطریقہ دین متین شرع مبین طاعات صوم و صلوٰۃ شرعیہ و تقدیم عبادات جمیع مراسم اسلامیہ قائم و ثابت بودہ مصدر حرکات معاصی حضرت الٰہی تعالےٰ و تقدس شاہانہ نشود، المرقوم بست و ہفتم ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ (مہری و صادری نواب وزیرالدولہ بہادر)

رسالہ دار ولایت اللہ خاں کو موضع پیاسی جاگیر میں ملا، کسی قصور پر جاگیر خالصہ ہو کر انکے بیٹوں کا نقد وظیفہ ہو گیا، بیٹوں کی تفصیل یہ ہے، فرحت اللہ خاں، محمد جان خان، میا نجان خاں آخر الذکر زندہ ہیں، فرحت اللہ خاں کے بیٹے عطاء اللہ خاں، اور محمد جان خاں کے بیٹے محمود خاں حیات ہیں، غدر ۱۸۵۷ء میں جبکہ عادل خاں جاگیردار گڑھی انبا پانی (علاقہ بھوپال) نے سرکاری قلعہ کو محصور کر لیا تھا، رسالہ دار ولی داد خاں نے اپنی قومی جماعت کے ساتھ اسکی مدافعت میں کافی حصہ لیا، اسکے بعد ٹونک چلے گئے، وہاں تانتیا ٹوپ مرہٹہ نے شورش مچا رکھی تھی، جسکی مدافعت میں رسالہ دار موصوف نے سرفروشانہ وفاداری دکھلائی، ران میں گولی کھا کر زخمی بھی ہوئے، خلاصہ یہ کہ نیکنامی کے ساتھ جان نثارانہ جوہر دکھلاتے ہوئے ۱۲۹۲ھ میں دنیا کو الوداع کہا،

انسے دو بیٹے یادگار رہے، حافظ عبد اللطیف خاں، حافظ عبد الحمید خاں، یہی دونوں بیٹے آبائی جاگیر کے وارث قرار پائے، حافظ عبد اللطیف خاں نے بھی اعزاز کے ساتھ زندگی گذار کر ۱۰۵ سال کی عمر پاکر ۱۹۲۴ء میں انتقال کیا، انکے دو بیٹے تھے، عبد المجید خاں، انہوں نے باپ کے سامنے لاولد رحلت کی، دوسرے بیٹے عبد العزیز خاں، انہوں نے باپ کی وفات کے ایک سال بعد ۱۹۲۵ء میں لاولد وفات پائی،

حافظ عبد الحمید خاں، بڑے بھائی سے کئی سال پہلے دنیا کو خیرباد کہہ چکے تھے، انسے عبد الوحید خاں، حافظ عبد الصمد خاں، عبد الحفیظ خاں تین بیٹے یادگار رہے، منجھلے بیٹے عبد الصمد خاں لاولد فوت ہو چکے، باقی دونوں بھائی حیات اور جاگیر پر قابض ہیں

(۸) خاندان کپتان احمد علیخاں

کپتان احمد علیخاں کے باپ کا نام عبد الرحیم خاں تھا، جو راجپوتانہ کے معزز خاندان افاغنہ سے تھے انکے دو بیٹے محمد علیخاں اور احمد علیخاں تھے، محمد علیخاں ریاست جے پور میں بڑے فوجی عہدہ دار رہے، انکو صاحبزادہ غلام محمد خاں، ابن مولوی غلام جیلانی خاں کی دختر

منسوب تھیں، جنکے بطن سے نیاز علی خاں، یعقوب علیخاں، عنایت علیخاں تین بیٹے ہوئے اول الذکر جے پور میں رسالدار، اور آخر الذکر ٹونک میں کپتان تھے،

کپتان احمد علیخاں، نواب امیر الدولہ بہادر کے ساتھ مختلف جنگوں میں شریک رہے، دولتمند و سیر چشم افسر تھے، قیام ریاست کے بعد نواب امیر الدولہ بہادر نے انکو ٹونک میں ایک عالیشان حویلی، باغ، ہاتھی، پالکی عطا فرما کر قدر دانی کا ثبوت دیا۔ نقد وظیفہ ماہانہ علاوہ تھا، لاوہ کی جنگ میں بھی قابل قدر خدمات انجام دیں، نواب یمین الدولہ محمد علیخاں بہادر نے ۹ محرم ۱۲۸۲ھ کی سند کے ذریعہ سے موضع عبد اللہ پورہ تعلقہ پرگنہ ٹونک انکو جاگیر میں دیا، دو سال کے بعد ذریعہ سند مورخہ ۸ رجب ۱۲۸۴ھ سرونج علاقہ کا کثیر الرقبہ گاؤں "مغلسرائے" سابقہ موضع کے بدل میں ملا، اور ۱۱ شوال ۱۲۸۳ھ کے حکمنامہ کے ذریعہ سے، بوے خاں والا، پھاٹک والا، تلوک چند والا باغات واقع سواد سرونج بھی انکو انعام میں دیئے گئے، اس سلسلہ سے انہوں نے سرونج کی سکونت اختیار کی،

انکے صرف ایک بیٹے کپتان حافظ باقر علیخاں یادگار رہے، جنکے نام باغات و جاگیر ریاست نے منتقل کردیے، ۱۹۱۵ء میں کپتان باقر علیخان کا انتقال ہوا، انکے بیٹے انہی کی حیات میں مفقود الخبر ہو گئے دوسرے صاحبزادہ شاکر علیخاں جوان العمر باپ کے روبرو وفات پاگئے، صرف ایک بیٹی شفیعہ بیگم (زوجہ حافظ عبد الحی خاں نبیرۂ نواب محمد قلی خاں بہادر دلیر جنگ والی ریاست محمد گڈھ باسودہ) سے دختری اولاد کا سلسلہ قائم ہوا، جنکے بطن سے سلطان جہاں بیگم (زوجہ صاحبزادہ مجد الدین خاں نبیرۂ صاحبزادہ قطب الدین خاں حیات، اور اپنے نانا کے سلسلہ سے ریاست کیطرف سے وظیفہ دار ہیں۔

کپتان صاحب مرحوم کی خدمت میں مؤلف کو شرف[۱] نیاز حاصل تھا، شان و شوکت، وقار و عظمت کے جاگیردار تھے، صوم و صلوٰۃ اور وظائف کے بھی پابند تھے، فارسی اور اردو میں شعر بھی خوب کہتے تھے، تحوی تخلص رکھتے تھے، مؤلف نے سرونج کے جاگیرداروں میں ان سے بڑھکر خوش تقریر، بارعب، خوددار اور وضعدار دوسرے کو نہیں دیکھا۔

۱۔ ایک مرتبہ کپتان صاحب نے مؤلف کی استدعا پر تہوہ کا ایک درخت کٹوا کر فارسی قطعہ کے ساتھ بھیجا، آج وہ قطعہ محفوظ نہیں ہے، شکریہ میں مؤلف نے جو قطعہ بھیجا تھا وہ یہ ہے، قطعہ فارسی - (باقی بر صفحہ آئندہ)

(۹) خاندان غلام حیدر خان رسالہ دار

بندیل کھنڈ انکا اصلی وطن تھا، فنون جنگ سے واقف،

شجاعت میں فرد، بسالت میں لاجواب، بلند قامت، قوی الجثہ انسان تھے، جس زمانہ میں ناگپور کا علاقہ نواب امیرالدولہ بہادر کا جولانگاہ تھا، یہ بھی اپنے عزیزوں کی محدود جماعت کے ساتھ امیری لشکر میں شامل ہوئے، ہمراہی سواروں نے ان کو رسالہ دار مقرر کیا، جنگی کارگذاریوں کے سلسلہ میں قابل اعتماد اور ہنرمند افسر ثابت ہوئے، انکی قسمت میں پہلے سے دولت ایمان بھی مقدر ہو چکی تھی، اسلیئے لشکر امیری میں مشرف بہ اسلام ہوکر غلام حیدر خاں نام پایا

یوں تو امیری عسکر کے تمام افسر بیشۂ شجاعت کے شیر ببر تھے، جنکے کارنامے امیرنامہ میں کہیں اجمالاً اور کہیں تفصیلاً درج ہیں، جو دوسروں کے نگاہ اور قلم کے نتیجہ ہیں، لیکن رسالدار مذکور کی نسبت خود سالار اعظم نواب امیرالدولہ بہادر کے یہ الفاظ ہیں "دلیری الیشان[1] چشم دید حضور نیست"۔ جس جنرل کے ماتحت سینکڑوں جانباز رستم و سہراب کا جواب تھے، کسی کی نسبت اوسکا اسقدر مختصر فقرہ لکھدینا اعلےٰ سرٹیفکٹ سمجھنا چاہیئے،

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کردی بہ نظر عطا چو یک شاخ شجر ؎ شد باغ دلم ز انبساطش یکسر

ز انسکہ مرا نہال کردی... امروز ؎ سرسبز کند نہال عمرت داور

[1] پروانۂ مہری نواب امیرالدولہ بہادر موسومۂ رسالہ دار غلام حیدر خاں - سعادت آثار غلام حیدر خاں بعافیت باشند نامۂ رضی الیشان بجواب شقۂ اوّل در شکایت جہانگیر خاں و عزم لاہور بملاحظہ معلےٰ گذشت۔ چونکہ دلیری الیشان چشم دید حضور نیست بنائً علیہ مایہ دولت را بدلی خوشنود و متوجہ جانب خویش دانستہ بارباب دربدولت شور کہ مثل فرزنداں شمارا شمار کردہ خواہیم داشت و آنچہ کہ تعالیٰ جل شانہ از فضل بیچوں خویش تا نے کہ بما ارزانی فرمودہ است پارۂ ازیں ستدام بمقسوم خود نسلاً بعد نسلٍ یافتہ خواہید ماند کہ سنجیت (نام پرگنہ علاقہ جاورہ (مؤلف) ازاں لفراموش خواہد رسید، لازمۂ سعادت و اطاعت آنکہ خیالِ لاہور فروساختہ بداں اندیشہ و وسواس با جمعیتِ خود حاضر ٹونک شوید کہ ہمیں راہ منزلِ مقصود الیشان است تحریر تاریخ بست و ہشتم جمادی الاول ۱۲۳۴ھ

اسکے علاوہ انکو نواب امیر الدولہ بہادر کے اضافی فرزند ہونے کا بھی شرف حاصل تھا،
اسی بنا پر نواب وزیر الدولہ بہادر انکو احکام میں "برادر عزیز" کے القاب سے یاد فرماتے رہے
سنہ ۱۲۳۲ھ ۱۸۱۷ء کی مصالحت کے زمانہ میں جب ریاست ٹونک کی بنیاد پڑی تو دوسری طرف امیری لشکر کے
سردار اعظم نواب عبد الغفور خاں بہادر نے ریاست جاورہ کی ایک جداگانہ حکومت حاصل کی، اس
سلسلہ سے رسالہ دار غلام حیدر خاں کو اپنے ہمراہ جاورہ لے گئے، اور پرگنہ سنجیت انکو جاگیر میں
دیدیا، کچھ دنوں انہوں نے جاورہ میں بسر کی، لیکن آقائے قدیم نواب امیر الدولہ بہادر کی قدردانی
اور رغبت افزائی کی یاد نے انکو بےچین کیا، اور نقل سکونت پر آمادہ ہوکر لاہور جانیکا ارادہ کیا، اس
ارادہ کی اطلاع بھی ایک عرضی کے ذریعہ سے نواب امیر الدولہ بہادر کو دی جسکے جواب میں
۲۶ جمادی الاول سنہ ۱۲۳۴ھ کا فرمان انکی طلبی میں پہنچا، اور یہ ٹونک آگئے، حاضری پر ذی الحج
سنہ ۱۲۳۵ھ میں مع جملہ ہمراہیوں کے نقد وظیفہ اور روزانہ جنسی مقرر ہوگئی، ایک ہاتھی بھی دربار
امیری سے انکو ملا جسکے مصارف کے لئے موضع نرانہ علاقہ ٹونک دیا گیا، اور ایک عالیشان
حویلی بھی پرانے ٹونک میں سکونت کے لئے انکو دی گئی، جسے اب انکے پوتوں نے فروخت
کردیا ہے، سنہ ۱۲۵۶ھ میں مخالفین کے بہکانے سے صاحبزادہ عبد الکریم خاں (برادر خورد
نواب وزیر الدولہ بہادر) نے پرگنہ چھبڑہ گوگور پر قبضہ کرنیکے ارادہ سے پیشقدمی کی، موافقین
کی کافی جمعیت ہمراہ تھی، گو مختار الدولہ محمود خاں انکی مدافعت کے لئے دربار وزیری سے مامور
ہوئے، لیکن بھائی کی بغاوت کی وجہ سے موقع نازک تھا، اسلئے اس مہم پر بذریعہ حکمنامہ[1]
بلا تاریخ یہ بھی مقرر کئے گئے مضمون فرمان کے دیکھنے سے یہ بھی واضح ہے کہ جس اعتماد کی نگاہ

---

[1] حکمنامہ کی پیشانی پر یہ عبارت درج ہے (بحکم تعالے ولعونہ اعلےٰ حکم است) برادر غلام حیدر خاں سلام مسنون
راہ بد اندیشی ارکان ریاست خرابی پیدا کردہ کسے دلسوز دریں موقع نظر نمی آید بنابراں تشخیص کردایم
تبہا بمجرد معائنہ حکم ہذا بدون عذر خود را بہ پرگنہ چھبڑہ گوگور یک شبانہ روز برسانند خدانخواستہ کہ پرگنہ مذکور در
تسلط نکک حرام رود، ہمچناں حالیکہ جاں سپار ماندہ از عزاداد ہمراہیان کوتاہی نساختہ و پسند اردہ

سے نواب امیر الدولہ بہادر انکو دیکھتے تھے، اسی نظر سے نواب وزیر الدولہ بہادر نے بھی انکو دیکھا، غرض رسالہ دار موصوف بھی اپنی جماعت خاص کو ہمراہ لئے ہوئے چھبڑہ پہنچے قلعہ سے باہر مخالفین سے مقابلہ ہوا، وزیری اقبال نے یاوری کی، جس سے رسالہ دار کامیاب ہوئے، محاربہ میں انکے قریبی رشتہ دار نرپت سنگھ کام آئے، دیگر افسروں میں احمد علیخاں اور محب اللہ شاہ رسالہ داران افواج وزیری مارے گئے، خیر خواہی وجاں نثاری کے صلہ میں ظاہری وواجب الرعی مہری نواب امیر الدولہ بہادر پر نواب وزیر الدولہ بہادر نے اظہار خوشنودی فرماتے ہوئے چھبڑہ اور گوگور کے قلعوں کی قلعداری کا عہدہ بھی رسالہ دار موصوف کو دیا اور مزید انعام عطا کئے جانے کا بھی وعدہ فرمایا، چونکہ نرپت سنگھ اس لڑائی میں کام آچکے تھے، اسلئے انہوں نے سرکاری اجازت حاصل کرنے کے بعد نرپت سنگھ کے بیٹے کو اپنا نائب مقرر کرکے قلعہ داری اسکے حوالے کردی، جسکی اولاد میں اب تک قلعہ داری کا سلسلہ گوگور میں قائم ہے،

اسکے بعد اکثر پرگنات پر رسالہ دار موصوف عامل بھی رہے، سرونج میں انکا انتقال ہوا،

وبندیلہ وغیرہ جمع کثیر را بواسطہ مقابلہ بر اطمینان ملازمت وداد ودہش بہ نہجیکہ توانند رفیق سازند کہ جمعیت مخالفین یک و نیم ہزار مسموع میشود، بہر نوع شمارا اختیار بر ہر امور دادہ شد، ہمیں موقع نمک حلالی و جانثاری است، تا حیات ایں عاصی الہی محمد وزیر خاں فراموش نخواہد گردید ودر صورت تعویق وانکشاف حال روانگی خلش در راہ خواہند یافت، سپردم بخدائے ہادی ومنصور والسلام (جائے دستخط نواب وزیر الدولہ بہادر)

ستر بحکم تعالیٰ وتقدس، بموجب فرمودۂ حضور غفر اللہ تعالیٰ (مراد نواب امیر الدولہ) برادر غلام حیدر خاں، ازیں رباط خداداد مدام لیثت بہ پشت یافتہ خواہد ماندہ چوں بعنایتہ تعالیٰ عہدہ قلعہ داری چھبڑہ وگوگور بہ تقرری یک روپیہ سالانہ بر دیہات پرگنہ چھبڑہ مع حقوق قدیمہ آں دایما بنام برادر مسطور فرمودم وہم آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ بیشتر خواہم فرمود اکنوں کہ موصی الیہ حفاظت ونگرانی دار الاسلام ٹونک ومیلہ تقصید مذکور از قطاع الطریقان در غیبت خانصاحب محمود خاں بکمال کوشش سعی انصرام داد ازیں باعث بہ دستوری خاں مذکور بسیار خوشنود ہستیم، وازیں رو دہ جمعی حضور برائندہ منصور رشد، فقط

سرکاری کوٹ کے جنوبی دروازہ کے باہر زیر دیوار کوٹ ایک احاطہ کے اندر انکی قبر ہے ،
انہوں نے حسب ذیل پانچ بیٹے یادگار چھوڑے ، (۱) محمد دستگیر خاں (۲) عثمان خاں (۳)
عبداللہ خاں (۴) غازی الدین حیدر خاں (۵) بشیر محمد خاں ، عثمان خاں اور بشیر محمد خاں
لا ولد فوت ہوئے ، عبداللہ خاں کے دو بیٹے ، عبدالرزاق خاں اور عبدالمجید خاں ، یہ
دونوں بھی لا ولد گئے ، دو بیٹیاں بھی تھیں ایک زوجۂ اولیٰ احمد سعید خاں ابن محمد دستگیر خاں
اور دوسری زوجہ بخشی امیر محمد خاں ساکن نیما ہیڑہ ، غازی الدین خاں کے ایک پسر فتح جنگ
خاں ، انکی اولاد موضع نرپانہ پرگنہ ٹونک میں موجود ہے ،

محمد دستگیر خاں سب میں بڑے تھے ، اسلئے باپ کی جگہ رسالہ دار ہوئے پھر پرگنات میں
عامل بھی رہے ، پرگنہ نیما ہیڑہ میں ، ۲ سال حکومت کی ، اگرچہ ذی علم نہ تھے لیکن قوت انتظامیہ
خداداد تھی ، باپ کی طرح ریاست کے یہ بھی خیر خواہ رہے ، ریاست نے بھی قدر افزائی میں کمی نہیں کی ،
نواب یمین الدولہ محمد علیخاں بہادر نے اپنے عہد ریاست میں انکی اور ان کے باپ کی
وفادارانہ خدمات کا لحاظ کرتے ہوئے ذریعہ سند ۱۱ شوال ۱۲۸۳ھ ذیل کے چار مواضعات پانچ
گھوڑوں کی چاکری کے اظہار کے ساتھ انکو جاگیر میں دیئے (۱) محمد پور سنوتی (۲) اسلامپور سوری)
(۳) احمد پور کوڑکا (۴) رؤسایا ردسیا ، اور یہ وہ دیہات ہیں جنکو رسالہ دار محمد دستگیر خاں نے
سرونج کے عہد نظامت میں آباد کیا تھا ، اور آبادی کے معاوضہ میں بطور حق زمینداری ذریعہ سند
۱۲۵۴ھ دو سو پچاس بیگہ اراضی معافی بھی مل چکی تھی ، اس سلسلہ سے رسالہ دار موصوف نے
سرونج کی سکونت اختیار کی ،

رسالہ دار موصوف نے حسب ذیل چار بیٹے چھوڑ کر ۱۳۱۱ھ ۱۸۹۴ء میں رحلت کی (۱) عبدالستار
خاں (۲) احمد سعید خاں (۳) محمد سعید خاں (۴) عبدالجبار خاں ، ریاست نے اپنے اصول قدامت
نوازی کے مطابق ذریعہ حکمنامہ مورخہ ۱۰ جولائی ۱۸۹۵ء چاروں کے نام ذیل کے چاروں دیہات
جاگیر میں منتقل کئے ، عبدالستار خاں کو موضع ردسا ، احمد سعید خاں کو موضع سنوتی ، محمد سعید خاں

کو موضع کوٹڑ کا، مولوی عبدالجبار خاں کو موضع منسوری، عبدالستار خاں نے سنہ ۱۹۰۵ء میں بمقام حیدرآباد دکن انتقال کیا، چار بیٹے یادگار رہے، عبدالصمد خاں، محمد ایوب خاں، محمد الیاس خاں، احمد مختار خاں، عبدالصمد خاں کے دو بیٹے صدیق احمد خاں، اور شفیق احمد خاں بقید حیات اور اپنے چہارم حصۂ جاگیر سے گذر کر رہے ہیں، محمد الیاس خاں اور احمد مختار خاں لاولد فوت ہوئے محمد ایوب خاں زندہ اور اپنے حصۂ جاگیر پر قابض ہیں۔

احمد سعید خاں ابن رسالدار محمد دستگیر خاں عرصہ تک ریاست کے محکمہ سائر میں منصرم رہے، سنہ ۱۹۲۰ء میں ذیل کے سات بیٹے چھوڑ کر وفات پائی، پہلی بیوی سے عبدالرشید خاں، احمد عزیز خاں عبدالحمید خاں، عبدالعزیز خاں، دوسری بیوی سے احمد دستگیر خاں، محمد توصیف خاں، عنایت علیم خاں، علاوہ احمد عزیز خاں کے (جنہوں نے سنہ ۱۳۴۴ھ میں لاولد رحلت کی) باقی سب بھائی حیات اور جاگیر سے مستفیض ہیں، محمد سعید خاں اور مولوی عبدالجبار خاں دونوں بھائی حیات اور اپنی اپنی جاگیر پر قابض ہیں۔

(۱۰) خاندان راجہ مان سنگھ جاگیردار دہری

راجہ مان سنگھ دہلی کے باشندہ قوم برہمن سے تھے، نواب امیر الدولہ نے انکو اندور میں اپنے پاس ملازم رکھکر ہرکاروں میں بھرتی کیا، افواج کی نقل وحرکت کی خبریں لانے اور پہنچانے میں بڑے مشاق تھے، عمدہ خدمات کے صلہ میں نواب امیر الدولہ بہادر نے سنہ ۱۲۲۷ھ[۱] میں انکو ہرکاروں کا جمعدار مقرر کرکے راجہ کا معزز خطاب بھی دیا، اور نشان ونقارہ بھی عطا کیا، سنہ ۱۲۴۲ھ[۲] میں انکو مواضعات دہری اور بیر کھیڑی ۹ سواروں کی چاکری کے شرائط کے ساتھ جاگیر میں دیے گئے، راجہ صاحب نے سنہ ۱۲۶۶ھ میں انتقال کیا، چونکہ نرینہ اولاد انکی کوئی نہ تھی، اسلئے ریاست نے انکے نواسہ کلیان سنگھ کے نام جاگیر کا انتقال منظور کیا، اور خطاب ونقارہ بھی بدستور بحال رکھا، سنہ ۱۲۸۴ھ میں نواب وزیر الدولہ محمد علیخاں بہادر نے ان کو موضع ملوتی گھوڑوں کی چاکری میں مزید عنایت کیا،

---

[۱] امیرنامہ مترجمہ سید احمد سعید صاحب ٹونکی صفحہ ۳۰۵، ۲۷۵، ۲، اصلی اسناد مؤلف کی نظر سے گذری ہیں جو خاندان میں محفوظ ہیں ۱۲

مؤلف نے دیکھا ہے کہ عیدین کی سواری میں راجہ صاحب کا نشان ونقارہ گھوڑوں کی سواری پر سب سے آگے رہتا ہے، راجہ کلیان سنگھ جی نے ۸۰ برس کی عمر پاکر ۱۹۱۵ء میں اپنی کوچ کا بھی نقارہ بجایا، دو بیٹے یادگار رہے، پہلی بیوی سے راجہ لچھمن سنگھ، دوسری بیوی سے چھوٹے سنگھ، آخر الذکر بیٹا جوانی کی بہار دیکھنے سے قبل ۱۹۲۲ء میں فوت ہوگیا راجہ لچھمن سنگھ حیات، اور دھری اور ہیرکھیڑی مواضعات جاگیر پر متصرف ہیں، موضع تلوتی گھوڑوں کی چاکری معاف ہونے سے خالصہ ہوگیا،

(۱۱) خاندان مرزا میتا بیگ کیانی

اس زمانہ میں اس خاندان کی یادگار تین حقیقی بھائی ہیں، میرزا الیٰسین بیگ، میرزا عبدالصمد بیگ، میرزا سراج بیگ، جنکا سلسلہ نسب یہ ہے، میرزا الیٰسین بیگ ابن میرزا سکندر بیگ ...... ابن میرزا میتا بیگ ابن میرزا غفور بیگ ابن میرزا لالہ زار بیگ مخاطب بہ خوشحال بیگ خاں، میرزا بابر کیانی اور خوشحال بیگ خاں باہم چچازاد بھائی تھے، ناصر الدین محمد شاہ کے عہد میں یا اس سے قبل بابر کیانی ایران سے ہندوستان آئے اور شاہی ملازموں میں داخل ہوئے، انہی کے توسل سے لالہ زار بیگ بھی ہندوستان کے شاہی دربار میں پہنچکر خوشحال بیگ خاں کے خطاب سے ممتاز ہوئے،

میرزا بابر کیانی شاہی حکم سے قطاع الطریق گروہ کے انسداد کے لئے مالوہ کی طرف آئے، سرونج کی آب وہوا نے انکو ہمیشہ کیلئے یہیں رکھا، نواب امیر الدولہ بہادر نے والی ریاست کی حیثیت سے جس زمانہ میں ٹونک کی مسند کو رونق دی ہے، اسوقت سرونج میں میرزا صفدر بیگ بن صالح بیگ بن میرزا ہما بیگ بن میرزا شیر بیگ بن میرزا بابر کیانی موجود تھے، اور دہلی میں میرزا لالہ زار بیگ کی اولاد سے میرزا میتا بیگ اور محمد علی بیگ حقیقی بھائی بقید حیات تھے، میرزا صفدر بیگ کی دو لڑکیاں تھیں، ان دونوں کی شادیوں کے سلسلہ میں صفدر بیگ نے امیر الدولہ بہادر سے درخواست کی کہ میتا بیگ ومحمد علی بیگ کو اگر

دہلی سے سرونج پہنچا دیا جائے تو اُنکو خانہ داماد رکھکر اپنی املاک اُنہی کے نام منتقل کر دوں، درخواست منظور ہوئی اور دونوں بھائی سرونج پہنچے جنکی شادیونکی رسمیں بھی ادا ہوگئیں، میرزا مسیتا بیگ کو نواب امیرالدولہ بہادر نے چارسو سواروں پر افسر مقرر کیا اُنکا کام یہ تھا کہ متمرد و سرکش زمینداروں سے محاصل ریاست بجبر اور فوجی دباؤ سے وصول کرتے، چنانچہ زمینداران دیپا نکھیڑہ اور اُ ناریسی کلاں سے اس سلسلہ میں جو معرکے ہوئے ہیں اُس نے رئیس کی نگاہوں میں انکی عزت اور بھی بڑھا دی، اخیر عمر میں ریاست سے انکا وظیفہ ۶۰ روپیہ ماہوار کا مقرر ہوگیا، جو انکی زندگی تک برابر جاری رہا، انکے ایک بیٹے میرزا سکندر بیگ تھے جو برسوں سرونج کے کوتوال اور پھر محکمہ غلہ کے مہتمم رہکر اخیر عمر میں خانہ نشین ہوگئے، انکو مؤلف نے بھی دیکھا ہے، رفتار، گفتار، لباس اور وضعداری میں اسلاف کے نمونہ تھے ۱۹۱۱ء میں انہوں نے دنیا کو الوداع کہا، متذکرہ صدر تین بیٹوں کے علاوہ ایک منجھلے بیٹے میرزا اسد اللہ بیگ بھی تھے جنکا انتقال ہوچکا ہے، میرزا مرتضیٰ بیگ اُنکا ایک نو عمر لڑکا بقید حیات ہے، میرزا الیٰسین بیگ مدتوں تھانہ دار رہے اب خانہ نشین ہیں، قوی الحافظہ مورخ ہیں، مؤلف کو زبانی روایتوں میں انسے بہت کچھ امداد ملی ہے،

میرزا صفدر بیگ فیل نشین اور صاحب جائداد تھے جس مکان میں اس خاندان کی سکونت ہے وہ انہی کا ہے پانچ فیل خانے پختہ بھی تھے، جنکو منہدمہ حالت میں مؤلف نے بھی دیکھا ہے،

میرزا مسیتا بیگ کی ایک حقیقی ہمشیرہ اجمیری خانم مختار الدولہ محمود خاں بہادر جنرل افواج ریاست کو منسوب تھیں، جنکے بطن سے محمد علیخاں، انکے بیٹے کپتان سعادت علیخاں، انکے بیٹے عبد العلی خاں اور امجد علیخاں ہوئے، امجد علیخاں وفات پا چکے، عبد العلی خاں ٹونک میں بقید حیات ہیں،

میرزا الیٰسین بیگ جد امجد لالہ زار بیگ کے دو حقیقی بھائی میرزا ہزارہ بیگ، اور میرزا سلیمان بیگ بھی تھے، میرزا ہزارہ بیگ کی اولاد جاورہ میں ہے، انکی ایک دختر سراج الدین بہادر شاہ آخری تاجدار دہلی کو، دوسری دختر، نواب عبد الغفور خاں والیِ جاورہ کو، تیسری اخوند محمد ایاز خاں خسر نواب امیرالدولہ بہادر کو منسوب تھیں،

تمت بالخیر

ضمیمہ

مؤلف کی سرگذشت

ہے مجھکو نہ اپنی خوش بیانی سے غرض	اسلاف کی ہے نہ مدح خوانی سے غرض
یاروں کے لئے سبق ہو یا وجہ قلق	ہے اپنی گذشتہ عمر کی کہانی سے غرض

تمہید موجودہ زمانہ میں تصنیفات و تالیفات کی کمی نہیں ہے جو کچھ بھی کمی ہے وہ اس بات کی ہے کہ مصنفین و مؤلفین کے نام یا تخلص یا دوسرے مشہور خطابات یا عرفیت کے سوا اُنکے تصانیف و تالیفات سے اسکا پتہ نہیں چلتا کہ اُنکو کس خاندان سے نسبت ہے کہاں کی پیدائش ہے کس حدتک اور کہاں تعلیم پائی ہے، اساتذہ علوم کون کون بزرگ ہیں، زندگی کا کیا مشغلہ رہا، کس علم و فن سے اُنکو خاص دلچسپی رہی، قوم ملک اور ملت کی کیا کیا خدمات انجام دیں، سلسلہ ملازمت کس صیغہ میں اور کہاں کہاں رہا، تجارت کی تو کس قسم کی صنعت و حرفت میں کیا کمال پیدا کیا، زندگی میں مشہور واقعات کیا کیا پیش آئے، یہ چند ایسی ضروری باتیں ہیں کہ جنکی تکمیل سے اہل قلم کے سوانحعمری کا باب خود اُنہی کی تصنیفات و تالیفات سے قارئین کرام کو نظر آسکتا ہے، اور اگر آئندہ کسی صاحب کو کسی اہلِ علم و قلم کے سوانح حیات لکھنے مقصود ہوں تو خود صاحب کتاب کا قلمی مسودہ بہت زیادہ امداد و رہبری کا باعث ہو سکتا ہے،

آج اگر ہم چند معروف ترہستیوں کے سوا (جنکے حالات منظر عام پر آچکے ہیں) باقی عام مؤلفین و مصنفین کے حالات اُن کے تصانیف کو دیکھکر معلوم کرنا چاہیں تو معلوم نہیں کر سکتے، اس کمی نے بڑے بڑے اہلِ علم و کمال کی قابلیت پر پردہ ڈال رکھا ہے، موجودہ دور سے قبل اکثر ایسی مایۂ ناز ہستیاں خاک میں مل چکی ہیں جنہوں نے نام و نمود کو عیب سمجھکر گمنامی کو ترجیح دی، جس سے اُنکے علم و فضل کے مطالع اسقدر غبار آلود ہو گئے ہیں کہ مؤلفین و مورخین کے نگار آفرین قلم بھی اُن کی صحیح و اصلی تصویر کھینچنے سے مجبور رہیں،

نہو کسطرح توصیف دہن ہیں دم بخود شاعر ہا جگہ کچھ بھی اگر پاتے تو کرتے گفتگو برسوں (امیر مینائی)

عرض مطلب

اس تمہیدی مضمون سے یہ ہرگز مقصود نہیں ہے کہ آثار مالوہ کا مؤلف بھی اپنی ذات کو علمی بام شہرت پر لانا چاہتا ہے، اگر وہ ایسا خیال بھی کرے تو اُسکے اعمالنامے، بے علمی کے افسانے اسقدر اوس کی بلند پروازی کے کب ضمانت دار ہو سکتے ہیں، اپنی سرگذشت کا عنوان قائم کرنے سے صرف اسقدر مقصود ہے کہ جب یہ تاریخی کتاب ناظرین کی نگاہوں سے گذرے اسوقت اگر اُنکو مؤلف کے حالات معلوم کرنیکی ضرورت ہو تو بجائے اسکے کہ وہ غیروں سے دریافت کرنے کی تکلیف گوارہ کریں خود اس ضمیمہ کو دیکھکر معلوم کر سکتے ہیں ورنہ بقول غالب مرحوم

میں کون، اور ریختہ، ہاں اس سے مدّعا جُز انبساط خاطرِ حضرت نہیں مجھے

میں آج اگر اس کتاب کے لکھنے اور اشاعت کرنیکے قابل ہو سکا ہوں تو یہ محض پروردگار عالم کی اعانت آمیز مہربانی۔ ، اور ذی علم دوستوں کی صحبتوں کا اثر ہے

جمالِ ہمنشیں درمن اثر کرد وگرنہ من ہما خاکم کہ ہستم (سعدی)

مؤلف کا سلسلۂ نسب

مؤلف، حضرت امام حسن علیہ السلام کی اولاد میں ہونے سے سید حسنی ہے، محمدی المشرب ہونے کے ساتھ ہی فقہی احکام میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا پیرو، اور آثار صحابہؓ کا مقلد ہے، حسب ذیل ۹ واسطوں سے مؤلف کا سلسلہ علامہ سید ہدایت اللہ خاں[1] بہادر فیروز جنگ، صدر الصدور اور وزیر او قاف شاہجہانی سے ملتا ہے،

احمد مرتضی[1] ابن احمد مجتبیٰ[2] ابن احمد مرتضیٰ[3] ابن محمد سلیم[4] بن محمد امین[5] بن محمد تقی[6] بن محمد شامل[7]

لہ عہدِ جہانگیری میں فدائی خاں خطاب تھا، بنگال میں صوبہ دار بھی رہے (تزک جہانگیری) شاہجہاں کے عہد میں صدر الصدور اور وزیر اوقاف بھی ہوئے، خاں بہادر فیروز جنگ کا خطاب ملا ۱۰۶۸ھ میں شاہجہاں اور عالمگیر کی مصالحت میں آپ نے بھی کوشش کی (تاریخ ہندوستان مؤلفہ مولوی ذکاء اللہ، اور سفرنامہ ڈاکٹر برنیر) ۱۲

بن قاضی امین اللہ[ش] بن علامہ ہدایت اللہ[۹]، آگے چلکر ذیل کے ۲۴ واسطوں سے مجاہد اعظم امیر کبیر سید[۱] قطب الدین احمد مدنی سے اسطرح سلسلہ ملتا ہے، علامہ ہدایت اللہ[۹] بن محمد اسحٰق[۱۰] بن محمد معظم[۱۱] بن قاضی سید احمد[۱۲] بن قاضی سید محمود[۱۳][۱] بن علاء الدین[۱۴] بن قطب الدین[۱۵] ثانی بن صدر الدین[۱۶] ثانی بن رکن الدین[۱۷] ثانی بن احمد[۱۸] بن علمی[۱۹] بن قیام الدین[۲۰] بن صدر الدین[۲۱] اول بن رکن الدین[۲۲] اوّل بن نظام الدین[۲۳] بن امیر کبیر سید قطب الدین[۲۴] مدنی۔

اس سے آگے ۱۴ واسطوں سے حضرت امام حسن علیہ السلام سے اسطرح سلسلہ پہنچتا ہے، امیر کبیر سید قطب الدین[۲۴] بن علامہ رشید الدین[۲۵] مدنی بن یوسف[۲۶] بن عیسیٰ[۲۷] بن حسن[۲۸] المکنیٰ ثانی الحسن بن جعفر[۲۹] بن قاسم[۳۰] بن عبد الرحمٰن[۳۱] بن حسن[۳۲] الانوار بن سید محمد[۳۳] ثانی بن عبد اللہ[۳۴] بن حسن النفس[۳۵] الزکیہ بن عبد اللہ[۳۶] محض بن سید حسن[۳۷] مثنیٰ بن سیدنا امام حسن[۳۸] علیہ السلام۔

مؤلف کا سال ولادت

جمادی الاولے ۱۲۹۶ھ مؤلف کا سال ولادت ہے، مولد ٹونک۔ اور وطن قصبہ نصیر آباد ضلع رائے بریلی ملک اودھ ہے

ٹونک میں پیدائش کا سبب، خاندانی اسلاف کے تعلقات ملازمت ہیں، عمر کا پانچواں سال شروع تھا کہ والدہ نے ٹونک میں انتقال کیا، اور موتی باغ میں دفن ہوئیں، گو بچپن کی غیر متفکرانہ زندگی نے اسوقت درد فراق کا احساس نہ ہونے دیا، تاہم مادری محبتوں کی لذات سے عمر بھر کیلئے محروم

[۱] قاضی سید محمود سلطان الشرق جونپور کی طرف سے ۸۴۹ھ میں نصیر آباد کے دار القضا پر مامور ہو کر آئے ۸۸۶ھ میں وفات پائی، ع یافت محمود مقام محمود، تاریخ وصال ہے۔ آپ کی اولاد کا سلسلہ، نصیر آباد، قافلہ (ٹونک) تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں موجود ہے۔

[۲] آپ حضرت غوث الاعظم کے قریبی رشتہ دار تھے، حسب بشارت نبوی صلعم مدینہ طیبہ سے سلطان غزنی کی امداد کیلئے نکلے وہاں سے بعزم جہاد ہندوستان آئے، قطب الدین ایبک کا زمانہ تھا، راجگان بنارس، کڑہ، منسوہ، قنوج وغیرہ سے جہاد کیا، تبلیغ و اشاعت اسلام کی، آخر عمر میں کڑہ میں سکونت اختیار کی، وہیں رحلت بھی کی، شاہ مجذوب گنگ کے حظیرہ میں آپ کا مزار ہے، سنہ وصال ۶۳۸ھ ہے ۱۲۔

ہوتا ناگزیر ہوا، یہ وہ حسرتیں ہیں جنکی یاد سے دل تڑپ جاتا ہے، تصورات ارمانوں کی صورت میں متشکل ہوکر سامنے آتے ہیں۔ ۳۰ سال کی عمر میں مؤلف کو اپنی والدہ کی تاریخ وفات لکھنے کا خیال ہوا، اور خیال آتے ہی اشعار بھی موزوں کئے، مادہ بھی استخراج کیا، جو حسب ذیل ہیں، ان اشعار سے مؤلف کے سنہ ولادت کا بھی سراغ چلتا ہے۔

سنہ یکہزار و دو صد و شش بود بر نود   کامد نشان من بجہاں چوں ہلال عید

آغوش مادرم پئے من مہدِ عیش بود   شام و سحر عنایت و شفقت بر آں مزید

قربانِ آں زمانہ کہ جز ذوقِ شیر بود   فکر شب برات و نہ احساس روز عید

چوں در رسید منزلِ عمرم بسال پنج   ہیہات مادرم مئے جام اجل چشید

گو شاق بود ہجر اعزا و اقربا   مرگش مگر بہ ٹونک و خاکِ وطن کشید

در سالِ سی رسید چو عمرم بباغ دل   ناگہ ہوائے فکر سنہ رحلتش وزید

اندیشہ مند دید چو ہاتف مرا نظم   سالِ وفات گفت، بہ بیت خدا رسید

۱۲۹۸ھ

تعلیم و تربیت

والدہ کے ارتحال کے بعد مؤلف اپنے والد کے ہمراہ وطن پہنچا، سات آٹھ سال تک کا زمانہ کھیل کود اور کھیل ہی میں گذرا، اسکے بعد کلام مجید پڑھنا شروع کیا جو دو سال کے اندر ختم ہوگیا، اس زمانہ میں بوریا نشین استادوں کے جگہ جگہ خانگی مکاتب کھلے ہوئے تھے، مؤلف بھی اپنے خاندان کے استاد مولوی سید شمس الدین مرحوم کے مکتب میں داخل ہوا، انشا کی چند کتابیں، اسکے بعد گلستاں و بوستاں کی بھی کچھ حکایات پڑھیں املا نویسی کی بھی مشق جاری رہی، چودھواں سال قریب الاختتام تھا کہ ۱۳۰۹ھ میں اپنے رشتہ کے چچا مولوی سید عبد المعبود مرحوم کے ہمراہ بنارس گیا، خلد مکان نواب یمین الدولہ محمد علیخاں بہادر معزول رئیس ٹونک اسوقت حیات تھے، جنکا بنا کردہ مدرسہ عربی و فارسی علمی فیض رسانی میں مشہور عام تھا، مؤلف کا نام بھی طلبائے علم کی فہرست میں درج ہوگیا،

مدرسہ کے صدر مدرس اسوقت مدقق العلما مولوی نور الحق صاحب[1] تھے جن سے مؤلف

---

[1] مولوی خیر الدین شبیر کوٹی، اہل سرونج کے بیٹے تھے عربی فقہ اور فارسی میں انکا جواب نہ تھا اکثر علوم (بقیہ صفحہ آئندہ)

نے قصائد عرفی، پنج رقعہ، مینا بازار، فارسی میں، اور عربی میں ابتدائی صرف و نحو، منطق، فقہ کی کتابیں پڑھیں، غرض یہ مؤلف کا عقیدہ ہے کہ صرف حضرت استاد مرحوم ہی کی ایک سالہ فیضِ تعلیم کا نتیجہ ہے کہ مؤلف لکھنے پڑھنے کے قابل ہو سکا، شعر و سخن کا شوق بھی اُسی علمی و ادبی دربار کے آثار و برکات سے ہے، چودھویں سال کے اختتام پر سب سے پہلا کلام موزوں (جو مؤلف کے دماغ و قلم سے نکلا) وہ ایک فارسی کا نعتیہ قصیدہ تھا، جسکا ایک شعر بطور نمونہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے،

لولاک شد در شانِ تو واللیل در گیسوئے تو شمس الضحیٰ در روئے تو اے باعثِ ارض و سما

مولانا مرحوم نے قصیدہ سنکر دعائے خیر و برکت فرماتے ہوئے مؤلف کا حوصلہ بڑھایا، اُسی زمانے میں مؤلف نے ایک طرحی مصرع پر غزل بھی لکھی جسکا ایک یہ شعر یاد ہے۔

بنارس کی گلی ایسی مجھے معلوم ہوتی ہے کہ مرغانِ چمن کو جس طرح سے قید بھاری ہے

امتحان کے سلسلہ میں چند بار نواب یمین الدولہ بہادر کے دربار میں حاضر ہونیکا بھی موقع ملا، ایک مرتبہ انعام میں چند کتابیں، دوسری مرتبہ ایک مندیل زرین حاصل کیں، علمی مجالس کی جدائی، کسکو منظور تھی، لیکن کچھ ایسے اسباب ناگزیر پیدا ہوئے کہ ڈیڑھ سال بعد مؤلف کو اپنا ابتدائی درس ناتمام چھوڑکر وطن واپس آنا پڑا، اور یہ واپسی تکمیل علوم سے دست برداری کا نتیجہ ثابت ہوئی، چند مہینے وطن میں کتب بینی کا مشغلہ رہا تھا کہ ایک دوسرے سفر کے لئے مؤلف کو پھر تیار ہونا پڑا، ۱۳۱۱ھ (۱۸۹۴ء) کے اخیر میں مؤلف اپنی ہمشیرہ کے ساتھ سرونج آیا جہاں چند رشتہ دار، اور مؤلف کے بہنوئی ملازمت کے سلسلہ سے مقیم تھے اُسوقت سرونج کی عنانِ حکومت افضل الامرا منتظم الملک صاحبزادہ عبدالرحیم خاں بہادر مظفر جنگ[1] کے ہاتھ میں تھی،

(بقیہ صفحہ گذشتہ) میں ماہر تھے، شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی نواب محمد علیخاں نے مدقق العلما، کا آپکو خطاب دیا، اونکی وفات پر ٹونک آئے اور عدالت شریعت میں مفتی کا عہدہ ملا، لنکے ایک بیٹے منشی بدرالدین صاحب وکیل ٹونک میں موجود ہیں، ۱۲

[1] موجودہ رئیس اعظم نواب امین الدولہ کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے، بعد میں کونسل صیغہ ہوم ڈپارٹمنٹ کے (بقیہ صفحہ آئندہ)

کتب بینی اور اصحاب علم سے استفادہ

سروج کی آبادی مؤلف کیلئے ایک نئی دنیا تھی، آبادی کے باہر جس طرف نظر اٹھتی، پہاڑ اور جھاڑیوں کا ایک غیر متناہی سلسلہ دکھائی دیتا، جسے آنکھوں نے پہلے نہ دیکھا تھا، وحشت نے سیر و تفریح سے بھی معذور رکھا، مجبوراً کتب بینی کا مشغلہ اختیار کرنا پڑا، سید احمد مجتبےٰ جائسی، منشی واحد علی زار ملکانوی اور دیگر ارباب علم ہم جلیس تھے، مباحث علمی سے معلومات میں زیادہ وسعت ہوتی رہی، خوب یاد ہے کہ زار صاحب ملکانوی نے (جو اردو کے اچھے شاعر ہیں اور فارسی میں بھی جنکو اچھی استعداد ہے) ایک روز عباس اعظم شاہ ایران کا قطعہ، اور اسکے جواب میں اکبر اعظم کی طرف سے جو قطعہ لکھا گیا تھا پڑھکر سنائے، جسکا مصرع یہ ہے ع عباس[1] بہ ذوالفقار حیدر نازد،

مؤلف نے بھی اسی ردیف و قافیہ کو زیر نظر رکھکر قطعہ موزوں کیا جو یہ ہے۔

عاشق بشب وصال دلبر نازد — حاجی بحصول حج اکبر نازد

نافہ بشمیم مشک اذفر نازد — احمد بہ احد نظر بہ سرور نازد

کسی مہربان نے ان اشعار کو منشی نیاز علیخاں کے ملاحظہ تک پہنچا دیا (جو فارسی کے مسلم الثبوت استاد، فن شاعری ہیں کامل، اور اسوقت صاحبزادہ عبدالسمیع خاں ابن صاحبزادہ عبدالرحیم خانصاحب بہادر مظفر جنگ کے اتالیق تھے) موصوف نے مؤلف کو اپنی خدمت میں بلاکر اشعار کی موزونیت پر تحسین فرماتے ہوئے حوصلہ افزائی کے کلمات سے مخاطب کیا، چونکہ مؤلف

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ہمراہ ہوئے حج سے واپس آنے کے بعد ۱۳۳۹ھ میں رحلت کی، مؤلف نے ذیل کی تاریخ وفات موزوں کی۔

حیف صاحبزادہ عبدالرحیم: چوں ز دنیا سوئے عقبےٰ تافتہ: وقت فکر سال فوتش از نظر: گفت ہاتف، قصر جنت یافتہ: ۱۳۳۹ھ

[1] پورا قطعہ یہ ہے۔ زنگی بسپاہ و خیل لشکر نازد: رومی بسنان و تیر و خنجر نازد: عباس بہ ذوالفقار حیدر نازد:

جواب از اکبر اعظم۔ فردوس بسلسبیل و کوثر نازد: دریا بہ گہر فلک بہ اختر نازد: عباس بہ ذوالفقار حیدر نازد:

کونین بہ ذات پاک اکبر نازد۔ ۴۴ اکبر بہ خزینۂ پر از زر نازد:

کو فارسی استاد کی ضرورت تھی، اسلئے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر تکمیل فارسی کیلئے اپنا خیال ظاہر کیا، منظوری حاصل کرنیکے بعد، خاقانی، حکیم انوری، اور سلمان ساوجی کے چند قصائد کا موصوف سے درس حاصل کیا،

مؤلف کا سولہواں سال شروع تھا، ایک روز چیستان کے تذکرہ پر صاحبزادہ عبدالسمیع خانصاحب موصوف نے فرمایا کہ قدیم اساتذہ معما لکھ گئے، اب اس استعداد کے اصحاب نہیں رہے جو معما لکھ سکیں، مؤلف اسوقت خاموش رہا، رات کو غور کرکے دو چیستان موزوں کیئے، ایک کا جواب حنا تھا، اور دوسرے کا لالہ، صبح کو دونوں چیستان صاحبزادہ موصوف کے ملاحظہ میں لکھکر پیش کیں، منشی نیاز علیخاں استاد مرحوم نے بھی سُنیں اور سنکر بیحد تعریف کی، اشعار یہ ہیں

ماہ رویم ہمیں نشاں دارد ؎ سینہ اش داغدار قلب ہلال

چیست آں شے بگو برادر من ؎ قلب پُرخوں و رنگِ رُخ سرسبز

سلسلۂ ملازمت اسی زمانہ میں تکمیل بندوبست کے بعد پرگنہ کے دیہات کی کتابوں کی اردو سے ہندی میں نقلیں ہورہی تھیں جسکے لئے ریاست سے مستقل عملہ مقرر تھا، ہمجلیس احباب کے اصرار و ترغیب سے مؤلف نے ہندی لکھنے پڑھنے کی طرف توجہ کی، ایک ہفتہ میں مہارت حاصل کرنے کے بعد مؤلف بھی سلسلہ ملازمت میں داخل ہوگیا کام ختم ہونے پر بذریعہ سرٹیفکٹ مورخہ ۷ر اگست ۱۸۹۳ء صاحبزادہ عبدالرحیم خانصاحب بہادر مظفر جنگ ناظم سررشتہ نے مؤلف کے کام کے متعلق اپنی خوشنودی کا اظہار فرماتے ہوئے مستقل ملازمت کا وعدہ کیا،

اپریل ۱۸۹۵ء میں معتمد الملک معتمد خاص کپتان حافظ سید محمد خاں[۱] بہادر ظفر جنگ سررشتہ کی حکومت

---

[۱] بخشی سید نورالہدےٰ خاں بہادر ہیبت جنگ کے چھوٹے بیٹے، سادات قطبیہ محلہ قافلہ سے تھے،

پر تشریف لائے، امیدوارانہ حیثیت سے مؤلف بھی صاحب موصوف کی خدمت میں پیش ہوا، تحصیل میں جگہ ملی، اور چند روز کے لئے پٹواری مقرر ہوگیا، دیہات میں پھرنے سے جنگلات، قطعات کی وحشت، صحرائی جانوروں کی ہیبت نے مؤلف کو برداشتہ خاطر کیا، خاک پا لکھنؤ کا سبزہ زار چوک اور امین آباد کے ہموار و مصفا بازاروں کا گلگشت یاد آیا، اُسیوقت اپنے مستقر سے روانہ ہوکر سرونج پہنچا، اور ذیل کا قطعہ لکھکر ظفر جنگ بہادر ناظم سرونج کی خدمت میں پیش کیا،

کیا بتاؤں تمکو میں اپنا نشان زاد و بوم — حال کیا تم سے کہوں بیدادیِ صیاد کا
اتفاقِ آب و دانہ سے پھنسا آکر یہاں — قایل صحرا نہ تھا بلبل نصیر آباد کا

ظفر جنگ بہادر نے شاعرانہ شکوہ آمیز مضمون کو سمجھ کر اکتوبر ۱۸۹۶ء میں نائب رجسٹراری کی جگہ دی اس تقرر سے مؤلف کا قیام خاص سرونج میں رہا، ظفر جنگ بہادر علم دوست، اور مذاق سخن کے دلدادہ تھے، اسلیئے مشاعرے بھی ہوتے رہتے جسمیں مؤلف بھی استفادہ کی غرض سے شریک ہوکر مشق سخن کرتا رہا،

مئی ۱۸۹۸ء میں ممتاز الامرا معظم الملک صاحبزادہ محمد صدیق[1] خاں بہادر دلیر جنگ سرونج

(بقیہ صفحہ گذشتہ) نواب امین الدولہ بہادر کی نظر دنیں آپکا بڑا اعزاز تھا مئی ۱۸۹۸ء میں سرونج سے تبدیل ٹونک وہاں سے پڑاوہ وہاں سے پرگنہ نیماہیڑہ کی نظامت پر تبدیل ہوئے محرم ۱۳۲۵ھ میں طاعون کے شکار ہوکر راہی ملک بقا ہوئے مؤلف نے انتقال پر جو تاریخی قطعہ لکھا تھا وہ یہ ہے۔ حافظ سید محمد حنیف ؛ در محرم یکو فت کوس سفر ؛ آجلش از بہانۂ طاعون ؛ قافلہ را نمود زیر و زبر ؛ نتوانم کشید صورت غم ؛ آنچہ دیدم بفر قتش زنظر ؛ فخر ساداتِ قطبیۂ حق ؛ بود مرحوم باکمال ہنر ؛ ناظمے بود در زمان خلیل ؛ مقبل و ہوشیار، ودانشور ؛ ہم ظفر جنگ و خاص معتمدش ؛ خواند نواب با صفات ظفر ؛ انقلاب زمانہ زد اکنوں ؛ سنگ بر شیشۂ مئی و ساغر ؛ جز خموشی و صبر نیز رضا ؛ چارہ نیست از قضا و قدر ؛ مقدمش باد جنت الفردوس ؛ ہست تاریخ وہم دعا نظر ؛ ۱۳۲۵ھ — انکی اولاد میں حافظ سید محمد زبیر، سید محمد عمر، مولوی طلحہ، سید ابوبکر، سید علی بقید حیات ہیں ۱۲

[1] نواب امین الدولہ بہادر کے بھائی تھے، نظامت سرونج سے ۱۹۰۵ء میں ہوم ممبری کے اعلے عہدہ پر ترقی کے ساتھ تبدیل ہوئے، ۱۹۰۶ء میں انتقال کیا — ۱۲

کی نظامت پر تشریف لائے، مؤلف نے ذیل کے قطعہ کے ساتھ خیر مقدم کیا۔

اے دُرِ بحرِ شرف ناظم والا گوہر — پیشِ تابِ تو شدہ آبِ مصفا گوہر
ہر لطافت چو شود عکس فگن در دریا — عجبے نیست کہ گردد یدِ بیضا گوہر

صاحبزادۂ موصوف نے امتحان کامل کے بعد اوّل صیغۂ مال کی اہلمدی پر، اور ڈھائی سال کے بعد جدید انتظام کے سلسلہ میں مجسٹریٹی درجہ دوم کی سررشتہ داری پر حکمنامہ یکم نومبر ۱۹۰۰ء کے ذریعہ سے مامور کیا اُسوقت مؤلف کی عمر ۲۲ سال کی ہوچکی تھی، اسی زمانہ میں مؤلف نے شاہان اسلام کی جدول مع تواریخ تخت نشینی، وفات، اور مختصر حالات کے ساتھ ترتیب دینی شروع کی۔ ابھی تکمیل خلفاء بنی فاطمہ تک ہونے پائی تھی کہ بعض احباب سے معلوم ہوا کہ اس قسم کی ایک کتاب شائع ہوچکی ہے اس اطلاع نے مؤلف کی ہمت کو پست کردیا، اور سلسلۂ جدول ناتمام رہا جو اب تک مؤلف کے پاس محفوظ ہے

خانہ آبادی

ایک طرف مؤلف اپنے طالبعلمانہ جوش شباب میں آزادانہ علمی سیر و تفریح کی زندگی کا آرزومند تھا، اور دوسری طرف مشفق پدری خانہ آبادی کے حیلہ سے مؤلف کو اسیرِ دنیا کرنے کیلئے مائل تھے۔ ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۲ء کا زمانہ تھا کہ والد مرحوم نے وطن سے آکر سرونج کے ایک فاروقی شیخ کے خاندان میں مؤلف کی شادی کردی۔ رفتہ رفتہ علمی خیالات دل و دماغ سے رخصت ہونے لگے، اور رات کی کتاب بینی کا شوق شب عشرت میں مدغم ہوگیا، پھر عنقائے تخیل کی نہ وہ بلند پروازیاں رہیں نہ بہارستان سخن کی جلوہ ریزیاں،

مصروفِ شغل عیش پرستی تھا رات دن — دل میں نئی خیال کی دنیا لئے ہوئے

باپ کی وفات

تماشاگاہ عالم کی نیرنگیاں بھی عجب عبرت خیز و حیرت انگیز ہیں ایک رخ اسکا طرب خیزی کے ساتھ روح پرور ہے، تو دوسرا رخ غم انگیزی کے ساتھ قلب شکن ہے، اسکا روز روزِ عید ہے، تو شام شام ماتم کدہ ہے، یہ وہ دن تھے، کہ ہوائے سرو گل جوشِ عطریت کے ساتھ رنگ بار تھی سطح قلب پر عیش و مسرت کی بارشیں ہورہی تھیں، آنکھوں میں بہار تشبیب کا خمار چھایا ہوا تھا، کہ یکایک فراق پدری نے بزم عیش کو مجلس ماتم بنادیا

افسوس شادی کے جلوس کو ابھی ایک مہینہ پورا بھی نہ ہوا تھا اور جو گل دوستوں نے اخلاص و محبت کے جو ہار گلے میں ڈالے تھے وہ مرجھائے بھی نہ تھے کہ مؤلف کے چمنستان عشرت کو نظر لگ گئی محرم سنہ ۱۳۲۰ھ کی ۱۴ / اور اپریل سنہ ۱۹۰۲ء کی ۲۳ تاریخ تھی کہ مؤلف سراپا پیکر ماتم بنا ہوا تھا جو دوستوں بزرگوں کی صبر و شکر کی تلقین سے بھی عرصہ تک تبدیل نہ ہو سکا، ع - اے بسا آرزو کہ خاک شد

ذیل کے اشعار جو مؤلف کے مجروح دل و دماغ سے نکلے ہیں، جذبات غم کے صحیح ترجمان ہیں -

آمد پدرم بشادمانی   چوں مقدم گل بباغ شادی
ہر سوئے کہ من نظارہ کردم   پُر نور طرب چراغ شادی
دوراں کہ صد انقلاب دارد   زہر آبہ کند ایاغ شادی
گفتا پدرم کہ میتر نم کوس   زاں بعد کہ شد فراغ شادی
دلشاد نظر چگونہ باشم   غمدیدہ نمود داغ شادی

دیگر

اے خیرہ فلک بمن چہ دادی   چوں خاک بِرہ ہم بباد دادی ۱۳۲۰ھ
ظل پدرم ز سر ربودی   ظالم تو سرم بپا نہادی
زینگونہ تو یاد داغ پر داغ   زانساں کہ منم ز داغ شادی

جب دو چار روز کے بعد ہوش آیا تو دل غمزدہ کی تسکین کیلئے ذیل کے اشعار قلم سے نکلے -

من بودم از فراق پدر میکش غموم   کاورد دوش بر من غافل خمار غم
دستم بسر نہاد بزرگے بخواب و گفت   کاے نیک عزیز جان تو گہے غم مدار غم
غمدیدہ باش از غم روز حساب خویش   ایں نیست ہیچ غم کہ ز خویش و تبار غم
غمناک شو کہ زادِ رہم چیست در سفر   میکن چو میکنی تو ز روز شمار غم
نیکو بود فرست پدر را دعائے خیر   واز ارتحال او تو گہے غم مدار غم
غم خوار خویش باش اگر بتواں شدن   بر حالت زمانہ مکن زینہار غم
خود را ز دام عشوۂ دنیا نگاہ دار   دارد نہاں ہزار الم صد ہزار غم

یک بار گر دہد شکرت میکند فریب — حنظل دہد بکام و دہاں بار بار غم
گل را ببیں کہ گرچہ بگلشن شگفتہ است — دل خستہ دار دش ہمہ از نوک خار غم
پُرنور دیدۂ تو اگر مجلسِ سرور — نیکو نگہ کنی کہ کند بزم تار غم
آنانکہ آمدند بدینا چہ دیدہ اند — ناکامیِ زشادی و دیگر ہزار غم
گفتم بلے حدیث شما نوش جاں دہد — از دل نمیرود مگر ایں نیشدار غم
زخم دلم ببیں کہ خراشید تا جگر — چوں لالہ کرد سینۂ من داغدار غم
گفتا مزو کہ صبر گزیں تا صبور من — ہر دیدہ را نمود چنیں اشکبار غم
گفتم زمانہ داغ شود گر بیاں کنم — من ہرچہ دارم از ستم روزگار غم
گفتا کہ بر نصیحتِ من گوش کن نظر — دو چار نیست بلکہ، بدنیا ہزار غم

۱۳۲۰ھ

بیوی کا انتقال

باپ کی دوامی فرقت میں آنسو بہانے سے ابھی فرصت نہیں ملی تھی کہ ع گھر کیا سینہ میں نشتر نے جو پیکاں نکلا، یعنی رفیقۂ صحبت اور مونس خلوت نے بھی پدری مفارقت کے پورے دس ماہ بعد ۱۰ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ کو ایک ماہہ شیرخوار لڑکی چھوڑ کر جدائی اختیار کی مہینوں یہ قطعہ (جو مرحومہ کی تاریخ میں موزوں ہوا تھا) زباں پر جاری رہا۔

از صدمہ یادِ مہہ گانی — نے باغ طرب نہ زو بہارے
درگوشۂ غمکدہ نشاندہ — سنہ وائے مرا غم نگارے

۱۳۲۱ھ

نغمۂ تعزیت

کچھ دار زمانہ ہست ساقی — اے بادہ کش غرور ہشیار
یک ساغرِ مے دہد بسنت — در جام دگر ہلاہل مار
امروز اگر بدل رفیق است — در روزِ دگر عدوئے خونخوار
تاکے ز فراق سینہ کوبی — تاکے تپ غم ز ہجر دلدار
ہر کس کہ گذشت باز ناید — او را تو دعائے خیر کن یار

آدم کہ دریں جہان فانی — از دست اجل نہ رست زنہار

امید کراکہ جاں ببردم — از چنبر ایں سپہر دوّار

ایں آمد و شد زدور اوّل — داری بہ نظر کتاب و آثار

حرفے ز وفا نظر نہ ماندہ — غدّار بود زمانہ غدّار

مؤلف اگرچہ عدالت مجسٹریٹی درجہ دوم میں سررشتہ دار تھا لیکن صاحبزادہ دلیر جنگ بہادر مجسٹریٹ اوّل اپنے سررشتہ دار کی علالت کی بنا پر اپنی پیشی کا کام بھی مؤلف سے لیتے رہے ۱۹۰۳ء کی متحدہ کانفرنس گوالیار میں موصوف کے ساتھ مؤلف بھی شریک ہوا تھا۔ جولائی ۱۹۰۳ء میں صدیقی عہد نظامت ختم ہوکر، بدر الامراء اضیاء الملک صاحبزادہ شیر علیخاں[1] بہادر سرور جنگ چھبڑہ سے تشریف لائے طبیعت میں مذاق سخن بھی تھا، مؤلف نے ذیل کے اشعار کے ساتھ خیر مقدم کیا۔

قطعہ

ایکہ باباز وئے اقبال دلیر آمدۂ — زورمندی کہ زہر کس نہ بزیر آمدۂ

صولتِ نام تو کردست پلنگاں در کوہ — آرے، آرے کہ تو بر شیر چو شیر آمدۂ

تاریخ

آمدی چوں از پئے نظم سرونج — تہنیت گفتند ارباب قلم

کشت امید رعایہ سبز شد — گشت بستاں رشکِ گلزارِ ارم

ہم نظر تاریخ خیرِ مقدمت — آمدہ شیر علیخاں، زد رقم

اور بھی چند قطعات و قصائد مناسب مواقع پر لکھکر پیش کئے گئے،

موصوف علم و ادب کے قدردان تھے اسلئے انکے عہد میں اکثر مشاعرے ہوتے رہے، علمی و تاریخی مضامین کی بھی انجمن قائم تھی، مؤلف جسکا سکرٹری تھا، مؤلف سرور جنگ بہادر کی علم دوستی کا شکر گذار ہے جسکے بہار آفریں عہد میں افسردہ دلی دور ہوکر علمی و ادبی مشاغل کی طرف مؤلف کو ازسرِ نو متوجہ ہونا پڑا، دل کا شگفتہ ہونا تھا کہ مضامین نگاری کی طرف طبیعت راغب ہوئی، علمی تاریخی اخلاقی مضامین مؤلف کے قلم سے بیشتر نکلے، اور وہ رسالوں، اخباروں میں بھی شائع

[1] سرداران ریاست میں سے حسین تر، وسیع الاخلاق اور مہذب ہستی کے انسان تھے شعر بھی خوب کہتے شیر تخلص تھا!!

ہوئے، اکثر نظمیں بھی رسالوں میں مطبوع ہوئیں، طبیعت نے گلزار صحافت میں اسطرح دوسری مرتبہ جنم لیا تھا کہ عزیزان وطن کے تقاضوں سے مجبور ہوکر ۱۹۰۴ء میں وطن پہنچکر مؤلف نے دوسری شادی کی، لیکن ملازمت کی قید نے ایک ہی مہینے کے اندر سرونج کی واپسی پر مجبور کیا، شادی کو چند مہینے گذرے تھے کہ عزیزان وطن نے اس دوسری بیوی کے بھی انتقال کی اطلاع دی، وطن پہنچا اور مرحومہ کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر ماتمی صورت میں سرونج واپس آگیا، ع۔ روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد۔ اس واقعہ کے قریب تر زمانہ میں مؤلف کے بہنوئی مولوی عبدالحلیم مرحوم نے[1] چھبڑہ میں رحلت کی، بہن تین بھانجوں اور ایک بھانجی کی کفالت کا بار مؤلف کی طرف منتقل ہوگیا، جسکا سلسلہ ۱۹۱۸ء تک برابر قائم رہا اسکے بعد عبدالحی خواہر زادہ نے ملازمت اختیار کرنیکے بعد مؤلف کو اس بار کفالت سے سبکدوش کیا۔ چونکہ ضرورت تھی کہ تنہائی میں کسی غمخوار کی رفاقت حاصل کیجائے اسلئے اس مرتبہ مؤلف نے وطن پہنچکر اپنی تحریک سے ۱۹۰۸ء میں تیسری شادی کی جو بفضلہ تعالیٰ آجتک خانگی معاملات میں مؤلف کی معین و مددگار رہے اور صاحب اولاد بھی ہے، مؤلف کے اسوقت تک چار بیٹے ہیں جنکے نام یہ ہیں۔ امین اللہ، امین الرشید، امین الحسن، امین الرحمن، مجروح و شکستہ دل اصحاب اندازہ کرسکتے ہیں کہ ان تمام متواتر حادثات و واقعات کے ساتھ علمی و ادبی مشاغل کجا، مؤلف کا زندہ ہی رہنا تعجبات سے ہے۔

یک من و خیل آرزو دل بچہ مدعا نہم | تن ہمہ داغ دار شد پنبہ کجا کجا نہم

۱۹۰۶ء میں نقیر سید افتخار الدین مرحوم پنجابی (جو بعد میں گورنمنٹ ہند کی طرف سے سفیر ہوکر افغانستان گئے تھے) ٹونک کی ریذیڈنسی پر مامور ہوکر سرونج آئے، احمدی پریس میں معائنہ کے سلسلہ سے جس وقت داخل ہوئے ذیل کا قطعہ چھپ رہا تھا،

اے افتخار دودمان وے سید والا گہر | خوش آمدی در شہر ما صد مرحبا صد مرحبا

[1] اپریل ۱۹۰۴ء میں مرض طاعون نے پرگنہ چھبڑہ پر سخت حملہ کیا آپ وہاں سٹے کی تجارت کرتے تھے عقیدت کے مضبوط تھے اسلئے لوگوں کی فہمائش پر بھی نقل مکونت اختیار نہ کی، انیز خود بھی مبتلا ہوکر منزل آخرت کو روانہ ہوگئے، عبدالحی علیگ و عبدالعزیز بی۔ اے اور ایک بیٹی یادگار ہیں ۱۲

باشد مبارک مقدمت چون مقدم گل در چمن　　ازما و اہلِ شہر ہا ہم از چمن ہم از صبا

خوش ہو کر چند کا پیالہ اٹھا لیں، شاعر کو دریافت کیا تو ناظم سرونج بہادر نے مؤلف کو پیش کردیا، چند ضروری سوالات کے بعد فقیر صاحب نے فرمایا، اگر تم لاہور جانا چاہو تو فی الحال انجمن حمایت اسلام لاہور میں ایک سو روپیہ ماہوار پر سفارش کرسکتا ہوں، شکریہ ادا کرنیکے بعد مؤلف نے ریاست کے آب و نمک کو ترجیح دیتے ہوئے انکار کیا، ابھی ۱۹۰۷ء کے اختتام میں کچھ مہینے باقی تھے کہ مولوی سید علی اصغر صاحب المخاطب امیر الانشا دبیر الملک معتمد الخاص، اعتماد اختصاص سرونج کی نائب نظامت پر آئے، مؤلف کو بھی شرف نیاز حاصل ہوا، موصوف کی علمی نکتہ سنجیوں، ادبی نقش آرائیوں اور تقریر کی سحر طرازیوں نے سرونج کی بزم ادب میں ایک تازہ روح پھونکدی، بقدر استعداد مؤلف نے بھی استفادہ کیا،

۱۹۰۸ء میں مؤلف کا تبادلہ پرگنہ چھبڑہ کی عدالت مجسٹریٹی کا درجہ اول میں ہوگیا۔ سرونج وطن ثانی ہوچکا تھا، اسلئے اسکی جدائی شاق گذری، اور پونے دو سال عاشق مہجور کی طرح گذرا، وحشت اور درد جدائی کی حالت میں مؤلف نے فراق نامہ سرونج کے نام سے ایک نظم لکھی جسکے تین شعر بطور نمونہ درج ذیل ہیں:-

کہاں کوہِ چھبڑہ کہاں لکھنؤ　　غنیمت ہیں پھر مردمانِ سرونج
مقدر میں یہ دامنِ کوہ تھا　　کہ جسمیں نہیں کچھ بھی شانِ سرونج
پہنچتا ہے کب دیکھئے مرغ شوق　　ہے اونچا بہت آشیانِ سرونج

خوش قسمتی سے ۱۹۰۹ء کا سال مؤلف کے حق میں مبارک ثابت ہوا، نواب امین الدولہ بہادر بجمیع القابہ دورہ کے سلسلہ سے چھبڑہ رونق افروز ہوئے، مولانا مولوی سید احمد مغربی التونسی معروف مغربی صاحب بھی ہمراہ تھے، جن سے مؤلف کو عقیدت تھی اور جو سرکار عالی کی نظروں میں معزز اور مقبول تھے، انکے ذریعہ سے مؤلف نے ایک دعائیہ قصیدہ استدعائے تبادلہ کی درخواست کے ساتھ دربار میں حاضر ہوکر پیش کیا، جو استاد ذوق مرحوم کے مشہور دعائیہ قصیدہ کی طرز پر

لکھا گیا تھا، جسکے دو بند قارئین کرام کی تفریح طبع کی خاطر درج ذیل ہیں،

رہے تا حضرت صدیقؓ کو شہرت صداقت سے ۔ رہے نام عمرؓ کو تا شرف نظم و عدالت سے
ہو روشن نام عثمانؓ تا حیا و حلم و دولت سے ۔ علیؓ کا نام ہو مشہور تا علم و شجاعت سے
صداقت تیرا شیوہ اور عدالت تیرا جوہر ہو ۔ تحمل تیرا مغفر اور شجاعت تیرا خنجر ہو

رہے معشوق کی عشاق کو تا جستجو باقی ۔ رہے ہجر و وصال یار کی تا گفتگو باقی
گہر ہائے مضامین کی رہے تا آبرو باقی ۔ رہے اہل زبان میں تا زبان لکھنؤ باقی
نظر مدحت سرا ہو اور تو ممدوح اکبر ہو ۔ شرف پر تیرا اقبال ہو تا بندہ اختر ہو

درخواست تبادلہ منظور ہوئی اور مؤلف سرونج واپس آگیا ۔

۱۹۱۲ء میں نواب امین الدولہ بہادر دورہ کی تقریب سے سرونج رونق افروز ہوئے اسوقت ذیل کی رباعی سے مؤلف نے خیر مقدم کیا پچاس روپیہ انعام میں ملے ۔

ایکہ باشوکت و اقبال و حشم آمدۂ ۔ مرحبا خیر ز سر تا بقدم آمدۂ
غنچۂ دل نشود چوں طرب انگیز خلیل[1] ۔ آرے آرے کہ سراپا تو کرم آمدۂ

فروری ۱۹۱۳ء کے انتظامی سلسلہ میں مؤلف دوبارہ چھبڑہ تبدیل ہوا، جہاں اس مرتبہ گیارہ سال مقیم رہا، پرگنہ چھبڑہ میں کام کم تھا اسلئے فرصت کے اوقات سے فائدہ اُٹھا کر اپنے منتشر منظوم کلام کی ترتیب میں مصروف رہا، چونکہ اشعار کی تدوین کا خیال ابتدا میں نہ تھا اسلئے تمام نظمیں محفوظ نہ رہ سکیں، تلاش سے جس قدر مسودات ہاتھ آئے انکو ترتیب دیکر دیوان کی صورت میں جمع کرلیا جسکا نام تجلیات نظر ہے ۔ لیکن منظوم کلام نہ مؤلف ہی کیلئے کار آمد ذخیرہ ہے اور نہ آنیوالی نسلوں کے لئے، اب پچاس سال کے بعد آنکھیں کھلیں تو افسوس کے ساتھ اسکا اعتراف ہے کہ دماغی طاقت کے زمانہ میں کوئی ایسا مفید کام انجام نہ پا سکا جسکے صلہ میں مخلوق خدا سے دعاؤں کے پھول اور پھل ملتے ۔ چھبڑہ کے رہنے والے یا چھبڑہ میں گذر کرنیوالے اصحاب

[1] سرکار رعالی کا تخلص ہے ۔ ۱۲

مؤلف کی دو یادگاریں وہاں دیکھیں گے، جامع مسجد میں جو لوگ نماز ادا کرکے صدر دروازہ کیطرف رُخ کرینگے تو انکو ایک پتھر کی تختی پر "هٰذَا بَيْتُ اللّٰهِ الْقَوِيِّ" عربی خط میں کندہ نظر آئے گا، جو مسجد کی توسیع کی تاریخ ہے، دوسری یادگار ایوان نظامت کی تاریخ ہے جو سنگی لوح پر نقش ہو کر ایوانِ نظامت کے بالاخانہ پر وصل ہے، جسکے اشعار یہ ہیں۔

این قصر لاجواب بعہد سعید دینؔ[۱] | بانسن وضع و زیب چہ تعمیر شد نظر
از نسبت تخلص فرمانروائے ٹونک | شد خانہ خلیل، چہ تاریخ مختصر

۱۳۳۵ھ میں صاحبزادہ اسمٰعیل علیخاں کی ولادت پر نواب امین الدولہ بہادر نے بہت زیادہ مسرت کا اظہار فرمایا، کئی روز جلسے رہے، قصائد وغیرہ شعراء نے پیش کئے، مؤلف بھی ٹونک پہنچا سات تاریخیں اور ایک قصیدہ پیش کش کیا، ایک سو روپیہ انعام میں ملے۔

۱۹۲۰ء میں مولانا انوار الحق بجنوری پولیس سپرنٹنڈنٹ (حال وکیل ماموڑہ ایجنٹی دہلی) کی قانونی صحبت رہی، اس اثر سے مؤلف نے قانون دیکھنے اور اسکے سمجھنے کیطرف مزید کوشش کی، جب قوانین میں کچھ استعداد ہو گئی تو طبیعت نے قید ملازمت سے آزادی چاہی، اسی زمانہ میں مؤلف کے خلاف مالِ لاوارث کے متعلق دربار عالی کو کچھ اطلاعات پہنچیں، مؤلف قبل تحقیقات معطل ہوا، عالیجناب صاحبزادہ عبد الوہاب خاں بہادر معتمد جنگ جوڈیشل ممبر کے سپرد تحقیقات ہوئی، نتیجہ میں مؤلف بری ہوا، ملازمت سے دل برداشتہ ہو گیا تھا اسلئے جوڈیشل ممبر بہادر موصوف کے مشورہ اور سفارش سے سند وکالت باستثنائے امتحان دربار سے حاصل کرکے ملازمت سے سبکدوش ہو گیا، کچھ مدت چھبڑہ میں وکالت کی مشق کرکے ۲۲ جولائی ۱۹۲۲ء کو سرونج آ گیا، ریاست کے قدیم آب و نمک نیز دار الاسلام کی پُر امن چار دیواری کے لحاظ سے آبائی وطن کو خیرباد کہتے ہوئے سرونج میں مکان بنوا کر مستقل سکونت اختیار کر لی۔

ع ۔ بلبل ہمیں کہ قافیہ گُل شود بس است ۔ اپنی عمر کے ۵۰ منازل طے ہو چکے ہیں، ادعا

[۱] شیخ سعید الدین ناظم، قصبہ مہم ضلع رہتک کے باشندہ تھے، انکا انتقال ہو چکا ہے ۱۲

ہے کہ زندگی کا باقی حصہ فارغ البالی اور خدا و رسول صلعم کے احکام کی اتباع میں بسر ہو۔

قصرِ جنت ہو جان کی سیر ہو ہے دعا بس خاتمہ بالخیر ہو

۲۷ سال کا زمانہ مؤلف نے ملازمت میں گذارا، خانگی زندگی سے قطع نظر یہ سوال باقی رہتا ہے کہ مؤلف نے اس عرصہ میں فرائض منصبی کے لحاظ سے سرکاری خدمات کو کس پیمانہ پر انجام دیا، حکام کے کیا خیالات رہے، مؤلف اپنی زبان سے ان باتوں کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھتا، اسمیں خودستائی کا شائبہ ہے، اسلئے قارئین کرام کی آگاہی کے لئے پچاسوں سرٹیفکٹوں میں سے جوڈیشل لائن کے سب سے اعلے اور معزز رکن ریاست کے صرف ایک سرٹیفکٹ کے درج کرنے پر اکتفا کیجاتی ہے، مؤلف اپنی نااہلی کی بنا پر ان الفاظ سے شرمندہ ہے، جو اسکی نسبت ظاہر کئے گئے ہیں، لیکن تصدیق کرنے والا اسکا جواب دیسکتا ہے کہ الفاظ کی صداقت اور واقعیت کہانتک ہے۔

{ نقل سرٹیفکٹ از اجلاس عالیجناب نجم الامرا احتشام الملک حافظ حاجی، قاری، مولوی، صاحبزادہ عبدالوہاب خانصاحب بہادر صفدر جنگ جوڈیشل ممبر ریاست ٹونک (راجپوتانہ) }

۱۳ جون ۱۹۱۷ء کمپ چھبڑہ۔ ہم منشی سید احمد مرتضیٰ سررشتہ دار مجسٹریٹی درجہ اول چھبڑہ کی کارگذاری و لیاقت کے بہت پہلے سے معترف ہیں، لیکن بسلسلۂ دورہ ۹ اور ۱۰ جون ۱۹۱۷ء کو جبکہ عدالت مذکور کے سیاقی و سباقی کاغذات کے معائنہ کا اتفاق ہوا تو واضح ہے کہ عدالت میں یہی تنہا ایک اہلکار ہے، خدمت سررشتہ داری کے علاوہ الہدی تعمیل نگاری، روزنامچہ نویسی، اور نظارت کی اہم ذمہ داری کا بار بھی اسی کے سر ہے، باوجود اسقدر مصروفیت کے اسکا تمام کام خصوصاً اسکے عہد کے نظارت کا کام اور حساب و کتاب نہایت صاف اور باقاعدہ دیکھا گیا مثل کے معائنہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب سے نظارت کا کام سررشتہ دار مذکور کے چارج میں آیا ہے بمقابلہ عہد سابق سہر مدکی آمدنی میں خاص ترقی ہوئی ہے، جس سے سرکاری خیرخواہی اور امانت داری کا بھی اظہار ہوتا ہے، فوجداری میں معلومات وسیع ہے، تجربہ اور علمی لیاقت کے سوا اردو انشا پردازی

کا لائق ادیب اہلکار رہے۔

اسناد کے ملاحظہ سے واضح ہے کہ اس کی ملازمت کا سلسلہ ۱۸۹۴ء سے شروع ہو کر اکتوبر ۱۹۰۸ء تک صیغہ مال کی مختلف خدمات کی انجام دہی میں گذرا، اور اسکے بعد نومبر ۱۹۰۸ء سے فوجداری صیغہ میں مستقل سررشتہ دار ہے - ۱۹ مقامی افسروں نے اسکی قابلیت، ذہانت اور کارگذاری کی تصدیق کی ہے، بعض نے تحصیلداری کے عہدہ کی بھی سفارش کی، مگر اس نے ابتک اپنی لیاقت کے موافق ترقی نہیں پائی، اپریل ۱۹۱۷ء میں سررشتہ دار مذکور کے حاضری ٹونک کے موقع پر ہم نے اسکی ترقی کی سفارش میں عرضداشت سرکار والاجاہ میں پیش کی تھی، لیکن ہم کو افسوس رہا کہ کسی عہدہ کے خالی نہ ہونے کی وجہ سے ناکامی رہی، دیگر سررشتہ داروں کے مقابلہ میں اسکی علمی لیاقت اور مستعدانہ کارگذاری کو خاص امتیاز حاصل ہے، سررشتہ دار مذکور کے تمام اوصاف سے ہم نہایت درجہ خوش ہیں، اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ کسی مناسب موقع پر ضرور ترقی عہدہ کی سفارش کریں گے، وہ عدالت نہایت خوش قسمت ہے کہ جہاں ایسا تجربہ کار، معاملہ فہم اور قابل اہلکار موجود ہو فقط ۱۳ جون ۱۹۱۷ء

تاریخ سرونج

اب کہ عمر ۵۰ سال سے تجاوز کر گئی ہے، قوے میں انحطاط شروع ہو گیا، دماغی طاقت جواب دے چکی، خانگی فکریں بڑھ گئیں، وکالت کی ذمہ دارانہ مصروفیتوں نے تفریحی اوقات پر بھی قبضہ کر لیا، تو باسی کڑھی میں از سر نو ابال آیا، یعنی فرسودہ دماغ نے سرونج اور مالوہ کی تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا جسکے لیئے صحیح الدماغ ہونے کی لازمی شرط ہے اور یہاں یہ حال ہے ؎

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب

اب عناصر میں اعتدال کہاں

چونکہ ارادہ مصمم ہو چکا تھا، اس لئے کارساز حقیقی کے بھروسہ پر باجازت حضور نواب امین الدولہ بہادر بجمع القابہ تاریخ کی ترتیب میں مصروف ہو گیا، خدا کا لاکھ لاکھ

شکر ہے کہ ڈھائی سال میں ترتیب سے فرصت پاکر، کتاب رئیسِ اعظم نواب امین الدولہ بہادر کے ملاحظہ میں پیش کردی گئی، جس نے سرونج کے نام کو زندہ کردیا ہے، شاعری کے بجائے یہ خدمت کارآمد ہے، بشرطیکہ خداوند عالم اور اس کے بندوں کی طرف سے سند قبولیت حاصل کرے، یہی اس کا حقیقی صلہ بھی ہے اور بس۔

مقصود صحبت است ز گل ورنہ بوئے گل
انصاف اگر بود ز صبا میتواں شنید (فغانی)

عبارت آرائی اور انشا کے لحاظ سے یہ حقیر تالیف گو مشہور اہل قلم کی نقش آرائیوں اور سحر طرازیوں کے مقابلہ میں پست اور بے رونق ہے۔ جس کا خود بھی مؤلف کو اقرار ہے، تاہم یہ ایک فرسودہ دل و دماغ کے خیالات پریشاں کا یادگاری مجموعہ ہے، جو شرفِ قبولیت کا محتاج ہے۔

غرض نقشیست کز ما یاد ماند
کہ ہستی را نمی بینم بقائے
مگر صاحب دلے روزے برحمت
کند در کار درویشاں دعائے (سعدی)

فقط

تمنا بالخیر

قطعات تواریخ کتاب آثار مالوہ

تاریخ از رشحات قلم صاحبزادہ مولوی ضیاء اللہ خاں صاحب افسر اڈِٹ ڈپارٹمنٹ ریاست رامپور نبیرہ مولوی غلام جیلانی خاں بہادر مرحوم

کچھ اس طرح نظر نے کئے جمع واقعات — تصویر خط و خال بیاض سرونج ہے
تاریخ کی اگر ہے تمہیں جستجو ضیا — کہدو مورخوں سے ریاض سرونج ہے
۱۳۴۵

تاریخ نتیجۂ افکار جناب صاحبزادہ مجد الدین خانصاحب نبیرہ صاحبزادہ رطب الدین خانصاحب مرحوم جاگیردار سرونج اولاد مولوی غلام جیلانی خاں بہادر

تاریخ لکھی نظر نے کیا خوب — کیا طبع رسا ہے کیا نظر ہے
کوزہ میں کیا ہے بند دریا — ارباب قلم کو کچھ خبر ہے
تحقیق کی جان ہے سراپا — تنقید کی روح جلوہ گر ہے
تعدیل کا گویا اک مرقع — تصویر درایت و خبر ہے
شاہد ہے بہار روئے انشاء — گلزار ادب کا اک ثمر ہے
وجدی نے بھی سیر کی ہے اسکی — تاریخ مفید و مختصر ہے
۱۳۴۵ھ — ۱۳۴۵ھ

ولہٗ

آثار مالوہ، کہ طباعت پذیر ہست — تاریخ حضرتِ نظرِ بےنظیر ہست
گر فکرِ سال ہست بگو وجدی حزیں — تاریخ وسط ہند سرور ضمیر ہست
۱۳۴۵ھ

قطعہ تاریخ از خامہ گہربار منشی شیخ واحد علیصاحب زار انصاری ملکانوی گرداور قانون گوئے سرونج

شکرِ خدا بہار رسید و خزاں گذشت — صبح مسرت آمد و برگشت شام غم
دیدم جمالِ چہرہ خورشید مدعا — بیدار گشت طالع و روشن شد اخترم
یعنی کہ خامۂ نظرِ داستاں نگار — صورت کشید دلکش خال و خط ارم
تالیف کرد نسخۂ آثار مالوہ — گوئی بہ انکشاف نظیر ست جام جم
صد آفریں بحسنِ بیان و خیال فکر — صد مرحبا بشوکت و زیبائی رقم
آراست سوئے شاہد تاریخ اینچنیں — در موئے زلف ماندہ آں پیچ نے خم
مقبول شد کتاب بچشمِ رئیسِ ٹونک — قدرِ گہر فزود بہ نقادی رقم
یارب نصیب زیورِ حسن قبول باد — تا ہست رسم سلسلۂ نامہ و قلم
تاریخ طبع تذکرہ بے بہا ز زار — ماند بیادگار بہار خطِ رقم
۱۳۴۵

ولہٗ

چمن چمن کے تازہ کلیاں ہر ایک گلستاں سے — ذوقِ نظر کے خاطر باد نسیم لائی
گلچین کا وہ فسانہ اور یہ نظر کی تاریخ — اے عندلیب ناداں نغمہ چہ می سرائی
وہ غنچۂ طرب ہے یہ غنچۂ ادب ہے — پھیکا ہے رنگ اسکا اس میں ہے روشنائی
کلیاں ہیں رات بھر میں پژمردہ ہو گئی — تاریخ کی ہمیشہ قایم ہے رونمائی

آثار مالوہ نے زندہ کیا ہے اُنکو — نام ونشاں سے جنکے واقف نہ تھی خدائی
کیا شوخیاں بھری ہیں مضمون کی سادگی میں — طرزِ ادا ہے دلکش بندش میں ہے صفائی
ہر اک سطر کشش میں ہمشکل کہکشاں ہے — ہر ایک لفظ اُسکا ہے نافہ خطائی
گوہر کی آبداری جملوں سے ہے نمایاں — ہے خال وخط سے پیدا اک شانِ دلربائی
دیکھیں کتاب لیکر کان ادب کے ریزے — ہو نا قدانِ فن کو گر شوق آشنائی
شاخِ قلم وہی ہے مضمون سے ہو جو مثمر — خوش رنگ خوش مزہ ہو تحسین ہو رونمائی
تقریظ ہو چکی بس تاریخ بھی ہو موزوں — دکھلاؤ ذرا اسمیں کچھ طبع کی رسائی
کہدو ہوئی مکمل تاریخ وسط ہند اب — جسکا ہے صفحہ صفحہ اک معجزہ نمائی
۱۳۴۵ھ

قطعۂ تاریخ از شاعر نازک خیال منشی عرفان محمد خانصاحب ناطق مالوی سرونجی اہلکار تحصیل شرقی

جسطرح قطرۂ ناچیز کی طغیانی سے — بحرِ زخار میں ہوتا ہے تلاطم پیدا
ہے یہی حال اُن ارباب نظر کا ناطق — جنکی افتاد طبیعت ہے بلند وبالا
جب کسی شخص سے سنتے ہیں کوئی کام کی بات — کان اُس بات پہ دھرتے ہیں ضرورت سے سوا
چاہتے ہیں کہ یہ بیکار نہ جانے پائے — راہ میں پاتے ہیں تنکا بھی اگر کوئی پڑا
قطرہ قطرہ کو بصد سعی اکٹھا کر کے — دوسروں کیلئے کرتے ہیں فراہم دریا
ایسے ہی لوگ سرمایۂ عقل ودانش — ایسے ہی لوگ ہیں سرچشمۂ فرہنگ وذکا
ایسے ہی اہل نظر میں ہے نثار کی ہستی — جس پہ جتنا بھی کیا جائے تفاخر ہے بجا
شہر سیرنج[1] کہ اول بعض مقامات سے ہے — جسکی روداد پہ مدت سے پڑا تھا پردہ
بارک اللہ کہ اس قریۂ گمنامی کو — آپ نے خلعت جاوید عطا فرمایا
اب وہ ہر شخص کہ نسبت جسے اس خاک سے ہے — اپنے اسلاف کے حالات سے واقف ہوگا
اب وہ ہر شخص مری طرح سے ہوگا دلشاد — مثل میری جو ہے گلزار وطن کا شیدا

[1] سیرونج، سرونج کا اشباع ہے، جو جائز ہے ۱۲۔

اب مرے جسم میں پیدا ہوئی اک تازہ روح | اب مری نسبتِ خاکی کو ہوئی نشو و نما
لوگ سن سننگے روایات قدیمیہ میری | اب مری عظمتِ رفتہ کا کرینگے چرچا
پوچھے ناطق جو کوئی تم سے وطن کی تاریخ | کہدو برجستہ کہ ہے نادرو دلکش نسخہ
۱۳۲۰ھ

قطعہ تاریخ از طبع نقاد منشی غلام شاہ خانصاحب منتظر سرونجی مہتمم کسٹم بھوپال

خوب کی تصنیف تاریخ آپ نے | سید احمد مرتضےٰ صاحب نظر
اہل سیرونج اور اہل مالوہ | منتظر جسکے تھے ہر شام و سحر
روشنی میں سب وہ حالات آگئے | عالم ظلمت میں تھے جو مستتر
جستہ جستہ جسقدر تھے واقعات | ہوگئے مجموع سب قرطاس پر
دیکھکر پاکیزگی تحریر کی | خود بخود شرما گئے گلہائے تر
کس قدر شستہ ہے انداز بیاں | اللہ اللہ خامۂ جادو اثر
جملہ جملہ جوہر کانِ ادب | نقطہ نقطہ حاصلِ کسب ہنر
جب ہوئی منتظر کو فکرِ سالِ طبع | حسب ارشادِ گرامی نظر
ہاتف غیبی نے خوش ہو کر کہا | کیجئے رقمی صفت سے مختصر
۱۳۲۵ھ